Scanned with CamScanner

1

باسمہٖ تعالیٰ شانہٗ

اللطیف ویلور

۴۸ واں شمارہ

سالنامہ ۱۴۳۰ھ 2009ء

بیادگار

شیخ المشائخ اعلیٰحضرت مولانا مولوی ابوالنصر قطب الدین سید شاہ محمد باقر قادری

رحمۃ اللہ علیہ سجادہ نشین مکان حضرت قطب۔ ویلور

مولانا مولوی ابوصالح عماد الدین سید شاہ محمد ناصر قادری

رحمۃ اللہ علیہ المعروف بہ میراں پاشاہ

جشنِ طلائی نمبر

۱۳۸۰ھ پچاس سال ۱۴۳۰ھ

مدیر مؤسس

حضرت اقدس مولانا مولوی ابوالحسن صدر الدین سید شاہ محمد طاہر قادری رحمۃ اللہ علیہ

تاریخ اجراء: ۱۵ شعبان المعظم ۱۴۳۰ھ مطابق 2 اگست 2009ء بروز اتوار

○ سرپرست

مولانا مولوی ڈاکٹر ابو محمد سید شاہ محمد عثمان قادری یم اے، پی ایچ ڈی، بی کام،

ناظم دارالعلوم لطیفیہ۔ حضرت مکان۔ ویلور

○ معاون

سید شاہ محمد طاہر قادری

○ مدیرانِ مسئول

حضرت مولانا مولوی پی محمد ابو بکر ملیباری لطیفی قمری مدرس دارالعلوم لطیفیہ ویلور

مولانا مولوی حافظ ڈاکٹر ابو النعمان بشیر الحق قریشی یم اے، پی ایچ ڈی، مدرس دارالعلوم لطیفیہ ویلور

○ نمائندگان طلباء

۱	مولوی حافظ مظفر بیگ	زمرہ سابعہ	گڑیاتم	ٹمل ناڈو
۲	شبیر احمد	زمرۂ سادسہ	ویلور	"
۳	نواز احمد خان	زمرہ خامسہ	بنگلور	کرناٹک
۴	سید عبدالرزاق قادری	زمرۂ ثالثہ	گنتکل	آندھرا
۵	حافظ مولا علی	شعبۂ حفظ	بنگلور	کرناٹک
۶	حافظ سید مزمل	"	"	"
۷	حافظ سید امین الدین	"	کڈپہ	آندھرا
۸	حافظ سید عرفان	"	ملباگل	کرناٹک

فہرستِ مضامین سالنامۂ اللطیف گولڈن جوبلی نمبر ۱۴۳۰ھ 2009ء

باب اوّل

منظومات

چمنستان لطیفیہ
خصوصی گوشہ
بیادگار جشنِ طلائی نمبر

باب دوم

منظومات

حضرت مولانا قدوۃ السالکین رکن الدین سید شاہ ابوالحسن قربی ویلوری علیہ الرحمہ
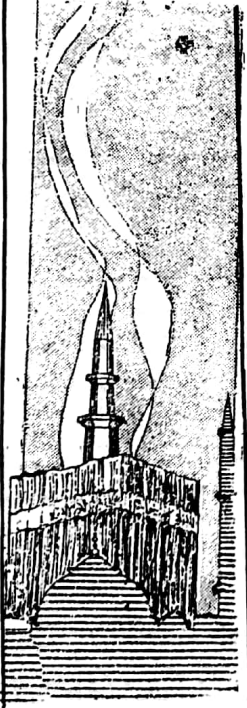
اب[1] انا الحق بولنے شکنا عبث
دل ہیں کچھ ہور موں پہ کچھ رکنا عبث

میں خدا ہوں کیوں نہ کہنا یالیقیں
وہم کے آتش اُپر پکنا عبث

ہر مزہ کی بات اپنے سات بول
راز کم فہماں منے بکنا عبث

جب کہے العلم سترُ اعظمُ
علم جو پردا ہے اوسکنا عبث

عشق کی نعمت[2] کا جن پایا مزہ!
لذتِ دنیا کو اوچکنا عبث

جب فنا ہے غیر حسنِ لازوال
اندہو ہر خوب کو تکنا عبث

قربی اس نکتہ کا تو تکرار کر
اب انا الحق بولنے شکنا عبث

[1] یہ غزل باقر آگاہ کے تذکرہ تحفۃ الحسن فی مناقب السید ابی الحسن میں بطورِ نمونہ دی گئی ہے۔ [2] رحمت

پیش کش: سید محمد طاہر قادری

وَاعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ یَحُوْلُ بَیْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهٖ

خوب سمجھو کہ خدائے تعالےٰ آدمی اور اس کے دل کے درمیان حائل ہوتا ہے

کچھ اپنا پتہ اس نے بتایا تو نہیں
اب تک اس کا سراغ پایا تو نہیں
ملتی ہوئی ہے دل کی کھٹک آہٹ سے
دیکھو دیکھو، کہیں وہ آیا تو نہیں

وَاُفَوِّضُ اَمْرِیْ اِلَی اللّٰهِ

میں اپنا ہر کام خدائے تعالےٰ کے سپرد کرتا ہوں۔

ناحق پھر پھر کے سر پھرایا میں نے
اپنی کوشش سے کچھ نہ پایا میں نے
طوفان میں ہے کشتیٔ امید مری
لے تو ہی سنبھال ہاتھ اٹھایا میں نے

اُدْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَکُمْ

تم دعا کرو میں قبول کرتا ہوں

ہر دم اُس کی عنایت تازہ ہے
اُس رحمت بغیر اندازہ ہے
جتنا ممکن ہے کھٹکھٹائے جاؤ
یہ دستِ دعا خدا کا دروازہ ہے

رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ

اے رب ہم پر بوجھ مت لاد ہم میں بوجھ اٹھانے کی طاقت نہیں ہے

ہر گام پہ چکرا کے گرا جاتا ہوں
نقشِ کفِ پا بن کے مٹا جاتا ہوں
تو بھی تو سنبھال میرے دینے والے
میں بارِ امانت میں دبا جاتا ہوں

ادارہ

خانوادۂ اقطابِ ویلور کے مورثِ اعلیٰ حضرت سید شاہ عبداللطیف قادری بیجاپوری (۱۱۴۹ھ) کی صلبی اولاد کے اختتامی سلسلہ کی ایک زرین کڑی حضرت مولانا ابوالحسن صدرالدین سید شاہ محمد طاہر قادری (۱۹۸۶ء) سابق ناظم دارالعلوم لطیفیہ ویلور کی ذات گرامی ہے جو ایک علم پرور، ادب نواز اور متحرک و فعال شخصیت تھی۔ جنہوں نے ۱۳۸۰ھ میں سالنامہ "اللطیف" جاری کیا۔ جو اس وقت اپنی عمر کے پچاسویں بہار سے لطف اندوز ہو رہا ہے۔ نصف صدی کا سفر طے کرنے کی وجہ سے موجودہ شمارہ کو خاص نمبر کی شکل میں پیش کیا جا رہا ہے۔ جو "اللطیف" کے جشنِ زریں کی حسین و جمیل یادگار رہے۔

دینی درسگاہوں میں ایسی مثال خال خال ہی مل سکتی ہے کہ ان کی جانب سے شائع ہونے والے جرائد اور مجلات پچاس سال تک اپنا فیضان جاری رکھے ہوں۔ یہ "اللطیف" کی ایک امتیازی خصوصیت ہے کہ وہ اس طویل عرصہ تک اپنی دینی و اصلاحی اور علمی و ادبی خدمات کو مثبت و مفید اور تعمیری پہلو سے برقرار رکھا۔ اللطیف صرف ایک دینی درس گاہ کا میگزین نہیں ہے۔ جس میں اساتذہ اور طلباء کے مضامین شامل رہتے ہوں بلکہ وہ ایک دبستانِ فکر کا داعی ہے جو حضرت سید شاہ ابوالحسن قربیؔ قادری (۱۱۸۳ھ) کی ذات گرامی سے وجود میں آیا۔ یہی وہ زمانہ تھا، جس میں آپؒ کے ہم عصر حضرت مولانا شاہ ولی اللہ محدّثؒ دہلوی کی ذاتِ گرامی سے شمال میں ایک دبستان فکر وجود میں آیا اور ان دونوں بزرگوں سے شمال اور جنوب میں تعلیم و تزکیہ اور دعوت و اصلاح کا کام وسیع پیمانہ پر شروع ہوا۔ جسے ان کی باکمال اور باتوفیق اولاد اور خلفاء نے شمال و جنوب میں پھیلایا۔

اللطیف کے مزاج و منہاج کو کما حقہٗ سمجھنے اور جاننے کے لیے ضروری ہے کہ اس دبستان فکر

کا مختصر جائزہ لیا جائے۔ جس کے بغیر اللطیف کی علمی و دینی اور اصلاحی و دعوتی سمتیں اور جہتیں متعین اور روشن نہیں ہوسکتیں۔

اس مکتبۂ فکر کے اوّلین معمار حضرت قربی ویلوری کا یہ عظیم اصلاحی اور تجدیدی کارنامہ ہے کہ انہوں نے اپنے دور میں پیدا ہونے والی بدعات اور خرافات کا قلع قمع کیا اور مسلمانوں کو صحیح اور غلط عقائد اور اعمال سے روشناس کیا اور مختلف گمراہ فرقوں کے عقائد و افکار اور اعمال کی نشاندھی کی اور اہلِ سنّت وجماعت کی صداقت اور حقانیت اور صحت کو واضح کیا۔ آج بھی آپ کی یہ کتابیں؛ بدعت نامہ، ہدایت نامہ، میزان العقائد، لب السلوک، دلائلِ المنیفة فی رد مذہب شیعة الشنیعة وغیرہ اسی طرح مفید اور نافع ہیں جس طرح آپ کے زمانہ میں رہیں۔

حضرت قربیؒ مسلمانوں کو بدعقیدہ فرقوں کی صحبت اور ہم نشینی سے دور رہنے کی تاکید فرماتے تھے اور عموماً کہا کرتے تھے کہ ان کی صحبت میں رہنے سے تو بہتر ہے کہ درندوں کی صحبت میں رہیں۔ کیوں کہ ان بھیڑیوں کی صحبت سے صرف ہمارے جسم زخمی ہوں گے۔ لیکن ان بدعقیدہ لوگوں کی ہم نشینی سے ہماری روح زخمی ہوگی جو ہمارے ایمان کو ختم کردے گی۔

اس دبستانِ فکر کے گل سرسبد حضرت سید شاہ عبداللطیف ذوقی (رحمہ) ہیں جن کے زمانہ میں حضراتِ صحابہؓ کی شخصیات پر لعن وطعن، حرف گیری و نکتہ چینی کا بازار گرم تھا۔ آپ نے اپنے قلم کو اس سمت موڑ دیا اور اس فتنہ کی سرکوبی کی اور صحابۂ کرامؓ سے متعلق کتاب وسنت سے مربوط معتدل اور متوازی موقف کی وضاحت فرمائی۔ جس کی افادیت ہر دور میں رہے گی۔ اور جب بھی صحابہؓ سے متعلق اس قسم کی مسموم فضا پیدا ہوجائے تو آپ کی تحریریں مشعلِ راہ ثابت ہوں گی۔ آپ نے ببانگ دہل کہا:

"صحابہ کرامؓ امت میں سب سے افضل اور برتر ہیں۔ ہم ان کا ذکر صرف خیر اور بھلائی کے ساتھ کریں گے اور ان کے درمیان پیش آنے والے واقعات اور حادثات کے بارے میں سکوت اختیار کریں گے۔ جو اختلافات اور نزاعات ان کے درمیان رونما ہوئے وہ امور ظنیہ ہیں اور یہ اختلافات خطا اجتہادی کی بنا پر تھے اور ان کی یہ خطائیں بھی ایسی ہیں، جو اپنے اندر اجر وثواب رکھتی ہیں۔ امام حسن اور امام حسین رضی اللہ عنہما کے قتل وشہادت اور صحابہؓ کی باہمی لڑائیاں کے اظہار سے اجتناب کریں گے۔ کیونکہ یہ چیزیں عامۃ الناس کے دلوں

ہیں صحابہؓ کرام کے بارے میں سوئے ظن کا باعث ہوسکتی ہیں اور صحابہؓ کے ساتھ سوئے ظن اور بغض رکھنا اپنے ایمان کو کھودینا ہے۔ حضرات صحابہؓ کے ساتھ عقیدت و محبت اور ادب واحترام کرنا اہلِ سنّت و جماعت کا طریقہ ہے اور اہلِ سنت کے طریقہ سے روگردانی وانحراف گمراہی وضلالت ہے۔ حضرت معاویہؓ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہیں۔ اس شرفِ صحبت کی وجہ سے اُن کے ساتھ محبت والفت اور احترام ہمارے لیے ضروری ہے۔ تمام صحابہؓ میں خلفاء اربعہ افضل ہیں اور ان کی فضیلت، خلافت کی ترتیب پر ہے۔ لہٰذا جو شخص حضرت علیؓ کو سب سے افضل کہے وہ بدعتی ہے۔

حضرت ذوقیؒ علیہ الرحمہ نے عقائد سے متعلق جو تصانیف چھوڑی ہیں۔ ان کی افادیت ہر دور میں رہے گی۔ اس موضوع پر آپ کی کتابیں یہ ہیں ۱۔ چہل حدیث۔ ۲۔ دلائل امامت علی مرتضیٰ اکرم اللہ وجہہ۔ ۳۔ تصفیۃ الاذہان فی رد الروافض۔ ۴۔ نواقص الروافض۔ ۵۔ تحریر عقائد۔ ۶۔ انشاء عقائدِ ذوقی۔ ۷۔ لطائف لطیفی۔

حضرت ذوقیؒ کے پوتے حضرت قطبِ ویلور قدس سرّہٗ (؁ھ) کے عہد میں اس دبستان فکر نے ایک نیا موڑ اختیار کیا۔ اس کا سبب یہ تھا کہ آپؒ کے زمانہ میں ہندوستان پر انگریزوں کا اقتدار روزافزوں پھیلتا اور مضبوط ہوتا چلا گیا۔ اس غیر ملکی اقتدار کے خلاف ہندوستانیوں کے دلوں میں نفرت اور عداوت کی آگ بھڑک اٹھی۔ علماء اور صوفیاء انگریزوں کے خلاف صف آراء ہوگئے اور حضرت شاہ عبدالعزیز محدّثؒ دہلوی نے ۱۸۰۶ء میں ہندوستان کے دارالحرب ہونے کا فتویٰ صادر کیا مولانا عبدالعلی بحرالعلوم فرنگی محلی لکھنوی نے ۱۸۲۳ء میں انگریزوں کے خلاف جہاد کرنے کا اعلان کردیا۔ مسلمانوں نے نہ صرف انگریزوں کی مخالفت کی بلکہ ان کی تہذیب و ثقافت، علم و فن، صنعت و حرفت، انگریزی زبان اور ان کی مصنوعات سے بھی نفرت وحقارت اور دوری کا مظاہرہ کیا۔ جو ایک طرح سے غیر معمولی شدت اور جذباتیت کا اظہار تھا۔

جنوبی ہند میں بھی ہندوستان کے دارالحرب ہونے کا مسئلہ کھڑا ہوگیا۔ یہاں حضرت قطبؒ ویلور کی قدآور شخصیت ایک قائد کی حیثیت سے مقبول ومعتمد اور مشہور ومعروف تھی۔ جس کے سبب سے یہاں کے اہلِ علم اور عوام کی نظریں آپ پر مرکوز ہوگئیں۔ شمال میں ہندوستان کے دارالحرب ہونے کا مسئلہ اپنی جگہ صحیح تھا۔ لیکن

جنوب میں یہ مسئلہ مختلف فیہ بن گیا۔ کیوں کہ اس مسئلہ میں شرعی حکم کا نفاذ انگریزوں کے عمل اور رویہ پر موقوف تھا، اور جس وقت یہ مسئلہ ابھرا، انگریزوں کا عمل ہر علاقہ میں مکمل طور پر اسلام مخالف پہلو کا مظہر نہ تھا۔ اسی اختلاف عمل کی بنیاد پر شرعی حکم بھی مختلف ہو گیا۔

حضرت قطبؒ ویلور نے اس مسئلہ میں جو موقف اختیار کیا تھا اس کی وضاحت ایک دستی خط سے ہوتی ہے جو انہوں نے ویلور کے اسپیشیل کمشنر مسٹر لوئن کو روانہ کیا ہے۔

"اہلِ اسلام کے شرع میں جو حاکمان کہ مانع بانگ وصلوٰۃ نہیں ہیں سو اُن سے جہاد کرنے کا حکم نہیں ہے۔"

بالفاظ دیگر انگریز سرکار شرعی امور اور احکام میں مداخلت نہیں کرے گی تو ہندوستان دارالامن رہے گا اور اگر مداخلت کرے گی تو دارالحرب قرار پائے گا۔ اور جب کسی مسئلہ میں دو قول سامنے آجائیں تو ان میں راجح اور مرجوح کی صورت پیدا ہوتی ہے۔ جیسا کہ مشہور فقہی ضابطہ ہے۔ ایسی صورت حال میں ایک ہی قول کو حق قرار دینا اور دوسرے قول کو باطل قرار دینا ایک غیر علمی طریقہ ہے۔ ایسے موقعہ پر ہر ایک کو اپنے اپنے موقف پر چھوڑ دینا ہی امن اور سلامتی کی راہ ہے۔

مذکورہ پہلو سے قطع نظر حضرت قطبؒ ویلور نے دارالحرب کے مسئلہ کو جنوب کے حالات کی روشنی میں بھی دیکھا۔ آپ کی نگاہ میں یہاں کے مسلمانوں کی مالی خستہ حالی، قوت اسلحہ کی کمی، فوجی تربیت کے فقدان اور مسلم صفوں میں عدم اتحاد کے باعث یہاں دارالحرب کا اعلان اور مسلح جہاد کا اقدام چنداں سود مند اور نتیجہ خیز دکھائی نہیں دیا۔ جس کی وجہ سے حضرت قطبؒ ویلور نے مسلح جہاد کی بجائے علمی وفکری جہاد کو پسند کیا اور راست طور پر ملکۂ انگلستان اور اس کے وزراء، امراء اور عیسائی عوام کو اسلام کی طرف مائل کرنے کی کوشش کی اور دعوت اسلام کا مکتوب بھیجا اور اندرون ملک بھی مختلف راجاؤں کو اسلام کی طرف مائل کرنے کی کوشش کی۔ ۱۲۸۵ھ میں ایجاد نگر، صبح کونگرد، کالیتر ونکٹ، تروندرم، کوچین، مالابار کے حکمرانوں کی خدمت میں اپنے خلیفہ مولانا سید حفیظ الدین اور مولانا سید محمد علی کے ذریعہ اسلام کی دعوت دی۔ اور اس سلسلہ میں راجاؤں اور عوام کے نام دعوت نامے علیحدہ تیار کئے اور اپنے خلفاء اور تلامذہ کو حکم دیا کہ وہ حکمت اور موعظت اور عزت واحترام کے ساتھ حکمرانوں اور لوگوں کے سامنے پیش کریں۔

مولانا شاہ عبداللہ کے نام تحریر کردہ مکتوب میں رقمطراز ہیں:

"دو قطعہ دعوت نامہ یکے برا جایاں، دوم بسائر مشرکان ملفوف انڈ بواسطہ مردانِ لائق دعوت نامہا روانہ فرمانید۔"

حضرت قطب ویلور دعوت کی اہمیت وضرورت کے ساتھ ساتھ مدعو اقوام کی زبان میں اسلام کی دعوت پیش کرنے کی ضرورت واہمیت سے بخوبی واقف تھے۔ مولانا میر ابراھیم رضوی کے نام ایک خط میں فرماتے ہیں:

"دو قطعہ دعوت نامہ در زبان انگریزی، تلنگی، ٹمل، مرہٹی، راجپوتی وغیرہ در اخبارات نامجات مشتہر سازند۔"

حضرت قطبِ ویلور کے عہد میں مسلمانوں کے درمیان مسائل میں افراط وتفریط کا ماحول پیدا ہو گیا تھا۔ مذہبی اختلافات شدت کے ساتھ ابھر چکے تھے۔ فرقہ بندی کا مرض اس قدر عام ہو چکا تھا کہ ہر جماعت دوسری جماعت کی تکفیر وتضلیل اور اس پر لعن وطعن میں اپنا زور صرف کر رہی تھی۔ اختلافی اور فروعی مسائل اور احکام کو نصوص کا درجہ حاصل تھا اور اس باب میں ہر فریق دوسرے فریق کے موقف کو باطل قرار دینے میں ایڑی چوٹی کا زور لگا رہا تھا۔ ائمۂ اربعہ کی تقلید سے آزادی اور بے نیازی عام ہو رہی تھی۔ بے علم وعمل اور خام صوفیوں کی لغویات اور رسومات اور غیر شرعی حرکات ہر سو پھیل رہی تھیں۔ جس کی وجہ سے تصوّف کا دامن داغدار ہو رہا تھا۔ ان حالات میں حضرت قطبِ ویلور نے ملّت کی شیرازہ بندی کی۔ افراط وتفریط اور غلو وتعصب اور تشدّد کے دلدل سے ملت کو نکالنے کی بھرپور کوشش کی اور ایک ایسا معتدل اور متوازن موقف پیش کیا جس کی آج بھی سخت ضرورت ہے۔ چنانچہ 'فصل الخطاب' میں فرماتے ہیں:

کسی بھی اختلافی مسئلہ کے اندر ایک ہی جانب کے حق ہونے کا یقین کر لینا اور اسی کو اہمیت اور ترجیح دینا اور اس میں غلو وتشدّد اور تعصب سے کام لینا غیر مناسب طریقہ ہے اور اختلافی مسائل میں ایک دوسرے پر طعن وتشنیع سے پرہیز کرنا چاہیے۔ کیوں کہ دوسرے موقف کے اہلِ علم بھی کسی دلیل ہی کے تحت مسئلہ کو اختیار کئے ہوں گے۔ اگرچہ وہ دلیل ضعیف ہی کیوں نہ ہو۔ اعتدال وتوسط اور توقف واحتیاط نہ صرف اختلافی مسائل بلکہ سارے کاموں میں پسندیدہ بات ہے۔ اور افراط وتفریط اور زیادتی وکمی تمام جگہوں میں مذموم اور ناپسندیدہ ہے اور اختلافی مسائل میں ایک دوسرے پر لعن وطعن اور تشنیع وتعریض کے بجائے ہر ایک کو اس کے موقف پر چھوڑ دینا چاہیے۔ اگر ایک فریق کی دلیل راجح نظر آئے تو دوسرے فریق کو غلط اور گمراہ نہیں خیال کرنا چاہیے۔ فریکم اعلم

بمن ھواھدی سبیلا

حضرت قطبؒ ویلور کے عہد کا ایک اہم واقعہ مولانا شاہ اسمٰعیل شہید کی تکفیر سے متعلق ہے۔ جس کے اثرات ڈیڑھ سو سال گزرنے کے بعد آج بھی ہند و پاک کے مسلمانوں کی زندگی میں نظر آرہے ہیں۔ ان کی کتاب "صراط مستقیم" اختلاف و نزاع کا باعث بن گئی اور صاحب کتاب کی تائید اور تکفیر میں علماء مختلف ہوگئے۔ حضرت قطبؒ ویلور نے عدم تکفیر کا پہلو اختیار کیا۔ اس کی تفصیل مولانا عبدالرحیم قاضی شہر بلہاری کرناٹک کے استفتاء میں ملتی ہے، جو فارسی زبان میں ہے۔ حضرت قطبؒ ویلور کے صادر کردہ فتویٰ کی وجہ سے جنوب میں مولانا شاہ اسمٰعیل شہید کی تکفیر کا مسئلہ فتنہ کی شکل اختیار نہیں کیا۔

حضرت قطبؒ ویلور کے صاحب زادے حضرت مولانا رکن الدین سید محمد قادری (۱۳۳۵ھ) کے عہد میں مسلمانوں کی نئی نسل کو فرنگی مذہب و تہذیب کے اثرات سے محفوظ رکھنے اور اسلام پر قائم رکھنے کے لیے دینی مدارس کے قیام کی لہر چل پڑی۔ مولانا محمد قاسم نانوتوی کی ذات سے ۱۸۶۶ء میں دارالعلوم دیوبند قائم ہوا۔ اس کے چند سال بعد ۱۸۹۳ء میں جامعہ مظہر العلوم بنارس اور ۱۸۹۴ء میں دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ اور پھر ۱۸۹۷ء میں مدرسۂ امینیہ، دہلی اور پھر ۱۸۹۹ء میں دارالعلوم خلیلیہ، ٹونک اور جامعۂ عربیہ حیات العلوم، مبارکپور جیسی درسگاہیں قائم ہوئیں اور خود مولانا رکن الدین نے ۱۸۸۴ء میں دارالعلوم لطیفیہ کی تشکیل جدید کی۔ آپ کے والد ماجد حضرت قطب ویلور کے خلیفہ مولانا شاہ عبدالوہاب قادری نے اپنے پیر و مرشد کی ایماء پر ۱۸۸۳ء میں ویلور میں مدرسۂ باقیات صالحات قائم کیا۔ حیدرآباد دکن میں مولانا شاہ محمد انوار اللہ فاروقی نے جامعہ نظامیہ (رسمہ) کی داغ بیل ڈالی۔

حضرت رکن الدین نے مدارس کے درمیان تعاون اور ربط کا کردار نبھایا۔ ندوۃ العلماء کے بارے میں بعض اہل علم نے دوری اور بُعد کا مظاہرہ کیا۔ لیکن آپ نے اپنا تعمیر کردار اور رواداری کا پہلو قائم رکھا۔ ندوۃ العلماء کی تائید اور حمایت فرمائی۔ اس کے دسویں اجلاس منعقدۂ مدراس ۳، ۴، ۵ رجنوری ۱۹۰۴ء میں اپنی علالت کی وجہ سے اپنے صاحب زادے حضرت سید شاہ عبداللطیف قادریؒ کو اپنا قائم مقام بناکر ایک مفصل مکتوب کے ساتھ مدراس بھیجا۔ آپ کا مکتوب اجلاس میں پڑھ کر سنایا گیا۔ صاحب زادۂ والاشان نے ندوۃ کے ایک اجلاس کی صدارت فرمائی۔

حضرت رکن الدین تمام مکاتیب فکر کے لوگوں کے ساتھ عزت و احترام، حسن سلوک و حسن اخلاق اور رواداری

سیرچشمی سے پیش آتے تھے۔ آپ نے اپنے کردار اور عمل کے ذریعہ مسلمانوں کے اندر گروہی محبت، اجتماعی حقارت مسلکی عصبیت اور تشدد و تعصب اور غلو کو ختم کرنے کی سعیٔ بلیغ فرمائی۔

آمبور سے قریب عمرآباد نامی ایک چھوٹے سے قصبہ میں مدرسۂ عربیہ دارالسلام کے نام سے عالی جناب کے۔ محمد عمر صاحب نے ۱۹۲۴ء میں ایک دینی درس گاہ کی بنیاد رکھی۔

اس مدرسہ کا جلسۂ افتتاح روز یکشنبہ ۷ر دسمبر ۱۹۲۴ء کو تزک واحتشام اور اہتمام کے ساتھ منایا گیا جس میں علماء وفضلاء، عمائدین و روساء اور عوام وخواص کی بڑی تعداد شریک رہی۔ اس اجلاس کی صدارت حضرت مولانا رکن الدین سید شاہ محمد قادری علیہ الرحمہ کے پوتے حضرت مولانا ابوالفتح سلطان محی الدین سید شاہ عبدالقادر قادری علیہ الرحمہ نے کی ہے جو اس خانقاہ حضرت قطبؒ ویلور کے سجادہ نشین تھے۔

جلسۂ افتتاح کی صدارت میں صاحبزادگان مکان قطب ویلو ر اور مدرسۂ باقیات صالحات لکھا گیا ہے۔ صاحبزادگان کے لفظ سے یہ گمان ہوتا ہے کہ اس وقت کے سجادہ نشین اپنے حقیقی برادران کرام کے ہمراہ اجلاس میں شریک رہے ہوں ویلور سے دارالعلوم لطیفیہ کی نمائندگی کے علاوہ مدرسۂ باقیات صالحات نے بھی کی ہے حضرت مولانا ضیاء الدین محمد علیہ الرحمہ اس وقت مدرسہ باقیات کے سرپرستِ اعلیٰ تھے۔ انھوں نے اجلاس سے خطاب بھی کیا ہے۔

مدرسۂ عربیہ دارالسلام جو آج جامعۂ دارالسلام کے نام سے غیر معمولی شہرت کا حامل ہے۔ اس مقام پر اس کے افتتاحی اجلاس کے ذکر سے ایک خوش گوار اور تعمیری پہلو یہ سامنے آتا ہے کہ اس وقت جنوب کے علماء وفضلاء اور دینی درس گاہوں کے درمیان باہمی ربط وضبط، تعاون وتناصر اور ایک دوسرے کا ادب واحترام کی حسین وجمیل روایت رہی ہے۔ حالاں کہ مدرسۂ عربیہ دارالسلام کی فکر وعمل، ائمۂ اربعہ کی تقلید اور تصوف اور تصوف سے مربوط افکار واعمال سے بے نیاز رہے۔

خانوادۂ حضرت قطب ویلور اور اس کے فیض یافتہ علماء وفضلاء کی یہ وسیع المشربی، کشادہ ذہنی اور مسلکی رواداری آپ اپنی مثال ہے۔

حضرت رکن الدین کے پوتے حضرت مولانا ابوالحسن صدرالدین سید شاہ محمد طاہر قادریؒ، سابق ناظم دارالعلوم لطیفیہ، ویلور نے طلباء کے اندر تحریر کا ذوق پیدا کرنے کی غرض سے ہر ہفتہ ایک مقرر اور متعین موضوع پر مضمون لکھنے کا نظم ونسق کیا اور انجمنِ دائرۃ المعارف قائم کیا۔ اور آپ نے الطیف کے ذریعہ اپنے خاندانی بزرگوں کے علمی سرمایہ

کی اشاعت فرمائی اور آپ تادمِ حیات اللطیف کے مدیرِ اعلیٰ رہے۔ آپ کی رحلت کے بعد آپ کے داماد حضرت مولانا ڈاکٹر سید عثمان قادری ایم اے، پی، ایچ ڈی، ناظم دارالعلوم لطیفیہ ویلور کی سرپرستی میں اللطیف منظرِ عام پر آرہا ہے۔

سیاق میں حضرت قربی، حضرت ذوقی، حضرت قطب ویلور، حضرت رکن الدین علیہم الرحمہ وغیرہ کے فکر و عمل کی صراحت اختصار کے ساتھ اسی لیے کی گئی کہ یہ حقیقت واضح ہو جائے کہ اللطیف کس قسم کی فکر کا حامل ہے۔ اور یہ خانوادۂ اقطابِ ویلور اور دارالعلوم لطیفیہ، ویلور کے مخصوص مزاج اور منہاج کا فیض ہے کہ اللطیف میں شائع ہونے والی تحریریں لعن طعن، تشنیع و تعریض، جرح و قدح، تردید و تنقیص، تکفیر و تضلیل اور تحقیر و تذلیل سے پاک و صاف ہوا کرتی ہیں۔ اور ان میں تمام مکاتیبِ فکر کے ساتھ احترام اکرام اور سیر چشمی و خوش خلقی کا پہلو غالب رہتا ہے اور اہلِ سنّت و جماعت کے مسلک اور مشرب کی تشریح مثبت انداز میں کی جاتی ہے اور اختلافی مسائل میں اعتدال و توازن، توسط و سکوت اور مسلکی رواداری کی شان جھلکتی ہے۔ ۱۹۷۹ء میں راقم الحروف نے اللطیف کی ادارت سنبھالی۔ الحمد للہ! اس فرض کی انجام دہی پر بتیس ۳۲ سال پورے ہو رہے ہیں۔ اس طویل عرصہ میں میری یہی کوشش رہی کہ اللطیف پوری طرح خانوادہ اور دارالعلوم کے مزاج اور منہاج کا نقیب رہے۔ آج ملّتِ اسلامیہ ہند کے لیے اسی مثبت مسلک، وسیع مشرب، تعمیری فکر اور صلح و برداشت کے مزاج کی سخت ضرورت ہے، جس کے بغیر ملّت اسلامیہ کی علمی، مذہبی، اتحادی اور سیاسی قوت غیر مستحکم رہے گی۔

وما علینا الا البلاغ ؏

روئداد دارالعلوم لطیفیہ

ادارہ
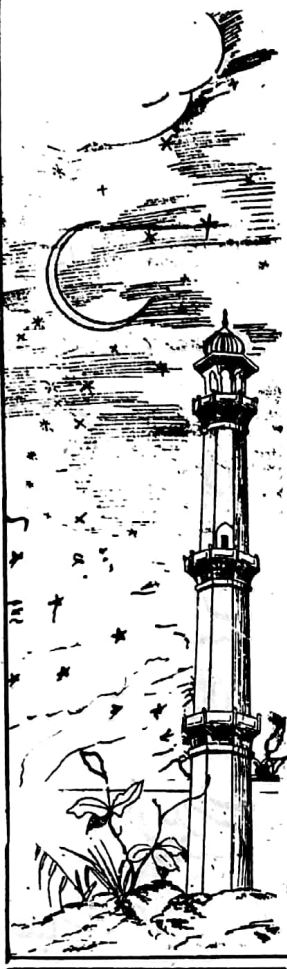
اسلام ہمیشہ انسانی معاشرہ کو ہر قسم کی آلودگیوں سے پاک رکھنا سکھاتا ہے۔ ماحول کی کثافت اور معاشرہ کی گندگی وغلاظت آج ایک عالمی مسئلہ بن چکا ہے۔ اسلامی تعلیمات میں صفائی کو جزِ ایمان نہیں بلکہ نصف ایمان قرار دیا گیا ہے۔ الطھور شطر الایمان: پاکیزگی آدھا ایمان ہے۔ یہ طہارت اور پاکیزگی جسم وروح، معاشرہ وسماج اور زمین وفضا ہر ایک پر محیط ہے۔ ایمان کا ادنیٰ درجہ کسی تکلیف دینے والی چیز کا راستے سے زائل کرنا ہے۔ شریعت اسلامیہ کے تمام احکامات وعبادات کا تعلق طہارت وپاکیزگی سے قائم ہے۔ جس کے لئے جسم وروح مکان ومکین ہر ایک کا صاف ہونا ضروری ہے اور یہ تقرب الٰہی کا ذریعہ بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ایمان اور صفائی کی زندگی گزارنے کی توفیق عطا فرمائے۔

آغاز سالِ نو

دارالعلوم کا تعلیمی سالِ نو کا آغاز مورخہ ۱۱ر شوال المکرم ۱۴۲۹ھ مطابق ۱۱ر ماہ اکتوبر ۲۰۰۹ء روز شنبہ ہوا۔ اس سال بھی مختلف علاقوں کے طلباء اس درسگاہ کا رُخ کیا اور حصولِ علم میں کوشاں رہے۔

دورۂ حدیث

دارالعلوم کے وسیع وعریض حال میں صحیح بخاری شریف اور صحیح مسلم شریف کا دورۂ حدیث کا آغاز محترم ڈاکٹر مولانا ابو محمد سید شاہ عثمان قادری صاحب مدظلہ العالی ناظم دارالعلوم کی دعاؤں سے ۲۷ر شوال المکرم ۱۴۲۹ھ مطابق 27 اکتوبر 2008ء روز دوشنبہ کو ہوا اور بحمدہ تعالیٰ ۲۵ر رجب المرجب ۱۴۲۹ھ بروز دوشنبہ ناظم صاحب موصوف کی دعاؤں سے پایۂ تکمیل کو پہنچا۔

افتتاحی اجلاس

اس سال بھی انجمن دائرۃ المعارف کا افتتاحی جلسہ مورخہ ۱۱ر ذوالقعدہ ۱۴۲۹ھ مطابق ۱۵ر ماہ نومبر ۲۰۰۸ء بروز دوشنبہ بعد نمازِ ظہر منعقد ہوا۔ اس جلسہ کی صدارت عالی جناب ڈاکٹر مولانا ابو محمد سید شاہ عثمان قادری صاحب مدظلہ ناظم دارالعلوم نے کی۔ آغاز تلاوت قرآن مجید و نعت شریف کے ساتھ ہوا۔ مہمان خصوصی کی حیثیت سے عالی جناب سید محمد ابراہیم صاحب باقوی نرسیہار اجپور، طلبۃ العلوم کو خطاب فرمایا۔ دورانِ خطابت موصوف نے فرمایا کہ علم اللہ کا نور ہے اور یہ نور نا فرمانوں کو کبھی نہیں ملتا۔ لھذا طلباء عزیز کے لئے ضروری ہے کہ نافرمانی اور بے ادبی سے بچیں اور اللہ کے اس نور کو حاصل کریں۔

اسبابِ صحت

دارالعلوم کے میدان میں بعد نمازِ عصر مختلف گیمس، والی بال، کرکٹ وغیرہ طلباء کی صحت و تروتازگی کی خاطر انتظام کیا گیا ہے۔ جس سے طلباء محظوظ ہوتے رہتے ہیں۔

نویدِ مسرت

الحمد للہ والمنۃ نرودلور یونیورسٹی کے امتحانات افضل العلماء، منشی فاضل، ادیب فاضل، میں اکثر طلباء شریک رہے اور امتیازی کامیابی حاصل کی۔

امتحاناتِ دارالعلوم

مورخہ ۲۳ ربیع الاول ۱۴۳۰ھ مطابق ۲۱ر مارچ ۲۰۰۹ء ششماہی امتحانات اساتذۂ کرام کی زیرِ نگرانی شروع ہوئے اور مسلسل آٹھ دنوں تک یہ امتحانات جاری رہے۔ نیز ۲۷ر رجب المرجب ۱۴۳۰ھ سے سالانہ امتحانات شروع ہوئے اور ۳ر شعبان المعظم تک جاری رہے۔

عباء پوشی و اعطائے اسناد

مورخہ ۱۰ر شعبان المعظم ۱۴۳۰ھ مطابق ۲ر ماہِ آگست ۲۰۰۹ء روز یکشنبہ دارالعلوم کا سالانہ جلسہ بڑے پیمانے پر منعقد ہوا جس کی صدارت عالی جناب ڈاکٹر مولانا ابو محمد سید شاہ عثمان قادری صاحب ناظم دارالعلوم نے فرمائی۔ جس میں مقتدر علمائے کرام مدعو تھے۔ ناظم موصوف نے اپنے دستِ مبارک سے فارغین کو عبا اور اسناد عطا فرمایا۔

تقسیم انعامات

اسی دن شام میں ایک دوسری نشست ہوئی جس میں درسیات، مقالہ نویسی، مقابلۂ تحریر و تقریر اور گیمس و اسپورٹس میں اول و دوم آنے والے طلباء کو انعامات سے نوازا گیا اور عہدیداروں کو ان کی خدمات کے صلہ میں مختلف قسم کے انعامات سے نوازا گیا۔

ہدیۂ تشکر

-ادارہ ان تمام حکیموں اور ڈاکٹروں کا مشکور ہے جنھوں نے وقتاً فوقتاً طلباء کی صحت کا بھرپور خیال فرمایا۔ نیز ان تمام مدیران اخبارات جنھوں نے دارالعلوم کی تمام کارروائیوں کو اپنے موقر جریدوں میں اولین وقت میں شائع فرماکر ممنوعیت کا موقعہ دیا۔ ہم ان کا تہہ دل سے تشکریہ ادا کرتے ہیں۔

بالخصوص ادارہ جناب کاتب شریف برکاتی صاحب اور عالی جناب سید علیم الدین علیم ضیائی نوری صاحب کا تہہ دل سے تشکریہ ادا کرتا ہے جنھوں نے پوری کاوش و تندہی سے ادارہ کے ترجمان اللطیف کی اشاعت و تزئین بروقت فرمائی۔

ہم اللہ رب العزت سے دست بہ دعا ہیں کہ ان تمام علم دوست حضرات جو دارالعلوم سے عقیدت رکھتے ہیں، انھیں دنیا و آخرت کی کامیابی و سرخروئی عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین!

حکمت عملی

- حیا ایمان ہے اور ایمان دار جنت میں ہوگا۔ بے حیائی بداخلاقی ہے اور بداخلاقی کا مقام دوزخ ہے۔
- نادانوں کی باتوں پہ تحمل، عقل کی زکوٰۃ ہے۔
- ظالم کو معاف کرنا مظلوم پہ ظلم کے مترادف ہے۔
- ہر مشکل انسان کی ہمت کا امتحان لینے کے لئے آتی ہے۔
- قومیں فکر سے محروم ہوکر تباہ ہوجاتی ہیں۔
- کوشش کے بغیر کامیابی کی امید فضول ہے۔
- جس راز کو دشمن سے چھپانا چاہتے ہو۔ اس کو دوست پہ ظاہر نہ کرو۔
- مسکراہٹ روح کا دروازہ کھول دیتی ہے۔
- اطمینان سے بڑا سکھ ہے اور بے اطمینانی بڑا دکھ

جواھر القرآن

تعاونوا علی البر والتقویٰ

ڈاکٹر بشیر الحق قریشی۔ ویلور

سورۂ مائدہ کی ایک بڑی مشہور آیت کریمہ کا ایک جز یہ ہے تعاونوا علی البر والتقویٰ ۔اس سورۃ میں مسلمانوں کو مختلف احکامات دیے گئے ہیں جن کا تعلق ایمانیات ،عبادات ،اخلاقیات اور معاملات سے ہے ۔یہ سورۂ طیبہ مدینۂ منورہ میں مختلف اوقات اور حالات میں نازل ہوئی ہے ۔اس کا کچھ حصہ ہجرت کے چھٹے سال صلح حدیبیہ سے لوٹتے وقت نازل ہوا اور کچھ حصہ ہجرت کے آٹھویں سال فتح مکہ میں ہوا اور اس کا زائد حصہ ہجرت کے دسویں سال حجۃ الوداع کے موقعہ پر نازل ہوا ہے ۔اس کے نازل ہونے کے ایک موقعہ پر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اونٹنی پر سوار تھے ۔وحی کے ثقل سے وہ قدم آگے نہ بڑھا سکی اور بیٹھ گئی ۔وحی کے ثقل کی کیفیت کو نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم محسوس کرتے تھے ۔چناں چہ سردی کے زمانہ میں بھی نزولِ وحی کے وقت آپؐ پسینہ پسینہ ہوجاتے تھے ، ایک موقعہ ایسا رہا کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم ایک صحابیؓ کے زانوے پر سر رکھے ہوئے لیٹے تھے کہ اس حالت میں وحی کا نزول ہوا تو صحابیٔ رسول نے بھی وحی کے ثقل کو محسوس کیا اور اپنے ساتھیوں سے بیان کیا کہ مجھے ایسا محسوس ہورہا تھا کہ میرے ران کی ہڈی ٹوٹ جائے گی ۔وحی کے ثقل اور ثقالت کی کیفیت اور اس کی نوعیت کی وضاحت عقلی اور علمی زاویہ سے کرنا بھی ایک مشکل ترین حقیقت ہے ۔اتنی بات واضح ہے کہ وحی کے ثقل کو نبی کریمؐ اور صحابہ کرامؓ اور جانور اونٹنی تک محسوس کیا ہے ۔

اس سورۃ کی تعلیمات میں سے ایک اہم تعلیم یہ ہے کہ لوگ نیکی اور تقویٰ ، تعمیر و ترقی اور فلاح و بہبودی میں ایک دوسرے کے معاون اور مددگار رہیں ۔لیکن گناہ و زیادتی اور ظلم و سرکشی اور فسق و فجور میں ایک دوسرے کے معاون اور مددگار نہ بنیں ۔تعمیر میں سب کے سب شریک رہیں ۔تخریب میں کوئی کسی کا شریک نہ بنے ۔

ایک مشہور حدیث ہے ۔جس میں کہا گیا ہے کہ ظلم کرنے والے کا ساتھ دو اور مظلوم کا ساتھ دو ۔اس

عجیب و غریب اور حکیمانہ اسلوبِ بیان کا یہ پہلو ظالم کی مدد کرو قابلِ تشریح سمجھا گیا تو آپؐ نے یہ وضاحت فرمائی ظالم کی مدد کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اسے ظلم کرنے سے روکو اور اسے ظلم و ستم کرنے سے باز رکھو۔ یہی اقدام اس کے حق میں اس کی تائید اور بھلائی ہے۔ کیوں کہ تمہارے منع کرنے سے وہ ظلم سے باز آگیا تو آخرت کے عذاب سے بچ گیا اور اسے عذاب سے تحفظ فراہم کرنا دوسرے لفظوں میں اس کی مدد کرنا ہے۔

سماج اور معاشرہ سے ظلم و ناانصافی اور بدی اور بدکاری کا خاتمہ کرنا ہر شہری کا اخلاقی فرض اور اس کی سماجی ذمہ داری ہے اور جس معاشرہ میں حساس اور باضمیر لوگ ہوں وہ کبھی فسق و بدی اور ظلم و بربریت کو خاموش تماشائی بن کر دیکھ نہیں سکتے۔ اسی لیے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے لوگوں سے کہا: اگر تمہارے اندر کسی برائی کو ختم کرنے کی قوت اور طاقت ہے تو اس طاقت کو کام میں لاؤ اور اس برائی اور بدی اور ظلم کو ختم کرو اور اگر تمہارے اندر قوت نہیں ہے تو اپنی زبان کے ذریعہ برائی اور ظلم کو ختم کرو۔ اگر تمہیں بولنے کی ہمت اور جرأت نہیں ہے تو کم از کم سماج کی برائی کو دل میں برا خیال کرو: من رائ منکم منکرا فلیغیرہ بیدہ او بلسانہ او بقلبہ۔

حق و باطل اور انصاف و بے انصاف کے معاملہ میں نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ ہدایت فرمائی کہ اپنوں اور غیروں کے فرق و امتیاز سے بے نیاز ہو کر حق کا ساتھ دو اور انصاف دلاؤ۔ باطل کا ساتھ نہ دو اور بے انصافی کو جگہ نہ دو۔ اور تمہارے اندر یہ بات نہ ہونی چاہیئے کہ اپنی قوم سب پر مقدم ہے، ہمیں ہر حال میں اپنے گروہ کی حمایت کرنی ہے۔ خواہ وہ بے انصافی اور غلطی پر رہے۔ نبی کریمؐ کے عہد میں ایک انصاریؓ نے اپنی مدد کے لیے انصاریوں کو آواز دی اور مہاجر نے اپنی اعانت کے لیے مہاجروں کو پکارا۔ دونوں طرف لوگ اپنے اپنے آدمی کی حمایت کے لیے آپہنچے۔ سب کی توجہ اپنے آدمی کی مدد پر مرکوز رہی۔ کسی کا ذہن اس بات کی طرف منتقل نہیں ہوا کہ ان لڑنے والوں میں کون ظالم ہے اور کون مظلوم ہے اور کون حق پر ہے اور کون ناحق پر ہے۔ اس صورتِ حال کا علم نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو ہوا تو آپؐ اس مقام پر تشریف لے گئے جہاں فریقین اپنے اپنے آدمی کی مدد کے لیے جمع تھے۔ آپؐ نے فرمایا: یہ تو جاہلی عصبیت ہے اور یہ بدبودار فکر ہے اور یہ ناروا کام ہے۔ حق و باطل میں امتیاز کے بغیر صرف اپنی اپنی جماعت کی حمایت کرنے کے لیے کود پڑیں تمہیں تو اس آدمی کی حمایت کرنی چاہیئے جو حق پر ہے اور جو مظلوم ہے۔ خواہ وہ تمہارے قبیلہ اور جماعت سے نہ ہو۔

نیکی و بھلائی اور تعمیر و ترقی اور نصرت و تعاون کے معاملہ میں بھی یہی اصول پیشِ نظر رکھنے کی ہدایت

م اور ایک مہاجر کے درمیان کسی بات پر اختلاف ہوا اور یہ اختلاف جھگڑے کی صورت اختیار کر گیا۔ انصاری

دی گئی ہے کہ یہاں بھی اپنوں اور غیروں کے درمیان فرق و امتیاز نہ کرو، سب کے ساتھ بھلائی اور نیکی کرو اور نیک کاموں میں تعاون کے مسئلہ میں خصوصیت کے ساتھ ضرورت مندوں، مجبوروں مسکینوں اور بیواؤں کا خیال رکھنے کی خاص تاکید کی گئی ہے۔ آپؐ نے فرمایا:

جو آدمی کسی مسکین بیوہ کی مدد کے لیے جدوجہد کرتا ہے تو اس کی جدوجہد اس آدمی کی ریاضت اور جدوجہد سے بڑھ کر ثواب کی مستحق ہے۔ جو رات بھر نماز پڑھتا ہے اور دن میں روزہ رکھتا ہے۔

ایک موقعہ پر آپؐ نے فرمایا: اللہ کی مدد کسی بندے کے ساتھ اسی وقت ہوتی ہے جب کہ وہ اپنے بھائی کی مدد کرتا ہے۔ واللّٰہ عون مادام العبد فی عون اخیہ۔

ایک حدیث میں یہاں تک کہا گیا ہے کہ تمہیں جو رزق دیا جاتا ہے، اس میں غریبوں مجبوروں کا حصہ بھی ہے۔ بالفاظ دیگر ان غریبوں کی خاطر تمہارے رزق میں وسعت اور کشادگی دی جاتی ہے۔ لہٰذا تمہارے اموال میں دوسروں کا بھی حق ہے۔ اگر یہ حق اور حصّہ ادا نہ کیا جائے تو اموال میں بے برکتی ہوگی اور ان میں نقصان اور تلف کی صورتیں نمودار ہوتی رہیں گی۔

شاہ بلیغ الدین صاحب اپنے مجموعہ تقاریر کی روشنی میں لکھتے ہیں:

سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آٹھ درہم تھے۔ آپؐ ایک کرتا خریدنا چاہتے تھے۔ اس لیے بازار کی طرف چلے۔ راستہ میں آپؐ نے ملاحظہ فرمایا: ایک خاتون ایک طرف کھڑی ہے اور سخت پریشان نظر آرہی ہے۔ قریب پہنچے تو معلوم ہوا کہ وہ پریشان ہی نہیں تھی بلکہ رو بھی رہی تھی۔ آپؐ نے پوچھا کہ: تم کیوں رو رہی ہو؟ جواب ملا: میری مالکن نے دو درہم دیے تھے۔ مجھے ان سے کچھ چیزیں خریدنی تھیں لیکن وائے قسمت کہ راستہ چلنے میں وہ دو درہم کہیں گر پڑے۔ بڑی دیر سے میں تلاش کر رہی ہوں لیکن درہم ملتے نہیں۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کروں؟ آپؐ نے دو درہم اسے دے دیئے۔

کتاب الذخائر میں ہے اب جو آپؐ اپنے در دولت کی طرف بڑھے۔ آپؐ نے پھر اس عورت کو دیکھا جو راستہ میں کھڑی تھی۔ آپؐ پھر اس کے پاس گئے۔ دریافت فرمایا: اب کس مشکل نے تجھے آن گھیرا ہے؟ اس نے عرض کیا، یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپؐ پر قربان! آپؐ کی عنایت سے میں سودا تو لے آئی لیکن مجھے گھر سے نکلے ہوئے اتنی دیر ہوگئی ہے کہ جیسے ہی اب گھر پہنچوں گی، مجھ پر مار پڑے گی۔

ارشاد ہوا: اچھا تم میرے ساتھ آؤ۔ وہ آگے آگے چلی۔

انصار کے ایک محلہ میں پہنچی تو رک گئی۔ اس وقت گھر کے مرد کام کاج پر گئے ہوئے تھے۔ عورتیں گھروں میں تھیں۔ حضور اکرمؐ گھروں کے قریب پہنچ کر فرمایا: بی بیو! السلام علیکم!

عورتیں سلام کی آواز سُن کر اپنے اپنے دروازوں تک تو چلی آئیں۔ لیکن کسی نے جواب میں کچھ نہ کہا۔ آپؐ نے دوسری مرتبہ سلام کیا۔ اس مرتبہ بھی سلام کا جواب نہ ملا۔ تیسری مرتبہ آپؐ کے سلام کرنے پر بہت سلام کے جواب ایک ساتھ آئے۔ نبیؐ اللہ نے پوچھا: تمہیں میرا پہلا سلام سنائی نہیں دیا؟ جواب آیا: جی سنائی دیا تھا۔ ہم نے آہستہ سے آپؐ کے سلام کا جواب بھی دیا۔ آہستہ اس لیے کہ دل چاہتا تھا کہ اللہ کے رسولؐ کی زبان سے ہمارے لیے سلامتی کی دعائیں نکل رہی ہیں تو یہ بابرکت دعا ہم ایک سے زیادہ مرتبہ سُنیں۔

تیسری مرتبہ اگر سلام کا جواب نہ ملتا تو حضورؐ آپ یہاں سے لوٹ جاتے۔

سلام کا مرحلہ ختم ہوا تو آپؐ نے ارشاد فرمایا: کہ یہ تم میں سے کس کی لونڈی ہے؟ اسے سودا لینے میں دیر ہوگئی ہے۔ یہ ڈرتی ہے کہ اسے مار پڑے گی۔ میری خاطر سے تم اسے کچھ نہ کہنا۔

اس لونڈی کی مالکن نے ارشاد سُنا تو عرض کیا! اللہ کے رسولؐ! یہ آپؐ کے ساتھ آئی ہے۔ یہ تو بڑے نصیبوں کی بات ہے۔ اس خوشی میں اسے میں آزاد کرتی ہوں۔

یہ سُن کر حضورؐ کا چہرۂ مبارک مسرت سے دمک اٹھا۔

حاصلِ کلام!

سورۂ مائدہ کی مذکورہ آیت ہمیں یہ روشنی عطا کر رہی ہے کہ اُمّتِ مسلمہ کے تمام مکاتیب فکر تعمیر میں ایک ہو جائیں اور ایک دوسرے کا ساتھ دیں اور تخریب میں کسی کا ساتھ نہ دیں۔ یہ تخریب کار، خواہ تمہارے خونی رشتہ دار اور ہم فکر اور ہم جماعت ہی کیوں نہ ہوں۔

وما علینا الا البلاغ
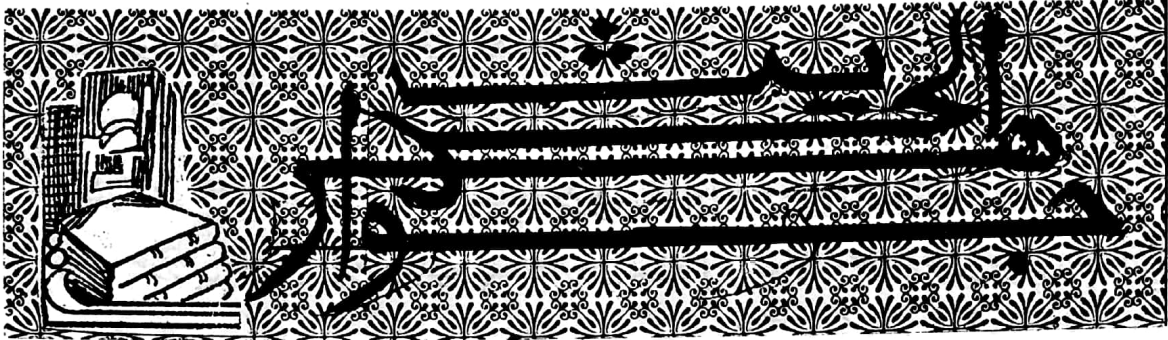
زمانۂ نبوت کی اشیائے خورد و نوش اور ان کے طبی فوائد

مولوی حافظ ابوالنعمان ڈاکٹر بشیر الحق قریشی یم اے؛ پی، ایچ ڈی؛

حضرت مولانا محمد محی الدین حسینی چیدہ علیہ الرحمہ، شہر مدراس کے رہنے والے تھے۔ تحصیلِ علم کی خاطر ویلور چلے آئے۔ مدرسہ لطیفیہ ویلور میں تعلیم مکمل کی۔ ان کی طالبعلمی کے زمانہ میں حضرت مولانا احمد حسین کانپوری مدرسہ لطیفیہ میں صدر مدرس تھے، حضرت چیدہ تعلیم سے فراغت کے بعد اپنی ہی مادرِ علمی لطیفیہ میں مدرس ہوئے اور ایک عرصہ تک درس و تدریس کی خدمت انجام دیتے رہے۔ حضرت مولانا رکن الدین علیہ الرحمہ کی سرپرستی کے زمانہ میں بہ حیثیت صدر مدرس بڑی مفید علمی اور تعمیری خدمات انجام دی۔ آپ کو عربی، فارسی اور اردو کے علاوہ علاقائی زبان ٹمل پر بھی خاصہ عبور حاصل تھا۔ آپ ایک بہترین حکیم تھے۔ آپ کا مطب بہت مشہور اور مقبول تھا۔ نہ صرف ویلور بلکہ گرد و نواح سے بھی بے شمار مریض آتے تھے۔ اور صحت یاب ہوتے تھے۔ آپ کو طب میں کمال اور بصیرت حاصل تھی۔ فنِ طب پر آپ کی بہترین علمی اور فنّی تصنیف "طبِ جسمانی" ہے۔ اس کی اشاعت پر تقریباً سوا سو سال ہو رہے ہیں۔ ایک دو چار نسخے کتب خانۂ لطیفیہ میں موجود ہیں۔ آپ کی ایک اور مفید علمی اور معلوماتی کتاب "سفر نامۂ حرمین" ہے۔ یہ صرف روداد حرم ہی نہیں، زائر حرم کے لیے ایک حج نامہ بھی ہے۔ آپ کی وفات ۱۳۳۶ھ میں ہوئی۔

حضرت چیدہ کی کتاب "طبِ جسمانی" راقم الحروف کے مطالعہ میں آئی تو یہ احساس ہوا کہ طب سے متعلق یہ ایک انمول گراں مایہ خزانہ ہے۔ جو اوراق کتاب میں مدفون ہیں۔ اسے زندگی سے ہمکنار کرنا چاہیے، اس کے چہرے کو روشن اور تابناک کرنے کی ایک صورت تو یہ تھی کہ کتاب ہذا کو من و عن شائع کیا جائے۔ لیکن اس صورت میں صرف اہلِ علم

ہی اس کے رُخِ تاباں کا نظارہ کر سکتے ہیں۔ اس لیے کہ مصنف علیہ الرحمہ کی زبان و بیان پر عربی اور فارسی کا حد درجہ غلبہ ہے اور بعض مقامات پر دقیق اور ثقیل الفاظ، جملے اور محاورے مستعمل ہیں۔ ظاہر ہے کہ آج کا عام اردو دان طبقہ اس اسلوب کے جلال و جمال کے دیدار کی تاب نہیں لا سکتا اور دوسری صورت یہ تھی کہ کتابی چہرہ سے عربی و فارسی کی ثقالت کا نقاب اتار دیا جائے اور قلب و قالب کو جدید اردو پیکر بخشا جائے۔ چنانچہ یہی دوسری صورت راقم الحروف کے پیش نظر رہی اس نے مواد کے جدید پیرہن اور اس کی تشریح اور تلخیص کے ساتھ ساتھ طب کے الفاظ کی تشریح اور توضیح بھی کر دی ہے کیوں کہ فنی الفاظ اور اصطلاحات، لغوی معانی و مطالب سے مختلف اور جداگانہ ہوتے ہیں۔ بعض مقامات پر متضاد معلوم ہوتے ہیں۔

اور جو شخص فن سے واقف نہ ہو تو وہ اس فن کے اصطلاحی الفاظ اور ان کے معانی و مطالب کو سمجھ نہیں سکتا۔ اس لیے یہ مشکل بھی کسی حد تک دور کر دی گئی ہے۔ اردوئے معلیٰ کو موجودہ زبانہ کے مزاج اور منہاج سے ہم آہنگ کرنے کے اس عمل میں راقم الحروف کی تحریر اس قدر غالب آگئی کہ اب یہ کسی کتاب کی تلخیص اور تجدید نہ رہی بلکہ مستقل تصنیف بن گئی یہ بڑی مسرت اور شکر کی بات ہے ایک صدی کے بعد حضرت حیدرہ علیہ الرحمہ کی تحریر زندگی کا لبادہ اوڑھے جلوہ نما ہے۔ اس وقت موصوف کی کتاب کا جو حصہ ہمارے پیش نظر ہے وہ ہے: "زمانۂ نبوت کے ماکولات اور مشروبات اور ان کے طبی فوائد۔"

نبیؐ کریمؐ کا زمانہ فطری و قدرتی ماحول اور صاف و شفاف آب و ہوا کی وجہ سے ایک صالح اور مثالی زمانہ تھا۔ کھانے پینے کی تمام چیزیں اصلی اور بے آمیز تھیں۔ زمانہ جیسے جیسے آگے بڑھتا چلا گیا ماحولیات، موسمیات، آبیات، ماکولات اور مشروبات میں تغیریات ہوتے چلے گئے۔ صنعت و حرفت کے سیلاب نے ہر ملک کی اشیاء خورد و نوش کی فطری اور سلامتی کو نہ صرف ختم کر دیا ہے بلکہ ان میں ضرر اور نقصان کا وافر سامان جمع کر دیا ہے۔ نوبت بہ ایں جا رسید کہ آج انسان کے لیے غذاؤں کے ساتھ ساتھ دوائیں بھی ان کا ایک لازمی حصہ بن چکی ہیں۔ مزید طرفہ طرازی تو یہ ہے کہ ان دونوں کے ضمنی اور مضر اثرات سے تحفظ کے لیے مزید دوسری دواؤں کا سہارا لینا ضروری ہو چکا ہے۔ اور ایسی فضا پیدا ہو چکی ہے کہ انسان غذا کے بغیر تو زندہ رہ سکتا ہے لیکن دوا کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔

نبیؐ کریمؐ کے زمانہ سے لے کر موجودہ زمانہ تک کھانے، پینے کی چیزوں میں بڑی تبدیلیاں ہو چکی ہیں۔ بعض کھانے پینے تو تاریخ کا حصہ بن چکے ہیں۔ بعض غذائیں ایسی ہیں جن سے اہلِ عرب ہی واقف اور مانوس ہیں۔ ان سے غیر عرب

غیر مانوس ہیں۔ اس کے علاوہ عربوں کی غذائیں عجمیوں کے لیے موافق ہونا ضروری نہیں ہے۔ اور عجمیوں کی غذائیں عربوں کے لیے موافق ہونا ضروری نہیں ہے۔ اہلِ عرب کا مزاج اور مذاق عجمیوں کے مزاج اور مذاق سے مختلف ہے۔ عرب و عجم کے کھانے پینے کی چیزوں میں عادت کی بھی بڑی اہمیت ہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے بھی کھانے پینے کے باب میں وہی چیزیں استعمال فرمائی ہیں جو آپؐ کے کھانے پینے کی چیزوں کے استعمال اور عدم استعمال میں جہاں ایک طرف حلال و حرام کا پہلو سامنے آتا ہے تو وہاں عادت کا پہلو بھی سامنے آتا ہے۔ چناں چہ مدینۂ منورہ میں ایک دعوت میں آپؐ کی خدمت میں گھوڑ پھوڑ کا گوشت پیش کیا گیا تو آپؐ نے نہیں کھایا۔ آپؐ کے عدمِ تناول کو دیکھ کر پوچھا گیا: یا رسول اللہ! کیا یہ حرام ہے؟ ارشاد فرمایا: نہیں، لیکن یہ مکۂ مکرمہ میں نہیں ہے۔ آپ کے اس طرزِ عمل سے ایک پہلو یہ سامنے آیا کہ کسی شخص کے لیے کوئی حلال چیز غیر مانوس ہے اور اس کی جانب دلی رغبت نہیں ہے تو اس کو ترک کرنے میں کوئی شرعی قباحت نہیں ہے لیکن اس حلال چیز کے نہ کھانے میں اس کی تحقیر نہیں ہونی چاہئے کیونکہ اس نص سے کتاب و سنّت کی تحقیر لازم آئے گی اور اس کھانے کا عیب بھی بیان نہیں کرنا چاہئے۔ کیوں کہ نبی کریمؐ نے کبھی بھی کھانے پینے کی چیزوں کا عیب بیان نہیں فرمایا۔ جنوبی ہند کے بعض علاقوں میں یہ بات دیکھنے میں آئی ہے کہ گائے کا گوشت ناپسند کرتے ہیں اور اس کے کھانے والوں کو بھی حقارت آمیز نگاہوں سے دیکھتے ہیں۔ یہ طرزِ عمل سنّتِ نبویؐ سے میل نہیں کھاتا۔

غرض نبی کریمؐ کے کھانے پینے کی چیزوں میں ایک پہلو طبّی حیثیت سے بھی سامنے آتا ہے۔ آپؐ نے بعض ایسی چیزوں کو استعمال فرمایا ہے، جن کے اندر امراض کے ازالہ کی قوت ہے اور صحت کے اعادہ کی صلاحیت ہے۔ آپؐ نے کھانے پینے کی چیزوں میں ان کی خاصیتوں اور ان کے اثرات کو پیشِ نظر رکھا ہے۔ اگر ان سے کسی ضرر اور نقصان کا امکان ہے تو اس کو دور کرنے کے لیے دوسری چیز کے ساتھ ملا کر استعمال فرمایا ہے۔ جیسے کھجور کے ساتھ آپؐ نے ککڑی کا استعمال فرمایا۔ اس میں حکمت اور مصلحت یہ تھی کہ کھجور کی گرمی کو ککڑی کی سردی سے معتدل بنائیں۔ اس طرح کی اور بھی مثالیں ہیں جو آئندہ آرہی ہیں۔

اس تحریر کے دوران راقم الحروف کے سطحِ ذہن پر اردو زبان سے متعلق چند خیالات ابھرنے لگے جن کا اظہار یہاں شاید بے محل اور بے فائدہ نہ ہوگا۔ موجودہ زمانہ میں اردو زبان کی ایک صورتِ حال یہ پیدا ہوئی ہے کہ ابتدائی اور بنیادی طور پر اس کے پڑھنے اور پڑھانے، سیکھنے، سکھانے اور اس کے پھیلانے کی کوششیں عوامی اور سرکاری سطح پر نہیں ہو رہی ہے۔ اسکولوں اور رہائی اسکولوں میں اردو میڈیم تعلیم اور تدریس موقوف ہو رہی ہے۔ اور وہ ایک اختیاری زبان بنتی چلی جا رہی ہے۔ اس طرح اس کی تعلیم اور تدریس کا دائرہ محدود ہوتے جا رہا ہے۔ اردو زبان کا یہ پہلو دعوتِ فکر و عمل دے رہا ہے جس کی طرف فوری توجہ اور عمل کی ضرورت ہے۔ اسی کے ساتھ

اس کا ایک اور روشن و مفید اور خوش آئین پہلو یہ بھی ہے کہ اردو زبان کی ادبی و صحافتی، تحقیقی و تصنیفی اور ترجمانی و انتقالی حیثیت برقرار ہے۔ علاوہ ازیں اس کا ایک تعمیری و بنیادی اور مفید و موثر کردار بھی ہے۔ جس کا تعلق عربی اور دینی مدارس و مکاتیب سے ہے۔ جہاں بنیادی حیثیت سے اردو زبان کی باقاعدہ تعلیم اور تدریس ہو رہی ہے اور اسی میں اسلامی علوم و فنون، عربی زبان و ادب کی تدریس و تفہیم کا عمل جاری ہے اور ان درسگاہوں کے فارغین کی تحریری و تقریری اور اصلاحی و دعوتی سرگرمیاں جاری ہیں جن کی بدولت اردو زبان پروان چڑھ رہی ہے۔ اردو زبان و ادب کی ترویج و ترقی اور اس کے بقاء و تحفظ میں دینی مدارس کے اس اہم کردار کو فراموش نہیں کیا جا سکتا۔

اردو زبان و ادب کے خمیر اور ضمیر میں عربی و فارسی کا عنصر روز اول ہی سے شامل رہا ہے اور ان دونوں زبانوں کی وجہ سے اردو زبان کا دامن ادب، ثقافت اور مذہب کے موتیوں سے بھرا ہوا ہے اور اس کا جلال و جمال، لطافت و نظافت، شیرینی و رعنائی اور وسعت و تنوع بھی ان دو زبانوں کی رہین منت ہے۔ ایسی صورت میں اردو زبان کو عربی و فارسی کے چنگل سے آزاد کرنے کی سعی و کوشش کرنا، اردو کے حسن و جمال میں بگاڑ پیدا کرنے کے مترادف ہے۔ موجودہ زمانہ میں اردو زبان کے لیے ایک بڑی آزمائش یہ آکھڑی ہے کہ ہندوستان سے فارسی ختم ہو جانے اور عربی زبان کا دائرہ محدود ہو جانے کے باعث اردو والوں کی اکثریت عربی و فارسی سے ناواقف اور ناآشنا ہوتی جا رہی ہے اور اردو داں عام طبقہ ایسی زبان سمجھنے سے قاصر اور عاجز نظر آرہا ہے۔ اس مشکل اور حرج کو دور کرنے کے لیے یہ ترکیب سوچی جا رہی ہے کہ اردو زبان میں عربی اور فارسی کے الفاظ استعمال نہ کئے جائیں اور انگریزی، ہندی اور علاقائی زبانوں کے عام فہم اور کثیر مستعمل الفاظ استعمال کئے جائیں تاکہ اردو کی نئی نسل آسانی کے ساتھ زبان کو سمجھ سکے اور اس سے مانوس ہو جائے۔ یہ کوشش اپنی جگہ محمود سہی لیکن کلی طور پر یہ صحیح سمت سفر نہیں ہے۔ اگر اردو زبان کا رشتہ عربی اور فارسی سے پوری طرح منقطع ہو جائے تو یہ اردو زبان کی زندگی کے لیے بھی خطرہ ہے۔ کیوں کہ اس کی حیات جاوداں کا ایک سبب اس میں موجود عربی و فارسی اور اسلامی علوم و فنون و آداب اور تہذیب و ثقافت ہے۔ اردو زبان جہاں گنگا جمنی تہذیب و ثقافت کو سمیٹی ہوئی ہے وہاں اسلامی و عربی ادب اور تہذیب و ثقافت کی بھی علم بردار ہے۔ اس مسئلہ میں ہمیں عربی زبان کی مثال کو سامنے رکھنا چاہیے۔ اس زبان کی زندگی اور اس کی بقاء کا واحد سبب قرآن و حدیث سے اس کا مضبوط رشتہ ہے، اسی رشتہ کی وجہ سے عربی زبان چودہ سو [۱۴۰۰] سال سے زندہ ہے اور جب تک یہ رشتہ رہے گا یہ زبان بھی زندہ رہے گی۔ اردو زبان بھی اس سے مختلف نہیں ہے۔ جب تک اس کا بھی رشتہ عربی اور شرعی علوم و فنون اور آداب اور ان کی تعلیم و تدریس سے جڑا رہے گا وہ بھی زندہ رہے گی۔

یہ سچ ہے کہ زبانوں کا کوئی مذہب نہیں ہوتا اور وہ صرف انسانوں کے لیے ما فی الضمیر کی ادائیگی اور ترسیل کا

ذریعہ ہوتی ہیں لیکن جب کوئی زبان کسی قوم کی تہذیب و ثقافت اور مذہب کی آئینہ دار بن جائے تو اس قوم کے انتساب سے اس زبان کو جدا کرنا بھی ایک امر واقعہ کے خلاف ہوگا۔ بے شک اردو مسلمانوں کی زبان نہیں ہے۔ اس میں سرزمین ہند کی دوسری قوموں کا صرف ادبی حصّہ شامل ہے۔ لیکن کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ اردو زبان مسلمانوں اور مسلمانوں کی تہذیب و ثقافت اور ان کے مذہبی علوم وفنون کے ساتھ آمیختہ نہیں ہے۔ ایسی صورت میں حقیقت پسندانہ بات یہی ہے یہ مسلمانوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس زبان کی ترقی و ترویج میں اور اس کی بقاء و تحفظ میں مفید و مؤثر اور تعمیری کردار ادا کریں۔ اور عربی و فارسی زبان و ادب کی بقاء و تحفظ کی طرف بھی ایک نگاہ مرکوز رہے اور ہمیں یہ حقیقت بھولنی نہیں چاہیے کہ اردو زبان کی حفاظت سے ہماری ملی و تہذیبی اور مذہبی شناخت قائم رہے گی۔

آمدم برسر مطلب! ان تمہیدی کلمات اور گزارشات کے بعد اصل موضوع کی طرف رجوع کیا جارہا ہے۔ اللہ تعالیٰ حضرت چیدہؒ کو کروٹ کروٹ جنّت نصیب فرمائے اور اس احقر کی طالب علمانہ کوشش کو مفید و مقبول اور اجر کا باعث بنائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وصحبہ اجمعین۔

ارنب

اردو میں خرگوش کو کہتے ہیں۔ ایک مشہور حیوان ہے۔ ہندوستان میں بھی ہے۔ نبی کریمﷺ نے اس کا گوشت کھایا ہے۔ امام ترمذی کی حدیث ہے:

عن هشام بن زید قال سمعت انسا يقول انفجنا ارنباً بمر الظهران فسعىٰ اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم خلفها فادركتها فاخذتها فاتيت بها ابا طلحه فذبحها بمروة فبعث معي بفخذها اوبوركها الى النبي صلى الله عليه وسلم فاكله ٥

ہشامؒ، انسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ مقام "مرظہران" میں صحابہ کرام کو ایک خرگوش دکھائی دیا تو انھوں نے اسے پکڑنے کی کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہوسکے۔ میں نے اسے پکڑ لیا اور حضرت ابوطلحہ کے پاس لے جاکر دیا انہوں نے اسے ذبح کیا اور میرے ذریعہ نبی کریمﷺ کی خدمت میں ایک ران بھیجا آپؐ نے اسے تناول فرمایا۔

یونانیوں کے نزدیک خرگوش کا گوشت دوسرے درجہ میں سرد اور تر ہے۔ تیسرے درجہ میں گرم ہے۔ اطبا نے لکھا ہے گرم مزاج والے آدمی کے لیے خرگوش کا گوشت نقصان دیتا ہے۔ اس کے گوشت کی گرمی میں دہی اور چھاچھ کے ذریعہ اعتدال قائم کیا جاسکتا ہے۔ لہٰذا دہی اور چھاچھ اس کے لیے مصلح ہے۔ خرگوش کا گوشت لقوہ، نقرس اور وجع مفاصل کے لیے مفید ہے۔ جیسا کہ مفردات ناصری میں مرقوم ہے۔

لقوی: ایک مرض کا نام ہے جس سے منہ میں ٹیڑھاپن ہو جاتا ہے۔

نقرس: ایک شدید درد کا نام ہے جو پیروں کی انگلیوں اور جوڑوں میں ہوتا ہے۔

وجع مفاصل: ایک مرض ہے جس کی وجہ سے ہاتھ اور پیروں کے جوڑ اور جدا ہونے کی جگہوں اور بند مقامات میں درد ہوتا ہے۔ اس مرض کے اسباب مختلف ہوتے ہیں۔

۲۔ **جراد** فارسی میں ملخ کہتے ہیں اور اردو میں ٹڈی کہتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ اس کا گوشت نبی کریمؐ کے زمانہ میں کھایا جاتا تھا۔

عن عبد اللہ بن ابی اوفیٰ انہ سئل عن الجراد فقال غزوت مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ست غزوات تاکل الجراد ۰ (ترمذی) امام ترمذی کی حدیث ہے کہ عبد اللہ بن ابی اوفی سے ٹڈی کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے بتلایا: "میں نبی کریمؐ کے ہمراہ تقریباً چھ غزوات میں رہا اور ہم لوگ ان جنگوں میں ٹڈی کا گوشت کھاتے رہے۔"

ٹڈی یونانیوں کے نزدیک دوسرے درجہ میں گرم اور خشک ہے۔ مفردات ناصری میں مرقوم ہے کہ جس آدمی کو پیشاب رک نہیں سکتا اور قطرہ قطرہ نکلتا ہے اور بے ارادہ نکل جاتا ہے اس کے لیے ٹڈی کا استعمال فائدہ دیتا ہے۔ اور بواسیر میں بھی مفید ہے ٹڈی کے سر اور پیر کو دور کرکے آس کے پتوں میں پیس کر کھانے سے استسقاء کا مرض چلا جاتا ہے۔

بواسیر: ایک مرض ہے۔ جس میں پاخانہ کی راہ سے خون نکلتا ہے اور اس مقام پر سوزش اور جلن ہوتی ہے۔ مقعد کے آس پاس دانے اور زیچ نکل آتے ہیں۔

آس: ایک درخت کا نام ہے جس کو فارسی میں مورد کہتے ہیں۔ اسی کا پھل حب الآس ہے۔

استسقاء: ایک بیماری ہے جس میں مریض کو شدت کی پیاس لگتی ہے۔

۳۔ **حوت** "مچھلی" زمانۂ نبوت میں عام طور پر استعمال کی جاتی تھی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی مچھلی تناول فرمایا ہے۔

عن جابر قال غزوت جیش الخبط وامر ابو عبیدہ فجعلنا جوعا شدیدا فالقی البحر حوتا میتا لم ترمثلہ یقال لہ العنبر فاکلنا منہ نصف شھر فاخذ ابو عبیدۃ عظما من عظامہ فمر الراکب تحتہ، فلما قدمنا ذکرنا النبی صلی اللہ علیہ وسلم کلوا رزقا۔ اخرجہ اللہ الیکم واطعمونا ان کان معکم قال فارسلنا الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منہ فاکلہ ۰ (متفق علیہ)

جابرؓ فرماتے ہیں: ہم لوگ خبط میں تھے۔ اور اس جنگ میں ہمارے سپہ سالار اور امیر حضرت ابو عبیدہ بن الجراح تھے۔ ہم لوگ کھانے پینے کی کوئی چیز نہ ملنے کی وجہ سے بہت بھوکے تھے۔ اس حال میں دریا نے ایک مچھلی پھینک دی جو عنبر تھی۔ ہم لوگ اس مچھلی کو پندرہ دن کھاتے رہے۔ مدینۂ منورہ پہنچے تو آنحضرتؐ کو ہمارے احوال کا علم ہوا۔ اس مچھلی کا کچھ گوشت ہمارے پاس تھا۔ آپؐ کی خواہش پر یہ گوشت آپؐ کی خدمت میں روانہ کیا گیا۔ آپؐ نے عنبر کا گوشت استعمال فرمایا۔

صاحب مفردات ناصری نے لکھا ہے کہ مچھلی دوسرے درجہ میں سرد اور تر ہے۔ دریا کی مچھلی کے اعتبار تالاب کی مچھلی میں سردی اور گرمی زیادہ ہے مچھلی غذائیت سے بھرپور ہے اس کے کھانے سے قوتِ باہ میں اضافہ ہوتا ہے اور بدن کے اعضاء کو تقویت ملتی ہے۔ کُوری (اندھاپن) کی مچھلی نہ کھانا بہتر ہے۔ کیوں کہ ایک قول کے مطابق اس کے کھانے سے جذام کا مرض لاحق ہوسکتا ہے۔

خبط: کے معنی لغت میں لاٹھی سے درخت کے پتے گرانا۔ اس جنگ میں حضرات صحابہؓ نے بھوک کی شدت سے درختوں کے پتے کھائے تھے۔ اس لیے اس لشکر کا نام جیش الخبط ہوگیا تھا۔ اس جنگ سے حضرات صحابہؓ کی ایمانی قوت اور صبر و استقامت اور شوقِ جہاد کا بخوبی علم ہوتا ہے۔

۴ **حمار الوحشی** اردو میں گورخر کہتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ زمانۂ نبوت میں اس کا گوشت کھایا جاتا تھا۔

عن الصعب بن جثامة انه اهدى لرسول الله صلى الله عليه وسلم حمارا وحشيا بالابواء او بودان فرد عليه فلما رای ما فی وجهه. قال الم لم نرده عليك الا انا حُرُمٌ ۰ (متفق علیہ)

صعبؓ بن جثامہ نے مقام ودان میں نبی کریمؐ کی خدمت میں گورخر کا گوشت بطور تحفہ روانہ فرمایا۔ آپؐ نے واپس کردیا کچھ دیر کے بعد حضرت صعبؓ حاضر خدمت ہوئے تو نبی کریمؐ نے دیکھا کہ ان کے چہرہ پر رنج و مایوسی کی کیفیت ہے۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا: ہدیہ واپس کرنے میں ہمیں عذر یہ تھا کہ ہم حالتِ احرام میں تھے۔

اس مسئلہ میں علماء کا اختلاف ہے۔ مگر تحقیق یہ ہے کہ تحفۂ گورخر کے گوشت کا تھا۔ اور خاص طور پر حضور اکرمؐ کے واسطے پکڑا گیا تھا۔ جس کے واسطے پکڑا جاتا ہے اگر وہ محرم ہے تو اس کے لیے اس کا استعمال کرنا جائز نہیں ہے۔

اطباء کے نزدیک گورخر کا گوشت تیسرے درجہ میں گرم اور خشک ہے اور یہ قبض کرتا ہے۔ پیروں کی انگلیوں کے درد اور مفاصل کے درد کو ختم کرتا ہے۔ اس کے پتّہ کا سرمہ آنکھوں کی بیماری نزول الماء کے لیے مفید ہے اور آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا جانے کی کیفیت کو دور کرتا ہے اور اس کا پھیپھڑا خشک کرکے کھانے سے دمّہ ختم ہوجاتا ہے۔

نزول الماء : آنکھوں میں پانی اتر آنا۔ آب مروارید، موتیا بند : یہ آنکھوں کی مشہور بیماری ہے جس کی ماہیت میں اختلاف ہے۔ بقول بعض آنکھ کی پتلی میں ایک عارضی رطوبت اتر آتی ہے۔ جسے عام طور پہ آنکھ میں پانی اتر آنا کہتے ہیں۔ صحیح قول یہ ہے کہ رطوبت جلیدیہ مکدر اور میلی ہو جاتی ہے۔

دمّہ : سانس کا روگ: وہ بیماری جس میں سانس رُک رُک کر آئے۔

۵ **ضب** اس کا تلفظ فتح ضاد معجمہ اور تشدید بائے موحدہ سے ہے۔ یہ ایک حیوان ہے، فارسی میں سوسمار کہتے ہیں اور اردو میں گوہ بضم اول وسکون دوم مجہول وہا در آخر۔ عام طور پہ اس جانور کو گھوڑ پھوڑ کہا جاتا ہے۔ زمانۂ نبوت میں اس کا گوشت کھایا جاتا تھا۔

عن ابن عباس ان خالد بن الولید اخبرہ انہ دخل مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی میمونۃ وھی خالۃ ابن عباس فوجد عندھا ضبا محنوذا، فقدمت الضب لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرفع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یدہ عن الضب، فقال خالد احرام الضب؟ یارسول اللہ۔ قال لا ولکن لم یکن بارض قومی فاجدنی اعافہ، قال خالد فاجترتہ فاکلتہ ورسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ینظر الی۔ (متفق علیہ)

حضرت میمونہؓ کے گھر میں گھوڑ پھوڑ کا بھونا ہوا گوشت موجود تھا حضور اکرمؐ کو کھانے کے لیے پیش کیا گیا۔ حضورؐ نے گھوڑ پھوڑ سے ہاتھ کھینچ لیا۔ حضرت خالدؓ نے پوچھا: یارسول اللہ! کیا گھوڑ پھوڑ کا گوشت حرام ہے؟ آپؐ نے فرمایا: نہیں! لیکن مکہ مکرمہ میں گھوڑ پھوڑ نہیں ہوتا اور میری طبیعت اس سے عادی نہیں ہے اس لیے میں اس کے کھانے میں کراہیت محسوس کرتا ہوں۔ حضرت خالدؓ فرماتے ہیں: میں گھوڑ پھوڑ کا گوشت کھاتا رہا تو آپؐ میری ہی طرف تک رہے تھے۔

اس حدیث سے ایک بات یہ واضح ہوتی ہے کہ اسلام میں عادت وطبیعت اور ذوق کا پاس ولحاظ رکھا گیا ہے۔ ایک شہر کا باشندہ دوسرے شہر میں کھانے پینے کی حلال چیز کو اپنی عادت اور طبیعت اور رغبت کے فقدان کی وجہ سے ترک کر سکتا ہے۔

اس حیوان سے متعلق علماء کا اختلاف ہے۔ اختلاف کی صورت میں ان تصریحات سے بالکل تشفی نہیں ہو سکتی۔ کیوں کہ ہمارے علاقۂ مدراس میں جس حیوان کو گھوڑ پھوڑ کہا جاتا ہے؟ کیا یہ وہی حیوان ہے جس کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں حضرات صحابہؓ نے کھایا تھا۔ صاحب نفائس نے اتنا لکھا ہے: جانور یست صحرائی دوزبان دارد۔ ایک صحرائی جانور ہے جس کی زبانیں دو ہوتی ہیں۔ مجمع البحار جو لغت حدیث پہ مشتمل ہے، اس میں مرقوم ہے کہ یہ جانور بہت دنوں تک بھوکا اور پیاسا رہ سکتا ہے۔ اہل عرب کے نزدیک یہ جانور چوپائے جانوروں اور پرندوں کا قاضی: قاضی الطیور والبہائم۔

اس لیے کہ جب انسان زمین پر پہنچا تو سارے جانور ضب کے پاس پہنچے اور اس سے رائے طلب کی کہ انسان کے غلبہ اور تصرف اور مداخلت سے بچنے کے لیے ہمیں کیا قدم اٹھانا چاہیے؟ ضب نے کہا: پروالے جانور اڑ جائیں اور جنگل والے جانور گڑھے کھود کر زمین میں چلے جائیں۔

احکام الحیوان میں مرقوم ہے اس جانور میں نر کے لیے دو ذکر ہوتے ہیں اور مادہ کے لیے دو فرج۔ کھانے پینے کے لیے کچھ نہ ملے تو یہ جانور چالیس دن یا کم و زائد صرف ہوا کھا کر زندہ رہتا ہے۔ لیکن یہ وہ تفصیلات ہیں جن سے اصل مطلب حاصل نہیں ہوتا۔ اس حیوان سے متعلق فقہ میں احکام ملتے ہیں۔ حنفیوں کے نزدیک ضب کا گوشت حرام ہے لیکن شافعیوں کے نزدیک حلال ہے۔ مولانا محمد محی الدین حسینی جیدہ لکھتے ہیں: مؤلف کے زمانۂ طالب علمی میں جب کہ حضرت مولانا احمد حسن کانپوری مدرسۂ لطیفیہ میں صدر مدرس تھے۔ وشارم کے شافعیوں میں اس حیوان کا گوشت حرام اور حلال ہونے کے بارے میں بحث و تکرار چلی تو انھوں نے دو قسم کے گھوڑ پھوڑ پنجرے میں رکھ کر مولانا کانپوری کی خدمت میں حاضر کیا اور فتویٰ طلب کیا کہ بعض علامات قسم صغیر میں پائے گئے اور بعض علامات قسم کبیر میں پائے گئے۔ آخر کوئی بات فیصلہ کن نہ ہو سکی اور تشفی بخش جواب نہ ملا۔

اس باب میں صحیح قدم یہ ہے کہ مدینۂ منورہ میں بسنے والے مقامی عربوں سے اس کی تحقیقات کی جائے یا پھر مدینۂ منورہ پہنچ کر یہ معلوم کریں کہ یہاں کے باشندے کس شکل و صورت کے جانور کو ضب کہتے ہیں۔

اس بحث میں مؤلفِ کتاب حضرت جیدہ نے شافعیوں پر لطیف علمی طنز یہ کیا ہے کہ جب تک یہ تحقیق مکمل نہ ہو جائے کہ ہمارے علاقہ مدراس کا جانور بھی وہی ہے جو مدینۂ منورہ کا جانور ہے۔ لہٰذا ایسی اختلافی اور غیر واضح صورت میں شافعیوں کا قیاس کی بنیاد پر اس جانور کا گوشت استعمال کرنا احتیاط اور تقویٰ کے خلاف ہے۔ احناف کے لیے کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ وہ اس جانور کے گوشت کو حرام سمجھتے ہیں۔ ان کے لیے یہی حدیث کافی ہے: عن عبد الرحمٰن بن شبیل ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم نھی عن اکل لحم الضب: نبی کریمؐ نے ضب کا گوشت کھانے سے منع فرمایا۔

گھوڑ پھوڑ کا گوشت تیسرے درجہ میں گرم اور خشک ہے۔ گرم مزاج والے آدمی کے لیے نقصان دہ ہے۔ اس کا مصلح سرکہ ہے۔ گھوڑ پھوڑ کا گوشت قوت باہ میں اضافہ کرتا ہے۔ اس کے پاخانہ کو سرمہ میں شامل کر کے استعمال کریں تو آنکھوں کی سفیدی زائل ہوتی ہے۔ اور نزول الماء کی شکایت دور ہوتی ہے۔ اور اس کا طلاء برص کو ختم کرتا ہے۔

برص: بدن کے سفید یا سیاہ داغ۔ ایک مرض ہے۔ جس میں کہیں کہیں یا تمام بدن پر سفید یا سیاہ دھبے
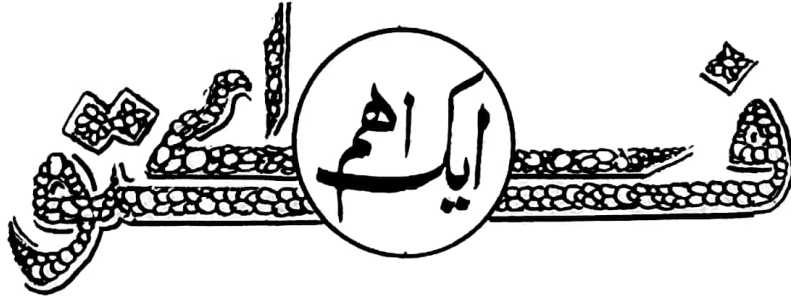
از: ادارہ

سوال

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس بارے میں کہ:

۱ مسجد کے امام صاحب کہتے ہیں کہ کتاب پڑھ کر سیرت آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم بیان کرنا ناجائز ہے صرف زبانی ہی بیان کرنا جائز ہے۔

۲ امام مسجد یہ بھی کہتے ہیں کہ حرام موت کو جنازہ دینا اور نمازِ جنازہ پڑھنا ناجائز ہے۔

۳ ایسے امام صاحب اور ایسی کہی ہوئی باتوں پر قرآن وحدیث اور اہلِ سنّت والجماعت کے عقائد کے مطابق کیا کیا احکام صادر ہوتے ہیں؟ تفصیل وار بیان فرماکر عنداللہ ماجور ومشکور بنیں گے۔ فقط السائل

محمد صدر الدین: مدنی: سیلم

جواب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب اللّٰھم ھدایۃ الحق والصواب حامدًا امسمیًا مثنیًا ومصلیًا ومسلمًا۔

درصورتِ مسئولہ، مجلس میلاد شریف یا دیگر مجالس میں وہی روایات بیان کی جائیں جو ثابت اور صحیح ہوں۔ موضوع اور غلط سلط واقعات بیان نہ کئے جائیں، کہ بجائے خیر وبرکت کے ایسی باتوں کے بیان کرنے میں گناہ ہوتا ہے

(بہارِ شریعت)

حدیثِ شریف میں آیا ہے کہ من کذب علی متعمدًا فلیتبوء مقعدہ من النار: یعنے جو شخص قصدًا کوئی غلط یا جھوٹی بات میری طرف منسوب کرے تو وہ اپنا ٹھکانہ دوزخ میں بنالے۔ ظاہر ہے کہ زبانی روایات

وواقعات کو بیان کرنے میں غلطی اور کذب کا احتمال زیادہ ہے۔ لیکن مستند کتاب میں روایات وحالات مبارکہ دیکھ کر بیان کرنے میں غلطی کا احتمال نہیں ہے۔ بلکہ دیکھ کر بیان کرنے میں زیادہ احتیاط، رعایت ودیانت ہے۔
حدیث مذکور کی رُو سے اگر امام صاحب نے زبانی سیرت کے بیان پر شک وشبہ ظاہر کیا ہوتا تو کچھ قابلِ توجہ اور لائق التفات ہوسکتا تھا۔ لیکن جب پہلی صورت امام موصوف کے نزدیک جائز ہے تو دوسری صورت بدرجہ اولیٰ جائز ہونا چاہیئے کہ یہ ہر طرح احتیاط ودیانت پر عمل ہے۔ اس سلسلہ میں ایک حدیث ذکر کی جاتی ہے جس سے مسئلہ ہذا پر کافی روشنی پڑتی ہے: قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم قرأۃ الرجل القرآن فی غیر المصحف الف درجۃ وقرأتہ فی المصحف تضعّف علیٰ ذالک الیٰ الفی درجۃ ٥
حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ قرآن کو زبانی پڑھنے میں ایک ہزار درجہ ثواب ہے لیکن قرآن کو دیکھ کر پڑھنے کا ثواب دُگنا یعنے دو ہزار ہے۔ اگرچہ یہ حدیث قرآن شریف کے بارے میں ہے۔ لیکن قرآن حضور صلے اللہ علیہ وسلم ہی کی سیرت ہے۔ لہٰذا اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کی سیرتِ مبارکہ کو کتاب دیکھ کر پڑھنے کا ثواب زیادہ ہے۔

۲ چند قسم کے لوگ ہیں جن کی نمازِ جنازہ نہیں پڑھی جائیگی۔ ۱۔ باغی جو امامِ برحق پر ناحق خروج کرے اور اسی بغاوت میں مار ڈالا جائے۔ ۲۔ ڈاکو جو ڈاکہ میں مارا جائے۔ ۳۔ جو لوگ ناحق کسی کی طرفداری و یا سرداری میں لڑیں اور لڑائی میں مار دیے جائیں۔ ۴۔ جو شخص کئی آدمیوں کو گلا گھونٹ کر مار ڈالے۔ ۵۔ جو لوگ رات کے وقت ہتھیار لے کر لوٹ مار کریں اور اسی حالت میں مار ڈالے جائیں۔ ۶۔ جو شخص اپنے ماں باپ کو مار ڈالے۔ ۷۔ جو کسی کا مال چھین رہا تھا اور اسی حالت میں مارا گیا۔
مذکورہ بالا لوگوں کی نمازِ جنازہ نہیں پڑھی جائے گی۔ اس کے علاوہ مسلمان خواہ کتنا ہی گنہگار اور مرتکب کبیرہ ہو حتیٰ کہ خودکشی کر لی ہو جب بھی اس کی نمازِ جنازہ پڑھی جائے گی۔ (عالمگیری۔ درمختار۔ بحوالہٗ بہارِ شریعت)
پیش امام صاحب کی مراد حرام موت سے کیا ہے؟ اگر وہ سب کے لیے نمازِ جنازہ کو ناجائز کہتے ہیں تو اُن کا قول غلط ہے اور اگر حرام موت سے مندرجہ بالا سات قسموں کو مراد لیتے ہیں تو اُن کا کہنا صحیح ہے۔

۳ پیش امام صاحب کو جب اپنی غلطی واضح ہوجائے تو اپنی غلطی سے رجوع کر لینا چاہیے۔ یہ نہ سوچیں کہ لوگ کیا کہیں گے اس لیے کہ فتویٰ دیکھ کر رجوع نہ کرنا خواہ حیا سے ہو یا تکبّر سے بہر حال حرام ہے۔ (عالمگیری بحوالہٗ بہارِ شریعت)

کتبہٗ: سید حمید اشرف غفرلہٗ : (سابق مدرس دارالعلوم لطیفیہ مکانِ حضرت قطب ویلور قدس سرہٗ)

حمد و صلوٰۃ اور سلام و دعا کے بعد واضح ہو کہ آنے والوں کی زبانی اور مخدومی محی الدین علی خان صاحب مہکری کے خط سے آنجناب کے نائبِ قاضی کی خدمت کے تقرر کی خبر معلوم ہوئی۔ خدمتِ قضا کی تقرری کے وقت سے آپ کے خطوط کی آمد و رفت بالکل بند ہے۔ حتّٰی کہ خان صاحب ممدوح کے خطوط میں آپ کا سلام و دعا بھی مذکور نہیں ہوتا۔ خط و کتابت کا ذکر ہی کیا ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قضاوت کی خدمت ہم فقیروں کی یاد اور محبت سے مانع ہے۔

امیر المومنین صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہٗ مغرب کے بعد اپنے محلّہ کی چند اونٹنیوں کا دودھ دوہا کرتے تھے، جب مسندِ خلافت پر رونق افروز ہوئے تو اس وقت بھی دودھ کا دوہنا ترک نہیں کیا۔ تعجب ہے کہ آنجناب مسندِ قضاوت پر فائز ہونے کے بعد ہم فقیروں کی یاد روا نہیں رکھتے۔

محبِ محترم! ؎

از ہر چہ می رود سخنِ دوست خوشتر است

خان صاحب موصوف کے خط میں چند کلمات جو حق تعالیٰ کی یاد دلائیں تحریر کئے گئے ہیں۔ اس کو اپنا دستور العمل بنالیں۔ اپنے کو شریعت کا پابند بنائیں۔ عدالت و قضاوت کو مقدمات شرعیہ کی تنفیذ کا ذریعہ سمجھیں اور اگر ایسا نہ ہو سکے تو عہدۂ قضا کو اپنے لیے ایک بلا و مصیبت تصوّر کریں۔

حدیثِ شریف میں وارد ہے کہ قیامت کے دن بہت سے عزت والے ذلیل و خوار ہوں گے اور بہت سے وہ لوگ جو دنیا میں خوار و حقیر سمجھے جاتے تھے، وہ قیامت کے دن عزت و اعتبار کے مقام پر فائز ہوں گے۔ حق تعالیٰ سے درخواست ہے کہ وہ ہمیں اور آپ کو دنیا کی فانی عزت، وجاہت، ظاہری شان و شوکت و طمطراق میں گرفتار نہ کرے۔ بلکہ آخرت کے دائمی عزت وجاہت، اعتبار و وقار کے شرف سے معزز فرمائے۔ (آمین) اللہ تعالیٰ ہمارے دلوں سے بھی زیادہ قریب ہے۔ وہ ہماری دعا کو قبول فرمائے۔ خدا تمہاری مدد کرے، جہاں تم ہو۔

والسلام

حمد باری تعالےٰ

ڈاکٹر شکیل نالُطی چنئی

عشق میرا عجیب ہے مولا
تو ہی میرا حبیب ہے مولا
مجھ کو اوروں کی کیا ضرورت ہے
جب تُو میرے قریب ہے مولا

تجھ سے لَو اس قدر لگی ہے مری
تیرا دیدار تشنگی ہے مری
زندگی میری ہے فراق ترا
موت ہی وصل کی سیڑھی ہے مری

تیرے آگے میں روز جھکتا ہوں!
تیرے قدموں پہ سر کو رکھتا ہوں
تجھ کو ہی دیکھنے کی آس لئے
روز جیتا ہوں روز مرتا ہوں

پیشکش: ڈاکٹر طلیس احمد رحمت پلاڑہ، ویلور

نعت شریف

علیم صبا نویدی

نُور والوں کا نُور سے رشتہ
ذاتِ پاک حضورؐ سے رشتہ
آپؐ کا ہاتھ ہاتھ میں آیا!
قربِ ربِّ غفور سے رشتہ
آپؐ جس ذہن میں معطّر ہیں
میرا اس لاشعور سے رشتہ
آپؐ سے واسطہ براہِ راست
کیوں ہو بین السطور سے رشتہ
خیر مقدم کو جھک گیا ہے فلک
ہو گیا جب حضورؐ سے رشتہ
قربتیں آپؐ کی مجھے ہیں نصیب
سب کا ہے دُور دُور سے رشتہ

پیشکش: سید مناف، ویلور

قدوۃ السالکین حضرت مولانا مولوی شاہ محی الدین سید عبداللطیف المعروف بہ قطبِ ویلور قدس سرہٗ

مترجم: مولانا مولوی افضل العلماء ابوالمکارم الحاج سید شاہ مصطفےٰ حسین بخاری۔ کڈپہ

فائدہ نمبر ۲۹

حضرت قطبِ ویلور کی فارسی تصنیف "جواھر السلوک" جو علم تصوّف کے دقیق معارف وحقائق پر مشتمل ہے۔ فاضل مترجم نے بڑی خوبی اور سلیقہ کے ساتھ عام فہم انداز میں مسائل کی تشریح اور توضیح کی ہے

میرے دادا میرے شیخ قدوۃ العارفین رکن الدین سید شاہ ابوالحسن قربی قدس سرہٗ صاحبِ لُبّ السلوک کے کلام کا خلاصہ یہ ہے کہ طالبِ حق کے لیے چند امور پر کاربند رہنا ضروری ہے۔

پہلا یہ ہے کہ علمِ عقائد اور علمِ فقہ حسب ضرورت حاصل کرے۔ اپنے قول و عمل اور اخلاق وعقیدے میں قرآن و حدیث کے تابع رہے۔ ائمۂ اربعہ میں سے جس کا وہ مقلد ہو، انھوں نے جو کچھ اصول و فروغ مقرر کیے ہیں، اُن پر عمل کرے کسی بھی مقلد کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ اپنے امام کی اتباع اور پیروی، سے اپنے قدم کو باہر رکھے یعنی کوتاہی کرے۔ کیوں کہ دونوں جہاں کی نجات اسی طریق میں منحصر ہے۔ یہاں عقل کو چھوڑ دے۔ اس لیے کہ گمراہ فرقے خصوصًا معتزلہ اور شیعہ اسی عقل کی اتباع سے گمراہ ہوئے ہیں۔

دوسرا یہ کہ ہے کہ اپنی طاقت کے مطابق امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو انجام دے۔ دیگر جن اچھے کاموں کے کرنے کا حکم دیا گیا ہے وہ خود کرنے کے ساتھ ساتھ دوسروں کو بھی کرنے پر آمادہ کرے اور جن بُرے کاموں سے روکا گیا ہے، اُن سے باز رہنے کے ساتھ ساتھ دوسروں کو بھی اس سے دُور رکھنے کی کوشش کرے۔ اس عمل کے ثمرات وبرکات بے حد و بے حساب ہیں۔ اس کارِ خیر کو انجام دینے والے کا نام احادیث میں "مِفتَاحُ الخَیرِ" یعنی بھلائی کی چابی قرار دیا گیا ہے۔

تیسرا یہ ہے کہ اپنے عیوب میں اس طرح مشغول رہے کہ اس کی نگاہ دین دار مسلمانوں کے عیبوں پر نہ پڑنے پائے۔ مثنوی

خدا خواہد کہ پوشد عیب کس کم زند در عیب معیوبانِ نفس

یعنی جب اللہ تعالیٰ کسی انسان کے عیب کو ڈھانپنا چاہتا ہے تو وہ شخص عیب والوں کے عیب کی طرف توجہ نہیں کرتا۔

چوں خدا خواہد کہ پردہ کس درد ! میلش اندر طعنۂ پاکان زند

جب اللہ تعالیٰ کسی کے عیوب کو ظاہر کرنا چاہتا ہے تو اس کی توجہ پاک اور نیک لوگوں کی طعنہ زنی کی طرف کر دیتا ہے۔

چوتھا یہ ہے کہ خود کو ذلیل و حقیر جانے۔ اپنے کو دوسروں پر فوقیت نہ دے بلکہ ہر آدمی کو اپنے سے بہتر جانے۔ اسی کا نام تواضع اور عاجزی ہے۔ مَنْ تَوَاضَعَ لِلّٰہِ رَفَعَہُ اللّٰہُ یعنی جو شخص اللہ تعالیٰ کے لیے عاجزی اور انکساری اختیار کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے مرتبہ کو بلند فرما دیتا ہے:

ازاں بر ملائک شرف داشتند کہ خود را بہ از سگ نہ پنداشتند

یعنی نیک لوگ فرشتوں پر اس لیے شرافت اور بزرگی رکھتے ہیں کہ وہ خود کو کتوں سے بہتر نہیں سمجھتے ہیں۔

پانچواں یہ ہے کہ اپنے قول و فعل میں سچائی اور درستگی کو لازم پکڑے۔ کیوں کہ اسی صفت کے ساتھ دونوں جہان کی نجات وابستہ ہے اور اسی کے ذریعہ طلب گارانِ حق خدا تک پہنچتے ہیں۔

چھٹا یہ ہے کہ حق بات کی پیروی کرے۔ اگر کوئی حق بات کہے تو اس کا احسان مانے اور اس بات کو لڑائی جھگڑا کرکے بے وزن نہ کر دے۔ کیوں کہ ایسا کرنا اچھے لوگوں کا کام نہیں ہے:

مرد باید کہ گیرد اندر گوش ور نبشتہ است پند بر دیوار!

یعنی آدمی کو چاہیے کہ وہ نصیحت کو قبول کرلے خواہ دیوار پر لکھی ہوئی کیوں نہ ہو۔

رنج و غم سے پرہیز کرے۔ کیوں کہ یہ غیر منصف لوگوں کی عادت ہوا کرتی ہے اور ناانصافی طلبگارانِ حق کے حال کے مناسب نہیں ہے۔ حافظ شیرازی کہتے ہیں:

نصیحت گوش کن جاناں کہ از جان دوست تر دارند ٭ جوانانِ سعادت مند پیرِ دانا را !

یعنی اے میرے دوست نصیحت کو قبول کرلے، کیوں کہ سعادت مند نوجوان پیرِ دانا کی نصیحت کو جان و دل سے عزیز رکھتے ہیں۔

ساتواں یہ ہے کہ دوست کی تعریف نہ کرے کیوں کہ یہ بات بے حد نقصان دہ ہے:

نفس از بس مدحہا فرعون شد　　　کُنْ ذَلِیْلَ النَّفْسِ هُوْنًا لَا تَسُدْ

یعنی نفس اپنی زیادہ تعریف سے فرعون ہو جاتا ہے۔ نفس کو ذلیل وخوار کرنے والا ہو جا، سردار بننے کی کوشش نہ کر۔

آٹھواں یہ ہے کہ پیرِ کامل کی تلاش وجستجو میں رہے۔ اس کی تلاش میں اپنی اور دیگر لوگوں کے خیال پر نہ جائے کیوں کہ اولیاء اللہ کی پہچان مشکل چیز ہے۔ اکثر طلبگاران اس معاملہ میں عاجز وناتوان ہیں جب تک طالبِ حق کو تعلیمِ الٰہی نہ ہوگی، وہ اولیائے کرام کو پہچان نہ سکے گا۔ اَوْلِیَائِیْ تَحْتَ قِبَائِیْ لَا یَعْرِفُهُمْ سِوَائِیْ یعنی میرے اولیاء میری قبا کے نیچے ہیں انھیں میرے سوا کوئی نہیں پہچانتا۔ پیرِ کامل اسے کہتے ہیں جو جامع اضداد ہو یعنی شریعت کو حقیقت کو اور ہمہ اوست (یعنی سب وہی ہے۔) کو ہمہ از اوست (یعنی سب اسی سے ہے۔) کے ساتھ جمع کرنے والا ہو اور ظاہر باطن میں ائمہ کے تابع رہے کسی بھی معاملہ میں ان کے حکم کے خلاف ورزی نہ کرے اور نہ ان کا انکار کرے کیوں کہ کُلُّ حَقِیْقَةٍ رَدَّتْ لَهَا الشَّرِیْعَةَ فَهِیَ زَنْدَقَةٌ یعنی جس حقیقت کو شریعت نے رد کر دیا وہ گمراہی اور بے دینی ہے۔

نوواں یہ ہے کہ خود کو بزرگوں پر قیاس نہ کرے اور نہ دین و دنیا کے معاملات میں اُن کو اپنا جیسا سمجھے مثنوی:

ے　کار پاکان را قیاس از خود مگیر　　　گرچہ ماند در نوشتن شیر و شیر

یعنی نیک لوگوں کے قول وعمل کو اپنے پر قیاس نہیں کرنا چاہیے۔ اگرچہ کہ لکھنے میں لفظِ شیر بمعنی باگ اور لفظ شیر بمعنی دودھ دونوں ایک جیسا ہوتا ہے۔

ے　گفت اینک ما بشر ایشاں بشر　　　ما و ایشاں بستۂ خوابیم و خور!

بعض نادان کہتے ہیں کہ ہم بھی بشر (انسان) ہیں۔ یہ بھی بشر (انسان) ہیں۔ ہم بھی اور یہ بھی کھانے پینے اور سونے میں لگے رہتے ہیں۔ لہٰذا ہم میں اور ان میں کیا فرق ہے۔

ے　جملہ عالم زین سبب گمراہ شد　　　کم کسے ز ابدال حق آگاہ شد

ساری دنیا اسی لیے گمراہ ہو گئی ہے کہ وہ اللہ کے ابدال اللہ کے ولی سے ناواقف رہی۔

دسواں یہ ہے کہ خلوص دل کے ساتھ فقراء اور مساکین کی خدمت کرے۔ خصوصاً اللہ والوں کی خدمت میں لگا رہے۔ کیوں کہ ان کی خدمت سے درجات میں ترقی ہوتی ہے۔ ے

ندانستی اے کودک ناپسند　　　کہ مرداں زخدمت بجائے رسند

ے الا اگر طلب گارِ اہلِ دلے ! زخدمت مکن یک زماں عنا فلے

خورش دہ بکنجشک و کبک و حمام کہ روزے ہما افتد بدام

یعنی اے نادان بچے تجھے معلوم نہیں ہے کہ لوگ خدمت ہی کی بدولت بلند مرتبے پر پہنچے ہیں ۔ خبردار اگر تو کسی اہلِ دل کا طلب گار ہے تو ایک لحظہ کے لیے بھی ان کی خدمت سے غافل نہ ہو۔ چڑیا کو، چکور کو اور کبوتر کو دانہ ڈالتا رہ تاکہ کسی نہ کسی دن ہما پرندہ تیرے جال میں آجاے ۔

گیارہواں یہ ہے کہ جب پیرِ کامل مل جائے تو خود کو اس کے سپرد کر دے ۔ مثنوی

ے چوں گرفتی پیر ہن تسلیم شو ہمچو موسیٰ پیشِ حکمِ خضر رو

یعنی اے سالک جب تجھ کو پیرِ کامل مل جائے تو خود کو اس کے حوالے کر دے جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت خضر علیہ السلام کے تابع ہو گئے تھے ۔

اس کی خدمت کرنے میں باادب اور تمام حالتوں میں مؤدب بنا رہے کیوں کہ ادب ہی دونوں جہاں کی مرادوں کے حصول کا سبب ہے۔ ے

ادب تاجیست از لطفِ الٰہی بنہ بر سر برو ہر جا کہ خواہی !

یعنی ادب لطف خداوندی کا ایک بے مثال تاج ہے ۔اس کو اپنے سر پر رکھ لے اور جہاں جی چاہا چلا جا مثنوی

ے از خدا جوئیم توفیق ادب بے ادب محروم ماند از فضلِ رب

مولانا روم فرماتے ہیں کہ میں اللہ تعالےٰ سے ادب کی توفیق اور ہدایت مانگتا ہوں کیوں کہ بے ادب آدمی اللہ تعالےٰ کے لطف اور اس کی مہربانی سے محروم رہتا ہے۔ ے

بے ادب تنہا نہ خود را داشت بد بلکہ آتش در ہمہ آفاق

بے ادب آدمی تنہا خود کو خراب نہیں کرتا ہے۔ بلکہ اپنی بے ادبی اور نالائقی سے سارے عالم میں آگ لگا دیتا ہے اور باعثِ فساد ہو جاتا ہے ۔

نیز اپنی زبان کو شیخ کے روبرو محفوظ رکھے۔ اپنی جانب سے اس کے ساتھ گفتگو کے دوران کو نہ کھولے یعنی گفتگو کی ابتدا خود نہ کرے ۔کیوں کہ یہ بات ادب سے بہت دور ہے : ے

یار چشم نست اے مرد شکار از خس و خاشاک آں را پاک دار

ہیں بجاروب زبان گردی مکن   چشم را از خس رہ آوردی مکن

تا نپوشد چشم خود را از دست   دم فرو خوردن بباید ہر دمت

یعنی اے شکاری انسان تیری آنکھ تیری دوست ہے۔ اس کو خس وخاشاک اور میل کچیل سے پاک وصاف رکھ۔ خبردار! زبان کی جھاڑو سے گرد وغبار نہ اڑا

اور اپنی آنکھ کو راستہ کے خس وخاشاک سے آلودہ نہ کر۔ کہیں وہ تیری باتوں سے اپنی آنکھ کو بند نہ کرلے یعنی منہ نہ پھیرلے۔ اس لیے تجھ کو چاہیے کہ ہر وقت سانس روکے رکھے یعنی ڈرتا رہے۔

خدائے تعالیٰ تک پہنچنے میں جلدی نہ کرے۔ صبر کو اپنا پیشہ بنائے رکھے۔ ملول اور رنجیدہ خاطر نہ ہووے کیوں کہ اَلصَّبْرُ مِفْتَاحُ الْفَرَجِ یعنی صبر کشادگی کی چابی ہے۔ ؎

طلبگار باید صبور وحمول   کہ نشنیدہ ام کیمیا گر ملول

یعنی طالبِ حق کو صابر اور بردبار ہونا چاہیے۔ میں نے کسی کیمیا گر کو رنجیدہ اور خاطر ملول ہوتے ہوئے نہیں سُنا۔

حق تک پہنچنا حق کے ذریعہ ہی ہوتا ہے۔ کوئی بھی شخص خدائے تعالیٰ تک خدا کے بغیر نہیں پہنچ سکتا۔ اتنی بات ضرور ہے کہ پیرو مرشد کی توجہ اور مرید کی صداقت سے اللہ تعالیٰ کی عنایت ہوتی ہے اور اس عنایت سے طالبِ حق خدا تک پہنچتا ہے۔ کیوں کہ وصول الی اللہ کا تعلق صرف عنایتِ الٰہی سے ہے باقی سب حیلہ اور بہانہ ہے: ؎

ایں ہمہ گفتیم لیک اندر بسیچ   بے عنایاتِ خدا ہیچیم ہیچ!

یعنی یہ تمام باتیں ہم نے قصداً کہی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی عنایات کے بغیر ہم ہیچ ہیں کچھ بھی نہیں ہیں۔ ؎

بے عنایاتِ حق وخاصانِ حق   گر ملک باشد سیاہستش ورق

اللہ تعالیٰ اور خاصانِ خدا کی عنایتوں کے بغیر اگر وہ فرشتہ بھی ہے تو اس کا ورق کالا ہی کالا ہے۔

غرض تمام امور میں اس کی خوشنودی کی حفاظت میں کوشاں رہے۔ نیز اس کی حفاظت میں حتی الامکان بہترین کوشش میں لگا رہے۔ کیوں کہ یہ کام بڑی برکتوں والا اور بے شمار نیکیوں پر مشتمل ہے۔

بارھواں[12] یہ ہے کہ جو ہم مزاج نہ ہوں' اُن لوگوں سے پرہیز کرے اور جو لوگ قول وفعل اور اخلاق وعقائد میں حق پر نہیں ہیں۔ بے انصافی اور بے دینی نیز حق سے انکار ان کا شیوہ ہوچکا ہے' اس طرح کے لوگوں کی صحبت کو سمِّ قاتل سے زیادہ مہلک جانے اور اُن کی دوستی سے پرہیز کرے۔ حافظ شیرازی کہتے ہیں: ؎

ع نخست موعظتِ پیرِ مے فروش ایں است کہ مصاحبِ ناجنس احتراز کنند

یعنی شرابِ حقیقت بیچنے والے پیرِ کامل کی پہلی نصیحت یہ ہے کہ آدمی پہلے بدعقیدہ ساتھی سے دُور رہے۔

تیرھواں[13] یہ ہے کہ اچھے لوگوں کی صحبت کا متلاشی رہے اور نیک لوگوں کی صحبت میں عمر بسر کرے اَلصُّحْبَۃُ تُؤَثِّرُ (یعنی صحبت اثر انداز ہوتی ہے) کے مطابق اچھی اور نیک صحبتوں کا اثر طبیعتوں پر ضرور ہوتا ہے: ع

ہر چہ دریں عالم است از اثرِ صحبت است ورنہ کجا یافتی بید بہاے نبات

یعنی اس عالم میں جو کچھ ہے وہ صحبت ہی کے اثر سے ہے۔ ورنہ تم بید کو مصری کی قیمت پر کہاں پاسکتے ہو۔ اگر صوفیائے کرام اور اولیاء اللہ کی صحبت نصیب ہوجائے تو غنیمت جانے۔ ع

یک زمانہ صحبتی با اولیاء بہتر از صد سالہ بودن در تقا

یعنی اولیاء اللہ کی صحبت میں کچھ دیر رہنا سو سال تقویٰ اور پرہیزگاری میں رہنے سے بہتر ہے۔

چودھواں[14] یہ ہے کہ لحظہ بلحظہ اللہ تعالےٰ کی طرف متوجہ ہوتا رہے۔ بارگاہِ کبریا میں اپنی بےکسی و بےبسی محتاجی و لاچاری اور عجز و انکساری کے اظہار میں مشغول رہے۔ ہر حال میں زبان و دل سے یہ کہتا رہے: ع

اے خدا کمترینِ گدائے توام چشم بر خوانِ کبریائے توام

می رسم بر درِ تو ہر روزہ! شئی للہ زنان بدر یوزہ!

یعنی اے خدا میں تیرا کمترین بندہ ہوں میری نظر تیری کبریائی کے خوان پر لگی ہوئی ہے۔ بھکاری بن کر ہر دن تیرے در پر آتا ہوں۔ للہ فقیر کو روٹی عطا فرما دے۔

پندرھواں[15] یہ ہے کہ ہر حال میں خاموشی اور سکوت اختیار کرے۔ پیر و مرشد کی خدمت کے ذریعہ اذکار و اشغال کو حاصل کرکے زبان، دل، روح اور سِر سے یادِ الٰہی میں مشغول رہے۔ یہاں تک کہ مقاصد کی انتہا جو اِنَّ اِلٰی رَبِّکَ الْمُنْتَھٰی ہے (یعنی بے شک تمہارے رب کی طرف منتہا ہے۔) وہاں تک پہنچ کر شب و روز اللہ تعالےٰ کے حضور میں رہنا نصیب ہوجائے اور بساطِ قرب و عبدیت فِی مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِیْکٍ مُّقْتَدِرٍ کا (یعنی سچ کی مجلس میں عظیم قدرت رکھنے والے بادشاہ کے حضور میں) مقرب ہوجائے کیوں کہ وصالِ الٰہی یہی مقام مراد ہے۔ اے ارحم الراحمین اور اے اکرم الاکرمین اپنی رحمت اور کرم کے طفیل اور اپنے حبیب صلے اللہ علیہ وسلم کے صدقہ میں، ہمیں بھی یہ مقام عطا فرما۔

اس کے بعد جاننا چاہیئے کہ مولانا قاضی ثنا واللہ پانی پتی (جو مرزا مظہر جان جاناں کے خلیفہ اور مولانا شاہ ولی اللہ دہلوی کے شاگرد ہیں) وصیت رابعہ مقالۃ الوضیہ کی شرح میں فرماتے ہیں کہ محققین صوفیاء کرام کے چند مطالبات ہیں:

ایک یہ ہے کہ قلب کو ماسوی اللہ تعالےٰ کی محبت سے پاک وصاف کرے اور اللہ تعالیٰ کے ذکر میں اس طرح فنا ہو جائے کہ ذاکر نہ صرف اپنی ذات کو بلکہ اپنے ذکر کو بھی بھول جائے۔ اس حالت کو اصطلاح تصوف میں "یادداشت" "دوام حضور" اور "فنائِ قلب" سے تعبیر کرتے ہیں۔ حضور علیہ السلام کا ارشادِ گرامی ہے: تم اللہ کی عبادت اس طرح کرو گویا کہ تم اللہ کو دیکھ رہے ہو۔ اگر تم اس کو نہیں دیکھ رہے ہو تو (کم از کم اتنا دھیان کرو کہ) وہ تمہیں دیکھ رہا ہے اسی مقام مولوی رومیؒ فرماتے ہیں: ؎

مطلبِ صوفی بجز یک حرف نیست — جز دلِ اسپیدہ ہمچوں برف نیست

یعنی صوفی کا مقصود و مطلوب برف کی طرح سفید اور صاف دل کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا ہے۔

نیز اسی مقام پر سردار انبیاء صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: خبردار! بنی آدمؑ کے جسم میں گوشت کا ایک لوتھڑا ہے۔ جب وہ ٹھیک رہتا ہے تو سارا جسم ٹھیک رہتا ہے اور جب وہ بگڑ جاتا ہے تو سارا جسم خراب ہو جاتا ہے اچھی طرح سمجھ لو کہ وہ قلب ہے۔ اور ایک حدیث میں جو آیا ہے کہ بندہ جب گناہ کرتا ہے تو ایک سیاہ نقطہ اس دل پر پڑ جاتا ہے۔ یہاں تک سیاہی اس کے پورے دل کو گھیر لیتی ہے۔ اس سے مراد درستگیٔ قلب کی ضد ہے۔

دوسرا یہ کہ ہے کہ نفس کو برے اخلاق سے پاک وصاف کرے اور اچھے اوصاف واخلاق سے آراستہ و پیراستہ کرے۔ اس کو اصطلاح تصوف میں "فَنَاء و بَقَاءِ نَفْس" سے تعبیر کرتے ہیں۔ اخلاقِ رذیلہ جیسے ریا وغیرہ کی حرمت اور اخلاقِ حمیدہ جیسے اخلاص وغیرہ کے وجوب پر شریعت مطہرہ کا حکم بالکل واضح ہے۔ یہاں تک کہ اعضاء و جوارح سے انجام پانے والے اعمال کا اس کے مقابل میں کوئی اعتبار نہیں کیا ہے۔ نماز اور اسی طرح کی دوسری عبادتیں اخلاص کے بغیر ریاکاری کے ساتھ انجام دی جائیں تو وہ کھیل تماشا میں داخل ہیں اور اکثر مباح اعمال جو نیک نیتی سے انجام دیئے جاتے ہیں اجر و ثواب کا موجب اور مقاماتِ قرب کا باعث ہوتے ہیں۔ صوفیائے واصلین اس کے حصول میں ہمیشہ لگے رہتے ہیں۔

لُبُّ السلوک میں لکھی ہوئی اکثر باتیں جو اس فائدہ کے تحت حوالۂ قلم کی گئی ہیں وہ تزکیۂ نفس سے متعلق ہیں غرض تزکیۂ نفس نام ہے اہلِ سنت وجماعت کے عقائدِ صحیحہ اور اعمالِ فقہیہ کی تحصیل کا، نیز فلسفیوں، بدعتیوں

ملحدانِ وجودیہ کے باطل عقائد، خدائے تعالیٰ کی ذات وصفات کو مخلوق کی ذات وصفات کی طرح قرار دینے والے صوفیاء کی بدعات وخرافات اور معاشرہ میں پھیلے ہوئے غلط رسوم وعادات سے اجتناب کرنے کا، نیز عبادتوں میں خلل ڈالنے والی چیزوں سے پرہیز کرنے، عبادتوں کی ادائیگی کے ذرائع اختیار کرنے اور رذائل سے الگ تھلگ ہونے اور فضائل سے آراستہ ہونے کا گویا ان امور کے اختیار کرنے پر تزکیہ نفس موقوف ہے۔ انتہائی خراب اور رذیل صفتیں دس ہیں: ؎

خواہی کہ شود دل تو چوں آئینہ　　　ده چیز برون کن از درون سینہ

یعنی اگر تجھے اپنے دل کو آئینہ کی طرح پاک وصاف کرنے کی خواہش ہے تو اپنے سینہ سے دس چیزوں کو نکال باہر پھینک دے۔　　　وہ دس چیزیں یہ ہیں:۔

۱۔حرص، ۲۔طمع، ۳۔بخل، ۴۔حرام، ۵۔غیبت، ۶۔جھوٹ، ۷۔حسد، ۸۔کبر، ۹۔ریا اور ۱۰۔کینہ۔

سلف صالحین کے نزدیک رذائل تزکیہ یعنی ان سے پاکی حاصل کرنا پہلے ہوا کرتا تھا اور اہم تھا۔ تاکہ اس کا کچھ اثر باقی نہ رہے۔ اسی لیے وہ حضرات بے انتہا عنایاتِ الٰہی کے مستحق ہوئے اور مقبول بارگاہِ الٰہی بن گئے۔ اور جو بھی درج شدہ مراتب سلوک کو طے کرنے کے باوجود عنایاتِ الٰہی کے لائق نہیں ہوا، اس کے اندر تمام یا بعض رذائل کے آثار ضرور پائے گئے ہیں۔ ان رذائل کا وجود عنایاتِ الٰہی کے نزول کے لیے رکاوٹ کا باعث ہوا کرتا ہے۔ ان امور کی تفصیل "احیاء العلوم" "کیمیائے سعادت" اور سلوک کی دیگر کتابوں میں دیکھنا چاہیے۔ مولوی اسمٰعیل دہلوی نے بھی "صراطِ مستقیم" کے دوسرے باب میں بقدرِ ضرورت قلمبند کیا ہے۔

یہ بات بھی توجہ کے لائق ہے کہ مولانا شاہ اہل اللہ دہلوی جو مولانا شاہ ولی اللہ دہلوی کے بھائی ہیں "چہار رباب" کے تیسرے باب میں اسی مقام سے متعلق فرماتے ہیں کہ ہر انداز اور ہر طریقہ سے اللہ تعالیٰ کو یاد کیا جاے اور وہ تمام اطاعتوں اور عبادتوں سے بہتر اور اچھی چیز ہے۔ چاہے دل سے چاہے زبان سے چاہے اعضاء وجوارح یعنی ہاتھ، پاؤں سے ہو چاہے جَنان یعنی قلب سے ہو۔ لیکن جن طریقوں کو اولیاء اللہ تعالیٰ نے پیشوایانِ طریقت اور مقتدیانِ حقیقت نے مقرر اور متعین فرمایا ہے وہ بہترین طریقے ہیں۔ یہ حضرات فرماتے ہیں کہ آدمیت کا کمال اور انسانیت کا شرف تین چیزوں پر موقوف ہے۔

پہلا: تزکیۂ ظاہر۔ دوسرا۔ تصفیۂ باطن۔ تیسرا۔ تخلیۂ قلب۔

تزکیۂ ظاہر: یعنی ظاہر کو پاک کرنے سے مراد یہ ہے کہ اپنے ظاہر کو ظاہر شریعت کے تمام احکامات سے متصف کرے اور دائرہ شریعت جو طریقت کی بنیاد ہے۔ اس سے سرمو یعنی بال برابر تجاوز نہ کرے چاہے وہ مامورات کے قبیل سے

ہو یا ان کو ادا کرے یا منہیات کے قبیل سے ہوں ان سے باز رہے۔ اس باب میں فقہ اور حدیث کی کتابیں ضرورت کو پوری کرنے کے لیے کافی ہیں۔ اس رسالہ میں ان کا ذکر اجمالاً آچکا ہے۔

تصفیۂ باطن سے مراد یہ ہے کہ اپنے باطن کو تمام اوصافِ رذیلہ جیسے بخل، بغض، حسد، کبر، ریا، حبِّ دُنیا، جاہ پرستی، فخر اور خود بینی وغیرہ سے جو درحقیقت سمِّ قاتل ہیں ان سب سے پاک کرے اور سرمایۂ نجاتِ ابدی اور حیاتِ سرمدی کو حاصل کرے۔ نیز تمام صفاتِ جمیلہ جیسے صبر، توکل، رضا بقضا، قناعت، حلم اور علم وغیرہ سے اپنے باطن کو آراستہ کرے۔ ان صفات میں سے ہر ایک صفت، بہترین ثمرات عطا کرتی ہے۔ ان کا ذکر آداب و سلوک کی مختلف کتابوں میں تفصیل سے ذکر کیا جاتا ہے۔ اس لیے ان کو اس رسالہ میں تفصلاً بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہوئی۔ البتہ اختصار کے ساتھ باب چہارم میں بیان کیا جائے گا۔

تخلیۂ قلب سے مراد یہ ہے کہ اپنی روح کی توجہ اور اپنے اخلاصِ دل کو حق سبحانہٗ و تعالیٰ کی طرف لے آئے جیسا کہ کسی بھی چیز کے ساتھ ہوتی ہے۔ نیز کسی بھی چیز کی الفت و محبت اس کے دل میں باقی نہ رہنی چاہیے اور ہمیشہ خدائے تعالےٰ کی یاد اور اس ذاتِ مطلق کی دوستی اور نسبت دل کی لازمی صفت ہو جائے اس طرح کہ جتنا بھی صحیح غور و فکر کرے اپنا مقصود اصلی اس ذات کے علاوہ کسی اور کو نہ پائے۔

کاملینِ طریقت نے اس کے طریقہ اول کو اس طرح بیان فرمایا ہے کہ پہلے آنکھ بند کرلے، زبان کو حلق کی طرف موڑلے اور اپنی زندگی کو دمِ واپسیں جانے اور دل سے کلمہ نفی و اثبات جو لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ سے عبارت ہے (جس کو افضل الذکر قرار دیا گیا ہے) کہے۔ اس کے معنی و مطلب کا تصوّر کرے۔ اسی طرح لَآ اِلٰـهَ کے وقت اپنی ذات کو اور تمام ماسوی اللہ کو عدم یعنی نیست جانے اور اِلَّا اللّٰهُ کہتے وقت ذاتِ مجرّد بے کیف حضرت باری تعالیٰ کا اثبات کرے اور اس کا تصور اس طرح کرے کہ تعظیم اور محبت سے بھرپور اور کامل ہو۔ ہمیشہ اس ذکر پر مداومت کرے تاکہ اس ذات کے بے کیف کا حضور بلا تکلف لازمی اور دائمی ہو جائے۔ پھر اس یاد داشت کی حفاظت کرے۔

دوسرا طریقہ یہ ہے کہ اسمِ ذات جو کلمہ اَللّٰہ سے عبارت ہے اس کو اس کے حرکات و سکنات یعنی پوری قوت کے ساتھ دل سے کہے اور ضرب لگائے تاکہ اس کی گرمی کا اثر دل میں پیدا ہو جائے اور ہر بار اور ہر مرتبہ تصوّر کرے کہ اللہ تعالےٰ کے سوا کوئی بھی مقصود، محبوب، مطلوب اور معبود نہیں ہے۔ یہاں تک کہ اپنے دل کو ماسوی اللہ کی محبت سے خالی دیکھے۔ عالم اور عالم کے تمام موجودات کو معدوم جانے اور ذاکر اپنی ہستی کو مذکور یعنی اللہ کی ہستی میں فانی جانے۔ جب ایسا ہو جائے تو پھر

ہمیشہ اس نسبتِ عالیہ کی حفاظت میں کوشاں رہے جَدِّدُوْا اِیْمَانَکُمْ بِقَوْلِ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ (یعنی اپنے ایمان کو کلمہ لآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کے قول سے تازہ کرو) سے اسی ذکر نفی واثبات کی طرف اشارہ ہے۔ وَقُلِ اللّٰہُ ثُمَّ ذَرْھُمْ (یعنی پہلے اللہ کہو پھر ان سب مخلوقات کو چھوڑ دو) اشارہ ہے۔ اسی طریق ثانی کی طرف جو کہ ذکر اسم ذات ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، وَاذْکُرْ رَّبَّکَ فِیْ نَفْسِکَ تَضَرُّعًا وَّخِیْفَۃً وَّدُوْنَ الْجَھْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ وَلَا تَکُنْ مِّنَ الْغٰفِلِیْنَ: یعنی یاد کرو تم اللہ تعالےٰ کو ہمیشہ اپنے دل میں اور غافلین میں سے مت ہوجاؤ۔

حاصل کلام

یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ اپنے تمام بندوں سے اُن کی شہ رگ سے زیادہ قریب ہے۔ حجاب اور دوری یہ سب اپنی غفلت کا نتیجہ ہے۔ جب یہ غفلت ختم ہوجائے گی اور خلاصہ عبادت جو کہ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ یعنی نہیں پیدا کیا میں نے جنّات اور انسانوں کو مگر میری اپنی عبادت کے لیے۔) اسی کی شان میں واقع ہوئی ہے وہ حاصل ہوجائے گا۔ کیوں کہ جو سلوک آدمی کے بس میں ہے وہ یہیں تک ہے اس کے بعد فضل الٰہی کا فیضان استعداد اور ارادت ازلی کے مطابق ہوتا ہے۔ وَالسَّعْیُ مِنِّیْ وَالْاِتْمَامُ مِنَ اللّٰہِ۔ یعنی کوشش کرنا میرا کام ہے اور پورا کرنا اللہ تعالےٰ کا کام ہے۔

راہِ سلوک کی ابتداء میں اسم ذات یعنی لفظ اللّٰہ کو بارہ ہزار مرتبہ اور ذکر لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کو ایک ہزار ایک مرتبہ ہمیشہ مواظبت کے ساتھ لازم پکڑے۔ اس سے عجیب وغریب آثار وعلامات ظاہر ہوں گے۔ وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ۔

یقیہ مضمون "نقوشِ طاھر" کا (صـ57 کا بقیہ)

اس زمانہ میں بھی طالبانِ علوم دین اسی والہانہ جذبہ اور سعیٔ بلیغ کریں تو عجب ہے کہ تاریخ پھر سے دہرائی جائے اور انھیں بھی بلند مقام حاصل ہو اور زندہ جاوید بنے رہیں۔ اور انھیں بھی حیاتِ جاودانی حاصل ہوگی اور نہ معلوم روزِ قیامت میں کتنے لوگوں کی بخشائش ہوگی۔

تصنیفِ لطیف ماہرِ علمِ دین شریعت وطریقت، واقفِ رموزِ معرفت وحقیقت
حافظ قرآن مجدّد جنوب حضرت شاہ محی الدین سید شاہ عبد اللطیف قادری نقوی
المعروف بہ قطب ویلور قدس سرہٗ: المتوفی ۱۲۸۹ھ

نوادر الدائق ترجمہٗ جواہر الحائق

ترجمہ و تشریح: حضرت علامہ ڈاکٹر حکیم سید افسر باشاہ صاحب قاسمی صبغۃ اللٰہی شفا ڈسپنسری، بنگلور روڈ۔ ویلور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ

حمد تیری اے خدائے لم یزل — ہے یہ اپنی زندگی کا ماحصل
نام تیرا میرے دل کی ہے دوا — ذکر تیرا روح کی میری شفا

جب زباں پر محمدؐ کا نام آگیا — دوستو زندگی کا پیام آگیا
آپ کی مدح انساں کیا کرسکے — عرش سے جب درود و سلام آگیا

ہر قسم کی تعریف ثابت ہے اس پاک پالن ہار کے لئے جو ساری کائنات کا خالق و پروردگار ہے اور ہزاروں ہزار بار درود و سلام اس دربار گہربار خلاصۂ کائنات، فخرِ موجودات، محسنِ اعظم، فخرِ آدم محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ و آلہٖ وسلم

پر جن کی بدولت وطفیل اسلام کا بول بالا ہوا اور شرک وضلالت کفر وجہالت کا منہ کالا ہوا۔

الحمد للہ! زیرِ نظر کتاب " نوادر الدقائق " ترجمہ " جواھر الحقائق " کی یہ انیسویں قسط ہے جسے ہم آپ کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔ جو کتاب " جواھر الحقائق " کا فائدہ نمبر ہفتم یعنے ساتویں فائدہ کا ترجمہ ہے۔ انشاء اللہ سروع ہورہا ہے۔

اس ترجمہ کے تعلق سے التماس ہے کہ اس کے اندر اتنی رعایت اور کوشش کی ہے کہ ترجمہ ہر اعتبار سے لفظی اور بامحاورہ ہو اور جہاں عبارت دقیق اور مشکل معلوم ہوتی ہے وہاں عبارت کا خلاصہ یا حاصلی ترجمہ کردیا ہے۔ پھر بھی بعض مقامات پر مشکل اور ادق الفاظ کے افہام وتفہیم میں دشواری محسوس ہونے پر حتی الوسع قوسین کے اندر اس کی تسہیل کردی ہے۔ جو راقم الحروف مترجم کی طرف سے ایک خفیف اور ہلکا سا اضافہ اور فائدہ ہے۔ اور جہاں تشریح کا مستقل عنوان ہے، وہاں مترجم کی طرف سے مزید افہام وتفہیم کی ایک ادنیٰ تشریح اور کوشش سمجھیں

زیرِ نظر کتاب " نوادر الدقائق " ترجمہ " جواھر الحقائق کی یہ انیسویں قسط، الحمد للہ! درج ذیل عناوین پر مشتمل ہے۔

۱۔ وجود کے لئے ایک غیر عنصری عالم۔ ۲۔ اشیاء کا جسم لطیف۔

۳۔ تشریحِ مترجم۔ ۴۔ تشریحِ مترجم۔

۵۔ تشریحِ مترجم۔ ۶۔ حقیقت عذاب قبر۔

۷۔ عذابِ قبر پر اعتراض۔ ۸۔ عذابِ قبر حجر عقلیات اور مثالات سے۔

۹۔ ذوق و وجدان۔ ۱۰۔ عالم مثال۔

۱۱۔ تشریحِ مترجم۔ ۱۲۔ طئے مکان وطئے زمان۔

۱۳۔ تشریح مترجم اور فراستِ مومن۔

شیخ المشائخ حضرت قطب ویلور قدس اللہ سرہٗ نے اپنی کتاب " جواہر الحقائق میں ارشاد فرماتے ہیں کہ:

وجود کے لئے ایک غیر عنصری عالم

عالم مثال میں قرآن مجید اور احادیث شریف اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ وجود کے لیے ایک ایسا عالم ہے جو غیر عنصری ہے۔ یعنے وہ مادی نہیں ہے۔ یہاں معانی جس جسم وشکل سے مناسبت ومشابہت رکھتے ہوں اسی صفت میں ڈھل جائے اور اس جیسے ہو جاتے ہیں۔ جس طرح علم کے لئے دودھ کی مناسبت نفع پہنچاتے ہیں

ہوتی ہے اور شیر کی نسبت بہادری اور جرأت میں ہوتی ہے (اور جب کوئی جری اور بہادر ہوتا ہے تو کہتے ہیں زید کالاسد یعنے زید شیر کی طرح بہادر اور نڈر ہے۔ اس کے یہ معنی نہیں کہ زید واقعی بالکل شیر بن گیا ہے۔) اور اس کے اندر جسمانی وجود سے پہلے اس کی خصلت کا وجود ہوتا ہے۔ پھر جسمانی وجود کے بعد وہ روحانی صورت اس جسمانی صورت کے ساتھ "ھُو ھُو" کے معنوں میں ایک معنی اختیار کرتی ہے۔ جب کہ "ھو ھو" کے بہت سارے معانی نکلتے ہیں۔ چناں چہ مُرَبَّع موہوم (خیالی چوکور خانہ یا نقش جو ذہن کے اندر بیٹھ جائے) یہ مُرَبَّع مُجَسَّم (شکل وصورت) کے خیالی نقش کی ایک شکل اختیار کرلیتا ہے۔ اسی وجہ سے کہا جاتا ہے کہ ہمارے نفس وخواہش کے اندر جو کوئی نقشہ موجود ہوتا ہے وہی مُرَبَّع کہلاتا ہے۔ جو خارجی طور پر ظاہر ہوتا ہے۔ اور ایک دل میں چھپی ہوئی پوشیدہ صورت خیال کی قوت کے ساتھ بعینہٖ (اسی شکل وصورت میں جو دل میں چھپی ہوئی تھی) ظاہر ہوتا ہے جو کہ خارج میں (پہلے سے) موجود تھا۔

۲۔ اشیاء کا جسم لطیف

چیزوں کا عوام کے پاس جسم نہیں ہوتا (یعنے عوام الناس ان کے جسم کے قائل نہیں ہیں۔ کیوں کہ یہ نظروں سے اوجھل ہوتی ہیں اور نظر نہیں آتی ہیں) اس لئے کوئی شخص انھیں نہیں دیکھ سکتا۔ کیوں کہ یہ لطیف جسم رکھتی ہیں۔ (اگر ان کا ثقیل جسم ہوتا تو سب اس کا مشاہدہ کرتے اور نظروں سے دیکھتے) مگر چونکہ یہ لطیف جسم رکھتی ہیں اور نقل وحرکت بھی آتار چڑھاؤ کی (اپنے اندر صلاحیت رکھتی ہیں اس لئے) انھیں بعض حضرات دیکھ سکتے ہیں (اور وہ نفوس قدسیہ اولیائے کرام ہیں)۔

چناں چہ اللہ تعالےٰ ارشاد فرماتے ہیں: فارسلنا الیھا روحنا فتمثل لھا بشرا سویا۔ (پس ہم نے بھیجا اس کی طرف اپنے فرشتے کو سو وہ اس کے پاس پورا آدمی بن کر آیا۔

تشریح مترجم

یعنے حضرت مریم علیہا السلام کے پاس حضرت جبرئیل امین علیہ السلام ایک نوجوان خوب صورت مرد کی شکل میں پہنچے جس طرح فرشتوں کی عادت ہوتی ہے کہ عموماً خوش منظر صورتیں اختیار کرتے ہیں اور اسی شکل میں آتے ہیں۔ چناں چہ صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین میں جو خوبصورت تھے وہ حضرت دحیہ کلبیؓ تھے۔ اکثر حضرت جبرئیل علیہ السلام انہیں کی صورت سے متمثل ہو کر سرکار مدینہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔

یہاں آیت فتمثل لھا بشرا سویا میں حضرت مریم علیہا السلام کا ممکن ہے امتحان بھی مقصود ہو کہ ایک حسین وجمیل خوب صورت جوان کے اچانک سامنے آجانے پر بھی ان کی انتہائی عفت، وپاکدامنی وپاکبازی اور تقویٰ وپرہیزگاری کو ایک ادنیٰ ترین جنبش بھی نہ دے سکے۔

اولاد ہونے کی چار صورتیں ہو سکتی ہیں:

۱۔ بغیر ماں باپ کے کوئی پیدا ہو جائے۔ جیسے حضرت آدم علیہ السلام ہیں اور صالح علیہ السلام کی اونٹنی ہے
۲۔ بغیر ماں کے پیدا ہو۔ جیسے حضرت حواء علیہا السلام ہیں۔
۳۔ ماں باپ دونوں کے اشتراک واختلاط سے پیدا ہو۔ جیسے عام مخلوق کی پیدائش ہے۔
۴۔ بدون باپ کے پیدا ہونا جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت ہے

حضرت مولانا شاہ عبدالقادر محدث دہلویؒ (المتوفی ۱۲۳۰ھ) فرماتے ہیں کہ اس میں لوگوں کے لئے ایک نشانی ہے۔ یعنے بن باپ کے لڑکا پیدا ہوا، یہ اللہ کی قدرت ہے۔ (تشریح ختم)

حدیث (۱) اور اللہ کے رسول صلے اللہ علیہ وسلم (اس تصوراتی اور خیالی شکل وصورت پر) ارشاد فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن اعمال پیش ہوں گے (پہلے) نماز آئے گی، پھر صدقہ آئے گا، پھر روزہ حاضر ہوگا۔ (الی آخر حدیث)

حدیث (۲) اور اللہ کے رسول صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ بے شک رات و دن پیش ہوں گے (اپنی اپنی شکل میں) اور جمعہ کا دن روشن اور چمکتا ہوا آئے گا

حدیث (۳) اور ارشاد فرمایا (سرکار مدینہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے) کہ قیامت کے دن دُنیا ایک بوڑھیا کی شکل میں آئے گی۔ جو بکھرے بال، سبز ونیلگوں آنکھوں والی اور کبودی رنگ (آسمانی رنگ) کے دانتوں والی اور پاگلوں کی طرح ذلیل ورسوا حالت میں ہوگی۔

حدیث (۴) اور حدیث میں آیا ہے کہ (قیامت میں) موت ایک مینڈھا بکرے کی شکل میں آئے گی۔ جسے جنت اور دوزخ کے درمیان ذبح کردیا جائے گا۔

تشریح مترجم

اور سارے لوگ اس مینڈھے کو دیکھتے ہی اچھی طرح پہچان لیں گے کہ یہ ہماری موت ہے اور جب اسے ذبح کردیا جائے گا تو سب سمجھ لیں گے کہ آئندہ کبھی ہم پر موت نہیں آئے گی۔ اس سے جہاں جنتی بہت خوش ہوں گے اور

خوشیاں منائیں گے۔ وہیں جہنمی بُری طرح مایوس ہوکر کہیں گے: اے کاش! پھر سے ہمیں ایک بار گی دنیا میں لوٹا دیا جاتا تو ہم بھی ان لوگوں کی طرح اچھے اعمال اور نیکیوں سے مالا مال ہوکر لوٹتے اور جنّتی بن کر اتے اور جنّتیوں کے ساتھ مل کر ہم بھی خوشیاں مناتے مگر ہائے افسوس! اب ایسا نہیں ہوسکتا۔ وہ موقع ہاتھ سے نکل گیا ہے: ؎

اب پچھتائے کیا ہوّت ہے جب چڑیاں چُگ گئیں کھیت

غرض یہ لوگ اپنا سر پیٹتے رہ جائیں گے۔ ان کی نظروں کے سامنے اصل موت کی جڑ کاٹ دی گئی اور اس کا قلع قمع ہوگیا اور "نہ رہے بانس، نہ بجے بانسری" کا ثبوت پورے وثوق سے مل گیا اور پوری مایوسی سے دوزخی کہیں گے کہ ہماری موت کو ذبح کرکے اب ہمیں ہمیشگی اور دائمی سزا میں مبتلا کردیا گیا: فیا اسفاہ۔ (تشریح ختم)

حدیث (۵) اور حدیث شریف سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام اللہ کے نبی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس تشریف لاتے تھے اور آپؐ سے ہم کلام بھی ہوتے تھے۔ مگر صحابہ کرام رضوان اللہ تعالےٰ علیہم اجمعین انھیں نہیں دیکھتے تھے (اور نہ ان کے اس کلام کو سنتے تھے۔ ہاں یہ اور بات ہے کہ کبھی وہ حضرت دحیۂ کلبی کی شکل میں آتے تھے اور وہ بھی مجلس میں جب دو دحیہ کلبی ہوتے تو سمجھتے تھے کہ ان میں سے ایک حضرت جبرئیل امین بھی ہیں۔)

حدیث (۶) اور حدیث میں آتا ہے کہ (صالحین اور نیک لوگوں کے حق میں) قبر کشادہ ہوجاتی ہے ستّر گز لمبی اور ستّر گز چوڑی ہوجاتی ہے اور بُرے لوگوں کے لئے قبر اس قدر تنگ ہوجاتی ہے کہ مُردے کی ہڈیاں ایک دوسرے میں پیوست ہوجاتی ہیں یعنے آپس میں مل جاتی ہیں۔

حدیث (۷) حدیث میں آتا ہے کہ آسمان سے فرشتے قبر میں اُترتے ہیں اور مُردوں سے سوال کرتے ہیں۔

حدیث (۸) میں ہے کہ انسان کا عمل اس کی اپنی شکل میں آتا ہے۔

حدیث (۹) حدیث میں آتا ہے کہ نیک لوگوں کے پاس قبر میں فرشتے اس حال میں آتے ہیں کہ اُن کے ہاتھ میں ریشمی لباس، عبا، قبا ہوتا ہے۔

حدیث (۱۰) میں ہے کہ گنہ گار اور نافرمان بندوں کے پاس قبر میں فرشتے اس حال میں آتے ہیں کہ اُن کے ہاتھوں میں لوہے کے گرز اور ہتھوڑے ہوں گے اور اس سے مُردے کے جسم پر اس زور سے ماریں گے کہ مردہ بڑے زور سے چیخے چلّائے گا اور اس کی یہ چیخ و پکار مشرق و مغرب کے درمیان ہر ایک سُنتا ہے۔ (سوائے انسان کے)

حدیث (۱۱) (قیامت کے دن) اللہ تعالیٰ بہت سی صورتوں اور شکلوں میں تجلّی فرمائیں گے۔ جسے میدانِ حشر میں زائرین اچھی طرح مشاہدہ کریں گے۔

حدیث (۱۲) بے شک اللہ کے نبی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے ربّ جلّ جلالہ وعم نوالہٗ کی خدمت میں حاضر ہوں گے اور اللہ تعالےٰ اپنی کرسی پر جلوہ افروز ہوں گے۔

حدیث (۱۳) اور بے شک اللہ تعالےٰ آدم علیہ السلام کی اولادوں سے ہم کلام ہوں گے۔ بلا حجاب کے جس کا شمار نہیں کیا جا سکتا کہ آخر وہ کس نوعیت کا کلام ہوگا؟)

(اور حجۃ اللہ علی الارض حضرت شاہ ولی اللہ محدّث دہلوی اپنی کتاب "حجۃ اللہ البالغۃ" میں یہ ارشاد فرماتے ہیں کہ (ان مذکورۂ بالا) احادیث میں غور کرنے سے تین باتوں میں سے ایک بات ضرور معلوم ہوتی ہے۔

(۱) یا تو ان احادیث کے ظاہری معنی کو متعین کرنا ہوگا۔ اس عالم کے ثابت کرنے کے لئے جو ہم نے اس کی حقیقت بیان کی اور یہ محدّثین کے قاعدہ کے مطابق بھی ہے اور اس کا تقاضہ بھی یہی چاہتا ہے اور (علامہ سیوطی محدّث علیہ الرحمہ) نے اس پر زور دیا ہے اور اسی طرف میرا رجحان بھی ہے اور یہی میں بھی کہتا ہوں۔ (یعنے حضرت قطب ویلور قدس سرہٗ کی رائے عالی بھی یہی ہے اور اس طرف ان کا بھی خیال ہے۔)

(۲) اور یا کہا جائے کہ یہ اپنے ارادے اور خیالات کی حس سے واقع ہوتے ہیں اور اپنی آنکھوں میں اس کی مثل اور شکل ظاہر ہوگی کہ خارج حس میں واقع نہ ہو۔ (جیسے نیند کی حالت میں خواب کی شکل میں پیش آنے والے حالات وواقعات ہیں۔)

اور مثال کے طور پر (اسے سمجھنے کے لئے) حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہما کا وہ ارشادِ گرامی کافی ہے جو انہوں نے اللہ تعالےٰ کے قول یوم تاتی السمآء بدخان مبین۔ (جس دن لائے آسمان صریح دھواں) کے تحت فرمایا ہے کہ وہ شدید قحط سالی میں مبتلا ہوں گے۔ ان میں کوئی مارے بھوک کے آسمان کی طرف آنکھیں اٹھائیگا تو دیکھے گا آسمان تو نہیں ہے اس کی جگہ صرف دھواں ہی دھواں ہے۔

۵۔ تشریح مترجم

حضرت مولانا شاہ عبدالقادر محدّث دہلوی (المتوفی ۱۲۳۰ھ) نے یہاں دخان کا مطلب قیامت کے دن کا دھواں مراد لیا ہے۔ جو حضرت عبداللہ ابن عباس رضؓ حضرت عبداللہ ابن عمرؓ، حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت زید بن علیؓ

کا اختیار کردہ اور فیصلہ کن قول ہے کہ قیامت کے قریب آسمان سے ایک دھواں اٹھے گا جو تمام لوگوں کو گھیر لے گا۔ نیک لوگوں کو اس کا اثر خفیف پہنچے گا۔ جس سے وہ حضرات نزلہ اور زکام سا محسوس کریں گے اور کافر اور منافقین کے دماغ میں جب یہ دھواں گھسے گا تو اس سے وہ سخت اذیت اور پریشانی میں مبتلا ہوں گے۔ اور ناقابل برداشت اذیت سے دوچار ہو کر وہ بے ہوش ہو جائیں گے۔

دخان کی یہ تفسیر مذکورہ بالا حضرات صحابہ کرامؓ کی تفسیر و تاویل تھی۔ مگر حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ اس تاویل و تفسیر سے شدید اختلاف فرماتے ہیں۔ چناں چہ حضرت مسروق تابعیؒ کوفہ میں ان حضراتؓ کی یہ تاویل سن کر حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ رضی اللہ عنہما کے پاس تحقیق مسئلہ کے لیے حاضر ہوئے۔ آپؓ لیٹے ہوئے تھے اور اُن سے اپنی یہ سنی ہوئی تفسیر سنائی تو وہ اس دھوئیں سے متعلق یہ تاویل سُن کر کھڑے ہو گئے اور زور و شور کے ساتھ دعویٰ کیا کہ اس آیت سے مراد وہ دھواں نہیں جو علامات قیامت میں سے ہے بلکہ میرے آقا سرکار مدینہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہدِ نبوت میں قریش کی بیہودہ شرارت و خرافات، تمرد و سرکشی، طغیانی اور ہٹ دھرمی سے تنگ آکر اللہ کے رسول صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ دعا فرمائی کہ یا اللہ! ان لوگوں پر بھی سات سال کا قحط مسلط کر دے جس طرح حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانہ میں مصریوں پر مسلط ہوا تھا۔ چناں چہ قحط پڑا اور ایسا زبردست قحط پڑا جس میں مکہ والوں کو ہڈیاں، چمڑیاں اور مردار کھانے کی نوبت آگئی۔

بعض روایات میں آتا ہے کہ ابو سفیان وغیرہم نے جو اس وقت مشرف با سلام نہیں تھے حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں یہ فریاد کی کہ آپؐ تو کہتے ہیں کہ میں نبیٔ رحمت ہوں اور یہ آپؐ کی قوم قحط و خشک سالی سے دوچار ہے۔ تباہ و برباد ہو رہی ہے۔ ہم آپؐ کو رحم و قرابت کا واسطہ دیتے ہوئے عرض کرتے ہیں کہ آپؐ اس مصیبت اور پریشان حالی کے دُور ہونے کی دعا کیجئے۔ اگر ایسا ہو گیا اور ہم پر کشادگی اور فراخی ہو گئی تو ہم آپؐ پر ضرور ایمان لائیں گے۔

چناں چہ آپؐ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعا فرمائی۔ جس سے بارش خوب ہوئی اور سارا صحرائے عرب چمن زار و گلزار بن گیا اور نتیجتاً ان کی قحط سالی خوش حالی میں بدل گئی۔ مگر اس کے باوجود یہ حضرات اپنی جبلت و خصلت سے مجبور تھے۔ پھر بھی ایمان نہیں لائے۔ (تشریح ختم)

(۳) اور ان تینوں باتوں میں سے تیسری بات یہ ہے کہ مشہور فلاسفر ابن ماجشون کے ذریعہ یہ ذکر کیا گیا ہے کہ

(مذکورہ بالا احادیث میں سے) یہ حدیث روزِ قیامت محشر میں نقل و رؤیت کے اعتبار سے ہے۔ یعنی دیدار کے تعلق سے وارد ہے۔ اس کا معنی یہ ہے کہ اس وقت آنکھیں اپنی خلقت کے اعتبار سے بدلی ہوئی ہوں گی اور وہ (اچھی طرح) دیکھیں گی۔ اترتے ہوئے تجلیات کو پھر وہ صحیح سالم ہو جائیں گی اور (اللہ کے حضور) لوگ مناجات کریں گے (اور بلا خوف و خطر اس سے) بات چیت بھی کریں گے۔ جب کہ وہ اللہ تعالیٰ کی شان عظمت و جلال سے (متاثر) اور خوف زدہ بھی نہ ہوں گے اور وہ منتقل اور بدلے ہوئے ہوں گے اور وہ اچھی طرح سے جان پہچان لیں گے۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہر چیز پر قدرت رکھتی ہے۔ ان احادیث کو (اسلامی فلاسفر اور ماجشوں نے) مثال کے طور پر دوسرے معانی کی تفہیم و تشریح کی خاطر پیش کیا ہے۔

۶۔ حقیقتِ عذابِ قبر

اور میں اہلِ حق کی اس تیسری بات یا قول پر کوئی قصر (محل) تعمیر نہیں کر رہا ہوں۔ حضرت امام غزالی علیہ الرحمہ نے عذابِ قبر کے متعلق ان تینوں مقامات و حالات پر اپنی رائے قائم کی ہے اور یہ تصوّر دیا ہے کہ ان احادیث و اخبار کی مثالوں کے اندر ظواہر صحیحہ بھی ہیں اور اسرار خفیفہ بھی (یعنی ان کے اندر ظاہری صحیح معنی بھی ہیں اور باطنی اسرار و حقائق اور مخفی نکات و رموز بھی ہیں۔) مگر یہ سب کچھ بھی اربابِ اہلِ بصیرت (بصیرت والے حضرات اولیاء) کی نگاہوں میں صاف ظاہر ہوتے ہیں، واضح ہوتے ہیں۔ (اور حدیث اتقوا فراسة المؤمن فانّہ ینظر بنور اللّٰہ ، مؤمن کی بصیرت اور فراست سے ڈرو کیوں کہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے کے تحت ہوتا ہے۔) اور جن حضرات پر ان کے حقائق و رموز کا راز فاش نہیں ہوتا اور اُن پر حالات منکشف نہیں ہوتے اُن کے لئے یہ مناسب بھی نہیں ہے کہ وہ ان حقائق و شواہد، اسرار و حکم کا (صاف طور پر) انکار کر بیٹھیں بلکہ (یہ حقیقت ہے کہ) ایمان کا سب سے کم درجہ تسلیم و رضا اور تصدیق ہے۔ (دل سے ماننا، راضی رہنا اور اقرار کرنا ہے۔)

۷۔ عذابِ قبر پر اعتراض

(یہی حضرت امامِ غزالی رحمۃ اللہ علیہ آگے ارشاد فرماتے ہیں کہ) اگر تیرے دل میں یہ بات آئے اور کہے ہم نے تو کافر کی قبر کو مدتوں دیکھا ہے اور اس کا مراقبہ بھی کیا ہے مگر ان باتوں میں سے کوئی چیز نہیں دیکھی (نہ اس کو عذابِ قبر ہوتے دیکھا ہے اور نہ اس کی قبر کو تنگ ہوتے آپس میں ملی جلی اور چپکی ہوئی دیکھا ہے) پھر کس طرح ہم اس مشاہدہ کے خلاف مان لیں گے تسلیم و تصدیق کریں گے (دیکھنے میں بظاہر عام قبروں کی طرح وہ بھی ایک قبر ہی ہے۔ نہ اس میں کشادگی ہے نہ تنگی۔ وہاں عذاب کہاں آیا؟ سزا و جزا کہاں ہوئی؟ پھر کیسے ہم اس پر یقین کر لیں؟ اس اعتراض کا جواب دیتے ہوئے آگے فرماتے ہیں:

نقوش طاہر

علمائے حق بخشائش امت ہیں

سالنامۂ اللطیف 1984ء میں حضرت اقدس مولانا ابو الحسن صدر الدین سید شاہ محمد طاہر قادری علیہ الرحمۃ، سابق ناظم دار العلوم لطیفیہ حضرت مکان ویلور کا ایک مفید و دلچسپ اور فکر انگیز و بصیرت افروز مضمون "علمائے حق بخشائش امت ہیں" شائع ہوا تھا۔ "اللطیف" کے اس شمارے کی زینت ہے۔ ——— [ادارہ]

علم دین کی عظمت وفضیلت اور عالم دین کے بلند مقام ومرتبہ سے متعلق حضرت کعب بن احبار رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ روز قیامت اللہ تعالیٰ کے دربار میں ایک شخص کو لایا جائے گا جو اس کے گناہ کا پلّہ اس کی نیکیوں پر بھاری رہے گا۔ حکم ہوگا کہ اس کو دوزخ میں داخل کریں۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ پھر فرماتے ہیں: اے جبرئیل! جاؤ میرے بندے سے دریافت کرو کہ وہ دنیا میں کسی عالم کی مجلس میں بیٹھا تھا؟ حضرت جبرئیل کے دریافت کرنے پر معلوم ہوگا کہ نہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا: اے جبرئیل جاؤ میرے بندے سے دریافت کرو کہ وہ کسی عالم کے دسترخوان پر کھایا ہے؟ جبرئیل علیہ اس سے دریافت کرنے پر معلوم ہوگا کہ نہیں۔ جبرئیل علیہ السلام اللہ تعالیٰ سے فرمائیں گے کہ یا الہ العالمین تیرا بندہ انکار کرتا ہے۔ تو پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا: اے جبرئیل! جاؤ میرے بندے سے یہ دریافت کرو کہ آیا وہ کسی عالم کے کوچہ اور محلہ میں رہتا تھا؟ جبرئیل فرمائیں: یا الہ العالمین! تیرا بندہ انکار کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: اے جبرئیل! جاؤ میرے بندے سے یہ دریافت کرو کہ اس کا نام ونسب کسی عالم سے ملتا تھا؟ جبرئیل کے دریافت کرنے پر معلوم ہوگا کہ نہیں۔ جبرئیل فرمائیں گے

یا اللہ العالمین تیرا بندہ انکار کرتا ہے۔ تو پھر اللہ تعالےٰ فرمائے گا: اے جبرئیل جاؤ میرے بندے سے دریافت کر کہ وہ کسی ایسے شخص سے دوستی رکھتا تھا جو کسی عالم کو محبوب رکھتا ہو؟ حضرت جبرئیل کے دریافت کرنے پر معلوم ہوگا کہ ہاں! حضرت جبرئیلؑ اللہ تعالےٰ سے فرمائیں گے: یا اللہ العالمین! تیرا بندہ اثبات میں جواب دے رہا ہے تو اللہ تعالےٰ فرمائے گا: اسی ایک بات پر میں اس کے گناہوں کی بخشش کرتا ہوں۔ جاؤ اسے جنت میں داخل کرو۔

ایک عالمِ حقّانی کے بلند مقام و مرتبہ کی کیا شان ہے کہ کوئی شخص کسی عالم کی صحبت میں رہا ہو یا اُس کی مجلس میں بیٹھا ہو یا اُس کے دسترخوان پر کھانا کھایا ہو یا اُس کے محلّہ و کوچہ میں رہا ہو یا اُس کے نام و نسب سے نسبت رکھتا ہو تو کسی ایسے شخص سے دوستی رکھتا ہو جو کسی عالم کو محبوب رکھتا ہو تو اللہ تعالےٰ کسی ایک حیلہ سے اس کی بخشائش فرماتا ہے اور اس کو جنّت میں داخل کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ علمائے سلف علمِ دین کے حاصل کرنے کیلیے زبردست مالی قربانی دیتے تھے اور سینکڑوں اور ہزاروں میل طلبِ علم میں پا پیادہ سفر کرتے تھے اور علم کی تکمیل کرتے تھے۔ علی بن عاصم جب علمِ حدیث پڑھنے جا رہے تھے اُن کے والد نے انھیں ایک لاکھ درہم دیتے ہوئے فرمایا: بیٹا! یہ ایک لاکھ درہم لے لو اور طلبِ علم پر خرچ کرو۔ لیکن یاد رکھو ان ایک لاکھ کا معاوضہ یہ ہے کہ تم ایک لاکھ حدیثیں یاد کر کے مجھے اپنا منہ دکھانا۔ اطاعت گزار فرزند نے ایک لاکھ سے زیادہ حدیثیں یاد کر کے اپنے سینے میں محفوظ کر لی اور اپنی عالمانہ، محدثانہ کمالات کی بدولت مسند العراق کے معزّز خطاب سے سرفراز کیے گئے۔

ہشام بن عبد اللہ طلبِ علم کی خاطر بڑے لمبے لمبے سفر طے کئے اور محدّثین کی درسگاہوں کے چکّر لگائے اور علمِ حدیث کی طلب میں سات لاکھ درہم خرچ کئے اور حافظ برہان الدین طلبِ علم پر نو دو ہزار اشرفیاں خرچ کئے اور حافظ ابن رستم طلبِ علم پر تین لاکھ درہم خرچ کئے اور علّامہ ذھبی طلبِ علم پر ڈیڑھ لاکھ درہم خرچ کئے۔ حافظ الحدیث مجا بغدادی جب شبابہ محدّث کے پاس علمِ حدیث پڑھنے جا رہے تھے تو ان کی والدہ نے کلچہ تیار کر کے دیے تھے اور یہ ان کلچوں کو مٹی کے گھڑوں میں بھر کر اپنے ساتھ لے گئے اور روزانہ ایک کلچہ دریائے فرات کے پانی میں بھگو کر کھا لیا کرتے تھے اور شبانہ روز حصولِ علم میں مصروف و منہمک رہتے۔ امام طبرانی علّامہ ابن المقری اور غلام ابو شیخ درسگاہ مدینۂ منوّرہ میں حدیث کی تعلیم حاصل کرتے تھے۔ دورانِ تعلیم اُن پر ایک ایسا دَور آیا کہ فاقہ اور روزہ پر روزہ رکھنے کی نوبت آئی اور شدّتِ بھوک سے بے تاب ہو کر ایک بار دربارِ رسولؐ میں پہنچ کر ان تینوں حضرات نے فریاد کی، یا رسول اللہ! ہم بھوکے ہیں۔ ہمیں کھانا بھیجو۔ یہ فریاد پیش کر کے

ابن المقری اور علامہ ابو الشیخ دونوں اپنی قیام گاہ پر چلے گئے۔ امام طبرانی یہ کہتے ہوئے دربارِ رسول ﷺ ہی میں ٹھہر گئے کہ روزی آئے گی یا موت! تھوڑی دیر نہ گزری تھی کہ کسی نے دروازے پر دستک دی۔ دروازہ کھول کر کیا دیکھتے ہیں کہ ایک علوی خاندان کے برگزیدہ بزرگ اپنے دو خادموں کے ساتھ کچھ لیے ہوئے کھڑے ہیں اور فرمارہے ہیں کہ کیا آپ نے دربارِ رسول ﷺ صلے اللہ علیہ وسلم میں بھوک کی شکایت کی تھی؟ ابھی میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا۔ فرماتے ہیں جو بھی موجود ہو کھانے کے لیے وہ آپ کے پاس پیش کردوں۔ لہذا فوری طور پر جو بھی موجود تھا وہ کھانے کے لیے حاضر ہے۔ قبول کیجیے۔ یہ تینوں علم وادب کے شاہکار سیراب ہو کر کھائے۔ پھر بعد ازاں اُن کے کھانے کا مسئلہ حل ہوگیا۔ علم و ہنر کے پیکر تحصیلِ علم میں مردانہ وار جد وجہد کرتے اور فقر وفاقہ اور بھوک و پیاس کی مصیبتوں اُن کے پائے استقلال کو کبھی متزلزل نہیں کرسکے۔ والہانہ جذبۂ شوق میں سرشار ہو کر محدثین کی درسگاہوں کے چکر لگاتے تھے۔ حدیثیں لکھتے اور حدیثیں یاد کرتے اور اس طرح اپنے علم کی تکمیل کرتے اور منزلِ مقصود کو پاتے اور پھر مزید یہ کہ عبادت وریاضت، تقویٰ وپرہیزگاری، درس وتدریس اور تقریر وتحریر کی بدولت بامِ عروج پر پہنچ جاتے۔ حافظِ قرآن ہونے کے ساتھ حافظ حدیث بھی ہوتے تھے۔ علم حدیث میں زیادہ زور دیا جاتا تھا۔ اور حافظ الحدیث کی زیادہ قدر ومنزلت ہوتی تھی۔ یہ علم وادب کے شاہکار اپنی علمی اور محدثانہ کمالات کی بدولت دنیائے اسلام میں کوئی آفتاب اور کوئی مہتاب بن کر چمکتا اور اپنی ضیا وپاش کرنوں سے دنیائے اسلام کو منور کرتے اور اُن کے یہ زرّین کارنامے رہتی دنیا تک زندۂ جاوید بن گئے اور انھیں حیاتِ جاودانی مل گئی۔

علمائے حق وارثِ انبیاء ہوتے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت میں برگزیدہ ہستیاں جو صحیح معنوں میں وارثِ انبیاء ہوتے ہیں یہی وہ جلیل القدر ہستیاں ہیں جو علم وفضل اور عمل کے پیکر اور علم وادب کے شاہکار، عالمِ باعمل، فاضلِ بے بدل جس کی عبادت وریاضت، درس وتدریس، تحریر وتقریر، تقویٰ وپرہیزگاری، فرائض تو فرائض اولین شب بیداری و نوافل کی ادائیگی، بادشاہوں، حاکموں اور دولت مندوں سے بے نیازی اور توکل علی اللہ پر ثابت قدم رہتے ہیں۔ اور انھیں خصوصیات کی بدولت اللہ تعالیٰ انھیں عظیم ترین مقام اور بلند ترین مرتبہ پر فائز فرمایا ہے۔ مثلاً حضرت محبوب سبحانی شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت سلطان الہند خواجہ معین الدین چشتی رضی اللہ عنہ اجمیری، حضرت شاہ الحمید شیخ سوالی ناگوری رحمۃ اللہ علیہ، حضرت ابو الحسن خرقانی، حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ ایسے ہزاروں سینکڑوں علمائے حق، جو حق وصداقت کے علمبردار تھے۔ اعلائے کلمۃ الحق واشاعتِ علمِ دین میں کوشاں اور مصروفِ عمل رہے ہیں۔ یہ تمام نفوسِ قدسیہ فنا فی الرسول اور فنا فی اللہ کے مقام پر پہنچے ہوئے ہیں اور یہی وہ علماء ہیں جن کی بدولت روزِ قیامت میں لاکھوں انسانوں کی نجات وبخشش ہوگی۔ (بقیہ صـ 46 پر ملاحظہ ہو۔)
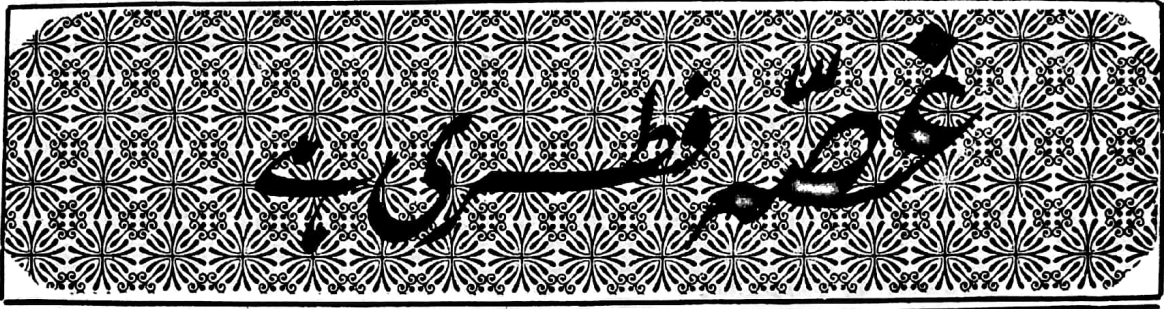
مولانا ڈاکٹر ابو محمد سید شاہ محمد عثمان قادری ایم اے، پی ایچ ڈی، ناظم دارالعلوم لطیفیہ حضرت مکان ویلور

انسان کے اندر چند چیزیں فطری ہیں۔ شرم، حیا، بھوک، پیاس، خواہش، نیند وغیرہ انہی فطری چیزوں میں سے غصہ بھی ہے۔ انسان کو غصہ آنا فطری بات ہے۔

یہ فطری چیزیں ہر انسان کے اندر برابر نہیں ہوتیں۔ جیسے کسی کو بہت زیادہ بھوک لگتی ہے تو کسی کو بہت کم کسی کو زیادہ نیند آتی ہے تو کسی کو کم۔ کسی کو بہت زیادہ خواہشات ہوتے ہیں تو کسی کے بہت کم۔ کوئی بہت زیادہ شرم و حیا والے ہوتے ہیں تو کوئی بہت کم۔ جیسے خلفائے راشدین میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ بہت شرم و حیا والے تھے۔

ایک مرتبہ آپ صلے اللہ علیہ وسلم حجرۂ مبارک میں تشریف فرما تھے۔ اس وقت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ ملاقات کے لیے آے تو آپ صلے اللہ علیہ وسلم جس طرح بیٹھے ہوے تھے اسی حالت میں بلوالیا مگر جب حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ ملاقات کے لیے آے تو آپ صلے اللہ علیہ وسلم پہلے سنبھل کر بیٹھ گئے اور اپنے کپڑوں کو درست کرلیا اور پھر بلوالیا۔

جب دوسرے صحابہ کرامؓ نے اس کی وجہ دریافت کی تو آپ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حضرت عثمانؓ بہت زیادہ شرم و حیا والے ہیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شرم و حیا کا یہ عالم تھا کہ فرشتے بھی شرم و حیا کرتے تھے۔

اس تفصیل سے یہ بتانا مقصد ہے کہ ہر انسان کے اندر فطرتی چیزیں کم و بیش ہوتی ہیں۔ تو بالکل اسی طرح غصہ بھی ہر انسان کے اندر برابر نہیں رہتا یہ بھی کم و بیش ہوتا ہے۔ جیسے حضرت عثمانؓ میں بہت حیا تھی، اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ میں غصہ بہت زیادہ تھا۔

غصہ کی تین قسمیں ہیں۔ پہلی قسم کے لوگ ایسے ہیں۔ جن کو بہت جلد غصہ آتا ہے اور بہت جلد ان کا غصہ

ٹھنڈا ہو جاتا تھا۔ دوسری قسم کے لوگ ایسے ہیں، دیر سے غصہ میں آتے ہیں، اور بہت جلد ان کا غصّہ ٹھنڈا ہو جاتا ہے۔
تیسری قسم کے لوگ ایسے ہیں جو بہت جلد غصّہ میں آتے ہیں لیکن بہت دیر بعد ان کا غصّہ ٹھنڈا ہوتا ہے۔ ان تین قسموں میں سے جو دوسری قسم کے ہیں وہ بہترین لوگ اور تیسری قسم کے بدترین لوگ ہیں۔

غصّہ کیا ہے؟ غصّہ خفگی، ناراضگی، خفگی یا رنجش کو کہتے ہیں۔ ایک انسان کا دوسرے انسان پر غصّہ ہونا اسی وقت ممکن ہے، جب اس سے اس کو کوئی تکلیف یا ناراضگی پیدا ہو۔ جب انسان ناراض ہوتا ہے تو اس کے اندر کینہ پیدا ہوتا ہے۔ کینہ سے مراد بغض، عداوت، دشمنی ہے۔ اور جب انسان میں کینہ پیدا ہوتا ہے تو کہ غصّہ کا نائب ہے۔ جب کینہ پیدا ہوگا تو کینہ ور کے اندر آٹھ باتیں پیدا ہوتی ہیں۔

اول: کینہ ور میں حسد پیدا ہوگا اور حسد وہ ہے کہ انسان سامنے والے شخص کی نعمت کا زوال چاہتا ہے۔ اس کی خوشی سے یہ غمگین ہوتا اور اس کے زوال سے یہ خوش ہوتا ہے۔ اور تیسرا یہ کہ اس کی دشمنی میں اس کے سلام کا جواب نہیں دیتا۔ چوتھا یہ کہ اس کی ہر چیز کو حقیر جانتا ہے اور حقارت کی نظر سے دیکھتا ہے۔ پانچواں یہ کہ اس کے بارے میں جھوٹ اور فحش باتوں سے کام لیتا ہے۔ چھٹا یہ کہ اس کے تعلق سے قصہ کہانیاں جوڑ کر بولتا ہے۔ اور اس کا مذاق اڑاتا ہے اور ساتواں یہ کہ اس کے حق کو غلط ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے اور آٹھواں یہ کہ اس کو مارنے اور تکلیف دینے کے درپے رہتا ہے۔

مذکورہ تمام برائیاں انسان کے اندر اس وقت پیدا ہوتی ہیں جب وہ غصّہ کی حالت میں رہتا ہے اور جب انسان غصّہ کی حالت میں ہو تو اس کو چاہیے کہ اگر وہ کھڑا ہے تو بیٹھ جائے اور اگر بیٹھا ہے تو زمین پر لیٹ جائے اور اگر اس سے بھی غصّہ ٹھنڈا نہیں ہوا تو ٹھنڈے پانی سے وضو کرے، یہی سنّت کا طریقہ ہے۔

انسان اپنے غصّہ کو قابو میں رکھے، یہی بہت بڑی شجاعت ہے اور یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ بہادر وہ نہیں جو لوگوں کو پچھاڑ دے۔ بلکہ بہادر تو وہ ہے جو غصّہ کی حالت میں اپنے غصّہ کو قابو میں رکھتا ہے۔

کسی نے آپ صلے اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: دین کیا ہے؟ تو آپ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نیک اخلاق معلوم ہوا کہ نیک اخلاق دین ہے اور انسان کے اخلاق کا پتہ بھی اس کے غصّہ کے وقت ہی معلوم ہوتا ہے کہ اس کے اخلاق کیسے ہیں اسی طرح ایک موقعہ پر آپ صلے اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ دین کیا ہے؟ تو آپ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: غصّہ کو ترک کرنا دین ہے۔ لہٰذا کسی بھی حالت میں انسان کو اپنے غصّہ پر قابو رکھنا ضروری ہے اگر وہ ایسا کرے تو بہت بڑا بہادر ہے۔

دنیا میں جتنے بھی اللہ والے گزرے وہ ایسے ہی تھے اور وہ اپنے غصّہ اور نفس کو قابو میں رکھتے تھے جو بہت بڑی

کامیابی ہے۔ جیسے کہ حضرت علیؓ کا مشہور واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ آپؓ ایک پہلوان سے لڑ رہے تھے۔ آپؓ نے اس کو زمین پر پچھاڑ دیا اور اس کے سینے پر بیٹھ گئے تو اس پہلوان نے حضرت علیؓ پر تھوک دیا۔ جائے غور ہے اس موقعہ پر کوئی دوسرا ہوتا تو پتہ نہیں غصہ کی حالت میں اس پہلوان کے ساتھ کیا کرتا؟ مگر حضرت علیؓ جو اللہ والے تھے، آپؓ کا غصّہ آپؓ کے قابو میں تھا۔ جونہی پہلوان نے آپؓ پر تھوک دیا فوراً آپؓ اس کو چھوڑ کر اس کے سینے سے اٹھ گئے۔

جب پہلوان نے پوچھا کہ آپؓ نے کیوں مجھ کو چھوڑ دیا؟ تو حضرت علیؓ نے فرمایا: میں تم سے دین کی خاطر لڑ رہا تھا۔ جب تم نے تھوک دیا تو اس کے بعد اگر میں تم کو مارتا تو وہ دین کی خاطر نہیں بلکہ وہ میرے نفس کے خاطر ہوجاتا جو مجھ کو پسند نہیں۔

حضرت علیؓ نے غصّہ کو پی کر نفس کو کچل دیا یہی شجاعت ہے جو کوئی اپنے نفس پر اپنے غصّہ پر قابو رکھتا ہے؟ اس کو اللہ کی قربت حاصل ہوجاتی ہے اور جو لوگ غصّہ کو قابو میں رکھتے ہیں، غصّہ کو پی لیتے ہیں اللہ تعالےٰ ان کو بہت پسند کرتا ہے۔

حدیث شریف میں مومن کی ایک علامت یہ بھی بتائی گئی کہ مومن کو جلد غصّہ آتا ہے اور جلد ٹھنڈا ہوجاتا ہے۔

تو معلوم ہوا کہ غصّہ کو جلد ختم کرنا مومن کی شان ہے اور یہ عمل خدا اور اس کے حبیب صلے اللہ علیہ وسلم کو بہت پسند ہے۔ غصّہ کو جلد ٹھنڈا کرنے سے بہت بڑی کامیابی یہ ملتی ہے کہ انسان کئی بُرے کاموں سے بچ جاتا ہے۔ جیساکہ اوپر ذکر کیا گیا ہے۔ کہ غصّہ کی وجہ سے انسان کے اندر کینہ، حسد، دشمنی، غرور اور بہت سارے بُرے اوصاف پیدا ہوجاتے ہیں۔ یہ تمام برائیاں کوئی معمولی نہیں ہیں۔ اگر کسی اندر حسد، غرور جیسے بُرے اوصاف ہوں تو اس بندے کے نیک اعمال قبول نہیں ہوتے اور اس کی نیکیاں بھی جل جاتی ہیں۔ جیساکہ حسد کے تعلق سے حدیث شریف میں آیا ہے: الحسد یاکل الحسنات کما تاکل النار الحطب حسد نیکیوں کو اس طرح کھاجاتی ہے جس طرح آگ لکڑی کو کھاجاتی ہے۔ تو اب بتائیے کہ حاسد کی نیکیاں کیسے باقی رہیں گی۔ اور تو اور حسد کے تعلق سے یہ بھی کہا گیا ہے کہ حسد کا کوئی علاج ہی نہیں ہے۔ تو اندازہ کیجئے کہ حسد کتنی خطرناک بیماری ہے۔

تو اتنی خطرناک بیماری سے ہم اس وقت ہی بچ سکتے ہیں؟ جب غصّہ کو جلد ختم کردیں اور جلد ٹھنڈا کرلیں۔

اسی طرح ایک اور بُرے وصف کا ذکر کیا گیا ہے جو غصّہ کی وجہ سے انسان اندر پیدا ہوجاتا ہے وہ غرور اور تکبر ہے۔ غرور و تکبر انسان کو ہر جگہ ذلیل کردیتا ہے۔ حق بات کو جھٹلانا، لوگوں کو حقیر سمجھنا اور اپنے آپ کو سب سے بہتر سمجھنا غرور و تکبر ہے۔

حدیث میں آیا ہے: لایدخل الجنۃ من کان فی قلبہ مثقال ذرہ من کبر: جس کے دل میں ذرّہ برابر بھی کبر ہوگا وہ ہرگز جنّت میں داخل نہیں ہوسکتا۔

ہر ایک مسلمان کی یہی خواہش ہوتی ہے اور اس کی کامیابی اسی میں ہے کہ وہ جنّت میں داخل ہوجائے۔ مگر کبر و غرور

کی وجہ سے جنّت کے دروازے اس کے لیے بند ہوجاتے ہیں۔

کبروغرور، حسد وکینہ یہ تمام چیزیں غصّہ کی وجہ سے پیدا ہورہی ہیں تونتیجہ یہ نکلا کہ غصّہ کی وجہ سے پیدا ہو رہی ہیں، تونتیجہ یہ نکلا کہ غصّہ کی وجہ سے انسان جنّت سے محروم ہورہا ہے۔ تومعلوم ہوا کہ غصّہ کوئی معمولی یا چھوٹی چیز نہیں ہے۔ اگر ہم ناحق اس کا استعمال کریں گے اور ہر وقت غصّہ کی حالت میں رہیں گے اور حالتِ غصّہ میں جو بھی فیصلہ ومعاملہ کریں گے وہ درست اور صحیح نہیں ہوگا۔

حدیث میں آیا ہے کہ مسلمان وہ ہے جس کی زبان وہاتھ سے دوسرا مسلمان سلامت (محفوظ) رہے۔ مطلب یہ کہ کوئی مسلمان اپنی زبان سے کسی دوسرے مسلمان کو بُرا بھلا نہ کہے اور اپنے ہاتھوں سے اس کو تکلیف نہ پہنچائے اور اس کو ذلیل وبدنام نہ کرے۔ اگر ایسا کرے گا تو وہ مسلمان نہیں اور بزرگانِ دین فرماتے ہیں: گناہوں میں سب سے بڑا گناہ یہ ہے کہ وہ دوسروں کو تکلیف دینے کے درپے ہوجائے۔

تومعلوم ہوگیا کہ دوسروں کو تکلیف دینا، ذلیل وبدنام کرنا کتنا بڑا گناہ ہے، تو یہ گناہ اس وقت کرتا ہے جب وہ کسی سے دشمنی کرتا ہے اور دشمنی، عداوت، غصّہ کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں۔

معلوم ہوا کہ غصّہ انسان سے کتنے بڑے بڑے گناہ کرواتا ہے۔ کبھی حسد کے ذریعہ نیکیاں جلادیتا ہے تو کبھی کبروغرور کے ذریعہ جنّت سے محروم کردیتا ہے تو کبھی دشمنی کے ذریعہ سے ایمان سے دور کردیتا ہے۔

غصّہ کتنا نقصان دہ ہے یہ تو ثابت ہوگیا اب انسان پر ضروری ہے کہ اس نقصان دہ چیز کو کب استعمال کریں اور کیسے؛ تو دیکھئے ناحق کبھی غصّہ نہ کریں اور اگر کبھی غصّہ کریں تو وہ حق کے لیے ہو۔ جیسے بچّوں کی تربیت کے تعلق سے یہ حکم ہے کہ جب بچّہ سات سال کا ہو تو نماز پڑھنے کی تاکید کریں اور وہ اس پر عمل نہ کریں اور دس سال کا ہو تو نماز کے تعلق سے اس پر سختی کریں۔ تو یہ سختی، یہ غصّہ دین کی خاطر حق ہے اور ہمیشہ ناجائز کاموں پر غصہ کریں۔

غصّہ شیطان کا کام ہے۔ اور شیطان آگ سے بنا ہے اور آگ کو پانی ہی بجھاتا ہے۔ تو اسی لیے غصّہ کے وقت ٹھنڈے پانی سے وضو کرلیں۔

غصّہ کے وقت انسان کی رگوں میں شیطان خون کی طرح دوڑتا ہے اور اس وقت انسان کا ہر عضو شیطان کے قابو میں ہوتا ہے۔ تو اس موقعہ پر انسان سے کیا بھلائی ہوسکتی ہے۔ جو شیطان کے تابع ہوچکا ہو۔

حاصلِ تحریر مذکورہ تمام تفصیلات سے یہ بات اچھی طرح واضح ہوگئی کہ غصّہ فطری ہے۔ لہٰذا ہر ایک

(بقیہ ص۔ پر ملاحظہ ہو)

دُعا کی اہمیت وافادیت

مولوی سید نیاز احمد : پرنسپال دار العلوم جمالیہ : مدراس

دعا کی اہمیت کسی مومن سے پوشیدہ نہیں ۔اس لیے کہ یہ عبادت کی روح اور اس کا مغز ہے ۔ رسولِ مقبول علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا کہ : اَلدُّعَاءُ مُخُّ الْعِبَادَةِ : یعنی دُعا عبادت کا مغز ہے ۔یہ بھی مروی ہے کہ : اَلدُّعَاءُ هُوَ الْعِبَادَةِ : یعنی دُعا ہی عبادت ہے ۔

مقصدِ زندگی

یہ اللہ تعالےٰ کا کرم ہے کہ اُس نے ہم کو پیدا کیا اور وجود جیسی نعمت عطا فرمائی ۔سوال یہ ہے کہ اُس نے ہم کو کیوں پیدا فرمایا ؟ خلّاقِ کائنات نے اس سوال کا جواب دیتے ہوے ارشاد فرمایا کہ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ۝ یعنی میں نے جنّ والنس کو صرف اس لیے پیدا کیا ہے کہ وہ میری عبادت کریں۔ ؎

زندگی آمد برائے بندگی　　زندگی بے بندگی شرمندگی

جب بندگیٔ حق زندگی کا مقصودِ اصلی ہے تو دُعا کرنا بھی ہماری زندگی کا مقصدِ اصلی ہے ۔کیوں کہ دُعا ہی کو عبادت بتایا گیا ہے ۔

عبادت کیا ہے؟

علامہ بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ اپنی معرکۃ الآراء تصنیف "انوار التنزیل" میں رقمطراز ہیں: اَلْعِبَادَةُ اَقْصٰی غَايَةِ الْخُضُوْعِ وَالتَّذَلُّلِ : خشوع وخضوع ،عاجزی وانکساری کے انتہائی درجہ کو عبادت کہا جاتا ہے ۔

دوسرے لفظوں میں عبادت کا مفہوم یوں پیش کیا جا سکتا ہے کہ تعظیم کا وہ انتہائی اور آخری درجہ جس کا اللہ کے سوا کوئی سزاوار نہیں اور جس کے انجام دینے کے لیے انسان کو لازمی ہے کہ وہ بصدقِ دل یہ اقرار کرے کہ اللہ کے سوا کوئی خالق، رزاق اور مالک نہیں۔ چوں کہ وہ ان اوصاف سے متصف ہے اور اس کا غیر ان اوصاف کا حامل نہیں۔ لہٰذا وہی معبودِ حقیقی ہے۔ اُسی کے لیے الوہیت ہے اور غایت درجہ کی تعظیم، عاجزی و تذلّل اسی کے لیے بجا ہے۔ اور یہی کلمۂ طیبہ کا مفاد لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ یعنی اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔

مندرجۂ بالا سطور میں عبادت کا جو مفہوم واضح کیا گیا ہے، اس سے یہ بات روشن ہوتی ہے کہ دُعا ہی وہ عمل یا ادا ہے جس میں بندہ اپنے مولا کے حضور اپنی بے انتہا عاجزی، مذلّت اور مسکنت کو تسلیم کرتے ہوئے اپنے خالق و مالک کی بے پناہ طاقتوں اور نوازشوں کا اقرار کرتا ہے۔ پس ثابت ہوا کہ دُعا ہی عبادت ہے۔ دُعا سے خالی عبادت کا تصوّر نہیں کیا جا سکتا۔

عبادت و دعا کا گہرا تعلق

جب کوئی کسی قسم کی عبادت میں مشغول ہوتا ہے تو اس کے دل میں یہ تمنا ہوتی ہے کہ اس کی یہ عبادت مقبول ہو جائے۔ یعنی ہر مومن عبادت انجام دیتے ہوئے اپنے دل میں مولیٰ تعالیٰ سے یہ فریاد کرتا رہتا ہے کہ اے پروردگار! تو اس عبادت کو قبول فرما لے اس لیے کہ قبولیت کے بغیر عبادت بیکار و بے سود ہے۔ اس دلی فریاد اور آرزو کو دُعا کے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے! یہ تڑپ اور جستجو جسمانی عبادت اور مالی عبادت دونوں میں پائی جاتی ہے۔ جسم عمل میں ہے اور ہاتھ سخاوت میں ہے، مگر دل سے یہ صدا جاری ہے کہ یَا رَبِّ تَقَبَّلْ یعنی اے میرے مولیٰ! میرے اس عمل کو اور میری اس سخاوت کو قبول فرما لے۔

سائل محروم نبود

دُعا مانگنے والا خلاقِ کائنات اور قادرِ مطلق سے فریاد کرتا ہے، جو رحیم بھی ہے اور کریم بھی۔ اس کی بارگاہ میں فریاد کرنے والا کیسے محروم رہ سکتا ہے۔ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے کہ: اِنَّ رَبَّکُمْ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی حَیِیٌّ کَرِیْمٌ یَسْتَحْیِیْ مِنْ عَبْدِہٖ اِذَا رَفَعَ یَدَیْہِ اِلَیْہِ اَنْ یَّرُدَّھُمَا صِفْرًا: (رواہ الترمذی وابن ماجہ)

بے شک تمہارا پروردگار غیرت و کلام والا ہے۔ وہ اپنے بندہ سے شرم فرماتا ہے، جب بندہ اس کی بارگاہ میں اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے تو انہیں خالی ہاتھ پھیر دے۔ (ترمذی: ابن ماجہ)

اسی لیے ہمارے بزرگوں نے کہا ہے کہ دعا کرنے والے کو اللہ کی رحمت کاملہ اور قبولیّت تامّہ کا پورا یقین ہونا چاہئے۔

شک اور ارتیاب کے ساتھ کی جانے والی دُعا نا قابلِ قبول ہے۔

شام و سحر دُعائیں

ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ طیبہ کا جائزہ لیا جائے تو یہ بات واضح ہوتی ہے کہ آپ صلے اللہ علیہ وسلم صبح سے لے کر رات تک دُعائیں پڑھتے رہتے تھے۔ جب کوئی مسلمان صبح بیدار ہو تو اُسے یہ دُعا پڑھنا مسنون ہے کہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَحْیَانِیْ بَعْدَ مَا اَمَاتَنِیْ وَاِلَیْہِ النُّشُوْرُ: یعنی تمام خوبیاں اللہ کے لیے ہیں جس نے مجھے موت دینے کے بعد زندہ کیا اور اُسی کی بارگاہ میں سب کو جمع ہونا ہے۔ اِس ورد میں اللہ کی حمد بیان کی گئی ہے اور حمدِ الٰہی بھی دُعا شمار کی جاتی ہے۔ اس لیے کہ بندہ خُدا کی تعریف الاپتے ہوے اپنی عاجزی، بیکسی اور محتاجی کا اقرار کرتا ہے اور خدا سے اس کا کرم مانگتا ہے۔

اسی طرح جب مومن دن بھر کے دینی اور دنیوی کاموں سے فارغ ہو کر رات کے وقت آرام کی خاطر بستر پر لیٹتا ہے تو اُسے یہ دُعا اور ورد پڑھنا مسنون ہے۔ کہ اَللّٰھُمَّ بِاسْمِكَ اَمُوْتُ وَاَحْیٰی: اے اللہ! میں تیرے نام سے مرتا ہوں اور تیرے ہی نام سے جیتا ہوں۔ یعنے میرا جینا اور مرنا تیری مشیّت اور قدرت کے تابع ہے۔

نمازوں کے بعد دُعا

اس دَورِ پُرفتن میں بعض گمراہ لوگ یہ کہہ کر عوام کو دُعا جیسی نیکی سے روک دیتے ہیں کہ نماز بجائے خود ایک دُعا ہے۔ اس لیے نمازوں کے بعد دُعا مانگنے کی ضرورت نہیں۔ اِن باطل پرستوں کا قول نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی عادتِ طیّبہ کے بالکل مخالف ہے۔ حضورِ انور صلے اللہ علیہ وسلم نے تو ہمیں نمازوں کے بعد دُعا کی ترغیب دلائی ہے۔ چناں چہ ترمذی شریف کی حدیث ہے: عَنْ اَبِیْ اُمَامَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ قِیْلَ لِرَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَیُّ الدُّعَاءِ اَسْمَعُ قَالَ جَوْفَ اللَّیْلِ الْآخِرِ وَدُبُرَ الصَّلَوٰۃِ الْمَکْتُوْبَاتِ: حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور پُرنور صلے اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا کہ کونسی دُعا زیادہ قابلِ قبول ہے؟ حضور انور صلّی اللہ علیہ وسلم نے جواب مرحمت فرمایا: کہ رات کے آخری حصہ میں کی جانے والی دُعا اور فرض نمازوں کے بعد کی دُعا

مذکورہ حدیث سے یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ مومن کو چاہیے کہ وہ فرض نماز کی ادائیگی کے بعد ضرور دُعا کرلے اور اس زرّین موقعہ کو جوکہ قبولیت کا ہے ہاتھ سے خالی جانے نہ دے۔ نیز یہ بھی ثابت ہوا کہ ہماری مسجدوں میں باجماعت نمازوں کے بعد جو دُعا کا اہتمام ہوتا ہے یعنی امام دُعا کرتا ہے اور مقتدی آمین کہتے ہیں یہ طریقہ خلافِ سنّت نہیں ہے اسے بدعتِ سیئہ کہنا جہالت ہے۔

آمین کہنے کی تاثیر

دُعا کے بعد آمین کہنا مستحب ہے۔ آمین کا مطلب ہے۔
اِسْتَجِبْ یعنی اے پروردگار! اس دُعا کو قبول فرمالے

جس دعا پر آمین کہی جاتی ہے، اُسے مقبولیت حاصل ہوجاتی ہے۔ چناں چہ حاکم کی روایت ہے کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لَا مَجْتَمِعُ مَلَاٌ فَيَدْعُوا بَعْضُهُمْ وَيُؤَمِّنُ الْاٰخَرُ اِلَّا اَجَابَهُمُ اللّٰهُ۔ (رواہ الحاکم) جب بھی اور جہاں بھی چند مسلمان جمع ہوں، اُن میں سے کوئی دُعا کرے اور دیگر حاضر باش آمین کہیں تو اللہ تعالےٰ اس دُعا کو ضرور قبول فرماتا ہے۔

عام طور پر مسلمان باجماعت نمازوں میں، عیدین اور جمعہ کے موقعوں پر، مُبارک راتوں میں، شادی و موت پر دینی اجلاس اور روزمرّہ کی تقریبوں میں مجتمع ہوتے ہیں اسی لیے ہمارے بزرگوں نے ان موقعوں پر دُعا کی رسم کو جاری رکھا کسی مرد صالح یا اہل علم سے دُعا کی درخواست کی جاتی ہے اور جملہ حاضرین اس دُعا پر آمین آمین کہتے ہیں۔ دُعا کے اندر صحت و سلامتی، رزق کی فراخی اور دارین کی سعادتیں طلب کی جاتی ہیں۔ مذکورہ بالا حدیث کی روشنی میں یہ دعا مقبول ہوجاتی ہے کیوں کہ ان موقعوں پر مسلمانوں کا اجتماع ہوا، دُعا کی گئی اور اس پر آمین کے ذریعہ قبولیت کی مہر ثبت کردی گئی ہے۔

ہمارے بزرگوں نے جو ضیافتوں کا رواج رکھا، اُس میں یہی حکمت پوشیدہ ہے۔ بچّہ کی پیدائش پر اُس کے عقیقہ کے وقت، بسم اللہ خوانی کے موقعہ پر، قرآن ختم کرنے پر۔ غرض یہ کہ ایک مسلمان بچّہ کی پیدائش سے لے کر اس کی جوانی تک مختلف بہانوں سے مومنوں کو جمع کیا جاتا ہے اور دُعا کی مجلسیں قائم کی جاتی ہیں۔ ان ضیافتوں سے دُعا کے علاوہ دیگر فوائد بھی حاصل ہوتے ہیں۔ مثلاً دلوں سے کدورتیں دُور ہوجاتی ہیں اور اپنے دوست و احباب، اعزہ و اقارب سے ملاقات بھی ہوجاتی ہے۔ عقد نکاح کا موقعہ رہے یا ولیمۂ مسنونہ کا، نمازِ جنازہ کے لیے حاضری ہو یا تدفین کے لیے نیز ایصالِ ثواب کی محفلیں مثلاً تیجہ، دسواں، چہلم اور برسی، اسی طرح بزرگانِ دین کے اعراس ہوں یا میلادِ رسول ﷺ کی محفلیں الغرض ان تمام محفلوں کو جن میں مسلمانوں کا اجتماع ہوتا ہے۔ ایک مسلمان دُعا کو غنیمت تصوّر کرتا ہے اور ان موقعوں پر دُعا و آمین سے اپنے دامن کو گوہرِ مقصود سے بھر لیتا ہے نادان اِن محفلوں کو بدعت کہہ کر اور ایسی عظیم سعادتوں سے محروم رہ کر خود بھی نقصان اٹھاتے ہیں اور دوسروں کو بھی محروم رکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان نادانوں کو عقلِ سلیم عطا فرمائے۔ آمین!

آمین کہنے والا بھی دُعا کرنے والا ہے

ناظرین کرام! بعض لوگ اس غلط خیال میں مبتلا ہیں کہ آمین کہنا فضول ہے دُعا اسی کی ہوگی جو دُعا کر رہا ہے۔ آمین کہنے والے کچھ نہیں پاتے۔ قرآن کریم اس غلط خیال کی تردید کرتا ہے۔ بلکہ اس کے برعکس آمین کہنے والے کو دُعا خواں گردانتا ہے۔ سورۂ یونس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بددعا کا ذکر ہے جو انھوں نے فرعونیوں کی ایذاء رسانیوں سے تنگ آکر کی تھی: رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰی اَمْوَالِھِمْ وَاشْدُدْ عَلٰی قُلُوْبِھِمْ: یعنی اے ہمارے پالن ہار! تو ان فرعونیوں کے اموال کو برباد کردے اور ان کے دلوں کو بند کردے۔ اس بدعا پر حضرت ہارون علیہ السلام آمین کہتے ہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے کہ قَدْ اُجِیْبَتْ دَّعْوَتُکُمَا: یعنی اے موسیٰؑ و ہارونؑ! تم دونوں کی دُعا قبول کرلی گئی۔ یہاں قابلِ غور بات یہ ہے کہ دُعا تو صرف موسیٰ علیہ السلام نے کی اور حضرت ہارون علیہ السلام نے دُعا نہیں کی۔ انھوں نے تو آمین کہا تھا لیکن قرآن کہتا ہے کہ "تم دونوں کی دُعا قبول کرلی گئی" گویا قرآن ثابت کر رہا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام دُعا کے الفاظ بول کر دُعا کرنے والے ہوئے اور حضرت ہارون علیہ السلام آمین کہہ کر دعا کرنے والے ہوئے۔ ہمارے اس مدّعا کا ثبوت تفسیر کی کتابوں میں ملتا ہے۔ چناں چہ مدارک میں ہے کَانَ مُوْسٰی عَلَیْہِ السَّلَامُ یَدْعُوْ وَھَارُوْنُ یُؤَمِّنُ فَثَبَتَ اَنَّ التَّأْمِیْنَ دُعَاءٌ یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام دُعا کر رہے تھے اور ہارون علیہ السلام آمین کہہ رہے تھے۔ پس ثابت ہوا کہ آمین کہنا بھی دُعا ہے حاشیۂ صاوی بر تفسیر جلالین میں ہے: وَالْمُؤَمِّنُ اَحَدُ الدَّاعِیَیْنِ فَصَحَّتِ التَّثْنِیَۃُ فِیْ قَوْلِہٖ قَدْ اُجِیْبَتْ دَّعْوَتُکُمَا۔ آمین کہنے والا بھی دُعا کرنے والوں میں شامل ہے۔ اسی لیے قد اجیبت دعوتکما میں تثنیہ کا صیغہ درست ہے۔

کوئی جائز دُعا فائدہ سے خالی نہیں

جب بندہ اپنے رب سے فریاد کرتا ہے تو کسی نہ کسی صورت میں نوازا جاتا ہے بشرطیکہ اس کی فریاد کسی جائز امر کے لیے ہو۔ ناجائز اور حرام چیزوں کی تمنّا کرنا موجبِ کفر ہے۔ مثلاً شراب خانہ کھول کر اس میں برکت کی دُعا کرنا، چوری یا زناکاری کے انجام دینے میں تائیدِ الٰہی کی درخواست کرنا یا کسی کو ناحق قتل کرنے میں کامیابی کے لیے دُعا کرنا۔ اسی طرح کسی محالِ شرعی یا عقلی کی دُعا کرنا کہ مثلاً نبوت کی التجا کرنا، یا کسی کافر یا مشرک کے کفر و شرک پر مطلع ہونے کے باوجود اس کے حق میں دُعائے مغفرت کرنا۔ ہمارے سرکار سیّد ابرار احمد مختار محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مَا مِنْ مُّسْلِمٍ

یَدْعُوا اللّٰهَ بِدَعْوَةٍ لَيْسَ فِيهَا إِثْمٌ وَّلَا قَطِيعَةُ رَحِمٍ إِلَّا أَعْطَاهُ اللّٰهُ بِهَا إِحْدٰى ثَلَاثٍ إِمَّا أَنْ تُعَجَّلَ لَهٗ دَعْوَتُهٗ وَإِمَّا أَنْ يَّدَّخِرَهَا لَهٗ فِي الْآخِرَةِ وَإِمَّا أَنْ يَّصْرِفَ عَنْهُ السُّوْءَ مِثْلَهَا قَالُوْا إِذًا نُّكْثِرُ قَالَ اللّٰهُ أَكْثَرُ ۝ (رواہ الترمذی واحمد)

جو بھی مسلمان بارگاہِ خداوندی میں دُعا کرتا ہے بشرطیکہ اُس دُعا میں گنہ گاری کی آرزو یا رشتہ داری کا توڑنا ہو تو اللہ تعالیٰ ضرور اُسے تین۳ فائدوں میں سے کوئی دے گا۔ یا تو اس کی دُعا قبول فرما کر فوراً اس کی مراد پوری کر دے گا، یا اس کی دُعا کو آخرت کے لیے بچا رکھے گا اور اس دُعا کا اجر دارِ آخرت میں دے گا یا اس دُعا کی بدولت کسی برائی یا مصیبت کو بندہ سے پھیر دیتا ہے۔ وہ برائی ایسی ہوتی ہے جس کا ٹل جانا اُس فائدہ کے برابر ہوتا ہے جس کی دُعا کی گئی۔

صحابہؓ نے فرطِ مسرت کے ساتھ عرض کیا کہ: یارسول اللہ! اگر رحمتِ خداوندی کا یہ حال ہے اور اس کا کرم اتنا پھیلا ہوا ہے تو ہم بہت زیادہ دُعائیں کریں گے۔ حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: تم جتنا بھی زیادہ کرو گے اللہ اس سے زیادہ ہے۔

ناظرینِ کرام! آئیے ہم عہد کریں کہ کسی بھی مجلس میں دُعا کو حقارت کی نظر سے نہ دیکھیں اور اپنی ہر جائز آرزو کی تکمیل کے لیے اللہ سے فریاد کرتے رہیں اور دوسروں سے دُعا کی گزارش کریں۔ وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّآلِهٖ وَصَحْبِهٖ أَجْمَعِيْنَ ۝ وَمَا عَلَيْنَا إِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِيْنُ ۝

نعت شریف

ڈاکٹر حکیم افسر پاشاہ افسر: شفا ڈسپنسری

آرہے ہیں یاد مجھ کو بار بار
وہ حریمِ قدس کے گنبد و مینار

نعت پڑھتے جھومتے مستانہ وار
آرہے ہیں عاشقاں پروانہ وار

وہ سلاموں کی صدائیں بار بار
مضطرب دل کو قرار اندر قرار

روضۂ اطہر کی جالی تھام کر
خوب دعائیں کی ہیں رو کر بار بار

سر جھکائے باادب افسر حکیم
دل ہے نادم اور آنکھیں اشکبار

محمد شفاعت احمد سلیم : ایم۔اے؛ اردو منشی، وی۔آر۔ ہائی سکول۔ نیلور (آندھرا)

الٰہی تا بود خورشید و ماہی
چراغ چشتیاں را روشنائی

ولادتِ باسعادت

خواجۂ خواجگان حضرت خواجہ معین الدین حسن چشتی سنجری اجمیری قدس سرہ العزیز کی ولادت مبارک ۱۴؍رجب المرجب ۵۳۰ ہجری مطابق 18؍اپریل 1136ء بمقام سنجر[2] جو ملکِ اصفہان کے شہر خراسان کے قریب واقع ہے، میں ہوئی۔

اسم گرامی

آپؒ کا اسم گرامی معین الدین حسنؒ ابن خواجہ غیاث الدین حسنؒ ہے۔ آپؒ کے والدین آپ کو پیار سے حسنؒ کہہ کر پکارتے تھے۔

---

[1] تاریخ ولادت کے متعلق مورخین میں اختلاف ہے۔ کسی نے ۵۲۳ھ لکھا ہے تو کسی نے ۵۲۵ھ اور کسی نے ۵۲۶ھ تو کسی نے ۵۲۷ھ اور کسی نے ۵۳۷ھ۔ قدیم تاریخی کتب مثلاً "امراۃ الاسرار (قلمی) نسخہ: رام پور لائبریری و برٹش میوزیم" "اقتباس الانوار ص۱۱۴: مرأۃ الانساب ص۱۹۰ اور انجمن معینیہ فخریہ چشتیہ خدام خواجہ جو تاریخ ولادت لکھی ہے وہ ۵۳۰ھ ہے۔ [2] جائے ولادت کو بعض مورخین نے بمقام سجستان بھی بتایا ہے۔

خطابات

جو خطابات دربارِ الٰہی اور آستانۂ رسالت مآب صلے اللہ علیہ وسلم سے عطا ہوئے وہ حبیب اللہ، غوث المشائخ، قطب العارفین، ہند الولی، عطائے رسول، غریب النواز وغیرہ ہیں۔ آپ کو خواجۂ اجمیر، خواجۂ بزرگ، سلطان الہند، معین الہند، نائب رسول فی الہند وغیرہ خطابات سے بھی پکارا جاتا ہے۔

القاب

خاص خاص القاب جس سے آپؒ کو پکارا جاتا ہے، حسب ذیل ہیں:

تاج المقربین والمحققین، سید العابدین، تاج العاشقین، برہان الواصلین، آفتابِ جہاں پناہِ بے کساں، دلیل العارفین، مغزنِ معرفت، قدوۃ الاولیاء، سلطان العارفین، قطبِ دوراں، معین الملت، وارث الانبیاء والمرسلین، امام شریعت والطریقت، مقتدائے اربابِ دین، پیشوائے اربابِ یقین، صاحبِ اسرار، مہبطِ انوار، برہان الاصفیاء، عالمِ علمِ ظاہری و باطنی، قدوۃ السالکین، واقفِ رموزِ صوری ومعنوی، معین الحق، محبِّ اولیائے زماں، رہنمائے کاملین[1]

نسب نامۂ پدری

حضرت خواجہ معین الدین حسن چشتی حسینیؒ، ابنِ حضرت خواجہ غیاث الدینؒ ابنِ حضرت خواجہ کمال الدینؒ، ابنِ خواجہ احمد حسینؒ، ابنِ حضرت خواجہ نجم الدینؒ، ابن حضرت خواجہ عبدالعزیزؒ، ابنِ حضرت خواجہ ابراہیمؒ، ابن حضرت خواجہ ادریسؒ، ابنِ حضرت سیدنا امام موسیٰ کاظمؓ، ابنِ حضرت سیدنا امام جعفر صادقؓ، ابنِ حضرت سیدنا امام باقرؓ، ابن حضرت سیدنا امام زین العابدینؓ، ابن حضرت سید السادات امام حسین علیہ السلام، ابنِ حضرت امیر المؤمنین اسد اللہ الغالب علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ

نسب نامۂ مادری

بی بی ام الورع الموسوم بی بی ماہ نور و بی بی خاص الملکہؒ بنت سید داؤدؒ بن حضرت عبداللہ الحنبلیؒ بن حضرت سید زاہدؒ، بن حضرت سید مورثؒ بن حضرت سید داؤدؒ بن حضرت موسیٰ جونؒ بن حضرت سیدنا عبداللہ محضؒ بن حضرت سیدنا حسن مثنیٰؒ بن حضرت سیدنا امام حسن علیہ السلام بن حضرت امیر المؤمنین اسد اللہ الغالب علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ۔

---

[1] معین الہند: ص ۱۸

خواجہ خواجگان حضرت خواجہ معین الدین حسن چشتی سنجری کو سرورِ دین و دُنیا حضرت محمد مصطفی صلے اللہ علیہ وسلم کے خاندانِ متبرک میں نمایاں حیثیت حاصل ہے۔ آپ شائستہ روح رسول صلے اللہ علیہ وسلم ہیں، نازشِ اولادِ بتولؓ ہیں، حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی جان ہیں۔ حضرات امام حسنین رضی اللہ عنہ کے دل کا ارمان ہیں، حضرت غوث الاعظم دستگیرؓ کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہیں۔ حضرت خواجہ عثمان ہارونی کی آنکھوں کے تارے ہیں۔ گلشنِ اسلام کے پھول ہیں۔ آپ نجیب الطرفین سیّد ہیں۔ آپ حسینی سیّد ہیں۔ آپ کے والدِ محترم حضرت خواجہ غیاث الدین سید الشہداء حضرت امام حسین علیہ السلام اور والدۂ محترمہ بی بی اُمّ الورع المعروف بی بی ماہ نور حضرت امام حسن علیہ السلام کی اولاد سے ہیں۔

ولادت سے پہلے اور بچپن کی کرامات

حضرت خواجہ غریب النواز کی ولادت مبارک ہندوستان کے لیے ہی نہیں بلکہ ساری دنیا کے لیے باعثِ رحمت ہے۔ آپ کی والدہ ماجدہ فرماتی ہیں کہ جب معین الدین میرے شکم میں تھے، میں بہترین خواب دیکھتی تھی۔ گھر میں ہر طرف خیر و برکت تھی۔ دشمن بھی دوست ہو گئے۔ جس وقت خداوند تعالےٰ نے آپ کے جسم مبارک میں روح ڈالی تو آپ کی والدۂ محترمہ اکثر محسوس کرتی تھیں کہ نصف شب سے سوا پہر دن چڑھے تک ان کے شکم مبارک سے تسبیح و تہلیل کی آواز آتی رہتی تھی۔ یہ آواز سن کر ایک وجدانی کیفیت طاری ہو جاتی تھی۔ پیدائش کے وقت آپ کی والدہ کا بیان ہے کہ سارا گھر انوار الٰہی سے روشن ہو گیا تھا۔ آپ کے دودھ پینے کے زمانہ میں جب کوئی عورت مع اپنے شیر خوار بچے کے آپ کے یہاں آتی اور اس عورت کا بچہ دودھ کے لیے روتا تو آپ اپنی والدۂ محترمہ کو اشارہ کرتے، جس کا مطلب ہوتا کہ وہ اپنا دودھ اس بچہ کو پلا دیں۔ آپ کی والدہ آپ کے اس اشارہ کو سمجھ جاتیں اور اپنا دودھ اس بچہ کو پلا دیتیں۔ جب وہ بچہ دودھ پیتا تو آپ بہت خوش ہوتے یہاں تک کہ ہنسنے لگتے۔[1]

ابتدائی تعلیم

حضرت خواجہ غریب النواز کی پرورش اور ابتدائی تعلیم والدین کے زیرِ سایہ خراسان میں گھر پر ہوئی۔ آپ کے والدِ بزرگوار
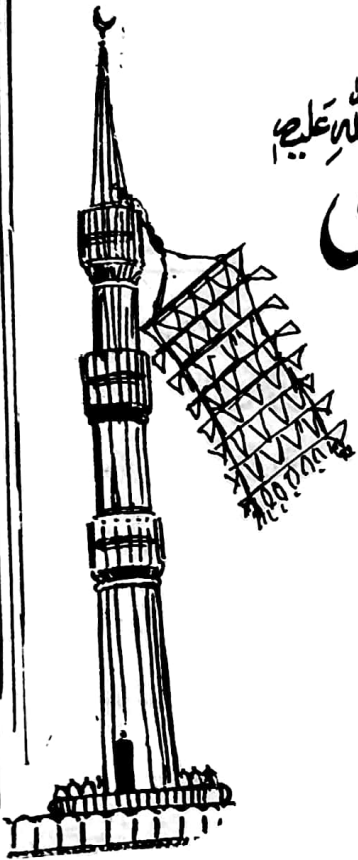
---

[1] معین الاسند : ص ۲۰ -

مختصر سوانح حیات

ولادت

حضرت قادر ولیؒ کی ولادت ترکی سلطان سلیم بن محمّد بن ابی یزید کی خلافت کے بارہ ۱۲ سال پہلے مصری سلطان قانصوہ الغوری کے زمانہ میں دہلی کے مشہور قریہ مانکپور میں ہوئی مانکپور اس زمانہ میں بہت ہی آباد تھا اور یہاں بے شمار علماء و صلحاء و عباد و زہاد پیدا ہوئے۔ ۱۰ ر جمادی الاول ۹۱۰ھ بروز جمعہ آپؒ کی ولادت ہوئی۔ آپؒ کے والد کا نام سید حسن قدسیؒ تھا۔ آپؒ کا اصلی نام عبد القادر تھا۔ مگر آپؒ شاہ الحمیدؒ کے نام سے مشہور ہوئے۔

ولادت کی بشارت

حضرت قادر ولیؒ کے والد معظم سید حسن قدسیؒ کی ولادت سے قبل ایک لڑکا پیدا ہوا تھا۔ جس کا نام یوسف تھا۔ لیکن بچپن ہی میں اس کا انتقال ہوگیا۔ جس کی وجہ سے والدین کو بے حد رنج ہوا۔ کیوں کہ کئی سال کی تمنّاؤں کے بعد لڑکا تولد ہوا تھا۔ والدین اس کے غم میں مبتلا ہی تھے کہ ایک دن انہوں نے ایک ہاتف غیبی کی آواز سنی۔ اس نے کہا، اے میرے بندے تم میاں بیوی کو یوسف کی وفات پر کوئی افسوس نہ ہونا چاہیے۔ ہم نے تمہیں اپنی مہربانی سے ایک لڑکا بخشا

تھا۔ جس کو انصاف کے ساتھ ہم نے واپس لے لیا۔ اب تمہیں صبر کرنا چاہیے۔ ہم تمہیں اس سے بہتر دوسری اولاد دیں گے جو صلاح و سداد بہتری اور راستی کے لحاظ سے اس پہلے لڑکے سے بہتر ہوگا۔

انبیاء کرام کی بشارتیں

روایات میں ہے کہ جب شیخ کی والدہ حاملہ ہوئیں تو اس رات حضرت خضر علیہ السلام سوتے وقت تشریف لائے اور کہا کہ خدا تمہیں سلام کہتا ہے اور مجھ کو یہ حکم دیتا ہے کہ تم کو بشارت دوں کہ تمہارے پیٹ میں ایک ایسا ولی ہے جو کونین کا قطب اور ثقلین کا غوث ہوگا۔ شیخ کی والدہ یہ سن کر جاگ اٹھیں اور اپنے شوہر کو اس بشارت کی اطلاع دی۔ دونوں نے اس مبارک بشارت پر خداوند کریم کا شکر ادا کیا۔

"ہدایت نامہ" کے مصنّف نے لکھا ہے کہ جب شیخ کی والدہ حاملہ ہوئیں تو پہلے مہینے میں حضرت آدمؑ، دوسرے مہینے میں حضرت نوحؑ، تیسرے مہینے میں حضرت ابراہیمؑ، چوتھے مہینے میں حضرت اسمٰعیلؑ، پانچویں مہینے میں حضرت موسیٰؑ، چھٹویں مہینے میں حضرت داؤدؑ، ساتویں مہینے میں حضرت عیسیٰؑ اور آٹھویں مہینے میں حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم اور نوویں مہینے میں حضرت علیؓ خواب میں تشریف لائے اور ہونے والے ولی کی مخصوص صفات بیان کیں۔ جب ولادت کا زمانہ قریب آیا تو ان کے خواب میں حضرت بی بی فاطمہ زہراؓ خوبصورت عورتوں کے ساتھ تشریف لائیں اور ایک ولیٔ کامل کے پیدا ہونے کی خوشخبری دی۔

تعلیم و تربیت

جب حضرت قادر ولیؒ آٹھ سال کے ہوئے تو آپؒ نے سب سے پہلے قرآن حفظ کیا اور اس کے بعد علماء کرام کے سامنے زانوئے ادب تہ کیا اور ان سے صرف و نحو، فقہ و تفسیر، حدیث، عقائد اور فتاویٰ کی تعلیم حاصل کی اور چند ہی سال میں سارے علوم پر مہارت حاصل کرلی۔

سیر و سیاحت

حضرت قادر ولی جب اٹھارہ ۱۸ سال کے ہوئے تو ایک دن کسی ضرورت کے تحت ایک خالی مکان میں رہنے کا اتفاق ہوا۔ آپؒ نے ایک آواز سُنی کہ اے عبدالقادر، شیخ کی تلاش کرو اور اُن کے ہاتھ پر بیعت کرو اور اُن سے تزکیہ اور خرقہ حاصل کرو۔ اس آواز پر آپؒ نے اِدھر اُدھر دیکھا مگر وہاں کوئی موجود نہ تھا۔ سمجھے کہ یہ آواز کسی ہاتفِ غیبی کی ہے اور انھیں خدا سے یہ حکم ملا ہے۔ یہ واقعہ ۹۲۸ھ کا ہے۔ آپؒ گھر لوٹ آئے اور اپنے والدین سے یہ واقعہ بیان کیا اور کہا کہ بلاشبہ یہ خدا ہی کا حکم ہے۔ اب مجھے کسی شیخ کی تلاش کر کے اس کے ہاتھ پر بیعت کرنا چاہیے۔ آپؒ والدین کی اجازت لے کر گوالیار شہر پہنچے۔ وہاں پر قطبِ عالم شیخ محمد غوث گوالیاری سے ملاقات کیا۔ وہی آپ کے پیر و مرشد تھے۔

شادی کی پیش کش اور انکار

جب حضرت قادر ولیؒ کے پیر و مرشد شیخ محمد غوث گوالیاری نے آپ کے ظاہری اور باطنی کمالات کو دیکھا تو اپنے علوم و فنون کے سارے خزانے ان پر کھول دیے۔ جب حضرت شیخ محمد غوثؒ کی بیوی نے ان کے کمالات کا مشاہدہ کیا تو اپنی لڑکی ان سے بیاہنی چاہی اور انہوں نے حضرت قادر ولیؒ کی خدمت میں دو بوڑھی عورتوں کو روانہ کیا۔ انہوں نے اپنی مالکن کی خواہش بیان کی۔ حضرت قادرؒ ولی نے کہا: میں شادی نہیں کرنا چاہتا۔ مجھے اس فانی دنیا کی دولت نہیں چاہیے۔ پھر حضرت قادرؒ ولی نے اپنی بائیں آستین بلند کی اور ان دونوں بوڑھی عورتوں سے کہا کہ اس آستین میں جھانکو۔ ان دونوں کی حیرت کی کچھ انتہا نہیں رہی جب کہ انھوں نے سایہ دار درختوں سے بھرا ہوا ایک کشادہ باغ دیکھا۔ جس میں موتی کا ایک قبہ تھا جس میں لعل یاقوت کا ایک بیش بہا جھولا لٹکا ہوا تھا اس میں دو حسین و جمیل حوریں جھول رہی تھیں۔ وہ اتنی خوب صورت تھیں کہ کچھ بیان نہیں کیا جا سکتا۔ جب دونوں بوڑھی عورتوں نے یہ منظر دیکھا تو بے ہوش ہو گئیں۔ حضرت قادرؒ ولی انھیں ہوش میں لے آئے اور کہا: اللہ تعالےٰ نے ہر لڑکی کے لیے اس کا شوہر اور ہر دانہ پر اس کے کھانے والے کا نام لکھ دیا ہے۔ پھر ان سے کہا کہ جا کر اپنی مالکن کو سناؤ۔ جب انہوں نے اپنی مالکن سے یہ قصہ سنایا تو بہت تعجب کرنے لگیں اور چپ ہو گئیں۔ پھر اپنے شوہر سے یہ واقعہ بیان کیا۔ تو غصہ سے آگ بگولہ ہو گئے اور کہا: تم کیوں کر ان کو شادی کا پیام بھیجا؛ جب کہ تمھیں یہ معلوم تھا کہ انھیں اس دنیا کی زندگی سے کوئی دلچسپی نہیں ہے، انھیں اپنے پروردگار سے ملاقات کی امید ہے اور ان سے کوئی چیز چھپی نہیں رہتی۔ پھر بیوی کو حکم دیا کہ قاصد بھیج کر حضرت قادرؒ ولی سے معذرت چاہیں۔ بیوی نے ایسا ہی کیا۔ حضرت نے ان کے حق میں دعا کی۔

حج کا ارادہ کرنا، استاد سے رخصت

جب ستائیس سال کے ہوئے تو حضرت قادرؒ ولی حج کا ارادہ کیا۔ اپنے پیر و مرشد حضرت شیخ محمد غوث گوالیاری سے اجازت چاہی۔ پیر نے بخوشی حج کی اجازت مرحمت فرمائی اور کہا: بیٹا! خدا کا نام لے کر حج کے لیے نکلو اور اس سے فارغ ہونے کے بعد اپنے دادا کی قبر مبارک پر بھی جاؤ۔

جب سفر حج کا وقت آیا تو حضرت قادرؒ ولی نے استاد سے رخصت چاہی۔ اس وقت ان کے سامنے بہت سے لوگ موجود تھے۔ استاد نے ان کی طرف اشارہ کر کے پوچھا تم ان لوگوں کو جانتے ہو؟ حضرت قادرؒ ولی نے جواب دیا، نہیں۔ استاد نے کہا یہ وہ لوگ ہیں جو کسی زمانہ میں گوالیار اور مانکپور کے درمیان راستہ پر لوٹ مار کا پیشہ کرتے تھے۔ اللہ تعالےٰ نے انھیں ہدایت دی اور یہ میرے ہاتھ پر ایمان لے آئے اور نیک راستہ اختیار کیا۔ اب تجارت کے سوا انہیں کوئی راہ راست پر لگا نہیں

معنی: لغت میں توسل کے معنی مقصد کے حصول کے لئے کسی شئے کو وسیلہ اور سبب بنانے کے ہیں۔ شرع کی اصطلاح میں اللہ تعالےٰ کے نزدیک قدر و مرتبت والی شئے کو دعا کے قبول ہونے کے لئے وسیلہ بنانے کے ہیں۔ لہٰذا جس کی اللہ تعالےٰ کے نزدیک قدر و منزلت ہے اس سے توسل جائز اور حسن ہے۔ خواہ وہ ذات ہو یا عملِ صالح ہو۔

قرآن:- ۱۔ سورۂ مائدہ میں اللہ تعالےٰ کا فرمان ہے:

وَابْتَغُوْٓا اِلَیْهِ الْوَسِیْلَةَ ۝ [آیت: ۳۴]

ترجمہ: اور اس کی طرف وسیلہ ڈھونڈو

وسیلہ ذاتوں کو بھی شامل ہے۔ اعمال کو بھی شامل ہے۔ اس لئے کہ وسیلہ ہر اس کو کہا جاتا ہے جس سے توسل کیا جاتا ہے۔ یعنی جس سے باری تعالےٰ کی طرف قربت ڈھونڈی جاتی ہے۔ خواہ وہ قربت عملِ حسن ہو یا اور کچھ ہو۔

۲۔ سورۂ نساء میں ہے:

وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِیْمًا ۝ [آیت: ۶۴]

ترجمہ: اور جب وہ اپنی جانوں پر ظلم کریں تو اگر اے محبوب تمہارے حضور حاضر ہوں

پھر اللہ سے معافی چاہیں اور رسول اُن کی شفاعت فرمائیں تو ضرور اللہ کو بہت توبہ قبول کرنے والا مہربان پائیں گے۔

اس آیت میں فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰہ (پھر اللہ سے معافی چاہیں) اعمال کے بیان کے لئے اور وَاسْتَغْفَرَ لَھُمُ الرَّسُوْلُ (اور رسول ان کی شفاعت فرمائیں) ذوات کے بیان کے لئے ہے۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ وسیلہ ذوات اور اعمال دونوں کے لئے استعمال ہوتا ہے۔

۳ سورۂ انفعال میں ہے:

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ ۝ [آیت: ۳۳]

ترجمہ: اللہ کا کام نہیں کہ انھیں عذاب کرے جب تک اے محبوب تم اُن میں تشریف فرما ہو۔ اور آگے فرمانِ الٰہی ہے: وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ۝ [آیت: ۳۳]

اور اللہ انھیں عذاب کرنے والا نہیں جب تک وہ بخشش مانگ رہے ہیں۔ آیت کے پہلے حصّہ میں وارد ہے وَاَنْتَ فِيْهِمْ (جب تک اے محبوب تم ان میں تشریف فرما ہو۔) ذاتوں کے بیان کے لئے اور دوسرے حصّے میں وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ (جب تک بخشش مانگ رہے ہیں: اعمال کے بیان کے لئے ہے۔ ان قرآنی دلائل سے یہ صاف ظاہر ہے کہ وسیلہ ذاتوں اور اعمال دونوں میں بھی شامل ہے۔

احادیث:۔ (۱) اعمال سے وسیلہ

صحیح بخاری شریف میں حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہم سے روایت ہے کہ: رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تین آدمی جارہے تھے کہ انھیں بارش نے آلیا۔ چناں چہ وہ ایک پہاڑ کے غار میں چھپ گئے۔ غار کے منہ پر پہاڑ کے اوپر سے ایک بہت بڑا پتھر آگرا اور وہ بند ہوکر رہ گئے۔ چناں چہ وہ آپس میں کہنے لگے کہ کوئی ایسا نیک عمل دیکھو جو تم نے محض رضائے الٰہی کے لئے کیا ہو۔ اور اس کے ذریعہ اللہ تعالےٰ سے دعا کرو۔ شائد یہ مشکل آسان ہوجائے۔ چناں چہ ان میں سے ایک نے کہا: اے اللہ میرے والدین زندہ تھے اور انتہائی بڑھاپے کی عمر کو پہنچے ہوئے تھے۔ نیز میرے چھوٹے چھوٹے بچّے بھی تھے میں اُن کے لئے بکریاں چرایا کرتا تھا۔ جب میں شام کو واپس لوٹتا تو بکریاں دوہتا اور اپنے بچوں سے پہلے والدین کو دودھ پلایا کرتا تھا۔ ایک روز جنگل میں دور جانکلا اور شام کو دیر سے واپس لوٹا۔ میرے والدین اس وقت سوچکے

تھے۔ میں حسبِ معمول دودھ لے کر ان دونوں کے سرہانے آ کھڑا ہوا۔ میں انھیں نیند سے بیدار کرنا ناپسند کیا اور بچوں کو اُن سے پہلے دودھ پلا دینا بھی مجھے اچھا نہیں لگا۔ حالاں کہ بچے میرے قدموں کے پاس رو بیٹ رہے تھے۔ حتیٰ کہ صبح ہونے تک میری اور اُن کی یہی حالت رہی۔ اے اللہ! تو جانتا ہے، اگر میں نے یہ کام محض تیری رضا کے لئے کیا تو اس پتھر کو ہٹا دے۔ تاکہ ہم باہر نکل سکیں۔ پس اللہ تعالیٰ نے اسے تھوڑا سا ہٹا دیا۔ کہ اس میں آسمان نظر آنے لگا۔

دوسرے نے کہا: اے اللہ! میری ایک چچا زاد بہن تھی۔ جس سے میں بہت محبت کرتا تھا۔ جتنی کوئی آدمی کسی عورت سے کرتا ہوگا۔ میں نے اس سے اپنی دلی خواہش کا اظہار کیا تو اُس نے اس وقت تک کے لئے انکار کیا۔ جب تک کہ اُسے سو (۱۰۰) دینار نہ دوں۔ میں نے دوڑ دھوپ شروع کر دی۔ یہاں تک کہ سو دینار جمع کر لیے۔ میں انھیں لے کر اس کے پاس گیا۔ جب میں اس کی دونوں ٹانگوں کے درمیان بیٹھ گیا۔ تو اس نے کہا: اے اللہ کے بندے! اللہ سے ڈر اور لگی ہوئی مہر کو نہ کھول۔ پس میں اس کے پاس سے چلا آیا۔ اے اللہ! اگر میں نے ایسا محض تیری رضا کے لئے کیا تو ہماری اس مشکل کو آسان کر دے۔ پس چٹان اور تھوڑی سی ہٹ گئی۔ تیسرے نے کہا: اے اللہ! بے شک میں نے ایک مزدور کو اپنے کام پر لگایا تھا کہ ایک فرق چاول دوں گا۔ جب وہ کام ختم کر چکا تو اس نے اپنی مزدوری کا مطالبہ کیا۔ میں نے مزدوری سامنے رکھ دی۔ لیکن وہ مزدوری چھوڑ کر میرے پاس سے چلا گیا۔ پس میں ان کے ساتھ برابر کاشتکاری کرتا رہا۔ یہاں کہ غلّہ سے کئی گائیں خرید لیں اور چرواہا رکھ دیا۔ مدّتوں بعد وہ میرے پاس آیا اور کہنے لگا کہ اللہ سے ڈر اور مجھ پر ظلم نہ کرو اور میرا حق مجھے دے دو۔ میں نے کہا: ان گائیوں اور چرواہے کی طرف جاؤ یہ سب تمہارا مال ہے۔ اس نے کہا: اللہ سے ڈرو۔ میرے ساتھ مذاق نہ کرو۔ میں نے کہا کہ میں تمہارے ساتھ مذاق نہیں کر رہا ہوں۔ بلکہ یہ اپنے گائیں اور چرواہے لے جاؤ۔ پس وہ انھیں لے کر چلا گیا۔ اے اللہ! پس تو جانتا ہے۔ اگر میں نے یہ محض تیری رضا کے لیے کیا ہے، تو جتنا راستہ بند ہو گیا ہے۔ اسے کھول دے۔ پس اللہ تعالیٰ نے ان کے سامنے سے یہ پتھر ہٹا دیا۔

۲۔ ذات سے وسیلہ

بخاری شریف میں باب الاستسقاء میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

تھے۔ میں حسبِ معمول دودھ لے کر ان دونوں کے سرہانے آکھڑا ہوا۔ میں انھیں نیند سے بیدار کرنا ناپسند کیا اور بچوں کو اُن سے پہلے دودھ پلادینا بھی مجھے اچھا نہیں لگا۔ حالاں کہ بچے میرے قدموں کے پاس روپیٹ رہے تھے۔ حتیٰ کہ صبح ہونے تک میری اور اُن کی یہی حالت رہی۔ اے اللہ! تو جانتا ہے، اگر میں نے یہ کام محض تیری رضا کے لئے کیا تو اس پتھر کو ہٹادے۔ تاکہ ہم باہر نکل سکیں۔ پس اللہ تعالیٰ نے اسے تھوڑا سا ہٹادیا۔ کہ اس میں آسمان نظر آنے لگا۔

دوسرے نے کہا: اے اللہ! میری ایک چچازاد بہن تھی جس سے میں بہت محبت کرتا تھا۔ جتنی کوئی آدمی کسی عورت سے کرتا ہوگا۔ میں نے اس سے اپنی دلی خواہش کا اظہار کیا تو اُس نے اس وقت تک کے لئے انکار کیا۔ جب تک کہ اُسے سو (۱۰۰) دینار نہ دوں۔ میں نے دوڑ دھوپ شروع کردی۔ یہاں تک کہ سو دینار جمع کر لیے۔ میں انھیں لے کر اس کے پاس گیا۔ جب میں اس کی دونوں ٹانگوں کے درمیان بیٹھ گیا۔ تو اس نے کہا: اے اللہ کے بندے! اللہ سے ڈر اور لگی ہوئی مہر کو نہ کھول۔ پس میں اس کے پاس سے چلا آیا۔ اے اللہ! اگر میں نے ایسا محض تیری رضا کے لئے کیا تو ہماری اس مشکل کو آسان کردے۔ پس چٹان اور تھوڑی سی ہٹ گئی۔ تیسرے نے کہا: اے اللہ! بے شک میں نے ایک مزدور کو اپنے کام پر لگایا تھا کہ ایک فرق چاول دوں گا۔ جب وہ کام ختم کرچکا تو اس نے اپنی مزدوری کا مطالبہ کیا۔ میں نے مزدوری سامنے رکھ دی۔ لیکن وہ مزدوری چھوڑ کر میرے پاس سے چلا گیا۔ پس میں ان کے ساتھ برابر کاشتکاری کرتا رہا۔ یہاں کہ غلّہ سے کئی گائیں خرید لیں اور چرواہا رکھ دیا۔ مدّتوں بعد وہ میرے پاس آیا اور کہنے لگا کہ اللہ سے ڈر اور مجھ پر ظلم نہ کرو اور میرا حق مجھے دے دو۔ میں نے کہا: ان گائیوں اور چرواہے کی طرف جاؤ یہ سب تمہارا مال ہے۔ اس نے کہا: اللہ سے ڈرو۔ میرے ساتھ مذاق نہ کرو۔ میں نے کہا کہ میں تمہارے ساتھ مذاق نہیں کررہا ہوں۔ بلکہ یہ اپنے گائیں اور چرواہے لے جاؤ۔ پس وہ انھیں لے کر چلا گیا۔ اے اللہ! پس تو جانتا ہے۔ اگر میں نے یہ محض تیری رضا کے لیے کیا ہے، تو جتنا راستہ بند ہوگیا ہے۔ اسے کھول دے۔ پس اللہ تعالیٰ نے ان کے سامنے سے یہ پتھر ہٹادیا۔

۲۔ ذات سے وسیلہ

بخاری شریف میں باب الاستسقاء میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

دنیا کے اصل ترین عجائب

سید عبدالقادر جیلان باشاہ ابن سید عبدالستار لطیفی ۔ نورانی مسجد پیش امام : شہر گنتکل

اِنَّمَآ اَمْرُهٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَيْئًا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ۝ سورۃ یٰسٓ

یہ قرآن کی سورۃ یٰسٓ کی آیت ہے ۔جس کا ترجمہ : اللہ رب العزّت کا کام تو وہی ہے جب ارادہ کیا ہر شئے ، چیز کو بنانے کا تو کہا ، ہوجا "فیکون" ہوگیا۔

نحمدہٗ ونصلے علےٰ رسولہ الکریم

امّابعد!

اللہ تبارک وتعالےٰ نے کہا ہوجا تو سب کچھ ہوگیا ۔جس میں کائنات کی ہر چیز آسمان ، زمین ، لوح قلم ، کرسی ، فرشتے جنّات ، درندے ، پرندے ، حجر وشجر ، اٹھارہ ہزار مخلوقات پیدا ہوئے ۔

اس زمین کے لیے اپنا نائب بنانا چاہا تو اللہ رب العزّت وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّىْ جَاعِلٌ فِى الْاَرْضِ خَلِيْفَةً : رب نے فرشتوں سے فرمایا: زمین پر اپنا نائب بنانے والا ہوں ۔ ذرا یہاں غور کریں تمام کائنات ، کائنات کی ہر چیز کو اپنے ارادے سے بنایا ۔لیکن خلیفہ کو بنانا چاہا تو یعنے آدم علیہ السلام کو بنانا چاہا تو مشورہ طلب کررہا ہے ۔اس کی وجہ کیوں کہ تمام مخلوق پر انسان کو اشرف المخلوقات بنانا چاہتا تھا ۔ آدمؑ کا پُتلا بنوانے کے لیے فرشتوں کو حکم ہوا مٹی لے آؤ ۔ پانی لے آؤ ، کیچڑ بناؤ ، پتلا بناؤ ، ہوا میں رکھ کر سکھاؤ ۔آگ میں جلا کر پُتلے کو مکمل کیا ۔ قرآن میں جس کی گواہی دے رہا ہے : خلق الانسان من صلصالٍ کالفخّار : اس نے آدم کو بنایا بجتی مٹی سے ۔ پھر روح کو داخل کیا اپنی قدرت سے تو انسان بولنے والا ، دیکھنے والا ، سب کرنے والا بنایا ۔پھر غور کریں انسان کو چار عناصر سے بنایا ۔مٹی ، پانی ، آگ ، ہوا ۔یہ تمام خدا کی قدرت کی نشانیوں میں سے ہے ۔ مٹی کیا چیز ہے؟ پانی کیا چیز ہے؟ آگ کیا چیز ہے؟ ہوا کیا چیز ہے ۔یہ تمام کن چیزوں سے بنائی گئی ہیں یہ اللہ ہی بہتر جانتا ہے ۔ظاہر میں انسان تو مٹی کا نظر نہیں آتا ۔چمڑا ، گوشت ، ہڈی اور خون سے

بھرا ہوا نظر آتا ہے۔ مٹی، پانی، آگ، ہوا کہاں ہے جسم میں؟ جہاں بھی رگڑو مٹی نکلتی ہے۔ پسینہ کی شکل سے پانی ظاہر ہوتا ہے۔ انسان ہر وقت گرم رہتا ہے۔ گرم رہا تو زندہ، ٹھنڈا ہوا تو مُردہ تو انسان کے اندر آگ کی گرمی موجود ہے۔ انسان کے اندر سانس ہوا چلتی رہتی ہے تو ہوا بھی موجود ہے۔ پتہ چلا کہ چار چیزوں سے بنایا اور چار چیزیں بھی موجود ہیں۔ انسان کو کن کن نعمتوں سے نوازا ہے: آنکھ، ناک، کان، منھ، زبان، ہاتھ، پیر انسان کا ہر عضو اللہ کی نعمت ہے۔ فرمانِ خدا ہے:

فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ

اے انس و جن تم ہماری کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔ انسان کے جسم کا ہر عضو نعمت ہے۔ اگر ان میں سے ایک عضو کی کمی ہو تو انسان کی زندگی ادھوری ہے۔ پتہ چلا انسان صحیح سالم پیدا ہونا ہی انسان کے لیے اچھی تقدیر ہے۔

آج کا انسان کیا کچھ ترقی کرتا ہے۔ کرتا چلا جا رہا ہے۔ اپنا لیبل لگا لیتا ہے اور اپنی فوقیت جتا لیتا ہے یہ نہیں سوچتا کہ مجھے کس نے بنایا اور کیسے بنایا؟ کس لیے بنایا؟ کیا کبھی غور کیا ہے کہ تجھے بنانے والا اندھا بنا تا یا لنگڑا یا پاگل یا کمزور بنا تا تو تُو کچھ بھی نہیں کر سکتا کچھ نہ بنا سکتا۔ اس لیے اللہ ربّ العزّت قرآن میں ارشاد فرماتا ہے وَفِیْ اَنْفُسِکُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ۝ تو اپنے آپ میں غور و خوص نہیں کرتا۔ آؤ غور و خوص کریں۔ انسان کو اللہ نے کس طرح بنوایا۔ سوال بھی کریں گے اور جواب بھی لیں گے۔

سوال: حضرت آدم علیہ السلام کا نام آدم کیوں ہوا؟

جواب: آپ کا نام آدم ہونے کی کئی وجوہات ہیں:

(۱) ترجمانِ قرآن حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں آپ کا نام آدم اس مناسبت سے ہے کہ گندمی رنگ کی زمین سے وہ مٹی لی گئی تھی جس سے آپ کے قالب ثاقب کی خمیر بنی۔

(۲) حضرت ثعلبی فرماتے ہیں: چوں کہ عبرانی زبان میں مٹی کو آدم کہتے ہیں اس مناسبت سے آپ کا نام آدم رکھ دیا گیا۔ (الاتقان فی علوم القرآن: ج: ۲، ص: ۱۷۵)

(۳) حکیم الامت مفتی احمد یار خان صاحب نعیمی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں آدم یا تو اَدِیم سے بنا ہے۔ جس کے معنے ہیں ظاہری زمین، چوں کہ آپ کا جسم پاک ظاہری زمین کی مختلف مٹیوں سے بنا تھا۔

اس لیے آپ کا نام آدم ہوا۔ (تفسیر نعیمی: ج: ۱: ص: ۲۳)

سوال: حضرت آدم علیہ السلام کا پتلا بنانے کے لیے کتنی جگہوں کی کتنی مقدار میں مٹی لی گئی؟

جواب: آپ کے پتلے کو بنانے کے لیے حضرت عزرائیل علیہ السلام نے زمین کی چالیس جگہوں سے ہاتھ بھر کر مختلف اطراف واکناف سے مٹی لی اور خصوصیت سے خطۂ مکہ و طائف کو حاصل رہی۔

(معارج النبوۃ: ج:۱: ص:۲۳)

سوال: آدم علیہ السلام کی خمیر میں کونسا پانی استعمال ہوا؟

جواب: آپ کے تو وہ خاکِ میدا پاک پر چالیس دن تک بحکم مالک ذوالجلال "دریائے مالامال" سے عرشِ اعظم کے نیچے ہے۔ جس کا دوسرا نام بحرالاحزان ہے بارش ہوتی رہی۔ جس سے وہ مٹی گارے کی شکل اختیار کر گئی ایک روایت میں چالیس سال ہے۔

ایک دوسری روایت ہے کہ بموجب ستّر ہزار ملائکہ مقربان نے بفرمان رحمن چشمہائے رحیق و سلسبیل و کوثر کے پانی سے اس مٹی کو تر کیا۔ (معارج النبوۃ: ج: ۱: ص: ۲۵)

سوال: اس آدم کی مٹی میں خوشی کا پانی کتنا تھا؛ اور غم کا پانی کتنا؟

جواب: آپ کی مٹی پر چالیس دنوں تک بارش ہوتی رہی ان چالیس دنوں میں انتالیس دن رنج و غم کا پانی برسا اور صرف ایک دن خوشی کا پانی برسا۔ اس لیے بنی آدم کو رنج و غم زیادہ ہوتے ہیں اور خوشی کم۔

(تفسیر نعیمی: ج:۱: ص: ۲۸۵)

سوال: آدم کی مٹی کا گارا کس جگہ تیار کیا گیا؟

جواب: فرشتوں نے حکم خداوندی سے مٹی کا گارا اس جگہ بنایا، جہاں آج بیت اللہ شریف ہے۔

(تفسیر نعیمی: ج: ۱: ص: ۲۸۵)

سوال: خالقِ کائنات نے آدم علیہ السلام کے پتلے کو کتنے دنوں میں بنوایا؟

جواب: خالقِ کائنات نے آدم علیہ السلام کو چالیس دنوں میں یعنی دنیا کے چالیس ہزار سال کے برابر اپنے دستِ قدرت سے تخمیر طینت و صنعت گری فرما کر حضرت آدم علیہ السلام کا کالبد تیار کیا اور ان کی ایک ایسی حسین و جمیل صورت تخلیق فرمائی کہ دیدۂ حیرت آپ کے جمال باکمال سے خیرہ ہو جاتے تھے۔ (معارج النبوۃ: ج: ۱: ص: ۲۵) (باقی)

ذیابیطس مسبب الامراض ہے

ڈاکٹر محمد نعمان پاشاہ قریشی ۔ ویلور

ذیابیطس اپنی ذات سے کوئی بیماری نہیں ہے ۔ لیکن یہ کئی ایک خطرناک اور جان لیوا بیماریوں کا سبب بن سکتی ہے ۔ اس اعتبار سے ذیابیطس کو مسبب الامراض کا نام دینا صحیح ہے ۔ جو لوگ ذیابیطس کا شکار ہوجاتے ہیں ۔ ان کا لبلبہ، انسولین پیدا نہیں کرتا ۔ یا پیدا کرتا بھی ہے تو وہ انسولین ٹھیک طریقہ سے کام نہیں کرتی ۔ جس کی وجہ سے خون میں شکر کی مقدار بڑھ جاتی ہے ۔

لبلبہ وہ غدہ ہے جو معدہ سے قریب ہوتا ہے ۔ کسی شخص کو ذیابیطس ہے اس کا علم فوری طور پر ہو نہیں پاتا ۔ البتہ کچھ علامتوں کے ذریعہ پتہ چل جاتا ہے ۔ کہ شکر SUGAR لاحق ہو چکی ہے ۔ اس کے لیے شکر ٹسٹ کروانا چاہیے ۔ جس سے شکر کی صحیح مقدار معلوم ہوجاتی ہے ۔

ذیابیطس کی یہ علامتیں ہیں : آدمی کو پیاس بہت لگتی ہے ۔ پیشاب زیادہ آتا ہے ۔ اور خاص طور پر رات میں کئی مرتبہ پیشاب کی حاجت ہوتی ہے ۔ مریض کو بڑی تھکان اور بہت کمزوری محسوس ہوتی ہے ۔ بدن کا وزن گھٹ جاتا ہے ۔

ذیابیطس آدمی کو ہر عمر میں ہوسکتی ہے ۔ کم عمر بچے بھی اس کا شکار ہوسکتے ہیں ۔ ذیابیطس دو طرح کی ہے ایک وہ جو انسولین پر منحصر ہوتی ہے ۔ دوسری وہ ہے جو انسولین پر منحصر نہیں ہوتی ۔ ذیابیطس کے مریض ایک طرح کے نہیں ہوتے ہیں ۔ کسی مریض کے لبلبے کے وہ خلیے جو انسولین پیدا کرتے ہیں وہ پوری طرح ناقص اور تباہ ہوجاتے ہیں ۔ کسی مریض کے جسم میں تھوڑی بہت انسولین پیدا کرنے کی صلاحیت موجود رہتی ہے ۔ لیکن یہ انسولین کافی نہیں ہوتی ۔

ہر دو قسم کے مریض کی شُگر کو انسولین کی گولیوں ، غذاؤں میں پرہیز کے ذریعہ اور روزانہ چار پانچ کلومیٹر

چلا کر قابو میں رکھا جا سکتا ہے۔ ذیابیطس کے مریض کے لیے سب سے پہلی چیز ورزش ہے اور بہترین ورزش پیدل چلنا ہے۔ دوسری چیز پرہیز ہے اور تیسری چیز دوا ہے۔ بہت سارے لوگ دوا کو ضروری سمجھتے ہیں لیکن ورزش اور پرہیز و احتیاط کرتے ہی نہیں۔ یہ دوائیں کچھ عرصہ تک تو اپنا کام کرتی ہیں پھر وہ بے اثر اور بے فائدہ ہو جاتی ہیں۔ اس لیے سب سے مقدم چیز پرہیز اور ورزش ہے۔

ذیابیطس موروثی بھی ہو سکتا ہے۔ خاندان یا قریبی خونی رشتہ داروں میں ذیابیطس کے مریض ہوں تو اولاد پر اس کا اثر ممکن ہے۔ اور تحقیقات کی روشنی میں اس مرض کا موروثی ہونا ثابت ہو چکا ہے۔ موروثی کا مطلب متعدی مرض نہیں ہے کہ ایک کا مرض دوسرے کو لگ جائے۔

ذیابیطس کے مریض کے لیے صحت بخش اور معتدل غذائیں استعمال کرنا نہایت ضروری ہے۔ اور زیادہ تر ایسی غذائیں استعمال کرنا چاہیئے جن میں چکنائی، شکر اور نمک کی مقدار کم ہو۔ پھل اور سبزیاں حدِ اعتدال کے ساتھ کھانا چاہیئے۔ تلی ہوئی اور چکنائی والی چیزوں کا استعمال بہت کم کرنا چاہیئے اور جہاں تک ہو سکے اپنے جسم میں چکنائی کو جمع نہ ہونے دینا چاہیئے۔ کیوں کہ یہ جسم میں جب جمع ہو جاتی تو وہ شکر میں تبدیل ہو جاتی ہیں۔ براہ راست شکر سے تیار کردہ چیزوں کو استعمال نہ کرنا چاہیئے۔ واکنگ، تیراکی، سائیکل کی سواری، جسمانی ورزش شکر کے مریضوں کے لیے نہایت ضروری ہے۔ اس سے شگر میں کمی ہوتی ہے۔ جہاں تک ہو سکے شگر کی سطح کو کم کرنے میں ورزش اور پرہیز کا دامن تھامنا چاہیئے۔ دوا کو تیسرے درجہ میں رکھنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ کیوں کہ دواؤں سے شگر کی سطح تو نارمل ہو جاتی ہے۔ لیکن ان دواؤں کے ضمنی اور مضر اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ اس لیے پرہیز اور ورزش ہی کو دوا سمجھنا چاہیئے۔ شگر کی مقدار بڑھ جانے پر کسی ایک بیماریوں کے حملہ کا امکان قوی رہتا ہے۔ ان میں سے بعض بیماریاں شدید قسم کی ہوتی ہیں۔ جیسے فالج، ہارٹ اٹیک، ہائی بلڈ پریشر، خون کے دوران میں خلل، اعصابی نظام میں بگاڑ، گردوں کی خرابی/ آنکھوں کی بینائی کا ختم ہونا، وغیرہ

شوگر کا مریض وقفہ وقفہ سے اپنی شگر ٹسٹ کروانا چاہیے اور اس کے ساتھ ساتھ جسم کا میڈیکل چیک اپ بھی ضروری ہے۔ اس سے مریض کو اپنے جسم کی صحت مندانہ اور مریضانہ کیفیات اور حالات کا علم ہو جاتا ہے۔ اور یہ جانکاری اس کے لیے بڑی مفید ہوتی ہے جس کی وجہ سے مریض دوا، غذا اور پرہیز کے معاملہ میں غفلت اور بے توجہی کا شکار نہیں رہتا۔ اور وہ اپنی صحت کے نشیب و فراز اور تغیر و تبدیلی سے پوری طرح باخبر رہتا ہے۔

آج ہر آدمی خواہ وہ مریض ہو یا صحت مند ہو اسے اپنے جسم اور اپنی صحت کا پورا پورا علم رکھنا ایسا ہی ضروری ہے جیسا زندگی کے لیے غذا ضروری ہے۔

اب ہم ذیل میں شگر سے متعلق ایک چارٹ پیش کر رہے ہیں جو انٹرنیٹ سے حاصل کیا گیا ہے۔ یہ مواد اسٹیٹ یونیورسٹی آف اٹلانٹا، جارجیا کے شعبۂ عمرانیات و جغرافیات کے تغذیاتی تعلیم برائے نو امریکیاں کے لیے تیار کیا گیا ہے۔ یہ چارٹ ایسا ہے جو عام طور پر شکر کے مریضوں کے لیے بہت مفید ہے۔

ذیابیطس کیا ہے ؟

ذیابیطس ایک ایسی بیماری ہے جس میں جسم انسولین نہیں پیدا کرتا یا اسے اچھی طرح استعمال نہیں کرتا۔ انسولین ایک ہارمون ہوتا ہے جو شکر، نشاستہ اور دیگر غذا کو توانائی میں تبدیل کرتا ہے جو ہماری روزمرہ زندگی کے لیے ضروری ہے۔

ذیابیطس کی دیکھ بھال کیسے کی جاتی ہے ؟

ذیابیطس کی دیکھ بھال کے تین حصے ہیں :- ۱۔ صحت مند خوراک۔ ۲۔ جسمانی محنت دوا کا استعمال۔ (اگر ضروری ہو۔)

میں اپنے ذیابیطس پر کیسے قابو پا سکتا ہوں ؟

آپ اپنی بلڈ شوگر (جسے بلڈ گلوکوز بھی کہتے ہیں) اور ذیابیطس کو اس حالت میں قابو میں رکھ سکتے ہیں جب آپ صحت مند غذا کھائیں، کافی جسمانی کام کریں اور اپنا وزن صحت مند سطح پر رکھیں۔

صحت مند وزن خون میں شامل چکنائیوں پر قابو رکھنے اور بلڈ شوگر میں کمی لانے میں آپ کی مدد کرتا ہے۔ ذیابیطس کے مریض بہت سے لوگوں کو اپنے بلڈ شوگر پر قابو رکھنے کے لیے دوا کھانا بھی ضروری ہوتا ہے

یہاں مختلف اقسام کی غذائیں حاصل کرنے کی ایک مثال دی جا رہی ہے :

	پہلا دن	دوسرا دن
اناج	مکئی کی روٹی	بھورا چاول
پھل	سیب	آم
سبزیاں	گوبھی	ٹماٹر
دودھ وغیرہ	دودھ	دہی
پروٹین	مرغ	پھلیاں

پیسٹری، بسکٹ اور کیک جیسی زیادہ نشاستہ دار اور تلی ہوئی چیزیں بہت کم کھائیں۔
پھلوں کا رس تھوڑا تھوڑا کرکے پیئیں۔ کچی اور بہت کم چکنائی میں پکائی گئی سبزیاں کھائیں۔
پکانے کے وہ طریقے جو آپ کے لیے اچھے ہیں: سینکنا، بھاپ دینا، اُبالنا، جلا کر بھوننا، اسٹو بنانا اور جالی پر سینکنا۔ تیل کی زیادہ مقدار میں کھانا پکانے سے پرہیز کرنا۔
گوشت کے کم چکنائی والے ٹکڑوں کا انتخاب کریں۔ مثلاً مرغ، ٹرکی اور بھینس کا گوشت۔
چکنائی سے پاک (کریم لگا ہوا) یا کم چکنائی والے (نمبر 1) دودھ یا دودھ سے بنی غذاؤں کا انتخاب کریں۔

نشاستہ دار اشیاء اور کاربوہائیڈریٹ کیا ہیں؟

نشاستہ دار چیزیں میں دانے، اناج، پاستا یا نشاستہ دار سبزیاں ہیں۔ ہر وقت کے کھانے میں بعض نشاستہ/ کاربوہائیڈریٹ والی غذائیں کھائیں۔ لوگ آپ کو بتاتے ہوں گے کہ بہت سی نشاستہ دار اور کاربوہائیڈریٹ والی چیزیں نہ کھائیں۔ لیکن اب وہ درست مشورہ نہیں رہ گیا ہے۔ نشاستہ دار/ کاربوہائیڈریٹ والی غذائیں کھانا ہر شخص کے لیے صحت مند ہے۔ جس میں ذیابیطس کے مریض بھی شامل ہیں۔

مجھے روزانہ کتنی نشاستہ دار اور کاربوہائیڈریٹ والی غذاؤں کی ضرورت ہے؟

6 سے 11 سرونگ روزانہ: روزانہ آپ کو کتنی سرونگ کھانی چاہئے یہ منحصر ہے:
آپ کے لیے ضروری کیلوریز پر، آپ کے ذیابیطس کے علاج کے منصوبے پر۔

نشاستہ دار اور کاربوہائیڈریٹ والی غذاؤں کا ہمارے جسم پر کیا اثر پڑتا ہے؟

نشاستہ دار غذاؤں سے آپ کے جسم کو توانائی، وٹامن B، معدنی اجزاء اور ریشے حاصل ہوتے ہیں۔ ریشے دار غذاؤں سے آپ کو معدے کے صاف رہنے میں مدد ملتی ہے اور وہ آپ کو بلڈ شوگر پر قابو پانے میں مدد دیتی ہیں۔

دانے، پھلیاں اور نشاستہ دار سبزیاں کیا ہیں؟

نشاستہ دار کاربوہائیڈریٹ کی سرونگ کتنی ہوتی ہے؟

1 روٹی کا ایک سلائس۔ 1 چھوٹا آلو یا کیلا۔
½ کپ پکا ہوا اناج جیسے دلیا یا گیہوں کا کریم۔
¾ کپ خشک اناج مثلاً کارن فلیکس۔ ⅓ کپ پکا ہوا چاول۔

1 چھوٹی مکئی کی روٹی ، چپاتی روٹی یا انجیر اروٹی

آپ کو ایک وقت کے کھانے میں نشاستہ دار/ کاربوہائیڈریٹ والی غذاؤں کی ایک، دو یا تین سرونگ کھانے کی ضرورت پڑ سکتی ہے۔ اگر آپ کو کسی وقت ایک سے زیادہ سرونگ کھانی ہوں تو اس غذائی گروہ سے مختلف غذاؤں کا انتخاب کریں۔

ناشتہ : $\frac{3}{4}$ کپ خشک اناج اور ایک سلائس بریڈ ــــ 2 سرونگ ۔

دوپہر کا کھانا: $\frac{1}{3}$ کپ چاول اور $\frac{1}{2}$ کپ پکا ہوا کیلا ــــ 2 سرونگ ۔

رات کا کھانا: $\frac{1}{2}$ کپ پاستا اور ایک بریڈ اسٹک ــــ 2 سرونگ ۔

شام کا ناشتہ : 6 کریکرز ــــ ایک سرونگ ۔

پورے دن کی مجموعی مقدار 7 سرونگ ۔ اس کا خیال رکھیں کہ کاربوہائیڈریٹ والی غذاؤں میں توازن ہو۔ اس سے آپ کو بلڈ شوگر قابو میں رکھنے میں مدد مل سکتی ہے ۔

سبزیاں ہر شخص کے لیے صحت مند ہوتی ہیں ۔جن میں ذیابیطس کے مریض بھی شامل ہیں۔ روزانہ کچی اور پکی ہوئی سبزیاں کھائیں ۔سبزیوں سے آپ کو وٹامن ، معدنی اجزا اور کم کیلوری والے ریشے ملتے ہیں ۔ایسی سبزیاں تلاش کریں جو گہرے رنگ کی ہوں ۔ان کی چند مثالیں: گاجر ، مرچیں، بیگن، گوبھی، ٹماٹر اور پالک ہیں۔

آپ کو روزانہ 3 سے 5 سرونگ تک سبزیاں استعمال کرنی چاہئیں ۔ سبزیوں کی سرونگ کتنی ہوتی ھے؟

$\frac{1}{2}$ کپ پکی ہوئی سبزیاں ۔ مثلاً پکی ہوئی ہری پھلیاں، بیگن ،پالک اور کشید کیا ہوا عرق ۔

1 کپ کچی سبزیاں ۔ مثلاً سلاد ،گاجر یا ٹکڑوں میں کٹا ہوا کھیرا۔

$\frac{1}{2}$ سبزیوں کا رس ۔ مثلاً ٹماٹر یا گاجر کا رس ۔

پھل ہر شخص کے لیے صحت مند ہوتے ہیں ۔جن میں ذیابیطس کے مریض بھی شامل ہیں ۔ پھل سے آپ کو توانائی وٹامن اور معدنی اجزاء اور ریشے حاصل ہوتے ہیں ۔

مجھے پھل کی کتنی سرونگ کی ضرورت ھے؟ 2 سے 4 سرونگ۔

پھل کی سرونگ کیا ہے ؟

1 چھوٹا سیب یا ناشپاتی ۔ (تقریباً کسی عورت کی مٹھی کے برابر)

½ کپ سیب یا سنترے کا رس۔ ½ چکوترہ

~~1 چھوٹا کیلا یا ½ بڑا کیلا۔~~ ½ کپ ترشے ہوئے پھل۔

¼ کپ کشمش یا خشک پھل۔ (تقریباً آپ کی مٹھی بھر)

ایک وقت میں آپ کو پھل کی ایک یا دو سرنگ کھانے کی ضرورت پڑ سکتی ہے۔

مجھے پھل کیسے کھانا چاہیئے :۔

پھلوں کو کچا کھائیں یا ان کا رس نکال کر شکر ملائے بغیر چھوٹے سائز کے پھل کھائیں۔

چکنائی سے خالی اور ہلکی چکنائی والے دودھ اور دہی ہر شخص کے لیے صحت مند ہیں۔ جن میں ذیابیطس کے مریض بھی شامل ہیں۔ دودھ اور دہی سے آپ کو توانائی، پروٹین، کیلشیم، وٹامن A اور دیگر وٹامن اور معدنی اجزاء ملتے ہیں۔

چکنائی سے خالی (بغیر ملائی اور بغیر چکنائی کے) یا ہلکی چکنائی (نمبر 1) دودھ روزانہ پیئیں۔ ہلکی چکنائی یا چکنائی سے خالی دہی کھائیں۔ ان میں مجموعی چکنائی، جذب شدہ چکنائی اور کیلوسٹرال کی مقدار کم ہوتی ہے۔

مجھے روزانہ کتنی سرونگ کی ضرورت ہے؟

روزانہ 2 سے 3۔

نوٹ : اگر آپ حاملہ ہیں یا چھاتی سے دودھ پلاتی ہیں تو دودھ اور دہی کی روزانہ چار سے پانچ سرونگ استعمال کریں

گوشت، مچھلی، انڈا اور گری دار میوہ :

پروٹین والی غذائیں آپ کے جسم کے اندر نسوں اور عضلات کی نشو ونما میں مدد دیتے ہیں۔ ان سے آپکے جسم کو وٹامن اور معدنی اجزا بھی ملتے ہیں۔

مجھے روزانہ کتنی پروٹین دار غذاؤں کی ضرورت ہے؟ 2 سے 3 سرونگ تک

گوشت، مرغ، انڈا، مچھلی اور گری دار سرونگ کتنی ہوتی ہے؟

2 سے 3 اونس پکی ہوئی مچھلی　　3 سے 4 اونس ٹوفو (½ کپ)

2 سے 3 اونس پکی ہوئی مرغی　　1 انڈا ایک اونس پروٹین کے برابر ہوتا ہے۔

1 پنیر کی ایک قاش مکھن کا یا ایک اونس پنیر (تقریباً D بیٹری سائز کا)

2 بڑے چمچ برابر مونگ پھلی کا مکھن (ایک اونس کے برابر ہوتا ہے)

پروٹین اور غذائیں ہلکی چکنائی والے طریقوں سے پکائیں، بھاپ دیں جالی پر پکائیں اُبالیں یا اسٹو بنائیں۔

گوشت پکاتے وقت بہت کم مقدار میں تیل استعمال کریں یا تیل کے بجائے پکانے کا اسپرے استعمال کریں۔

مٹھائیاں وہ شکر دار غذائیں ہیں جن میں کیلوری تو ہوتی ہے لیکن بہت سے وٹامن اور معدنی اجزاء نہیں ہوتے۔ بعض مٹھائیوں میں بھی زیادہ چکنائی ہوتی ہے جیسے کیک پائی اور بسکٹ۔

زیادہ شکر دار اور چکنائی والی غذائیں کھانے سے آپ کے اپنے بلڈ شوگر اور وزن پر قابو رکھنا مشکل ہو جائے گا۔ اگر آپ چکنائی والی غذائیں اور مٹھائیاں کھاتے ہیں تو کم مقدار میں کھائیں۔

چکنائی دار غذاؤں، تیلوں اور مٹھائیوں کی سرونگ کتنی ہوتی ہیں؟

1 چائے کا چمچ تیل۔	1 بڑا چمچ مسالہ دار تیل۔
2 چائے کا چمچ مایونیز۔	1 بسکٹ۔
1 ساری میٹھی پوری۔	10 سے 15 چپس

نعت صلی اللہ علیہ وسلم

شیخ محمد حسین باقر لطیفی، اردو معلم: مدن پلی

سرورِ کونین کا جب ذکر ہو
صلِّ علیٰ کا ورد ہونا چاہیئے

مصطفیٰ سے پیار ہونا چاہیئے
عشق کا اظہار ہونا چاہیئے

یا رسول اللہ انظر حالنا
یہ صدا ہر وقت ہونا چاہیئے

جاں کنی کے وقت ہو یہ آرزو
آپ کا دیدار ہونا چاہیئے

رب نے فرمایا سراپا نور ہیں
حق یہی ہے مان لینا چاہیئے

سامنے جب ہو سنہری جالیاں
سر میرا قدموں میں ہونا چاہیئے

جذبۂ حسان باقر سیکھ لے
عشق سے سرشار ہونا چاہیئے

جناب وی۔ محمد باشاہ صاحب ایم اے، بی۔ایڈ، وظیفہ یاب پوسٹ گریجویٹ اردو اسسٹنٹ گورنمنٹ مسلم ہائر سکینڈری اسکول۔ ویلور

اللہ سبحانہٗ تعالےٰ کے احکامات سے بھرپور قرآن شریف کا ترجمہ پڑھنا، سمجھنا اور اس پر عمل کرنا آج کے دور کی سب سے بڑی ضرورت ہے۔

اللہ تعالےٰ کے احکامات پر عمل پیرا ہونے کا سلیقہ، طریقہ اور آداب صرف احادیثِ نبوی صلے اللہ علیہ وسلم سے ہی وابستہ ہیں۔ آج عام لوگوں کی آدابِ زندگی میں سب سے بڑی کمی ایک دوسرے کا رتبہ پہچان کر نہ چلنے کی ہے۔ ہر ایک کا ادب کرنا، اُن کا لحاظ رکھنا، سب سے نیک سلوک کرنا، والدین و اساتذہ کی عزت، بڑوں سے محبت اور بچوں پر شفقت، ان تمام امور کو بچپن سے ہی سیکھ کر ان اچھے عادات کی عادت ڈالنا ہر ایک مرد اور عورت کا اہم ترین فریضہ ہے۔ اور اس کو اپنی زندگی کا مسلک بنا لینا چاہیئے

آج کتنے لوگ ہیں جو ماں باپ کی حقیقی عزت کرتے ہیں؟ بچوں کو ڈانٹ کر کہتے ہیں کہ والدین کی عزت کرو، اُن کا کہا مانو! مگر کیا وہ خود ماں باپ کی واقعی عزّت کرتے ہیں! یہ عمر رسیدہ لوگ والدین کے آداب میں اللہ اور رسولؐ کے احکامات کی پابندی کرتے ہیں یا نہیں؟

ماں باپ کے حق کی اہمیت اور عظمت کا اندازہ اس سے کیجیے کہ قرآنِ پاک نے جگہ جگہ ماں باپ کے حقوق کو خدا کے حقوق کے ساتھ بیان کیا ہے اور خدا کی شکر گزاری کے ساتھ ساتھ ماں باپ کی شکر گزاری کی تاکید کی ہے۔

وَقَضٰی رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۝ (بنی اسرائیل)

ترجمہ: اور آپ کے رب نے فیصلہ فرما دیا ہے کہ تم خدا کے سوا کسی کی بندگی نہ کرو اور والدین کے ساتھ نیک سلوک کرو۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہٗ کہتے ہیں: "میں نے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے پوچھا "کونسا عمل خدا کو سب سے زیادہ محبوب ہے؟" نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "وہ نماز جو وقت پر پڑھی جائے"۔ میں نے (پھر) پوچھا: "اس کے بعد کونسا عمل خدا کو سب سے زیادہ محبوب ہے؟" فرمایا: ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک'۔ میں نے پوچھا: اُس کے بعد، فرمایا: "خدا کی راہ میں

جہاد کرنا۔" (بخاری، مسلم)

حضرت عبداللہؓ فرماتے ہیں کہ ایک آدمی نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا: "میں آپ کے ہاتھ پر ہجرت اور جہاد کے لیے بیعت کرتا ہوں اور خدا سے اس کا اجر چاہتا ہوں۔" نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: "کیا تمہارے ماں باپ میں سے کوئی ایک زندہ ہے"؟ اس نے کہا: "جی ہاں! بلکہ دونوں زندہ ہیں۔" آپؐ نے فرمایا: "تو کیا واقعی تم خدا سے اپنی ہجرت اور جہاد کا بدلہ چاہتے ہو؟" اس نے کہا: "جی ہاں! میں خدا سے اجر چاہتا ہوں۔" نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "تم اپنے ماں باپ کی خدمت میں رہ کر ان کے ساتھ نیک سلوک کرو۔" (مسلم)

حضرت ابوامامہؓ فرماتے ہیں، ایک شخص نے نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: "یا رسول اللہ! ماں باپ کا اولاد پر کیا حق ہے؟" حضور صلعم نے ارشاد فرمایا: "ماں باپ ہی تمہاری جنت ہیں اور ماں باپ ہی دوزخ۔" (ابن ماجہ)

یعنی ان لوگوں کے ساتھ نیک سلوک کر کے تم جنت کے مستحق بنو گے اور ان کے حقوق کو پامال کر کے تم جہنم کی آگ میں جلو گے۔

والدین کے شکر گزار رہیے

محسن کی شکر گزاری اور احسان مندی شرافت کا اوّلین تقاضہ ہے اور حقیقت یہ ہے کہ ہمارے وجود کا مخصوص سبب والدین ہیں۔ پھر والدین ہی کی پرورش اور نگرانی میں ہم پلتے، بڑھتے اور شعور کو پہنچتے ہیں اور وہ جس غیر معمولی قربانی، بے مثل جانفشانی اور انتہائی شفقت سے ہماری سرپرستی فرماتے ہیں۔ اس کا تقاضا ہے کہ ہمارا سینہ ان کی عقیدت و احسانمندی عظمت و محبت سے سرشار ہو اور ہمارے دل کا رشتہ ریشہ ان کا شکر گزار ہو۔ یہی وجہ ہے کہ خدا نے اپنی شکر گزاری کے ساتھ ساتھ والدین کی شکر گزاری کی تاکید فرمائی ہے۔

أَنِ اشْكُرْ لِي وَلِوَالِدَيْكَ

ترجمہ: "کہ میرا شکر ادا کرو اور اپنے ماں باپ کے شکر گزار رہو۔"

گھر گھر میں اگر امن و سکون چاہتے ہو تو خدا کا حکم مانو۔ آقائے نامدار احمد مجتبیٰ محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کا فرمان مانیے۔ ماں باپ کو ہر حال میں ہمیشہ خوش رکھنے کی کوشش کیجیے اور ان کی مرضی اور مزاج کے خلاف کبھی کوئی ایسی بات نہ کہیے جو ان کو ناگوار گزرے۔ بالخصوص بڑھاپے میں، جب مزاج کچھ چڑچڑا ہو جاتا ہے اور والدین کچھ ایسے تقاضے، مطالبے کرنے لگتے ہیں، جو توقع کے خلاف ہوتے ہیں۔ اس وقت بھی ہر بات کو خوشی خوشی برداشت کیجیے اور ان کی کسی بات سے اکتا کر جواب میں کوئی ایسی بات ہرگز نہ کیجیے جو ان کو ناگوار ہو اور ان کے جذبات کو

ٹھیس لگے ۔ اللہ تعالےٰ کا فرمان ہے :

اِمَّا یَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَا اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا

”اگر ان میں سے ایک یا دونوں تمہارے سامنے بڑھاپے کی عمر کو پہنچ جائیں تو تم اُن کو اُف تک نہ کہو، نہ انھیں جھڑکیاں دو“ درا صل بڑھاپے کی عمر میں بات کی برداشت نہیں رہتی اور کمزوری کے باعث اپنی اہمیت کا احساس بڑھ جاتا ہے، اسی لیے ذرا ذرا سی بات بھی محسوس ہونے لگتی ہے ۔ لہٰذا اس نزاکت کا لحاظ کرتے ہوئے اپنے کسی قول وعمل سے ماں باپ کو ناراض ہونے کا موقع نہ دیجیے ۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہٗ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”خدا کی خوشنودی والد کی خوشنودی میں ہے اور خدا کی ناراضی والد کی ناراضی میں ہے ۔“ (ترمذی، ابنِ حبان، حاکم)

یعنی اگر کوئی اپنے خدا کو خوش رکھنا چاہتا ہے تو وہ اپنے والد کو خوش رکھے، والد کو ناراض کر کے وہ اللہ کے غضب کو نہ بھڑکائے ۔ دل وجان سے ماں باپ کی خدمت کیجئے ۔ اگر آپ کو خدا نے اس کا موقع دیا ہے تو دراصل یہ اس بات کی توفیق ہے کہ آپ خود کو جنّت کا مستحق بنا سکیں اور خدا کی خوشنودی حاصل کر سکیں ۔ ماں باپ کی خدمت سے ہی دونوں جہاں کی بھلائی، سعادت اور عظمت حاصل ہوتی ہے اور آدمی دونوں جہاں کی آفتوں سے محفوظ رہتا ہے ۔ حضرت انس رضؓ کا بیان ہے کہ ”نبیؐ اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ’جو آدمی یہ چاہتا ہو کہ اس کی عمر دراز کی جائے اور اس کی روزی میں کشادگی ہو! اس کو چاہیئے کہ اپنے ماں باپ کے ساتھ بھلائی کرے اور صلہ رحمی کرے‘ (الترغیب والترہیب)

اور نبیؐ صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے :

” وہ آدمی ذلیل ہو، پھر ذلیل ہو‘ پھر ذلیل ہو“ لوگوں نے پوچھا: ”اے خدا کے رسول صلعم! کون آدمی؟“ آپ صلعم نے فرمایا: ”وہ آدمی جس نے اپنے ماں باپ کو بڑھاپے کی حالت میں پایا، دونوں کو پایا یا کسی ایک کو پایا پھر اُن کی خدمت کر کے جنّت میں داخل نہ ہوا ۔“

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، نے ایک بار دو آدمیوں کو دیکھا: ایک سے پوچھا یہ ”دوسرا تمہارے کون ہیں؟“ اُس نے کہا: ”یہ میرے والد ہیں ۔“ آپؓ نے فرمایا! ”دیکھو! اُن کا نام نہ لینا، نہ کبھی اُن سے آگے آگے چلنا اور نہ کبھی اُن سے پہلے بیٹھنا ۔“ (الادب المفرد)

ماں باپ کو اپنے مال کا مالک سمجھیے اور اُن پر دل کھول کر خرچ کیجیے:

یَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ط قُلْ مَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ ہ (البقرہ)

ترجمہ: "(اے محمدؐ) لوگ آپ سے پوچھتے ہیں، ہم کیا خرچ کریں؟ جواب دیجیے کہ جو مال بھی خرچ کرو اس کے اولین حق دار والدین ہیں۔"

ایک بار نبیؐ کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک آدمی آیا اور اپنے باپ کی شکایت کرنے لگا کہ وہ جب چاہتے ہیں میرا مال لے لیتے ہیں۔ حضور صلعم نے اس آدمی کے باپ کو بلوایا۔ ایک بوڑھا شخص حاضر ہوا۔ آپ صلعم نے اس شخص سے تحقیق فرمائی اُس نے کہنا شروع کیا: "خدا کے رسول صلعم! ایک زمانہ تھا جب یہ کمزور اور بے بس تھا اور مجھ میں طاقت تھی میں مال دار تھا اور یہ خالی ہاتھ تھا۔ میں نے کبھی اس کو میری چیز لینے سے نہیں روکا۔ آج میں کمزور ہوں اور یہ تندرست و قوی ہے۔ میں خالی ہاتھ ہوں اور یہ مال دار ہے۔ اب یہ اپنا مال مجھ سے بچا بچا کر رکھتا ہے۔" بوڑھے کی یہ باتیں سُن کر دونوں جہاں کے سردار رحمت عالمؐ رو پڑے اور اس لڑکے کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا: "تو اور تیرا مال تیرے باپ کا ہے۔"

ماں باپ کے لیے برابر دُعا بھی کرتے رہیے اور اُن کے احسانات کو یاد کر کے خدا کے حضور گڑگڑائیے اور انتہائی دل سوزی اور قلبی جذبات کے ساتھ اُن کے لیے رحم و کرم کی درخواست کیجیے۔ خدا تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا ہ

ترجمہ: "اور دعا کرو کہ پروردگار! ان دونوں پر رحم فرما، جس طرح ان دونوں نے بچپن میں میری پرورش فرمائی تھی۔"

حضرت ابو ہریرہؓ کا بیان ہے کہ نبیؐ اکرم صلے اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا: "جب کوئی آدمی مرجاتا ہے تو اس کے عمل کی مہلت ختم ہو جاتی ہے۔ صرف تین چیزیں ایسی ہیں، جو مرنے کے بعد بھی فائدہ پہنچاتی رہتی ہیں۔ ایک، صدقہ جاریہ۔ دوسرے اس کا پھیلایا ہوا وہ علم جس سے لوگ فائدہ اٹھائیں۔ تیسری وہ صالح اولاد جو اُس کے لیے دعائے مغفرت کرتی رہے۔"

قرآن پاک نے مومنوں کو یہ دُعا سکھائی ہے:

رَبَّنَا اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ يَوْمَ يَقُوْمُ الْحِسَابُ ہ

ترجمہ: "پروردگار میری مغفرت فرما اور میرے والدین کی اور سب ایمان والوں کو اس روز معاف فرما دے جب کہ حساب قائم ہوگا۔"

ماں باپ کے رشتہ داروں، اپنے والد کے دوست و احباب کے ساتھ بھی برابر نیک سلوک کرتے رہیے۔ اُن رشتوں

کا پوری طرح پاس ولحاظ رکھئے۔ ماں باپ کے رشتہ داروں سے بے نیازی اور بے پروائی دراصل والدین سے بے نیازی ہے۔ نبیؐ کریم صلعم نے ارشاد فرمایا: "تم اپنے آباواجداد سے ہرگز بے پروائی نہ برتو، ماں باپ سے بے پروائی برتنا خدا کی ناشکری ہے۔" پھر آپ صلعم نے فرمایا: "سب سے زیادہ نیک سلوک یہ ہے کہ آدمی اپنے والد کے دوست واحباب کے ساتھ بھلائی کرے۔"

قرآن پاک میں ماں باپ دونوں کے ساتھ نیک سلوک کرنے کی تاکید کرتے ہوئے اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ ماں طبعاً زیادہ کمزور اور حساس ہوتی ہے اس کے احسانات اور قربانیاں بے حساب ہیں۔ دین نے ماں کے ساتھ نیک سلوک کی خصوصی ترغیب دی ہے۔ قرآن پاک میں ارشاد ہے:

وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ إِحْسَانًا ۖ حَمَلَتْهُ أُمُّهُ كُرْهًا وَوَضَعَتْهُ كُرْهًا ۖ وَحَمْلُهُ وَفِصَالُهُ ثَلَاثُونَ شَهْرًا ۚ　(الاحقاف)

"اور ہم نے انسان کو ماں باپ کے ساتھ بھلائی کرنے کی تاکید کی۔ اس کی ماں تکلیف اٹھا اٹھا کر اس کو پیٹ میں لئے لئے پھری اور تکلیف ہی سے جنا، اور پیٹ میں اٹھانے اور دودھ پلانے کی یہ (تکلیف دہ) مدت ڈھائی سال ہے۔"

حضرت جاہمہؓ نبیؐ کریم صلعم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا: "یا رسول اللہ صلعم! میرا ارادہ ہے کہ میں آپ کے ہمراہ جہاد میں شرکت کروں اور اس لیے آیا ہوں کہ آپ صلعم سے اس معاملہ میں مشورہ لوں، (فرمائیے کیا حکم ہے)۔" نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن سے پوچھا: "تمہاری والدہ ہیں (زندہ)؟" جاہمہؓ نے کہا: "جی ہاں! (زندہ ہیں)۔" نبیؐ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "تو پھر جاؤ اور انھیں کی خدمت میں لگے رہو۔ کیوں کہ جنت انھیں کے قدموں میں ہے۔" (ابن ماجہ، نسائی)

والدین کی اطاعت کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے کیجئے کہ ایک شخص میلوں دور سے آتا ہے اور چاہتا ہے کہ نبیؐ کریم صلعم کی مرضی مبارک سے دین کی سربلندی کے لیے جہاد میں شریک ہو کر اللہ کی خوشنودی حاصل کرے۔ لیکن نبیؐ صلعم اس کو لوٹا دیتے ہیں اور فرماتے ہیں جہاد میں شرکت بھی تم اسی صورت میں کرسکتے ہو جب کہ تمہارے ماں باپ دونوں تمہیں اجازت دیں۔ قرآن شریف میں ہے: وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيمًا ۝ (بنی اسرائیل: ۲۳)

اور اُن سے احترام کی بات کیجئے: وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ ۝ "اور عاجزی اور نرمی سے اُن کے سامنے بچھے رہو۔" عاجزی سے بچھے رہنے کا مطلب یہ ہے کہ ہر وقت اُن کے مرتبہ کا لحاظ رکھو۔ کبھی ان کے سامنے اپنی بڑائی نہ جتاؤ اور نہ اُن کی شان میں گستاخی کرو۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہر مسلمان کو والدین کا ادب کرنے اور ہر حال میں ان کی خدمت بجالانے کی توفیق عطا فرمائے۔　آمین بجاہ سید المرسلینؐ۔ ⁂

قلعہ جنجی کی تاریخی اہمیت

یم۔بی۔امان اللہ ایم۔اے، ایم۔فل، ریسرچ فیلو، یو جی سی، ہیڈ ریسرچ۔ مدراس یونیورسٹی چنئی

شہر جنجی راجہ دے سنگھ کی طاقت اور اقتدار کی علامت کے طور پر آج بھی یاد کیا جاتا ہے اور یہاں کا قلعہ تاریخی اہمیت کا حامل ہے۔ شہر سے دو کلومیٹر کی دوری پر واقع ہے۔ یہ قلعہ چاروں طرف چھوٹے چھوٹے پہاڑی ٹیلوں سے گھرا ہے۔ جہاں چھوٹے چھوٹے قصبے آباد ہیں۔ پندرھویں صدی عیسوی کے بعد سے اس شہر کی مسلسل تاریخی شواھد موجود ہیں:

جنجی شہر کی وجہ تسمیہ

شروع میں اسے "سنگاپورا ناڈو" کے نام سے یاد کیا گیا تمل میں "سنگم" شیر کو کہا جاتا ہے۔ اس کا مطلب "شیروں کا علاقہ" ہوا۔ بعد میں یہ مخفف ہو کر "سنگا ناڈو" اور پھر "سنجی" ہوا اور اردو میں "جنجی" مشہور ہے۔

قلعہ جنجی آنند کون نے بنوایا تھا۔ جس نے 1200ء سے 1240ء تک چالیس⁴⁰ برس یہاں حکومت کی تھی۔ آنند کون کے بعد اس کا بیٹا کرشنا کون 1240ء سے 1270ء تقریباً تیس³⁰ برس حکمرانی کی۔ اس نے اپنے دورِ حکومت میں قلعہ راج گری کے شمال میں قلعہ کرشنا گری تعمیر کیا۔ ان تمام قلعوں کے لیے جو پہاڑوں پر واقع تھے زینے نہیں تھے اور کچا راستہ بنا تھا۔ کرشنا کون کے لڑکوں کونیری کون اور گووند کون نے ان قلعوں کے لیے زینے بنائے۔ قلعہ جنجی تین قلعوں کا مجموعہ ہے۔ یعنی راج گری، کرشنا گری اور چندرا گری۔

کلیان محل

قلعہ کے پھاٹک سے اندر داخل ہوتے ہی پہلے دائیں جانب کلیان محل ہے تمل میں کلیانم شادی کو کہتے ہیں۔ یہاں اس زمانہ میں شاہی گھرانے کی شادی بیاہ کی تقریبات منعقد ہوتی تھیں اس لیے اسکا نام کلیان محل پڑ گیا۔ اس محل کے وسط میں ایک منصہ یا چبوترا مربع شکل کا بنا ہوا ہے۔ اس پر پہنچنے کے لیے زینے بھی بنے ہوئے ہیں۔ یہ چبوترا شاہی تقریبات کے منعقد کرنے کے لیے مخصوص

تھا اور اطراف تماش بینوں کے لیے کافی جگہ موجود ہے۔ اسی محل میں شادی کے بعد دولھا اور دلھن کی گزر بسر کے لیے ایک عمارت بنائی گئی ہے، جس کی آٹھ منزلیں ہیں۔ شادی کے زمانہ کے علاوہ اس چبوترے کے اطراف پانی بھر دیا جاتا تھا اور اسے نہلانے اور تیرنے کے لیے استعمال کیا جاتا تھا۔ یہ پوری عمارت آج بھی صحیح وسالم موجود ہے۔

ہاتھی تالاب

کلیان محل کے بائیں جانب 'ہاتھی تالاب' (جسے تمل میں "یانئی کلم" کہا جاتا ہے) کے نام سے ایک تالاب ہے۔ جس میں آٹھ قدم کی گہرائی تک پانی موجود ہے۔ اسی تالاب میں شاہی ہاتھی پانی پلانے کے لیے لائے جاتے تھے۔

فوجی مشق اور ورزش کا اکھاڑہ

ہاتھی تالاب کے مغرب میں فوجی سپاہیوں کی ورزش اور جنگی مشق کے لیے اکھاڑہ قائم ہے۔ یہاں پر فوجی مشق کے دوران جو ہتھیار استعمال کرتے تھے انھیں مدراس کی میوزیم میں محفوظ رکھا گیا ہے۔

کلیان محل کے قریب ہی ایک اصطبل بھی موجود۔ اس کے قریب ہی راج محل رہا ہوگا اب اس کے صرف آثار نظر آتے ہیں۔ عمارت مفقود ہے۔ رہائشی کمرے، استنجا خانے اور کنوئیں وغیرہ کے آثار اب بھی موجود ہیں۔ راجہ اور رانی کا رہائشی کمرہ اور شیشے کا چبوترہ اور دیگر آسائشی ساز و سامان کے آثار محل سے ذرا ہٹ کر پائے جاتے ہیں۔ اسے "کوژرومنڈپ" کہا جاتا ہے۔ کوژرو تمل زبان میں چربی اور دھات کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔

دھان کا گودام

محل سے آگے راج گری پہاڑی پر قلعہ میں دھان کی ذخیرہ اندوزی کے لیے ایک بہت بڑا گودام بنایا گیا ہے۔ جو بائیس۲۲ میٹر لمبا اور انتیس۲۹ میٹر چوڑا اور بیس۲۰ میٹر اونچا ہے۔

گولہ بارود کی ذخیرہ اندوزی

دھان کے گودام کے مقابل ایک کمرہ بنایا گیا ہے۔ جو گولہ بارود کی ذخیرہ اندوزی کے لیے استعمال ہوتا تھا۔

راج گری پہاڑی پر متعدد زینے بنائے گئے ہیں۔ راج گری پہاڑی پر نو۹ اندرونی راستے بنائے گئے ہیں۔ آٹھ سو۸۰۰ قدم اونچائی والی اس پہاڑی پر 1512 زینے بنائے گئے ہیں۔

توپ

چوتھے اندرونی دروازے سے گزرتے ہی ایک توپ رکھی ہوئی ملتی ہے۔ اس کے شمالی جانب ایک مندر موجود ہے اور چھوٹا سا تالاب بھی ہے۔ اس سے متصل ایک اور

مندر ہے۔ مندر کے عقب میں نائکوں کے زمانہ کی مصوّری پائی جاتی ہے۔ ان میں سے اکثر تصویریں مٹنے لگی ہیں۔ ایک تصویر ایسی ہے جو ابھی باقی ہے۔ مندر سے ننّو قدم کے فاصلہ پر بائیں جانب پانی کا ایک جھرنا ہے۔ اس کا پانی پینے کے قابل ہے۔

پانچویں اندرونی دروازے پر آنجانیر (ہنومان) کا پتلا نصب ہے۔ آٹھویں دروازے پر ایک پل ہے۔ جس پہ لٹکتے ہوئے ہاتھوں کے بل گھسٹتے ہوئے گزرنا پڑتا ہے۔ نوویں اندرونی دروازے کے قریب خزانہ عمارت موجود ہے۔ اب یہ اس قدر بوسیدہ ہوگئی ہے کہ کسی بھی وقت گر سکتی ہے۔ یہ پہاڑی کی چوٹی پر تعمیر کی گئی ہے۔ دامن پر سے دیکھنے والوں کو یہ پہاڑی بڑی خوشنما نظر آتی ہے۔ رانی کوٹائی یا رانی کا قلعہ کلیان محل کی شمال جانب موجود ہے۔

راجہ دے سنگھ

سپروسنگھ کا بیٹا راجہ دے سنگھ جنوری ۱۷۱۴ء کو جنجی پر تخت نشین ہوا۔ راجہ دے سنگھ دہلی کے سپہ سالار بھیم سنگھ کی لڑکی رانی بائی سے بیاہ رچایا تھا۔ راجہ دے سنگھ نے حکومت دہلی کو خراج ادا کرنے سے انکار کیا۔ راجہ دے سنگھ کی ہمت اور علم بغاوت کی پورے ہندوستان میں شہرت ہوگئی۔ راجہ دے سنگھ نے اپنے جگری دوست اور سپہ سالار محمد خان کی قیادت میں ایک طاقتور فوجی دستہ تیار کر رکھا تھا۔ راجہ دے سنگھ کی بغاوت پر حکومت دہلی نے اپنے گورنر آرکاٹ کے نواب سعادت اللہ خان کو حکم دیا کہ وہ جنجی پر فوج کشی کرے۔

نواب سعادت اللہ خان نے فرانسیسوں اور بعض چھوٹے فرمانرواؤں کو لے کر جنجی پر چڑھائی کی۔ اسی دن راجہ دے سنگھ کے دوست اور سپہ سالار محمد خان کی شادی مقرر تھی۔ محمد خان شادی کی محفل سے اٹھ کر جنگ کے میدان پر فوری روانہ ہوا اور نہایت دلیری سے مقابلہ کرتے ہوئے جان دے دی۔ اس اطلاع پر راجہ دے سنگھ نہایت غم وغصہ اور جوش سے خود میدان جنگ کا رخ کیا اور نہایت جانبازی سے لڑ رہا تھا کہ نواب کی فوج سے داغے گئے ایک گولے نے جھلس کر رکھ دیا وہیں ہلاک ہوگیا۔ بعض کتابوں میں یہ بھی درج ہے کہ خود راجہ دے سنگھ نے اپنی تلوار اپنے سینے میں گھونپ لی اور 3 / اکتوبر ۱۷۱۴ء کو دنیا سے سدھار گیا۔

راجہ دے سنگھ کے مرنے کی اطلاع پاکر رانی بائی بہت مغموم ہوئی اور اسی کی چتا میں جل کر ہلاک ہوئی۔ راجہ دے سنگھ نے مختصر سی زندگی پائی تھی۔ لیکن اپنی بہادری اور جوانمردی کے سبب اس کی شہرت دور دور تک ہوئی۔ ●●

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وَلِلّٰہِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ فَاَیْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْہُ اللّٰہِ ؕ

اور اللہ کے لیے مشرق اور مغرب ہے پھر جدھر پھرو گے اُدھر ذات اللہ کی ہے

(قرآن مجید)

علم و عرفان کی باتیں
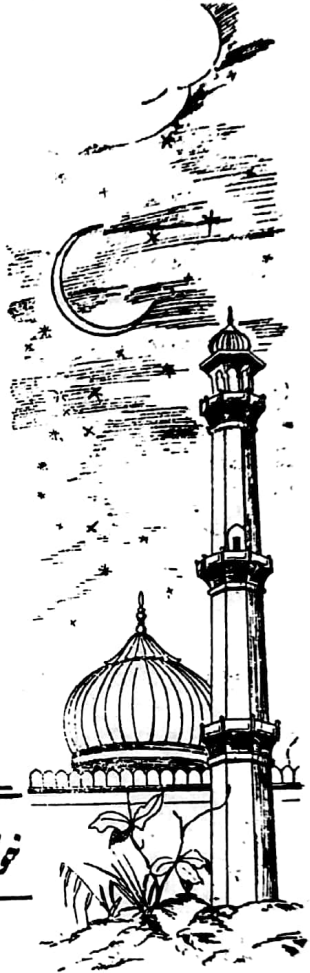
خواجہ محمد بیابانی چشتی القادری نورؔ صدر مدرسۂ فیض العلوم، خانقاہِ نور۔ اننت پور (آندھرا)

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ سید المرسلین وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین

یا صاحب الجمال و یا سید البشر ۔۔۔ من وجھک المنیر لقد نور القمر

لا یمکن الثناء کما کان حقہٗ ۔۔۔ بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

وہ دانائے سبل ختم الرسل مولائے کل جس نے

غبارِ راہ کو بخشا فروغِ وادیٔ سینا

نگاہِ عشق و مستی میں وہی اول وہی آخر

وہی قرآں وہی فرقاں وہی یٰسٓ وہی طٰہٰ

(علامہ اقبال علیہ الرحمہ)

حمد باری تعالےٰ

ہر ذرّہ رونما ہے ترے آفتاب کا ۔۔۔ آئینہ طشت آب ہے جوں ماہتاب کا

اعیاں کے ہے لباس سے ہستی تری عیاں　جوں صورتِ ظروف سے جلوہ تراب کا

مطلق ترا وجود ہے کونین کا وجود　جوں نورِ ماہتاب ہے نورِ آفتاب کا

تھا حق میں خلق عین حق از روئے اندراج　جوں اندراج آب میں کل عین آب کا

اب حق ہے شکل خلق سے ظاہر ہو عین خلق　جوں آب و شراب ہے موج و حباب کا

مغز علوم و فقہ و حدیث کتاب ہے　یہ علم مغز و فقہ و حدیث و کتاب کا

رب عبد، عبد رب ہے ولے یہ سخن کمالؔ

موجب حقیقتیں کے نیں انقلاب کا　(از شہ کمالؔ علیہ الرحمہ)

برادرانِ شریعت و طریقت! میں نے اس مضمون کو ضبط تحریر میں لانے کا ارادہ "دستگیر کے مہینے" میں یعنی ربیع الاول کے اوخر اور ربیع الآخر کی ابتدا میں کیا تو میرا قلم حضرت سید شاہ کمال الدین حسینی قادری و چشتی نقشبندی و سہروردی قدس سرہٗ العزیز کے حمدِ باری کے اشعار سے آغاز کر دیا۔ تاکہ برادرانِ طریقت لطف اندوز ہو جائیں۔

حضور اکرم سرورِ کائنات امام الانبیاء والمرسلین صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم جس طرح سراپا معجزہ بن کر تشریف لائے ایسے ہی حضور غوث الثقلین شیخ الجن والانس والملائکہ سید عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہٗ مجسمہ کرامات بن کر جلوہ افروز ہوئے۔ جن کی شان میں کسی نے کہا ہے؛ ؎

غوثِ اعظم درمیان اولیاء　چوں محمدؐ درمیانِ انبیاء

حضرت فاضل بریلوی امامِ اہل سنّت احمد رضا خان علیہ الرحمہ والرضوان نے بھی غوث پاک رضی اللہ عنہٗ کی منقبت میں کیا خوب فرمایا ہے ملاحظہ فرمائیے: ؎

واہ کیا مرتبہ اے غوثؓ ہے بالا تیرا　اونچے اونچوں کے سروں سے قدم اعلیٰ تیرا

سر بھلا کیا کوئی جانے کہ ہے کیسا تیرا　اولیاء ملتے ہیں آنکھیں وہ ہے تلوا تیرا

اور دوسری جگہ یوں رقمطراز ہیں: ؎

الوہیت نبوت کے سوا تو　تمام افضال کا قابل ہے یا غوث

نبیؐ کے قدموں پر ہے جز نبوت　کہ ختم اس راہ میں حائل ہے یا غوث

الوہیت ہی احمد صلے اللہ علیہ وسلم نے نہ پائی!　نبوت ہی سے تو عاطل ہے یا غوث

بڑے بڑے نامور مشائخ کرام، علمائے ربّانیین اور صوفیائے کرام نے سر تسلیم خم کر دیا ہے اور فرما دیا ہے کہ غوث اعظم دستگیر شہنشاہ بغداد کی کرامات کا احاطہ نہیں کیا جا سکتا اور یہاں تک فرما دیا ہے کہ جس طرح تسبیح کے دانے دھاگہ ٹوٹتے ہی لگاتار تیزی سے گرجاتے ہیں اسی طرح تسلسل کے ساتھ یکے بعد دیگرے غوث اعظم رضی اللہ عنہ کے کرامات کا صدور ہوتا رہا ہے اور اُن کا فیض تا قیامت جاری رہے گا۔

حضرت شیخ احمد کشمیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "حضرت غوث اعظم دستگیر رضی اللہ عنہ نے ذات باری تعالیٰ سے انسانی ربط و تعلق کو مضبوطی عطا کی۔ آپ فنا فی اللہ اور بقا باللہ کے مرتبہ پہ فائز تھے۔ کیوں نہ ہوتے اس قادر مطلق نے آپ کے نام نامی اسم گرامی سید عبد القادر کو خصوصی شرف و قبولیت عطا فرمائی۔ آپ محض نام کے عبد القادر نہیں تھے۔ حقیقتاً عبد القادر تھے۔ آپ نے اپنے نام کی لاج رکھی۔ باوجود یہ کہ آپ مادر زاد ولی تھے۔ مگر مجاہدات و ریاضات سے آپ نے روحانیت کے کئی جہاں آباد کئے۔ جیسے آپ کی شان و شوکت عدیم المثال ہے ایسے ہی آپ کا زہد و ورع اور تقوٰی بے مثال ہے۔ عبادات آپ پہ نازاں تھیں۔ لیکن عاجزی و انکساری اور تواضع کا یہ عالم تھا کہ غلافِ کعبہ تھامے ہوئے پکار اُٹھتے ہیں۔ ما عبدناك حق عبادتك وما عرفناك حق معرفتك : الٰہی میں نے تیری عبادت کا جیسے حق ہے وہ ادا نہ کرسکا اور جیسے تیری معرفت کا حق ہے وہ عرفان بھی نہ پا سکا۔ یہی تصوّر لیے بارگاہِ رحمۃ للعالمین صلے اللہ علیہ وسلم میں عرض گزار ہوتے ہیں: ؎

يَا رَسُوْلَ اللهِ اُنْظُرْ حَالَنَا   يا حبيب الله اِسْمَعْ قَالَنَا
اِنَّنِيْ فِيْ بَحْرِ غَمٍّ مُغْرَقٌ   خُذْ بِيَدِيْ سَهِّلْ لَنَا اَشْكَالَنَا

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمہ والرضوان نے حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم پہ بہت ہی طویل صلوٰۃ وسلام کا نیاز مندانہ نذرانہ پیش فرمایا ہے۔ اس میں ایک شعر غوث پاک رضی اللہ عنہ کی شان میں کیا خوب فرمایا ہے : ؎

جن کی منبر بنی گردنِ اولیاء   اس قدم کی کرامت پہ لاکھوں سلام

نبیٔ کریم صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: اَلْعُلَمَآءُ وَرَثَةُ الْاَنْبِيَاءِ بِالْعِلْمِ وَ يُحِبُّهُمْ اَهْلُ السَّمَآءِ وَيَسْتَغْفِرُ لَهُمُ الْحِيْتَانُ فِي الْبِحَارِ : علماء کرام دولتِ انبیاء کرام کے وارث ہیں۔ آسمانی مخلوق (فرشتے) اور سمندر کی مچھلیاں ان کے لیے مغفرت و بخشش کی دُعا کرتی رہتی ہیں۔ اور اللہ رب العزت کا ارشاد بھی ہے کہ

حافظ مظفر بیگ۔ گریاتم : زمرۂ سابعہ

وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ط

اور مدد لو صبر و نماز سے

جب کسی انسان کو مصیبتیں گھیر لیتی ہیں، رنج والم سے وہ پریشان ہو جاتا ہے تو اس کیفیت سے نکلنے کے لئے وہ طرح طرح کے راستے اختیار کرتا ہے۔ تاہم ان حالات سے نکلنے کے لئے اپنائے گئے طریقوں میں کامیابی اسی وقت حاصل ہوتی ہے، جب حوصلہ و ہمت، مضبوطی و استقامت سے کام لیا جائے۔ یہ اندرونی صفات جب تک نہ ہوں کوئی انسان ظاہری طور پر خواہ کتنا ہی موثر ذریعہ اختیار کیوں نہ کرے وہ مصائب و آلام کے دلدل سے نکل نہیں پاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ستر ماؤں کی محبت رکھنے والے پروردگار اس آیتِ زیرِ مطالعہ میں حکم دے رہا ہے کہ صبر اور نماز کے ساتھ مدد چاہو۔

صبر کے لغوی معنی روکنے اور باندھنے کے ہیں۔ وقتِ نزول کی مناسبت اور سیاق و سباق والی آیات پر غور کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ یہاں یہودیوں سے خطاب ہے۔ چناں چہ صاحبِ تفسیر الکبیر اعظم لکھتے ہیں:

علمائے یہود کو مسلمان ہونے میں یہ خوف تھا کہ قوم کی سرداری چھوٹ جائے گی اور عوام سے جو دنیاوی فائدے حاصل ہوتے ہیں وہ موقوف ہو جائیں گے۔ اس کا علاج اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ بتایا کہ ان مصیبتوں

کے دفع کرنے کے لئے صبر اور نماز سے استعانت (مدد طلب کرو)

اس کا یہ ہرگز مطلب نہیں کہ صبر و نماز سے مدد چاہنے کے اس حکم سے مسلمان الگ ہیں۔ بلکہ احکامِ قرآنی جو وقت و حالات کی مناسبت سے نازل ہوتے ہیں۔ ان میں عمومیت کے اعتبار سے بعد میں آنے والوں کے لئے دعوتِ عمل ہوتی ہے۔ علاوہ اس کے ان ہی الفاظ میں اللہ تعالیٰ نے اسی سورۃ کی آیت نمبر ۱۵۳ میں بطورِ خاص مسلمانوں کو مخاطب فرما کر یہ حکم دیا: یَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ ۝ اے ایمان والو! صبر اور نماز سے مدد چاہو۔ صاحبِ ابن کثیر فرماتے ہیں: دنیا و آخرت کے کاموں پر صبر و نماز کے ساتھ مدد طلب کرنے کا حکم دیا جاتا ہے۔ صبر سے مراد گناہوں سے رک جانا بھی ہے۔ آیت میں اگر صبر سے یہ مراد لی جائے تو برائیوں سے رکنا اور نیکیاں کرنا دونوں کا بیان ہوگیا۔ نیکیوں میں سب سے اول چیز نماز ہے۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہٗ کے حوالہ سے لکھتے ہیں: صبر کی دو قسمیں ہیں۔ مصیبت کے وقت صبر اور گناہوں کے کرنے سے صبر اور یہ صبر پہلے صبر سے زیادہ اچھا ہے۔ اور لکھتے ہیں: روزہ رکھنا بھی صبر کرنا ہے اور اسی لئے رمضان کو صبر کا مہینہ کہا گیا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ''روزہ آدھا صبر ہے۔''

صاحبِ الکبیرِ اعظم نے لکھا: صبر تین قسم کا ہے۔ اوّل: اللہ کی عبادت کے لئے مشقت کا تحمل (برداشت) کرنا۔ مثلاً نیند کو چھوڑنا۔ نماز کے لئے اٹھنا۔ سردی کے وقت میں غسل اور وضو کرنا اور گرمی اور تاریکی کے وقت مسجد کو جانا۔ سفرِ حج کی مشقتیں اٹھانا۔ دوسرے گناہ کی لذتیں جو نفس کو بہت مرغوب ہوتی ہیں اُن کو اللہ کے خوف سے چھوڑنا۔ تیسرے مصیبت کے وقت بے قرار نہ ہونا اور اللہ پر توکّل کر کے مصیبت کے دُور ہوجانے کا منتظر رہنا۔ اور یہ سمجھ لینا کہ ہماری بے قراری تقدیرِ الٰہی کو بدل نہیں سکتی ہے۔ اور مصیبت بھیجنا اور اس کو دفع کرنا اسی کے اختیار میں ہے۔ جو شخص صبر کی ان تینوں قسموں پر قادر ہوجاتا ہے اس کی حالت کو دنیا کی مصیبتیں پریشان نہیں کرتیں۔ صبر کے فضائل کتاب و سنّت میں بہت مذکور ہیں۔ سورۂ زمر میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: إِنَّمَا يُوَفَّى الصَّابِرُونَ أَجْرَهُم بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝ صابروں ہی کو ان کا ثواب بھرپور دیا جائے گا بے حساب۔

اس سلسلہ میں مولائے کائنات سیدنا علی کرم اللہ وجہہ و رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے فرمایا کہ ہر نیکی کرنے والے کی نیکیوں کا وزن کیا جائے گا سوائے صبر کرنے والوں کے کہ انھیں بے اندازہ اور بے حساب دیا جائے گا اور یہ بھی مروی ہے کہ اصحاب مصیبت و بلا حاضر کئے جائیں گے نہ اُن کے لئے میزان (ترازو) قائم کی جائیگی نہ ان کے لئے دفتر داعمال نامہ کھولے جائیں گے۔ اُن پر اجر و ثواب کی بے حساب بارش ہوگی یہاں تک کہ دنیا میں عافیت کی زندگی بسر کرنے والے انھیں دیکھ کر آرزو کریں گے کہ کاش وہ اہلِ مصیبت میں سے ہوتے اور ان کے جسم قینچیوں سے کاٹے گئے ہوتے کہ آج یہ صبر کا اجر پاتے ہیں۔

حضرت نعیم الدین مرادآبادی لکھتے ہیں:۔

صبر مصیبتوں کا اخلاقی مقابلہ ہے۔ انسان عدل و عزم حق پرستی پر بغیر اسکے قائم نہیں رہ سکتا مصیبت کے دوسرے علاج کے طور پر اس آیت میں نماز کے ساتھ استعانت کی تعلیم بھی فرمائی کیونکہ وہ عبادتِ بدنیہ و نفسانیہ کی جامع ہے اور اس میں قرب الٰہی حاصل ہوتا ہے۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم اہم امور کے پیش آنے پر مشغول نماز ہو جاتے ہیں۔

اس کے تحت صاحب اکسیر اعظم نے لکھا:

یہ بھی بخوبی سمجھ لینا چاہیے کہ جو نماز مصیبت کا علاج ہوتی ہے وہ ایسی نماز نہیں جس میں ظاہری صورت قیام اور رکوع اور سجود کی ادائی تو ہو مگر دل میں اللہ کی طرف سے غفلت ہو بلکہ علاج مصیبت وہ نماز ہے جس میں دل سے انسان اللہ کی طرف رجوع ہو۔ اس لئے کہ جب انسان دل سے اللہ کی طرف رجوع ہوتا ہے تو دنیا اور دنیا کے رنج و راحت سب اس کو حقیر معلوم ہوتے ہیں۔ نہ یہاں کی راحت میں اس کو خوشی حاصل ہوتی ہے نہ مصیبت میں افسوس ہوتا ہے۔ اور اسی وجہ سے تمام رنج و غم اس کا دور ہو جاتا ہے۔ اسی وجہ سے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو جب کافروں کی مخالفت کے سبب سے بہت رنج ہوا تو اللہ نے نماز کا حکم دیا۔ چناں چہ سورۂ حجر میں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ: وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّكَ يَضِيْقُ صَدْرُكَ بِمَا يَقُوْلُوْنَ ٥ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ ٥ جانتے ہیں کہ کافروں کی باتوں پر تمہارا دل تنگ ہوتا ہے۔ پس تو اللہ کی حمد کے ساتھ تسبیح کر اور سجدہ کرنے والوں سے ہو جا۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو کوئی کام مشکل اور غم میں ڈال دیتا تو آپ نماز پڑھا کرتے۔ فوراً نماز میں مشغول ہو جاتے۔ (بقیہ صفحہ 105 پر ملاحظہ ہو)
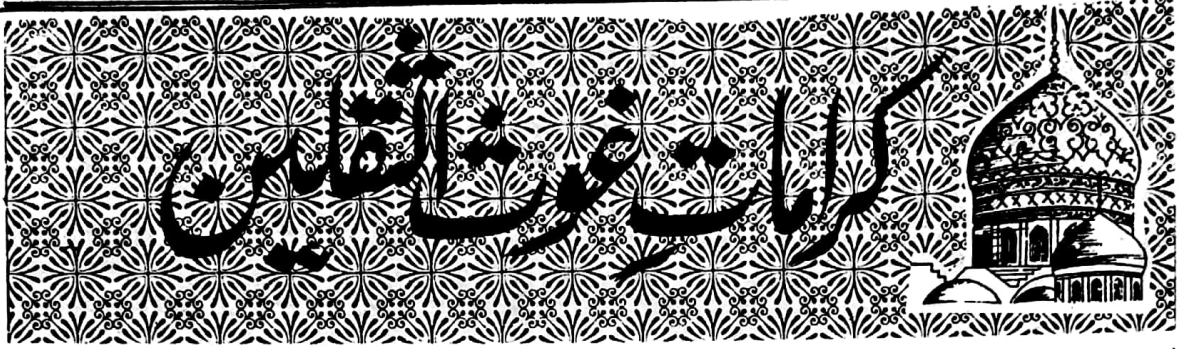
حافظ شبّیر احمد : ویلور : زمرۂ سادسہ دار العلوم لطیفیہ حضرت مکان ویلور

خدائے لم یزل کی انتہائی مہربانی ہے کہ اس نے ہماری رہنمائی کے خاطر دین نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم میں کیسے کیسے باوقار ہستیوں کو اس دنیائے رنگ و بو میں مبعوث فرمایا۔ انھیں میں سے ایک مردِ کامل کی تشریف آوری ہوئی جن کی برکت سے دنیا کے اندر پھیلی ہوئی برائی جیسی نحوست، شقاوت، جبر و استبداد اور فسق و فجور غرض ہر برائی کا خاتمہ ہوا۔ جن کی بدولت خزاں رسیدہ شجر ملت کو سرسبز و شاداب کیا گیا۔ جنھیں آج ساری کائنات قطب ربّانی، محبوب سبحانی، غوث الثقلین سید الاولیاء حضرت سیدنا عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے نام سے جانتی ہے۔ جن کی ولادتِ پاک کی شان تو دیکھئے کہ آمد سے کہیں صدیاں پہلے ہی پیشین گوئی کی جاچکی جیسے شیخ المشائخ حضرت جُنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ جو آپ سے دو سو سال پہلے گزرے ہیں۔ ایک دن مراقبہ کے دوران سر اٹھایا اور فرمایا : قَدَمُہٗ عَلٰی رَقَبَتِیْ قَدَمُہٗ عَلٰی رَقَبَتِیْ یعنی اس کا قدم میری گردن پر۔ اور ایسے ہی بہت سے مشائخین عظام جیسے امام حسن عسکریؒ، شیخ ابوبکر بن ہوار بطائحیؒ، حضرت شیخ خلیل بلخیؒ اور ہر وہ ولی جو غوث پاکؒ کی ولادت کے قبل تھے تمام نے آپ کی جلوہ گری کی بشارت دی۔ اب ولادت کے وقت کا جائزہ لیجئے کہ کیسے حیرت انگیز واقعات ظہور پذیر ہوئے۔ مناقب غوثیہ میں شیخ شہاب الدین سہروردی سے منقول کہ سیدنا عبد القادر کی ولادت کے وقت غیب سے پانچ عظیم الشان کراماتوں کا ظہور ہوا۔

اوّل : شب ولادت حضرت کے والدِ ماجد سید ابو صالحؒ نے خواب میں دیکھا کہ آقائے دو جہاں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم تشریف لائے ہیں اور ارشاد فرما رہے ہیں: یَا اَبَا صَالِحٍ اَعْطَاکَ اللّٰہُ تَعَالٰی اِبْنًا صَالِحًا وَھُوَ وَلَدِیْ وَمَحْبُوْبِیْ وَمَحْبُوْبُ اللّٰہِ تَعَالٰی سُبْحَانَہٗ وَتَعَالٰی شَانُہٗ وَسَیَکُوْنُ لَہٗ شَانٌ عَالِیٌّ فِی الْاَوْلِیَآءِ وَالْاَقْطَابِ

یعنی اے اباصالح اللہ تعالیٰ نے تجھ کو فرزند صالح عطا کیا ہے۔ وہ میرا محبوب ہے اور خدائے پاک کا محبوب ہے اور تمام اولیاء واقطاب میں اس کا مرتبہ بلند ہے۔

دوم حضرت غوث اعظم پیدا ہوئے تو آپ کے شانۂ مبارک پر نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے قدم مبارک کا نقش موجود تھا جو آپ کے ولی کامل ہونے کی دلیل تھا۔

سوم آپ کے والدین کو اللہ نے عالم خواب میں بشارت دی کہ جو لڑکا تمہارے ہاں پیدا ہوا ہے سلطان الاولیاء ہوگا۔ اس کا مخالف گمراہ اور بددین ہوگا۔

چہارم آپ کی ولادت کی شب صوبۂ گیلان میں قریباً گیارہ صد لڑکے پیدا ہوئے جو سب کے سب رتبۂ ولادت پر فائز ہوئے اس رات تمام علاقۂ گیلان میں کوئی لڑکی پیدا نہیں ہوئی۔

پنجم آپ رمضان المبارک کے مہینے کی چاند رات کو پیدا ہوئے۔ دن کے وقت مطلق دودھ نہیں پیتے تھے۔ افطار کے وقت سے لے کر سحری کے وقت تک والدہ ماجدہ کا دودھ پیتے تھے۔ ولادت کے دوسرے سال ابر کی وجہ سے رویتِ ہلال کے متعلق کچھ شبہ پڑ گیا تھا۔ اس دن شعبان کی انتیس ۲۹ تاریخ تھی۔ دوسرے دن جب غوث الاعظم نے دودھ مطلق منہ نہ لگایا تو آپ کی والدہ سمجھ گئیں کہ آج رمضان المبارک کی پہلی تاریخ ہے۔ چناں چہ انھوں نے لوگوں کو یہ خبر سنائی اور بعد میں معتبر شہادتوں سے ام الخیر کے قیاس کی تصدیق بھی ہوگئی۔

یہ آپ کی پیدائشی کرامت تھی جہاں سے آپ کی شہرت کا کافی چرچا چاروں طرف ہو جاتا ہے۔

خدائے تعالیٰ نے آپ سے اتنی کرامتوں کا ظہور فرمایا کہ کسی دوسرے ولی سے ظہور پذیر نہ ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے قلب کی توجہ اور زبان کی تاثیر سے لاکھوں انسانوں کے مردہ دلوں کی مسیحائی فرمائی اور عالم اسلام میں ایمان اور روحانیت کی ایک نئی لہر پیدا کردی۔ آپ کی لاتعداد کرامتوں کو یکجا جمع کرنا ناممکن اور لامحالہ ہے لہٰذا چند کرامتوں کو بطور نمونہ پیش کردوں تاکہ آپ کی عظمت وشان وشوکت کا اندازہ لگا سکیں۔

۱ بارش کا موقوف ہوجانا:

ایک دن سیدنا غوث اعظم اپنے مدرسہ میں وعظ فرمارہے تھے۔ سامعین ہزاروں کی تعداد میں جمع تھے۔ یکایک سیاہ بادل چھاگیا اور موسلادھار بارش شروع ہوگئی۔ لوگ بارش سے بچنے کے لئے منتشر ہونے لگے۔ آپ نے آسمان کی طرف نظر کی اور کہا: مولائے کریم میں تیرے بندوں کو جمع کرتا ہوں اور تو

اُن کو منتشر کرتا ہے۔ تو فوراً بارش تھم گئی۔ شیخ عدی بن مسافرؒ اور حضرت کیماتیؒ جو اس موقعہ پر موجود تھے بیان کرتے ہیں کہ مدرسہ کے اندر جہاں تک سامعین موجود تھے بارش کا ایک قطرہ بھی نہیں گرتا تھا۔ لیکن مدرسہ کے باہر بارش بدستور جاری رہی۔

۲ ایک نظر میں ایک سو چالیس ولی بنا دیئے

ایک دن ایک فقیر کافی دیر تک حضرت کی خدمت میں حاضر رہا اور عرض کیا سیّدی پہلے تو یہاں روزانہ دریائے سخاوت ٹھاٹھیں مارا کرتا تھا۔ لیکن آج بالکل سکون ہے۔ اس وقت ایک سو چالیس گمراہ اور بدکار لوگ مجلس میں موجود تھے۔ آپؒ نے ان سب کو اپنے دونوں طرف کھڑا کر لیا اور پھر ان پر اپنی توجہ ڈالی۔ ایک ہی نظر میں سب کے دل کی دنیا بدل گئی اور سب مرتبۂ ولایت پر فائز ہو گئے۔ آپ نے فرمایا: جا آج کی سخاوت یہی ہے۔

۳ ہر ایک کی آرزو پوری ہوئی

ایک دن سیدنا غوث اعظم کی مجلس بابرکت میں بہت سے مشائخین عظام بیٹھے ہوئے تھے اثنائے گفتگو آپ کے جذبۂ سخاوت جوش میں آیا۔ حاضرینِ مجلس سے فرمایا: مانگو، جو مانگنا ہے۔ تو مندرجۂ ذیل اصحاب نے اپنی اپنی خواہش ظاہر کی:

شیخ ابو سعودؒ نے فرمایا	میں ترک اختیار چاہتا ہوں۔
شیخ محمد بن قائدؒ نے کہا	میں مجاہدے کی قوت چاہتا ہوں۔
شیخ عمر بزازؒ نے کہا	میں خشیتِ الٰہی چاہتا ہوں۔
شیخ حسن فارسیؒ نے کہا	میرا کھویا ہوا حال مجھے واپس مل جائے۔
شیخ جمیل نے کہا	میں حفظ وقت کا آرزو مند ہوں۔
شیخ محمد غزال نے کہا	میں طویل عمر کا خواہش مند ہوں۔
شیخ صرصری نے عرض کیا	میری آرزو ہے کہ میں اس وقت تک زندہ رہوں جب تک اللہ تعالیٰ مجھے مقام قطبیت پر فائز نہ کر دے۔
شیخ ابوالبرکات نے کہا	میں عشق الٰہی میں انہماک چاہتا ہوں۔

شیخ ابنِ خضری نے کہا — میں قرآن اور حدیث حفظ کرنے کا خواہش مند ہوں۔
ابو عبداللہ بن الوزیر نے کہا — میں نائب وزیر بننا چاہتا ہوں۔
ابوالفتوح بن ہبتہ اللہ نے عرض کیا — میں خلیفہ کے گھر کا استاذ بننا چاہتا ہوں۔
ابوالقاسم بن الصاحب نے کہا — میں خلیفہ کا دربان بننا چاہتا ہوں۔
شیخ ابوالخیر نے کہا — مجھے مقام معرفت عطا ہو۔

سب کی تمنائیں سن کر حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی نے یہ آیت پڑھی: كُلًّا نُّمِدُّ هٰٓؤُلَآءِ وَهٰٓؤُلَآءِ مِنْ عَطَآءِ رَبِّكَ ۭ وَمَا كَانَ عَطَآءُ رَبِّكَ مَحْظُوْرًا

ترجمہ: اے نبی وہ (دنیا کے طالب) اور یہ (آخرت کے طالب) سب ہی کو تیرے پروردگار کی بخشش عام ہے۔ کسی پر بند اور ممنوع نہیں۔

شیخ ابوالخیر محمد بن محفوظ نے ۳، رجب ۵۹۲ء کو بیان کیا کہ خدا کی قسم ان لوگوں میں سے ہر ایک کو وہی کچھ مل گیا، جس کی اس نے خواہش کی تھی۔ سوائے شیخ خلیل صرصری کیوں کہ ابھی ان کے مقام قطبیت پر فائز ہونے کا وقت نہیں آیا تھا۔

۴ مہینوں کا آپ کی خدمت حاضر ہونا

آپؒ کے صاحب زادے شیخ سیف الدین عبدالوہاب کا بیان ہے کہ سال کا ہر مہینہ اپنے آغاز سے پہلے آپ کی خدمت میں انسانی شکل میں حاضر ہوا کرتا ہے۔ اگر وہ مہینہ خیر و برکت کا ہوتا تو نہایت اچھی شکل میں آتا۔ اگر سختی و تنگ حالی کا ہوتا تو بد شکل میں آتا۔ یہ صورتِ حال مسلسل قائم رہتی تھی اور آپ تفصیل کے ساتھ ان مہینوں میں وقوع پذیر ہونے والے حالات کا اظہار کیا کرتے تھے۔

۵ لڑکی سے لڑکا بن گیا

شیخ محمد صادق شیبانیؒ سے روایت ہے کہ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ کے والد لاولد تھے۔ ان کی زوجہ سیدنا غوث اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور اولاد کے لئے دعا کی طالب ہوئیں۔ آپؒ نے اُن کے حق میں دعا مانگی اور پھر فرمایا: جاؤ اللہ تعالیٰ تمہیں فرزند عطا کرے گا۔ خدا کی قدرت اسی شب حاملہ ہوگئیں۔ نو ماہ بعد بچہ پیدا ہوا تو وہ لڑکی تھی۔ آپ کو اطلاع

دی گئی۔ اطلاع لانے والے سے کہا: جاکر اچھی طرح سے دیکھو لڑکی نہیں لڑکا ہے۔ گھر جاکر دیکھا گیا تو واقعی وہ بچہ لڑکا تھا۔ پھر آپؒ نے ہدایت کی، اس لڑکے کا نام شہاب الدین رکھنا۔ اللہ کے فضل سے طویل عمر پائے گا اور اپنے وقت کا ولی کامل ہوگا۔ شیخ شہاب الدینؒ اپنے وقت کے شیخ الشیوخ ہوئے اور طویل عمر پائی۔

الغرض خدائے تعالےٰ نے اپنے فضل و کرم سے حضرت سیدنا غوث اعظم رحمۃ اللہ علیہ کو بہت ساری نعمتوں سے نوازا تھا۔ جن کی بدولت آج بھی کوئی سائل ان کے ساتھ سچی عقیدت مندی سے پیش آئے۔ ان کی الفت و محبت اپنے دل میں بسالیں تو ان کا فیض ضرور بضرور ان تک پہنچے گا۔

اللہ تعالےٰ سے دعاگو ہوں کہ اللہ! اولیاء اللہ کی محبت کو اپنے دلوں میں بسانے کی اور ان کے فیض و برکات حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین .... بجاہِ سید المرسلین ••

(بقیہ صفحہ ۱۵۵ کا) لوگو مدد طلب کرو صبر اور نماز سے

چناں چہ جنگِ خندق کے موقعہ پر رات کے وقت جب حضرت حذیفہؓ خدمتِ نبوی صلے اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوتے تو آپؐ کو نماز میں پاتے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہٗ فرماتے ہیں کہ بدر کی لڑائی کی رات میں نے دیکھا کہ ہم سب سو گئے تھے۔ مگر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ساری رات نماز میں مشغول رہے صبح تک نماز میں اور دعا میں مصروف رہے۔

صاحبِ ضیاء القرآن یوں رقمطراز ہیں:

اگر انسان اپنے اندر صبر کی یہ قوت پیدا کرلے اور اس کے ساتھ ساتھ وہ نماز کے ذریعہ رشتۂ عبدیت اپنے ربِ حقیقی سے محکم کرلے تو پھر کوئی مشکل اس کا راستہ نہیں روک سکتی۔

حضور نبیٔ کریم صلے اللہ علیہ وسلّم کی یہ عادت مبارکہ تھی کہ جب کوئی مشکل کام آپڑتا تو فوراً نماز پڑھنے لگتے۔ نیز رحمت عالمؐ نے فرمایا کہ اگر کسی کو حاجت ہو، اللہ تعالےٰ سے یا کسی انسان سے تو اُسے چاہئیے کہ بڑی احتیاط سے وضو کرکے پھر دو رکعت نماز پڑھے۔ پھر اللہ تعالےٰ کی حمد و ثناء کرے اس کے بعد درود شریف کثرت سے پڑھے۔

پس اللہ تعالےٰ ہر مصیبت سے حفاظت کرے گا۔

اللہ تعالےٰ سے دُعا ہے کہ مسلمانوں کو صبر سے زندگی بسر کرنے کی توفیق دے۔ آمین ••

نعتِ شریف

سیّد سراج الدین منیر

نورِ مجرّد حُسنِ مجسّم صلّی اللہ علیہ وسلّم
ذاتِ محمّد جانِ دو عالم صلّی اللہ علیہ وسلّم

سیّدِ عالم صاحبِ دوراں، صورتِ قرآں سیرتِ یزداں
سب سے مکرّم سب سے مقدّم صلّی اللہ علیہ وسلّم

اوّل و آخر، باطن و ظاہر حق کا پیمبر اکمل و احمل!
سر تا قدم ہے نور کا عالم صلّی اللہ علیہ وسلّم

آپؐ نہ ہوتے ہوتا نہ عالم، عالم تو عالم ہوتے نہ آدمؑ
وجہہ بنائے عالم و آدم صلّی اللہ علیہ وسلّم

بزمِ جہاں ہیں اُن کے کرم سے دشت و جبل ہیں اُنکے قدم سے
رحمت ہی رحمت ہر آن ہر دم صلّی اللہ علیہ وسلّم

چشمِ جہاں ہیں نورِ بصر ہیں، شکلِ بشر ہیں خیر البشر ہیں
خیرِ مجسّم محسنِ آدمؑ صلّی اللہ علیہ وسلّم

سُن لو منیر اک مردِ خدا نے راز کی مجھ کو بات بتائی
اسمِ محمّد ہے اسمِ اعظم صلّی اللہ علیہ وسلّم

پیشکش: سید علی احمد قادری کلیم حیدرآبادی

نعتِ شریف
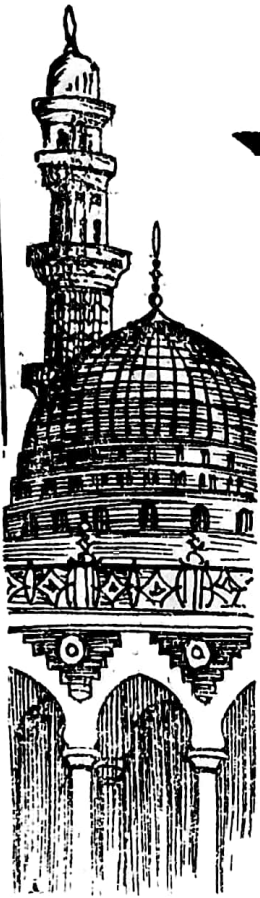
لاج رکھ لینا میری اے شاہِ اُمم — ہووے مجھ پر بھی اپنی نگاہِ کرم

تم مقدس ہو بے شک خدا کی قسم — اے جبالِ حرم اے جبالِ حرم

جب مدینہ کا ہر ذرّہ ہے محترم — پھر تو آہستہ رکھنا ہے پھونک کے قدم

در پہ لایا ہوں عذرِ گناہوں کا ڈھیر — آپ آقا ہیں میرے میں ادنیٰ فقیر

جھولی بھر دیجئے در پہ آیا فقیر — اک گنہگار و ادنیٰ غلام حقیر

بارش رحمت کی ہوتی ہے دن رات یاں — عرش اعظم سے پڑتی ہے دن رات یاں

جگمگاتا مدینہ ہے دن رات یاں — عاشقوں کی تو بنتی ہے ہر بات یاں

ہم تہی دست عاجز گنہگار ہیں! — شافع المذنبیں آپ سرکار ہیں

اک نگاہِ کرم آپ کی اے نبیؐ — ہم گنہگاروں کی ہووے بگڑی بھلی

خاکِ ارضِ مقدس کی شانِ عظیم — ہاں یہ جنت سے بڑھ کر ہے عالی عظیم

اک سوالی جو آیا ہے در پر حکیم — اس کو دیدیجئے اپنا لطفِ کریم

تم بھی پالو مُرادیں اے افسر حکیم

ہاں ادب سے لجاجت سے نعتِ عظیم

از: علامہ حضرت ڈاکٹر حکیم سید افسر باشاہ صاحب قاسمی صبغۃ اللّٰہی، شفاء ڈسپنسری۔ بنگلور روڈ
حضرت مکان۔ ویلور

ایس محمّد یوسف شمّاس: ایم اے، ریٹائرڈ اسٹیشن منیجر (ایس سی آر) ادھونی (آندھرا)

زمیں پر نوعِ انسانی کا رہبر پاسباں ہوں میں
ہر اک صبر و رضا کے امتحاں میں سخت جاں ہوں میں

مری آمد کو ترسے مہر و ماہ و کہکشاں انجم
میں ہوں اک شمعِ ہستی رونقِ بزمِ جہاں ہوں میں

بنایا ہے مجھے خلّاق نے فی احسن التّقویم
کہ میثاقِ ازل سے رب کا ہر دم مدح خواں ہوں میں

زمیں اپنی زماں اپنا مکیں اپنے مکاں اپنا
کہ پھیلی بزمِ امکاں میں امیرِ کارواں ہوں میں

مجھے اعزاز دے مخلوق پر شرفِ خلافت سے
میں ہوں اک خاکی پیکر مَن عَرَف کا رازداں ہوں میں

یہ میری رہگزر ہے منزلِ مقصود پانے کو
کہ ہر اک موڑ پر تابندہ نقشِ جاوداں ہوں میں

ستم ڈھائیں درندے جان کر یہ مجھ کو خوابیدہ
مجھے خاموش مت سمجھو دبا آتش فشاں ہوں میں!

میں سمجھا خود کو قطرہ پھر ہوئی افشا حقیقت جب
خودی کے آئینہ میں ایک بحرِ بیکراں ہوں میں

تقابل ہو رہا ہے آج آکر خونی درندوں سے
میں ہوں دیوارِ آہن حوصلوں کا اک نشاں ہوں میں

نہ کشتی ڈگمگائے بحر میں ہر سو طلاطم ہے!
بچا لوں اس کو طوفانوں سے ایسا بادباں ہوں میں

نشیمن میرا جلنے سے نہ سمجھو میں ہوا تاراج
جلا کر کشتیاں ساحل پہ عظمت کا نشاں ہوں میں

ہر اک سو ظلم کے بادل ہیں تپتے چار سو صحرا
خنک تر سائباں ہوں وادیِ امن و اماں ہوں میں

تعصب، نفرتیں اذہان ہر سُو ہیں پراگندہ
اخوت کا چمن ہوں مہر و الفت کا نشاں ہوں میں

کوئی کتنا بھی چاہے ہاتھ اس کے آ نہیں سکتا
کہ تا امروز رفتارِ زمین و آسماں ہوں میں

کئے ہیں خون سے میں نے یہ اوراقِ کہن رنگیں
زمیں پر اک جرأت کی سنہری داستاں ہوں میں

رُکا تو جیسے ساکت جھیل دامن میں پہاڑی کے
محرک ہو گیا تو تیز تر سیلِ رواں ہوں میں

زمیں کے گوشہ گوشہ میں مرے آبشارِ رخشندہ
کروڑوں پتھروں میں ضو فشاں لعلِ گراں ہوں میں

مری ناکامیوں میں رازِ پنہاں کامرانی کے
خزاں کے بعد پھر دورِ بہارِ گلستاں ہوں میں

فقط میں بے ریا شمّاسؔ ہوں اخلاص کا پیکر
زمانہ دیکھ لے ناواقفِ سُود و زیاں ہوں میں!

پیشکش
حکیم حمایت علی قریشی، تُکم ہسپتال، امبور

نعت رسول عرب و عجم

از غلامِ غلامانِ حضورؐ مُلّا رموزی

عربوں کی وہ باہم تیغ زنی اللہ غنی اللہ غنی
کرتے تھے ہر اک کی بیخ کنی اللہ غنی اللہ غنی

تھے ایک مگر اک ہو نہ سکے، فخرِ قبیلہ، فخرِ نسب
ان سب کی کبھی اک دن نہ بنی اللہ غنی اللہ غنی

اس سخت زمیں ہی پر آئے وہ حکمتِ اوّل صلّ علیٰ
آتے ہی کرائی بت شکنی اللہ غنی اللہ غنی

اللہ کا ایسا ذوق دیا اللہ کا ایسا شوق دیا
عابد ہوئے اب تیغوں کے دھنی اللہ غنی اللہ غنی

اک سیرِ شاہنشاہی دی اک نظمِ جہاں بانی بھی دی
خود آپ رہے ہر شئے سے غنی اللہ غنی اللہ غنی

وہ موعظتِ احسن، کہ رہی دشمن سے بھی وقتِ قہر و غضب
تلخی کے عوض شیریں سخنی اللہ غنی اللہ غنی

عشاقِ رسولؐ اقدس ہیں برتر ز فلک برتر ز ملک
ان سب میں مگر وہ اک قرنی اللہ غنی اللہ غنی

اس اپنے شرف پر حیراں ہوں یعنی کہ رموزی نعت میں اب
میں اور شہنشاہِ مدنی اللہ غنی اللہ غنی!

پیشکش:۔ سید عبدالرزاق قادری، گنتکل: زمرۂ ثالثہ دارالعلوم لطیفیہ، حضرت مکان ویلور

اے خواجۂ اجمیر

محمد یوسف شمیم
نیلور

تُو دین کی عظمت ہے دو عالم کی ہے توقیر ‏ اے خواجۂ اجمیر
تُو کفر کی ظلمت میں ہے ایمان کی تنویر ‏ اے خواجۂ اجمیر

تُو بادہ کشِ میکدۂ خواجۂ عثمانؒ ‏ تُو چشتی ذیشاں
ہستی ہے تری صوفیٔ سرمست سے تعبیر ‏ اے خواجۂ اجمیر

تُو ہند کے حصّے میں عطیہ ہے نبیؐ کا ‏ رتبہ ترا اعلےٰ
ہے فرش سے تا عرش ترے نام کی تشہیر ‏ اے خواجۂ اجمیر

ہر گوشۂ ظلمت میں تجھی سے ہے اُجالا ‏ تُو نورِ سراپا
تُو دہر میں خورشیدِ رسالت کی ہے تنویر ‏ اے خواجۂ اجمیر

ہے گردشِ گردوں کا ستایا ہوا شاداں ‏ تدبیر ہے حیراں
اک تیرے اشارے سے بدل جاتی ہے تقدیر ‏ اے خواجۂ اجمیر

وہ کون ہے جس پر نہیں داتا ترا احساں! ‏ تُو ہند کا سُلطاں
در سے ترے محروم نہ لوٹا کوئی دلگیر ‏ اے خواجۂ اجمیر

یہ مدح شمیمؔ سخن آرا نے کہی ہے ‏ شان اس کی نئی ہے
لایا ہے ترے در پہ یہ نذرانۂ تحریر ‏ اے خواجۂ اجمیر

پیشکش: محمد باقر حسین ‏ محمد سجاد حسین ‏ (جزء محمد یوسف شمیم)

نظم بیادِ شیخ المشائخ اعلیحضرت مولانا مولوی سید شاہ محمد باقر قادری علیہ الرحمہ

بموقع سالانہ فاتحہ، یکم جون ۲۰۰۹ء

علیم صبا نویدی

مزارِ حضرتِ باقرؒ پہ رحمتیں برسیں　　قرآن پاک کے جلووں کی نکہتیں برسیں

شاہِ امم کی نگاہوں کی التفات صبا　　تجلی آفریں ہر سو عنایتیں برسیں

دل میں ہے یادِ حضرتِ باقرؒ

سلسلہ غم کا آج جاری ہے
دور تک آہ کی سواری ہے
آہ کی آج غم سے یاری ہے

اُن کے آگے تھے سرنگوں سب کے
اُن کے کردار سب سے تھے اونچے
قربتیں کیا عجب ملی تھیں مجھے

آج دار السرور غمگیں ہے
شہرِ علم و شعور غمگیں ہے
ہر دلِ ناصبور غمگیں ہے

نور سے اُن کی قبر بھر یارب
رحمتیں اُن پہ اپنی کر یارب
اُن کا ہو سربلند سر یارب

بزم میں اُن کے وصف روشن ہیں
سامنے وہ ہیں اُن کے ہر فن ہیں
وہ ہمارے دلوں کی دھڑکن ہیں

التجا بس یہی نویدی کی!
اور اہلِ لطیفیہ کی دعا
نورِ جنت سدا وہ بن کے رہیں
رحمتِ حق نما وہ بن کے رہیں

اُن کے دم سے لطیفیہ کا وقار
ہر طرف علم و آگہی کی بہار
تاجدارانِ دیں میں اُن کا شمار

پیش کش

ڈاکٹر محمد نعمان: ویلور

بابِ دوّم
چمنستان لطیفیہ
خصوصی گوشہ
جشنِ طلائی نمبر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اعطائے خلافت

مورخہ 1رجون روز پیر شنبہ 2009ء بعد نماز ظہر
خانقاہِ حضرت قطب ویلورؒ میں حضرت مولانا
ڈاکٹر سید عثمان قادری، سجادہ نشین نے اپنے
فرزندِ اوّل

عزیز محترم سیّد محمّد طاھر قادری

کو

حلقۂ ارادت میں شامل فرمایا
بعدازاں دارالعلوم لطیفیہ کے وسیع وعریض
ہال میں خلافت تفویض کی۔ ان دونوں مجلسوں
میں اساتذۂ کرام، طلبائے عزیز، علماء، مشائخ،
روساء، عمائدین، مقامی وبیرونی حضرات اور
رشتہ دار شریک رہے۔
ایک سوا کانوے سلاسل میں بیعت وخلافت اور
شجرۂ آبائی اور خلفائی کی تفصیل سنائی گئی۔ سجادہ نشین
کی دعا پر مجلس اختتام پذیر ہوئی۔

چمنستانِ لطیفیہ
خصوصی گوشہ
بیادگار جشنِ طلائی نمبر

باب دوم

منظومات

خانوادہ اقطاب ویلور قدس سرھم

از

حضرت مولانا محمد ذکریا ادیب خاور رائی چوٹی
سابق استاذ
دارالعلوم لطیفیہ ویلور

نحمدہٗ ونصلی علی رسولہ الکریم

حضرت سید شاہ عبداللطیف قادری بیجاپوری قدس سرہٗ

مغلوں کی تسخیر دکن کے بعد نواب آصفجاہ اول نواب سعادت اللہ خان اور نواب انورالدین کے عہد حکومت میں ساداتِ اکرام ترکِ وطن فرما کر بیجاپور اور مختلف مقامات سے کرناٹک آرہے۔ ان میں سے ایک زبردست خاندان اقطاب ویلور کا رہا ہے اس کو ویلور آئے ہوے دوسو اٹھتر ۲۷۸ سال ہوگئے۔ مذکور کو جس قدر ویلور میں فروغ حاصل ہوا اور وہ پھلا پھولا تاریخ جنوب کا ایک ذرین باب ہے۔ تاریخ گواہ ہے کہ اس خانوادہ کا ہر ایک فرد صاحب ولایت رہا اور مرتبہ قطبیت کو پا چکا ہے۔ خاندانِ مذکور کی ایک اہم ترین خصوصیت رہی کہ اس میں رحمات و برکات کا لامتناہی سلسلۂ بدستور باقی رہا اور کہیں منقطع ہونے نہیں پایا ایک تسلسل ہے جو چل پڑا ہے یہ مبالغہ نہیں بلکہ حقیقت اور امر واقعہ ہے کہ اکثر خانوادہ تو نہایت ہی تزک واحتشام سے چار پانچ پشت تک تاریخ کے صفحات پر ابھرے اور اس طرح ختم ہوگئے کہ بیچاری تاریخ انکی زندگی کے منتشر اوراق یکجا کرنے سے قاصر رہی گویا ان کی زندگی کے ہر ہر گوشہ پر تہ بتہ تاریکیاں اپنا تسلط جما اور اپنا جال بچھا چکی ہیں۔ آج ان کی آباد خانقاہیں جہاں کبر ونخوت بھرے انسانوں کی گردنیں خم ہوا کرتی تھیں ایک صدی ڈیڑھ صدی کے اندر اندر سنسان ویرانوں اور کھنڈروں میں تبدیل ہوچکیں۔ سچ ہے وتلک الایام مراندند ولھا بین الناس اور یہ بھی حقیقت ہے کہ

کروٹوں پر کروٹیں لیتے رہے صد انقلاب	گردشِ ایام نے بدلے ہیں کتنے پیرہن
بجھ گئے ہیں زندگی کے کتنے فانوس حیات	ہوگئی بے رونق و تاریک شامِ انجمن
اٹھ گئے بزمِ جہاں سے کتنے شاہِ پر حشم	چرخ کا اب تک وہی چلتا ہے دستور کہن

ہاں یہ بات مخفی نہ رہے کہ شمال اگر خاندانِ ولی اللہی پر فخر کرتا ہے اور اس خانوادۂ کا خوشہ چین وفیض یافتہ ہے تو ہم جنوبی ہند والوں کے پاس خانوادۂ اقطاب ویلور کی وہی حیثیت مسلم ہے جو حیثیت خانوادۂ ولی اللہی کی رہی ہے تاریخ جہاں اس خانوادہ کو اپنے صفحات میں جگہ دیگی وہاں خانوادۂ اقطاب ویلور کو ایک امتیازی مقام اور ایک بلند کردار بخش کر تاریخ تشدید واحیائے دین کو ثبات و زندگی دوام بخشے گی۔

قبل اس کے ہم حضرت الحاج الحافظ مولانا مولوی ابوالفتح سلطان محی الدین سید شاہ عبدالقادر قادری نقوی ویلوریؒ کے حالات زندگی پر کچھ سرسری نوٹ قلمبند کریں مناسب سمجھا گیا کہ آپ کے اسلاف کرام واقطابِ رفعت مقام پر ایک طائرانہ نظر ڈالی جائے، خانوادۂ مذکور کے متعلق اس قدر کہہ دینا کافی ہوگا کہ اس خانوادۂ کی ابتدائی کڑیاں مدینہ منورہ مکہ معظمہ نجف اشرف کربلائے معلیٰ۔ بغداد شریف روم ایران اصفہان، کشمیر، حاما، جاوا، سماترا، دہلی احمد آباد گجرات، گلبرگہ، اور بیجاپور وغیرہ مختلف مقامات میں قیام فرما کر احیائے دینِ حق کی بہترین خدمات انجام دیتی رہیں۔ تاریخ سے لگاؤ رکھنے والا جانتا ہی ہوگا کہ حضرت قربیؒ حضرت ذوقیؒ ،

اورحضرت محویؒ وغیرہ اقطاب کرام نے سرزمین ویلور میں ''تشدید واقامت دین'' کا جو ڈھانچہ تیار کیا تھا۔ جو اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے نظام کفر وشر کا جس نہج سے مقابلہ فرمایا تھا، تاریخ ان مجددانہ کارناموں کو دہرائے گی۔ اب ہمیں اس قدر دور جانے کی چنداں ضرورت بھی نہیں، آج سے ٹھیک ایک صدی پہلے حضرت قطب ویلور کی تاریخ تجدید پر نظر ڈالنے سے یہ حقیقت بے نقاب ہوجائیگی کہ حضرت قطب ویلور نے اپنے بزرگوں کے قائم کردہ رواج دادۂ تبلیغ ہی علمی وعرفانی مشن اور روحانی راج کو کس قدر جواں ہمتی وجواں مزاجی سے چلایا اور اس تحریک کو آگے بڑھایا، یہ آپ ہی کا عزم واستقلال تھا کہ آپ ان دشوار گذار مراحل سے بحسن وخوبی گذر گئے اگر دسویں صدی ہجری میں فریضۂ حق کی ادائیگی کی وجہ سے اکبر کی ناروادست اندازیوں میں حضرت مجدد الف ثانی سرہندیؒ کو قلعہ گوالیار میں قید کرادیا تھا تو بارھویں صدی میں چند شرپسندوں اور خرقۂ سالوس پہننے والوں کی ایما پر حضرت قطب ویلور کو چتور کے جیل میں نظر بند کردیا گیا۔ آپ نے قید وبند کی صعوبتوں کو محض اس لئے برداشت فرمایا کہ مسلمان اپنی ذمہ داری کو محسوس کریں اور اپنے دین ومذہب کی حفاظت اور اشاعت کے لئے کمربستہ ہوجائیں حضرت قطب ویلور مسلمانوں کے اس ماؤف ذہن کا نہ صرف علاج کرنا چاہتے تھے (جو انگریزی اقتدار سے بہت حد تک مفلوج ومعتل ہو چکا تھا) بلکہ اس کو ایک صحیح تعمیری نشوونما کے قابل بنانے کا عزم بالجزم کرچکے تھے۔ یہ وہ زمانہ تھا جبکہ انگریزی تفوق علاقۂ کرناٹک میں اخلاق وشائستگی کی تمام حدود پھاند کر اونچا اُڑنے لگا تھا اور اپنی دورُخی پالیسی کا جال بچھا چکا تھا سچ پوچھئے انگیریزی کی جڑیں نواب والاجاہ کی نازبرداریوں ہی سے علاقہ کرناٹک میں پھیلتی چلی گئیں۔ جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ خود والاجاہ کی زندگی خطرہ میں پڑگئی اور والاجاہ کی زندگی میں انگیریز کرناٹک کے حاکم بن کر نواب اور نوابزادوں پر حکمرانی کرنے لگے۔

والاجاہ کے انتقال کے بعد ان کے بیٹے نواب عمدۃ الامراء تخت نشین ہوئے مگر ان کی زندگی نے وفا نہ کی اور ۱۲۱۶ ہجری کو حسرت بھرا دل لئے راہی ملک کے بقا ہوگئے پھر کیا تھا میدان پوری طرح انگریزوں ہی کا رہا نواب تاج الامراء (جو عمدۃ الامراء کے جانشین تھے) کی خدمات میں انگریز کمپنی کی جانب سے چند شرائط پیش کئے گئے جن کو نوابِ مذکور نے ٹھکرادیا اس جرم میں نواب صاحب کو نظر بند کردیا گیا، اور نواب والاجاہ مرحوم کے دوسرے پوتے نواب عظیم الدولہ کو شرائط کی منظوری پر آرکاٹ کا حکمران برائے نام بنادیا گیا اس طرح سلطنتِ والاجاہی پر انگریز کمپنی کا عملاً قبضہ ہوچلا دنیا اس منظر کو دیکھ رہی تھی مگر خاموش تھی بس یوں سمجھئے۔

آشیاں اجڑا کیا اور ہم ناتواں دیکھا کئے

انگریزی اقتدار کے بعد شیرازۂ ملت بکھر گیا۔ مسلمانوں کے درمیان تشدد وعداوت، افتراق، وانشقاق کی وبا عام ہوگئی۔ غیر اسلامی خرافات بدعات موقعہ کو غنیمت جان کر راہ پاگئے مذہبی جھگڑے اٹھ کھڑے ہوگئے فتویٰ بازی وکفر سازی کا سلسلہ طول کھینچا نتیجہ یہ ہوا کہ ناتجربہ کاری کے سیلاب میں مسلمان بہہ گیا اور مذہب کی لافانی قدروں سے بہت دور جا پڑا غرض یہ کہ مسلمانوں کی زندگی کا کوئی ایسا شعبہ نہ رہا جو انگریزی اقتدار کے اشتر سے مجروع نہ ہوا ہو۔ حضرت قطب ویلور کی نگاہ، بصیرت اور مومنانہ فراست نے حالات کا وسعت نظر سے مطالعہ کیا اور قوم کے اس جمود کو توڑا جو کسی قدر رنج بستہ ہوچکا تھا مگر قوم نے ان احسانات کا جو صلہ حضرت قطب ویلور کو

دیا وہ ایک بدنما داغ تھا۔ جو قوم کے ماتھے پر نمایاں رہیگا اور تاریخ ظلم و تعدی کی اس داستانِ دل خراش کو دہراتی ہی رہیگی۔ مختصر یہ کہ خانوادۂ اقطابِ ویلور کی ابتدائی کڑیاں مختلف مقامات میں دعوتِ حق کے فرائض انجام دیتی ہوئیں بیجاپور آئیں اور یہیں سکونت پذیر ہوگئیں۔

بیجاپور میں جب انتشار ہوا تو کئی علمی گھرانے بیجاپور ترک کر کے اطراف دکن میں پھیل گئے اور جہاں گئے علم و عرفان کے وہ دریا بہائے کہ علاقہ دکن سیراب و سبز شاداب ہو گیا ان ہی میں سے ایک خانوادۂ اقطاب ویلور کے مورث اعلیٰ سید شاہ **عبداللطیف** قادری بیجاپوری ہیں جو ترک وطن فرما کر مع اہل و عیال بیجاپور سے شاہ نور آ گئے۔ شاہ نور میں دو سال قیام فرمانے کے بعد "سرا" آ رہے یہاں بھی دو سال سکونت فرمانے کے بعد آرکاٹ آ گئے۔ آرکاٹ میں چھ سال گزار کر وارد ویلور دارالسرور ہوئے کہا جاتا ہے کہ رات ایک میدان میں (جواب حضرت مکان ہے) ٹھہرے رہے کافی رات گزرنے کے بعد آنحضور اکرم ﷺ آپ کے خواب میں تشریف لائے اور یوں گویا ہوئے اے میرے فرزند! تم اسی جگہ خیمے کی طنابیں نصب کر دینا دیکھو اس مقام پر مسجد تعمیر ہوگی یہاں مدرسہ بنے گا اور یہاں خانقاہ تعمیر ہوگی۔ تم سے اور تمہاری اولاد امجاد سے ایک عالم کو فیض دوامی پہنچے گا اس طرح آپ نے مستقبل کی نشان دہی فرمائی چنانچہ حسب ارشادِ جدِ امجد صلعم ۱۱۳۲ھ کو یہی مقام دوامی مسکن قرار پایا اور آپ ہمیشہ کے لئے یہیں کے ہو رہے۔

حضرت سید شاہ عبداللطیف قادری کے سن ولادت کا ٹھیک پتہ نہیں چلتا ہاں البتہ تاریخی قرائن سے تاریخ پیدائش ۱۰۶۵ھ قرار دی جاسکتی ہے۔ آپ کی ولادت بیجاپور میں ہوی اور یہیں آپ نے شادی بھی کی۔ آپ بلند قامت رنگ گندم گوں خوبصورت و نیک کردتھے۔ صاحب تحفۃ احسن فی مناقب ابوالحسن مولانا باقر آگاہ مدراسی نے آپ کو ان الفاظ "کان مستھرا بین الخلق بکمال الحسن والخلق" سے یاد کیا ہے۔ حقیقت بھی یہی ہے کہ آپ اپنے اخلاق کریمانہ کی بدولت ہر دل عزیز تھے عقیدت مندوں سے خندہ جبینی اور وسیع قلبی سے ملاقات فرماتے اور خیر و عافیت دریافت کرتے تھے۔ جہاں آپ اخلاقِ فاضلانہ کے پیکر تھے۔ وہاں حد درجہ حسبور و غیور تھے۔ طبیعت میں حد درجہ کا استغنا تھا۔ کسی امیر کے ہاں کبھی نہ جاتے جو بھی میسر ہوتا اسی پر قانع و شاکر رہتے اب حضرت قربیؒ بھی جو اپنے (والد ماجد کے ہمراہ چار سال کی عمر میں ترک وطن فرما کر آ گئے تھے،) کچھ بڑے ہو گئے تھے ادھر آنحضورؐ پرنور کی بشارت سادقہ اپنا اثر دکھا رہی تھی اور حضرت قربیؒ کو ثبوت میں پیش کر رہی تھی ادھر یہ آفتاب عالم تاب بُرجِ شباب نے کمال کی منزلیں طے کر رہا تھا واقعات ہمارے اس قول پر مہر تصدیق ثبت کرتے ہیں۔ کہ اقطاب حضرت مکان نے نور بداں کر دیا ،غرض یہ کہ سید شاہ عبداللطیف قادری بڑے پایہ کے بزرگ تھے جو اپنے تقویٰ خدا پرستی میں مشہور تھے آپ کا سلسلہ نسب ۳۲ واسطوں سے حضرت محمد ﷺ تک پہنچتا ہے آپ کے مرید و خلفاء کی تعداد معلوم نہ ہو سکی کیونکہ آپ کے حالات ابھی تک پردۂ اخفا ہی میں ہیں بہر کیف آپ سے دو صالح فرزند ہوے۔ ایک رکن الدین سید شاہ ابوالحسن قربیؔ اور دوسرے فرزند سید شاہ مرتضیٰ قادری۔

ناظرین سے یہ بات مخفی نہ رہے کہ آپ کی والدہ محترمہ سید شاہ ابوالحسن عرف گورے حسن صاحب کی صاحبزادی اور حضرت

غوث پاکؒ کی اولاد امجاد سے تھیں۔ یہ وہی بزرگ سراپا قدس ہیں۔ جن کا شمار بیجاپور کے مشاہیر علماء وعرفاء میں ہوتا ہے آپ کی بہترین تصنیف ''مخزن السلاسل'' ہے اور بہت ساری تصانیف ہیں جنہیں دنیائے تصوف میں وہی حیثیت حاصل ہے جو مخزن السلاسل کو حاصل ہے۔ حضرت ممدوح ۱۱۴۹ھ کو ویلور میں واصل بحق ہو گئے۔

مزار شریف جامع مسجد ویلور کے احاطہ میں مرجع خاص وعام ہے۔ تاویذ مزار پر مندرجہ ذیل تاریخ رحلت کندہ ہے جو بہت بعد لگائی گئی ہے۔

قبلہ و کعبہ جد من سید
شاہ عبداللطیف عرش پناہ
کردرحلت بگفت رکن الدین
سال ترحیل غاب قطب اللہ

۱۱۴۹ھ

حضرت رکن الدین محمد سید شاہ ابوالحسن قربی ویلوری قدس سرہٗ

خانوادہ اقطاب ویلور کے دوسرے بزرگ رکن الدین محمد سید شاہ ابوالحسن قربی قدس سرہٗ سید شاہ عبداللطیف قادری بیجاپوری کے صاحبزادے ہیں، ۱۴ شعبان ۱۱۱۸ھ کو بیجاپور میں پیدا ہوئے چار سال کی عمر میں والد محترم کے ہمراہ شاہ نور آئے شاہ نور سے ''سرا'' اور ''سرا'' سے آرکاٹ پہنچے جب آرکاٹ سے وارد ویلور ہوئے تو آپ کی عمر شریف ۱۴ سال کی تھی۔ مولوی محمد حسین بیجاپوری نے تاریخ ولادت غنچۂ کریم الطرفین کہی ہے۔

حضرت قربیؒ بلند قامت چھریرے بدن سینہ عریض کشادہ جبین ہنستے کم اور مسکراتے زیادہ تھے۔ ریش مبارک گھنی کسی قدر لمبی تھی، آپ کی ابتدائی تعلیم آپ کے والد ماجد ہی کے پاس ہوئی اور پھر مختلف اساتذہ سے مستقل طور پر علم استفادہ فرمایا چنانچہ کتب فارسی مولوی محمد حسین بیجاپوری (جو ان دنوں بیجاپور سے کرناٹک آگئے تھے) سے کتب تصوف مولوی شیخ فخر الدین سے (جو حضرت شیخ عبدالرزاق مخدوم ساوی کے مرید وخلیفۂ خاص تھے) اور کتب عربی مولوی محمد ساقی سے پڑھے۔

یوں تو حضرت قربی کو اپنے والد ماجد سید شاہ عبداللطیف نقوی قادری بیجاپوری سے بیعت وخلافت حاصل تھی مگر آپ کے استاذ مولوی شیخ فخر الدین نے جب آپ کو بحر عرفان کا غواص پایا تو اپنے پیر ومرشد سے آپ کی ملاقات کرادی۔ پھر اس کے بعد ملاقاتوں کا سلسلہ کا جاری رہا۔ تصوف کے مختلف پہلوؤں پر بحثیں ہوتی رہیں۔ حضرت قربی کو جب اس بات کا یقین ہو چلا کہ حضرت شاہ اولیا محمد مخدوم عبدالحق ساوی ایک قابل صاحب تصرف بزرگ ہیں تو آپ نے مزید سلاسل کے لئے ۱۱۴۷ھ میں بیعت کر لی اور آپ آنحضرت ﷺ نے خرقہ خلافت سے بھی نوازا۔ چنانچہ اس بات کی تصدیق حضرت قربی کے اس خلافت نامہ سے ہوتی ہے جو

حضرت ذوقی کو دیا گیا، جس کا ذکر حضرت ذوقی نے انشائے لطف الٰہی میں کیا ہے برخوردار سید دارین رشید کونین غلام محی الدین سید عبد اللطیف عرف بادا مد عمرہٗ ہمہ خلافتہائے فقران سلاسل و چہار خلافت یکے رفاعیہ دوم نقش بندیہ سیوم چشتیہ چہارم قادریہ کے از جانب حقائق پناہی ارشاد دستہ گاہی محمد مخدوم القادری قدس سرہٗ کہ بفقیر از واسطہ استاذی مخدومی فخر الدین محمد مہکری رسیدہ نیز داداشد انتہیٰ یہاں یہ بات مخفی نہ رہے کہ حضرت قربیؒ کو سلسلہ قادریہ میں آبائی خلافت حاصل تھی چنانچہ حضرت ذوقی (جو آپ کے صاحبزادے ہیں) نے اپنی مثنوی غوث نامہ میں سلسلہ قادریہ کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ؂

ہمارا جو سلسلہ جان توں کہ جاری ہوا سید عبدالرزاق سوں [۱]

علاوہ ازیں صاحب مطلع النور نے اپنی مثنوی میں مولانا محمد باقر آگاہ مدراسی کی تصنیف تحفۂ احسن فی مناقب ابوالحسن کا حوالہ تحریر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ؂

نعمتِ باطنی آبائی اور پہنچی تھی اس کو خلفائی

قادریہ خلافت ای ذی شان اس کے والد سے اس کو پہنچی جاں

انشائے لطف الٰہی میں حضرت ذوقی نے بعض اولیاء کے سلاسل کا تذکرہ کرتے ہوئے اپنے والد ماجد حضرت قربیؒ کے سلسلہ میں لکھا ہے کہ حضرت قربی کو اپنے استاذ شیخ فخر الدین [۱] سے بھی خرقہ خلافات حاصل کی چنانچہ مذکور ہے ''اما حضرت ما'' شاہ ابوالحسن قادری رضی اللہ عنہ، خلیفۂ محمد فخر الدین المہکری وایشاں خلیفۂ محمد مخدوم القادری وایشاں خلیفۂ ناصر الدین وایشاں خلیفہ، دریا محمد وایشاں خلیفۂ شیخ راجی محمد وایشاں خلیفۂ شیخ حاجی اسحٰق وایشاں خلیفۂ سید احمد وایشاں خلیفۂ سید ابی نصر محی الدین وایشاں خلیفۂ سید ابی صالح نصر وایشاں خلیفۂ سید عبدالرزاق، وایشاں خلیفۂ حضرت غوث الثقلین رضی اللہ عنہ علیہم اجمعین۔''

حضرت قربی ویلور دکن کے زبردست اولیاء اللہ میں سے تھے علوم عقول و منقول میں آپ کو حد درجہ درک حاصل تھا، ''انشائے عقائد ذوقی'' میں مرقوم ہے کہ ''از عاظم اولیائے دکن است باوجود علوم ظاہری و باطنی در عرفان ید طولیٰ می داشت 'نواب غلام غوث خاں اپنے تذکرۂ گلزار اعظم میں حضرت قربی کے حالات کے ضمن میں لکھتے ہیں کہ 'نثر عربی بکمال فصاحت و بلاغت تحریری نمود از یں مائدۂ پُر فائدہ سفیدانِ خود را متلذذ می فرمود۔''

حقیقت بھی یہ کہ حضرت قربی کے شاگردوں کی فہرست بہت لمبی ہے اس مائدہ پُر فائدہ سے دو ایسے آفتاب و ماہتاب سیراب ہو کر نکلے کہ جن کی تعریف کے لئے ایک دفتر چاہئے۔ ایک وہ جو آپ کے صاحبزادے اور خلیفہ تھے۔ دوسرے وہ جو مولانا محمد باقر آگاہ مدراسی کے نام سے یاد کئے جاتے ہیں۔ یہ دونوں فاضل اجل اور وقت کے زبردست شاعر مفکر اور ناقد و خدارسید تھے۔ دونوں نے اپنی اپنی تصانیف میں اس امر کا اعتراف فخریہ انداز میں کیا ہے چنانچہ حضرت ذوقی انشاء لطف الٰہی میں لکھتے ہیں..... ''در خدام حضرت مادو کس صاحب تصنیف شدیم۔ یکے فقیر دیگر محمد باقر کہ برادر زادۂ شیخ حبیب اللہ مذکور اند و یمن صحبت آنحضرت فقیر را اینجائے رسانیدہ کہ

[۱] سید عبدالرزاق فرزند و خلیفہ حضرت غوث اعظمؒ

ہیچ کس از اہل جودت بافقیردم نمی تو اندزد‘‘ ثبوت میں غلام حسین جودت کا ایک واقعہ پیش کیا گیا ہے ....’’چنانچہ غلام حسین جودت کہ بجودت طبع ضرب المثل است روزے پیش فقیر بیتے فرستاد کہ چہار تاریخ ازاں برمی آیند یکے از حروف منقوط دیگر از حروف غیر منقوط و دو تاریخ از دو مصرعہ در جواب آں تاریخ گفتہ فرستاد کہ سہ صد و شصت ۳۹۰ تاریخ ازاں برمی آید حیرت کرد و گفت ایں مقدر بشر نیست ۔‘‘

مولانا محمد باقر آگاہ مدراسی آپ کے استغنا خودداری اور تقویٰ وغیرہ کے متعلق لکھتے ہیں کہ......نجانہ امراؑ و اغنیاؑ نمی رفت مگر نجانہ مریداں ومعتقدان او ہر کہ الحاح وزاری می کردم رفت و در رعایتِ احکام شرع زیادہ از وسع می کوشید دصاحبِ ترتیب بود نواب والا جاہ حضرت قربیؒ کی خدمت میں جاگیر کا پروانہ لئے حاضر ہوئے مگر آپ نے اس کو شکریہ کے ساتھ رد فرمادیا اور کہا کہ ؎

شاہی وملک شاہی قربی جوے نسنجد　　　در ملک فقر دستے بالاست بوریا را

آپ کے تقوے کا یہ حال تھا کہ ۱۱۶۵ھ میں آپ فریش ہوگئے بخار اس قدر چڑھ گیا کہ عصر سے عشاء تک بیہوش رہے جب ہوش آیا تو دیکھتے کیا ہیں کہ عصر اور مغرب کا وقت گزر چکا ہے۔ اسی وقت قبلہ رو ہوگئے۔ عصر اور مغرب کی قضا کی۔ مولانا باقر آگاہ اس واقعہ کا ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں’’ وغیر ایں دو نماز از وقضا نہ شد دو در آخر مرض وفات نماز ہا باشارہ می خواند‘‘

صاحبِ تحفۃ الحسن آپ کے خاندانی حالات کا تذکرہ کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ’’ آپ کی والدہ ماجدہ ساجدہ بیگم میر ابوالقاسم کی صاحبزادی تھیں۔ یہ ابوالقاسم وہی ہیں جو دربار عالمگیری میں درایت خاں کے خطاب سے یاد کئے جاتے تھے۔ درایت خاں کا علمی مقام اس قدر اونچا تھا کہ علوم معقول ومنقول اور قواعدِ فروع واصول میں اس وقت آپ کا کوئی جواب نہ تھا۔ شہنشاہ موصوف نے درایت خاں کو منصب پنجہزاری بخشا تھا اتنا ہی نہیں بلکہ آپ کو دربار میں اچھا خاصا رسوخ اور تقرب حاصل تھا۔‘‘

حضرت قربی ویلوری کی تصنیفات شریعت ومعرفت کی جامع ہیں، ہر کتاب اپنی جگہ مستند اور مکمل و مدلل ہے۔ افسوس کہ تصانیف حضرت قربی کی تعداد کا اب تک صحیح پتہ نہ چل سکا۔ بہت سارے قلمی مخطوطے دستبرد زمانہ ہوگئے اور کچھ سرقہ وغیرہ کا شکار ہوگئے تاہم چند مخطوطے اور کتب تراجمۂ احوال کی مدد سے کتابوں کی محض فہرست دے دیجاتی ہے۔ ان کے مباحث کی نشاندہی کا یہ موقع نہیں ہے انشاللہ ہم تذکرۂ حضرت قربی میں (جو زیرِ ترتیب ہے) تفصیل سے ان پر بحث کریں گے۔ چنانچہ عقائد میں دو کتابیں۔ میزان العقائد، تقویۃ الایقان ہیں۔ تصوف میں برہان القاطع دلیلِ محکم، رسالۂ اسم اللہ، رسالہ عین العیان، رسالہ حق المعرفت، کیمیائے سعادت رسالۂ اطلاق، رسالہ تحفۃ الذاکرین، رسالۂ وجدان، رسالۂ توفیق، خلاصۃ العرفان، رسالۂ جمع الجمع، رسالہ تجدد امثال، لب السلوک، معراج نامہ، نمک نامہ، (نظم دکنی) وغیرہ تصانیف ہیں۔ غایۃ التمثیل کے متعلق یہ تحقیق نہ ہوسکی کہ یہ آپ ہی کی ہے۔ یا آپ کے شیخ مخدوم ساوی کی۔ مندرجۂ بالا کتب آج بھی لطیفیہ لائبریری میں محفوظ ہیں۔ نیز اس وقت جبکہ ہر طرف سے روافض کا زور تھا اور اسلام کا چشمۂ صافی بدعۃ وضلالت بلکہ شیعیت کی آمیزشوں اور کدورتوں سے گندہ اور گدلا ہوچکا تھا۔

ردِ روافض میں مولانا محمد باقر آگاہ مدراسی نے تمام پر فوقیت حاصل کیا ہے، مولانائے موصوف نے نوکِ قلم سے زور روافض کا قلع قمع کے ہے اسکی نظیر نہ اس وقت کے کسی مصنف کے ہاں ملتی ہے اور نہ آج کے کسی اہل علم وصاحبِ قلم کے ہاں۔ حضرت قربیؒ بھی

چونکہ اسی دور کے تھے، لہٰذا آپ کا ان حالات سے متاثر ہونا ایک بدیہی بات ہے، اس سلسلہ میں آپ نے بھی دو کتابیں بزبانِ دکنی تصنیف فرمائیں۔ ایک بدعت نامہ، اور دوسری ہدایت نامہ، چنانچہ حضرت قربی ان حالات سے متاثر ہو کر ویلور اور اس کے مکدر پسند ماحول کا خاکہ اس طرح کھینچتے ہیں۔

دارالسرور ویلور شہراں میں بادشاہ ہے　　آرکاٹ اور چنجی اس دار کا گدا ہے
رونق میں اور صفا میں مثل اسکے شہ کئیں نیں　　آئینہ کیا کنا اس کا اک جامِ جہاں نما ہے
مجمع ہے سالکاں کا مرجع ہے طالباں کا　　مسکن ہے عارفوں کا سچ موطن ہدیٰ ہے
کرتے ہیں خود نمائی ہر کئیں بڑے فقیراں　　کم تر فقیر یاں کا بے شک خدا نما ہے
اتنا ہے اسمیں نقصاں کئی رافضی رہتے ہیں　　اس شہر با صفا میں اتنی بری بلا ہے
نواب مرتضیٰ خاں سرکوب ہے انہوں کا　　فہمیدگی کا اوس کے آوازہ جابجا ہے

پھر اپنے آپ کو اس طرح تسلی دے لیتے ہیں، غزل کا مقطع قابلِ غور ہے

ہے گنج بار باہم شادی کے ساتھ ہے غم　　گل اور خار یکجا دنیا میں جابجا ہے
جاں نورواں ہی ظلمت فرحت کنے ہے محنت　　کیا ہے علاج اپنا یوخواہش خدا ہے

خواہش منے خدا کے خواہش کے تئیں فنا کر
قربی خموش رہنا یوں پیشۂ صفا ہے

رسالۂ محولۂ بالا سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ حضرت قربی کو بدعات وغیر اسلامی خرافات سے عداوت اور حد درجہ نفرت تھی۔ آپ سنت کے اس قدر دلدادہ و شیفتہ تھے کہ سنت کو ایک مومن کی زندگی کا حقیقی سرمایہ اور سعادت ابدی خیال فرماتے تھے اور حقیقت بھی یہی ہے کہ ایک مومن اتباع سنت کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔ کہا جاتا ہے کہ آپ محرم کے اول عشرہ کو لالہ پیٹ میں قیام فرما تھے۔ علَم پرستوں کا ایک گروہ قسم قسم کی ناز یبا غیر اسلامی حرکتیں کرتا ہوا گزر رہا تھا۔ آپ سے اسلام دشمنی کا یہ سرو تماشا دیکھا نہ گیا غیرت و حمیت کا دریا جوش میں آ گیا۔ ڈنڈا ہاتھ میں لئے بدعات پسند لوگوں پر ٹوٹ پڑے۔ حضرت کو آتے دیکھ کر علَم لیا ہوا آدمی علَم چھوڑ کر فرار ہو گیا اور جو باقی رہ گئے تھے آپ پر حملہ آور ہوئے۔ مگر اللہ نے آپ کو بال بال بچا لیا پیچھے سے کسی نے سرِ مبارک پر تلوار چلائی۔ عمامہ کا کچھ حصہ کٹ گیا۔ سر پر کسی طرح کی چوٹ نہیں آئی۔ آپ نے سنبھل کر جب دوبارہ حملہ کیا تو لوگ حملہ کی تاب نہ لا کر بھاگ پڑے۔

تذکرہ نگاروں نے اسی قسم کے ایک اور واقعہ کا ذکر کیا ہے، کہا جاتا ہے کہ نواب مرتضیٰ خان جوان دنوں نواب ویلور تھے عاشورہ کے روز تالاب کی جانب قربی ویلوری کے مکان پر سے گزرنے لگے۔ آپ نے انہیں بہت روکا۔ مگر جب وہ بضد

معلوم ہوئے تو سرِ راہ کھڑے ہوگئے اور ارشاد فرمانے لگے لوگو یقین جان لو کہ بدعت کا گزر کبھی اور کسی صورت سے میرے مکان پر سے ہو نہیں سکتا۔ بہتر ہے تم اُلٹے پاؤں لوٹ جاؤ کہنے کو علم کے ساتھ ایک جم غفیر تھا مگر کسی ایک نے بھی آگے بڑھنے کی جرمت نہ کی۔ تمام کے تمام اُلٹے پاؤں لوٹ گئے۔ نواب مرتضٰی خاں کو جب حضرت کی ناراضگی کی خبر ملی تو نواب صاحب نے حاضرین سے کہا لوگو! اگر شاہ صاحب کی یہی خواہش ہے تو تم ہرگز ہرگز ادھر کا رخ نہ کرو۔ بجائے تالاب کے ندی طرف لے جاؤ، آج تک یہی رواج ہے جو بدستور چلا آتا ہے۔ (مثنوی مطلع النور)

مندرجۂ بالا تصانیف کے علاوہ حضرت قربی کے دو دیوان ہیں جن کا تذکرہ حضرت ذوقی نے انشائے لطف الٰہی میں کیا ہے کہ "حضرت مادر سخن شناسی یگانۂ آفاق بودند" آگے چل کر لکھا ہے کہ "آنحضرت را دو دیوان است یکے فارسی و یکے دکھنی مشہور است" انشاء اللہ ہم اختتام پر کلام کے چند نمونے درج کریں گے،

مولانا باقر آگاہ اپنے استاذ اور پیرو مرشد حضرت قربی کی شان میں رطب اللساں ہیں، ہم یہاں ضمنی طور پر ان کی معدودے چند عقیدتمندوں کا ذکر کئے دیتے ہیں۔ حضرت باقر آگاہ جب تک اپنے پیرو مرشد کی خدمت میں رہے دن رات فیضِ صحت سے مستفید و مستفیض ہوتے رہے مگر چند مجبوریوں کی بنا پر ترچنا پلی چلے گئے۔ آپ کے بغیر وہاں کی زندگی بے کیف سی معلوم ہونے لگی عقیدت و محبت کے ایک اور نئے جذبہ نے کروٹ لی۔ فرطِ محبت سے بے تاب ہوگئے، اور ایک پرزور قصیدہ لکھ کر خدمتِ حضرت قربی میں روانہ کئے جس کا مطلع تھا ۔

آفتاب اوجِ وحدت ماہتاب برجِ دیں   کاشفِ اسرارِ قربت صاحب عین الیقین

قصیدہ کیا تھا! حضرت کے محاسن و مناقب کا آئینہ اور خلوص و عقیدت کا ایک مرقع تھا اور پھر یہ قصیدہ جس کی بندش آجکل کے کہنہ مشق شاعروں کے بس کی چیز نہیں۔ ایک سترا سالہ نوجوان ادیب کا تھا جس نے حضرت قربی جیسے نقاد سخن کو جواب لکھنے پر مجبور کردیا لکھا کہ قصیدہ غرا کہ در مدح حقیر و فقیر بود رسید، معائنش دیدہ اللّٰھم زد فزد کردہ آمد بایں قدر علم چنیں فکر صائب بظہور آمد، چوں زیادت علم شود فکر کارہا خواہد کرد کہ سزاوار آفرین تام و تحسین تمام خواہد بود بعض محال اصلاح طلب است اگر در حضوری بودند ظاہر کردہ می شد والسلام"

یاد رہے کہ یہ قصیدہ بیعت سے پہلے کا تھا۔ ترچنا پلی میں دو سال قیام فرمانے کے بعد ویلور چلے آئے اور حضرت کے دستِ فیضِ رجت پر بیعت ہوگئے اور آپ ہی سے مشورۂ سخن کرنے لگے، چنانچہ حضرت ذوقی نے بھی اپنے اور مولانا باقر آگاہ کے متعلق انشائے لطف الٰہی میں لکھا ہے کہ "ماہر سخن کہ می گفتیم اول سبع شریف آنحضرت می رسانیدم بعد از اں داخل مجموعہ اشعار می کردیم"۔ مولانا باقر آگاہ نے کئی جگہ اس کا اعتراف کیا ہے چنانچہ لکھتے ہیں:۔

بود ہر بیت من آئینہ دار دیدۂ آگاہ   کہ بر وجہ حسن کسبِ سخن از ابوالحسن کردم

ایک اور جگہ کہتے ہیں۔
جام میاں نما ہے نظر دقیق آگاہ   صاف اسکو کر دیا ہے صیقل ابوالحسن کا

صاحب تذکرہ صبح وطن حضرت باقر آگاہ کے حالات کے ضمن میں لکھتے ہیں کہ در ہفت سالگی از ختم قرآن شریف فراغت

یافت و کتب متداولہ از گلستاں تا تحفۃ العراقین نزدیک عم خود تحصیل کردودریں عرصہ دیباچۂ سکندرنامہ وعنوانِ قرآن السعدین بخدمتِ مرشدش حضرت سید ابوالحسن قربی، ویلوری قدس سرہٗ قرأت نمودہ ببرکت زمانش فیضے بہم رسانیدہ دوثلث مصباح و یک جز وضو بجناب مولوی ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ استفادہ فرمود'' آگے چل کر لکھتے ہیں ''علمش وہبی بود چہ کسبش معلوم،ثبوت میں انہیں کا ایک شعر پیش کرتے ہیں ؎ میرا علم بیشک خداداد ہے معلم کی منّت سے آزاد ہے

شعر مذکور سے حضرت قربی کی تنقیص مرتبت ثابت نہیں ہوتی۔اس میں شک نہیں کہ حضرت باقر آگاہ مدراسی کے حصہ میں جس قدر علم وادب کے صدفہائے گراں مایہ آئے وہ فضل باری ہی تھا۔حضرت قربی محض معلم نہ تھے ایک روحانی مربی بھی تھے جس کو اصلاح تصوف میں شیخ یا پیرومرشد کہتے ہیں۔اس ذریعہ کا علم وہبی ہی ہوتا ہے،لہٰذا آپ پر یہ شاعرانہ دھبتی کسی طرح صادق نہیں آتی حقیقت دیکھئے کہ وہ اپنے بہت سارے قصائد میں بالالتزام عقیدت ومحبت سے معمور جذبات وخیالات کا اظہار کرتے آئے ہیں چنانچہ من دیپک میں فرماتے ہیں: ؎

خاصا قربی وہ شیخ زمن عرفاں کے گھن کا پاک رتن
ہے علم و معارف میں جعفر ہے کرم میں معن اوس کا چاکر
جب عرفاں کی تقریر کرے ہر سامع کوں تصویر کرے
تھا علم کا وہ کشور پورا ہے ہر قول اوس کا یک بورا
تھا ہر فن میں وہ بے جوڑا جو وصف کروں میں ہے تھوڑا
من اوس کا حق سوں پورا چھو دل اوس کا کانت مسرور اچھو

ایک اور مثنوی میں ھرن کی ابتداء میں فرماتے ہیں ؎

اے تیرفرمان میں کل دھرت وکھم باقر حیراں کے اوپر کر کرم
تیری کل اولاد کی حرمت ستے تیرے مریداں کی برکت ستے

حضرت آگاہ کا تصنیف کردہ ایک قطعۂ تاریخ ہے جو دیوار گنبد پر کندہ ہے۔اس میں بھی مادۂ تاریخ کے وہی الفاظ ہیں۔ معلوم نہیں یہ ترمیم بعد والوں نے کی ہے،یا حضرت آگاہ ہی نے ؎

رکن دیں شاہ بوالحسن قربی پیشوائے مقربانِ الہ
چوں کہ دریافت قرب حق سالش غاب قطب البلاد گفت آگاہ

حضرت محی الدین سید شاہ عبداللطیف قادری (ثانی) ذوقیؔ ویلوری

خانوادۂ اقطابِ ویلور کے تیسرے بزرگ سید شاہ عبداللطیف ثانی جو محی الدین ذوقی سے مشہور ہیں حضرت قربی قدس سرہٗ کے صاحبزادے ہیں۔ ۱۱۵۱ھ کو بمقام ویلور پیدا ہوئے۔ تاریخ ولادت ''رخشاں'' ہے قدمیانہ۔ رنگ گندم گوں۔ پیشانی کشادہ ۔ مردجودوسخا۔ پیکر شرم وحیا اور صاحب فنا و بقا تھے۔ ایام طفلی ہی سے جبکہ آپ کی عمر نو سال کی تھی شعر کہنا شروع کر دیا۔ چنانچہ ایک مرتبہ آپ نے یہ مصرع ''درکعبۂ دل صاحبِ مقبول درآمد'' موزوں کیا اور اپنے والدِ بزرگوار کو سنایا۔ حضرت ذوقی نے اس پر گرہ لگا کر شعر مکمل کر دیا۔

درکعبۂ دل صاحبِ مقبول درآمد صدشکر کہ آں دولتِ ماحول درآمد

اسی دن سے شعر گوئی کا چسکہ پڑ گیا۔ نو دس سال کی عمر میں مختلف دواوین کے سینکڑوں اشعار ازبر تھے۔ خود فرماتے ہیں کہ آدمی اگر ایک طرف ہو جاتے اور میں اکیلا تو یہ دس کے دس بیت بازی میں شکست کھا جاتے تھے۔ گیارہ سال کی عمر میں آپ اپنے والدِ ماجد کے ہمراہ شیخ ناصر رحمۃ اللہ علیہ کے مستقر پر گئے اور شیخ محترم سے یہ عرض کی کہ آپ میرے لئے زیادتی علم کی دعا فرمائیں۔ شیخ محترم نے جب آپ کے طرزِ تکلم کو دیکھا تو فرمایا کہ تم علم وفضل میں اپنے ہم عصروں سے آگے بڑھ جاؤ گے۔ تاریخ شاہد ہے کہ حضرت ذوقی میکدۂ جنوب کے رندوں میں ایک انفرادی وامتیازی حیثیت رکھتے تھے۔ بارہ سال کی عمر میں آپ کے والد ماجد نے سلسلۂ رفاعیہ میں بیعت سے مشرف ہونے کے لئے حضرت شاہ گجراتی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں روانہ کیا۔ جب آپ پندرہ سال کے ہو لئے تو کشتی وتیراندازی کے فنون کی طرف متوجہ ہوئے۔ سولہ سال کی عمر میں عربی پڑھنے کی غرض سے حافظ غلام حسین کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ مگر یہ دلچسپی آخر تک باقی نہ رہ سکی۔ نصاب کی رو سے عربی تعلیم ادھوری رہ گئی۔ مگر قابلیت کے لحاظ سے بحرِ بے پایاں تھے۔ چنانچہ وہ خود فرماتے ہیں عربی تعلیم سے کنارہ کش ہونے کے بعد اپنے والد ماجد کے پاس شرفنامہ، سکندر نامہ، خسرو شیریں، مخزن الاسرار، قرآن العدین، تحفۃ المعراقین اور قصائد خاقانی وغیرہ فارسی کتابیں ترتیب وار پڑھیں، چنانچہ صاحب تذکرہ صبح وطن لکھتے ہیں کہ ''کتب فارسی ونسخ مختصر عربی از والدِ خود خوانده بعد ازاں از عظیم الدین داماد محمد جعفر طالب علم تلمذ نموده تمامی نسخ نحو وصرف ودیگر رسائل علم معقول سند ساخت،'' خود حضرت ذوقی نے لکھا ہے کہ ''ہم ایں قدر علم فقیر را اعانت نموده بجائے رسانید کہ از گفتن و نوشتن بیرون است وایں تحصیل در عمر بیست و دو سالگی بود۔ ہمدراں ایام فقیر چہار کتب خمسہ تصنیف کرده فی الجملہ فقیر را قوت استنباط من عند اللہ است نہ از مواد ظاہر الحمد للہ علیٰ ما انعم من البیان مالم نعلم (انشائے لطف الٰہی)

حضرت ذوقی اس دور کی یادگار ہیں جبکہ شعرائے دکن مثنوی آگاہی میں اپنے ہم عصروں سے آگے بڑھے اور مثنوی کا رواج حسن شاہ والی، بنگالہ (جن کا دور حکمرانی ۸۹۹ھ سے ۹۲۵ھ تک ہے) سے پہلے ہو چکا تھا۔ دکن میں بعض ایسی مثنویاں بھی ہیں جن کی تاریخ مرگ آوتی سے پہلے کی ہے۔ مگر مشکل یہ کہ ان مثنویوں کا آج تک سنِ تصنیف متعین نہیں ہو سکا، ہاں اتنا تو ضرور ہے کہ

دکھنی میں مثنوی نگاروں کا یہ قافلہ ولی گجراتی کی صدائے رحیل کا مرہوں منت ہے کیونکہ دکن میں ولی کے بعد عام بیداری پیدا ہوگئی اور زبان بھی بہت حد تک صاف اور شستہ ہوگئی تھی، حضرت ذوقی کا دور مثنوی کی تاریخ میں زبردست اہمیت کا مالک ہے۔ گھر گھر مثنوی کے چرچے تھے اور نشاطی، ذوقی، فراقی، شوقی، خوشنود، غواصی، ہاشمی، شغلی، بحری، نصرتی اور مہتاب وغیرہ شعرا و ادبا سلاطین دکن کی علم وادب پروری سے مثنوی کو اعلیٰ مقام پر پہنچائے ہوئے تھے اور دیگر اصناف سخن مثلاً قصائد، غزلیات، مثنویات، رباعیات اور مقطعات میں دیوان کے دیوان تصنیف کئے ہوئے تھے۔ ہاں اس سلسلہ میں یہ بات یاد رہے کہ شمال میں مثنوی نگاری اس وقت عام نہیں ہوئی تھی۔ بقول مولانا باقر آگاہ مدراسی'' اواخر عہد محمد شاہی سے اس عصر تلک اس فن میں اکثر مشاہیر شعرا عرصہ میں آئے ہور اقسام منظومات کو جلوہ میں لائے۔ مثل درد، مظہر، فغاں، دردمند، یقین، سوزاں، ابر، آرزو، سودا، تاباں وغیرہم۔ لیکن ان سبھوں نے کوئی بھی مثنوی مستعد نہیں کیا۔ فقط غزلیات وقصائد ومقطعات پر اکتفا کیا۔ بارے اس عصر میں حسن[1] دہلوی ایک مختصر لکھا۔ دریافت اس کی ممیز مصنف پر موقوف رکھنا اولیٰ ہے۔ برخلاف شعرائے دکن کے اکثر مثنویات کہے ہیں۔ بالاتفاق غزل بولنا آسان اور مثنوی کا کہنا دشوار وگراں ہے۔ اس لئے ملک شعراء دکن بطور تعریض کہتا ہے۔

دس پانچ بیتاں کہہ لے شوقی اگر تو کیا ہوا معلوم ہوتا شعرا گر کہتے اس بستار کا

مختصر یہ کہ حضرت ذوقی اس دور کے کامیاب مثنوی نگار شاعر ہیں۔ گویا حضرت ذوقی ایک دکنی وفارسی گو شاعر کی حیثیت سے خطۂ جنوب پر ابھرتے ہیں۔ آپ نہ صرف شاعر تھے بلکہ ایک زبردست انشاپرداز ادیب، بے لاگ وبے باک نقاد تھے۔ جو لوگ آپ کی تصنیفات بالخصوص آپ کا فارسی واردو کلام مطالعہ کر چکے ہیں انہیں آپ کے سمجھنے میں کوئی دقت محسوس ہوگی اور نہ یہ بات مبالغہ معلوم ہوگی۔ اگر اس سے بھی آگے بڑھ کر یہ کہہ دیا جائے کہ آپ جنوب کے عرفی ہیں تو بے جا نہ ہوگا۔ کیونکہ قصائد ذوقی جو قصائد عرفی کے جواب میں لکھے گئے ہمارے اس قول کے آئینہ دار ومظہر ہیں۔ علاوہ ازیں آپ نے انوری، نظامی گنجوی، جامی اور عنصری کے بعض قصائد کا جواب بھی لکھا ہے۔ لیکن اتنی بات ضرور ہے کہ آپ نظامیات وجامیات سے بہت متاثر معلوم ہوتے ہیں۔ کلام میں جابجا انہیں بزرگوں کا رنگ جھلکتا اور کارفرما نظر آتا ہے۔ چنانچہ حضرت ذوقی نے خود انشائے لطف اللہی میں حضرت نظامی جامی اور دیگر شعرائے متقدمین کی تتبع کی بابت لکھا ہے۔ فقیر کی نظم ونثر شعرائے متقدمین سے کسی ایک نظم ونثر کے ساتھ کوئی مشابہت نہیں رکھتی ہے۔ بلکہ فقیر کے بعض ابیات نظامی گنجوی، امیر خسرو دہلوی اور مولانا عبدالرحمٰن جامی کے مشابہ ہیں۔ یہی حال فقیر کی نثر کا ہے۔ نثر کا بعض حصہ خواجہ بجھاں اور امیر دہلوی کی نثر سے مشابہت رکھتا ہے اور فقیر کی نظم ونثر کا اکثر حصہ کسی کی نظم ونثر سے کوئی مشابہت نہیں رکھتا بلکہ وہ اپنا خاص طریقہ ہے۔

جو شخص ہماری نظم ونثر کو گہری نظر سے دیکھے، ضرور وہ اسی کیفیت کو پائے گا، فقیر جب شعر کہنے یا نثر لکھنے کی طرف مشغول ہوتا

---

[1] میر حسن دہلوی کی مثنوی ''سحر البیان'' جو بعد میں لکھی جانیوالی مثنویوں میں ایک امتیازی شان رکھتی ہے اسکی زبان شستہ طرز بیان سادہ اور تشبیہات سے مزین ہے۔''

تو ذہن میں کوئی خا کہ نہیں ہوتا گویا ایک دریا ہے جو تموج میں آ گیا ہے اور جب اس لکھنے سے فارغ ہوتا تو اپنے ہی کہے اور لکھے ہوے پر حیرت ہوتی۔'' یہی وجہ ہے کہ حضرت قربی ویلوری جیسے فاضل اجل آپ کی نثر پر سر دھنتے اور حیرت کا اظہار کرتے تھے اور اکثر فرمایا کرتے تھے۔'' ذوقی را در گفتن مثنوی وقصیدہ و رباعی وقطعہ مہارت تمام است اما در غزل چنداں مہارت نیست (انشائے لطف اللہی) حضرت ذوقی نے بہت ساری جگہ اس تنقید کو حق ثابت کیا اور لکھا ہے کہ'' وحق چنین است کہ فقیر در گفتن غزل سعی نکردے گاہ ایک دو غزل می گوید'' (انشائے لطف اللہی) ہماری اس تمام بحث کا خلاصہ صاحب مطلع النور کے مختصر الفاظ میں درج ذیل ہے ملاحظہ فرمایئے۔

اور فکر سخن میں اے دم ساز وقت میں اپنے سب سے تھا ممتاز
با کہ اس فن میں وہ گرامی تھا ثانیِ جامی و نظامی تھا
مثنوی ایسی لکھا وہ ہمام سمجھئے گویا ہے گنجوی کا کلام
کی تتبع کبھی نظامی کی اور کیا ہے کبھی جامی کی

ثبوت میں یہ دو شعر پیش کرتے ہیں

معجزۂ مصطفےٰ لکھا ہے جو بس تتبع ہے گنجوی کی او
قصہ شیریں کا جو لکھا ہے وہی پیروی ہے کلام جامی کی

میر مرتضیٰ جو اس علاقہ کے مشہور شاعر ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ موصوف سے اکثر شعراء نے خوشہ چینی کی ہے حضرت ذوقی کے پاس اکثر جایا آیا کرتے اور کلام وغیرہ سن کر بہت محظوط ہوتے۔ ایک مرتبہ آپ نے ان ہی کے متعلق ایک رباعی کہی سُن کر مبہوت ہو گئے اور فرمانے لگے، ایشاں سخن بجائے خواہند رسانید کہ ہیچ کس مقابل آں سخن، سخن نتواند گفت'' (انشائے لطف اللہی)

ایک اور واقعہ محولۂ بالا قلمی مخطوطے میں مذکور ہے کہ عبدالکریم نامی اصفہان سے غالباً سیر و سیاحت کی غرض سے ہندوستان آئے ہوئے تھے، انہیں مدراس آنے کا بھی اتفاق ہوا۔ موصوف نے ادب جنوب کا گہری نظر سے مطالعہ فرمایا اور اکثر شعراؑ کا کلام سُنا بجز آپ کے تمام کے کلام میں غیر مطبوع خیالات کی بھی مار پایا۔

حضرت ذوقی نے خود ایک جگہ انشاء لطف اللہی میں شعرائے کرناٹک پر تنقیدی نوٹ لکھا ہے کہ جو'' شعر گوئی کو اپنا پیشہ خیال کئے ہوے ہیں فقیر کو ان کے کلام سے حد درجہ نفرت ہے۔ کیونکہ انہوں نے خیال کے موڑ یا طرز پر شعر کہا ہے۔ فصاحت و بلاغت وہ ہے جس سے عبارت مقید مراد ہو اور یہ وصف ان کے کلام میں ناپید ہے۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ جس کلام میں عبارت مقید مراد نہیں ہوتی وہ کلام غیر بلیغ ہوتا ہے اور غیر بلیغ مردود ہے۔''

حضرت ذوقی کی بہت ساری تصانیف میں صنائع و بدائع کے عجیب نمونے کچھ اپنے اور کچھ غیروں کے ایجاد کردہ پائے

جاتے ہیں۔ اصطلاحات شعر کے عنوان سے آپ کی ایک عجیب تصنیف ہے جو دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے۔ فن عروض اور علم معانی و بیان پر بھی آپ نے کئی کتابیں تصنیف فرمائی ہیں۔

حضرت ذوقی کی طبیعت کا میلان ہی کچھ اس ڈھب کا تھا کہ ایک نشست میں ہزار شعر موزوں کیا کرتے تھے خود آگاہ فرماتے ہیں ''ایک روز ذوقی نے سات سو شعر موزوں کئے اور کہا کہ انہوں نے ایک ہی نشست میں ایک ہزار شعر سے زیادہ لکھے ہیں۔''

انشائے لطف اللہی کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ درمیان میں شعر گوئی سے نفرت پیدا ہوگئی تھی مگر آپ نے دوستوں کے اصرار پر شعر کہنا شروع کر دیا تھا۔ اگر ہم اس مختصر سے تعارف میں ذوقی جیسے غزل گو شاعر کے شعری و نثری کارنامے ضبطِ تحریر میں لاتے رہیں تو یہ صفحات ناکافی ہوں گے ان کے لئے ایک مستقل تذکرہ کی ضرورت ہے۔ الحمدللہ ہم اس موضوع پر لکھ رہے ہیں۔ اُمید ہے کہ یہ تذکرہ بہت جلد منظرِ عام پر آئیگا۔ لہٰذا ہم بہت ساری باتیں جو قابل درج تھیں اس امید پر نظر انداز کئے دیتے ہیں اور یہاں تصانیف کی مختصر سی فہرست درج کر دیتے ہیں :

(۱)	ہدیۃ الاخیار	(در تتبع مخزن اسرار)	تعداد اشعار	تین ہزار
(۲)	عشق نامہ	(قصہ چندر بدن مہیار)	"	دو ہزار
(۳)	چمنِ محبت		"	تین ہزار
(۴)	چہار فصل	(قصۂ کیوان شاہ بر نہج ہفت پیکر)	"	تین ہزار
(۵)	معجز مصطفٰے	(نام سے ظاہر ہے)	"	سات ہزار دوسو
(۶)	نظمِ معارج النبوۃ	"	"	چھ ہزار
(۷)	نظم تذکرۃ الاولیا	"	"	چار ہزار
(۸)	تعداد الشہور	"	"	تین ہزار
(۹)	تذکرۂ اولیائے سلاسل	"	"	دو ہزار
(۱۰)	دُرِ ثمین	"	"	دو ہزار ایکسو
(۱۱)	قصائد ذوقی (بجواب قصائد عرفی)	"	"	پانچ ہزار
(۱۲)	مجموعہ قصائد	"	"	دو ہزار
(۱۳)	دیوان قدیم	"	"	سات ہزار
(۱۴)	مجموعہ رباعیات	"	"	دو ہزار
(۱۵)	احسن الاسلوب	"	"	تین ہزار

(۱۶)	نجیب نامہ	(نام سے ظاہر ہے)	تعداد اشعار	ایک ہزار پانچ سو
(۱۷)	جواہر منظوم	(انشائے عقد جواہر)	"	معلوم نہ ہوسکی
(۱۸)	انشاء باقری	(فنِ انشا)	"	چار ہزار
(۱۹)	انشاء قادری	"	"	ایک ہزار
(۲۰)	انشاء باقری	"	"	چار ہزار
(۲۱)	انشاء عقائد ذوقی	"	"	
(۲۲)	انشاء لطف اللہی	"	"	چار ہزار
(۲۳)	روضۃ الخلد	"	"	دو ہزار
(۲۴)	شرح عبداللہ یزدی	فنِ عروض	"	دو ہزار
(۲۵)	تادیب الخلان		"	ایک ہزار
(۲۶)	زین اللغت	انتخاب فرہنگ جہانگیری	"	تین ہزار
(۲۷)	طالع		"	ستر
(۲۸)	جواہرستان	در وصف تیغ نگارستان	"	چار ہزار
(۲۹)	غوث نامہ	در منقبت غوث الاعظمؒ	"	چار سو آٹھ
(۳۰)	تصفیۃ الذہان	رد روافض	"	۳۰
(۳۱)	نواقص الروافض	تردید شیعہ (عربی)	"	
(۳۲)	المختصر التحریر	(فن عروض)	"	۳۲
(۳۳)	لطائف لطیفی	(تصوف)	"	رسائل کا مجموعہ

(۳۴) اصطلاحات الشعراء (۳۵) رکن رکین (ترجمۂ حصن حصین)

(۳۶) چہل حدیث در مناقب خلفائے اربعہ (۳۷) رسالہ حصول علم عروض

(۳۸) فنِ عروض (۳۹) تحریر عقائد

(۴۰) دلائل امامتِ علیؓ (۴۱) خطباتِ ذوقی (عربی)

(۴۲) المختصر الناظر (۴۳) عجالۂ نافعہ (عملیات)

(۴۴) غرائب اللغات (الفاظ لغت اور تفسیر لغت دونوں غیر منقوط) (۴۵) سلالۃ العقائد رد روافض

(۴۶) جامع عجائب الفاظ لغت اور تفسیر لغت باہم اگر وصل ہوجائے تو کوئی حرف جدا معلوم نہیں ہوتا۔

(۴۷) تصحیح الصلوۃ (فقہ) (۴۸) باب النجات (فقہ)

(۴۹) اکبر (منطق) (۵۰) اصغر (منطق)

(۵۱) اوسط وغیرہ تصانیف یادگار روزگار چھوڑے ہیں:

حضرت ذوقی کے تصانیف فارسی میں ہیں، حضرت ذوقی بھی اپنے آبا واجداد کی قدیم روش پر قائم اور مہمان نوازی وغربا پروری میں ممتاز تھے۔ آپ کے جود وسخا کا یہ عالم تھا کہ آپ کے لنگر میں روزانہ ایک سوبیس سیر چاول تقسیم ہوا کرتا تھا۔ استغنا بھی حد درجہ تھا۔ درِاقدس پر امراء شرفا حاضر ہوتے اور کسی کے ہاں نہ جاتے صاحبِ مطلع النور نے آپ کے استغنا کے متعلق ایک روایت نقل کی ہے کہ ایکروز نواب والا جاہ خدمتِ ذوقی میں جاگیر کا پروانہ لئے حاضر ہوے۔ آپ نے پروانہ کو ہاتھ میں لیا اور شمع پر نثار کر دیا۔

اور نواب جو تھا ولاجاہ صاحبِ تخت و ملک و فوج و سپاہ
لاکیا نذر اس کے اے دانا ایک جا گیر کا ہے پروانا
اس کو وہ شمع پر جلایا ہے اور سخن زبان پہ یہ لایا ہے
ہووے پروانہ شمع پر سوزاں ہوا نواب دیکھ یہ حیراں
گرچہ تھا بے معاش ایسا ہاں پر توکل میں تھا جلیل الشاں

حضرت ذوقی نہ صرف جنوب کے ایک بہترین مصنف تھے بلکہ صاحبِ تعریف بزرگ بھی تھے۔ اس قسم کے بہت سارے واقعات کتب تراجمۂ احوال میں مذکور ہیں ہم یہاں وہ دلچسپ واقعات نقل کرتے ہیں۔

اور نواب بندرِ مدراس بھیجا ہے یک عریضہ شیخ کے پاس
میں رکھتا ہوں اے نکو محضر قصدِ تسخیر ملک تنجاور
اگر امید فتح و نصرت ہو آپ کی گر مجھے اجازت ہو،
تو سفر کر یہاں سے جاؤنگا ورنہ میں اس سے باز آؤں گا
شیخ نے تب اسے جواب لکھا کہ تو جا فتح دیوے گا مولا
متفکر ہو تب کئی احباب شیخ سے یوں کئے ہیں عرض جناب
حاکم فوج ملک تنجاور جنگ میں سخت تر ہے اے رہبر
نہیں معلوم ہووے کیا حال کیا ارشاد تب وہ با اجلال
جانیو تم بشہر تنجاور قبر ہے یک بزرگ کی اشہر
خواب میں وہ بزرگ نے آ مجھ کو اس طرح سے ہے فرمایا

کہ یہ قلعہ کی کیلیاں تاحال | تھے بلاشبہ میرے پاس بحال
حکم مجھ کو ہوا ہے اب بے قیل | کہ کروں ان کو آپ کے تحویل
کیلیاں پس وہ دے کے میرے ہاتھ | وہ روانہ ہوے خوشی کے ساتھ
اس نے نواب کو اسی خاطر | فتح کی دی بشارت فاخر

بحوالہ مطلع الانوار

محولۂ بالا مثنوی میں ایک اور واقعہ آپ کے وصال سے متعلق مذکور ہے۔

ہے روایت کہ اپنے پیش وصال | دفعتہً یک دن وہ صاحب حال
حاضروں سے کہا ہے اے لوگو | بات یک بولتا ہوں یاد رکھو
قطب اس ملک کا بحکم خدا | تیرھویں دن اٹھے گا از دنیا
تین دن اس کے بعد غیر قصور | چلی گولی بقلعۂ ویلور
تیرھویں کو رجب کے وہ اکرم | کیا رحلت یقیں ازیں عالم
بعد سہ دن بہادر آیا ہے | گولی قلعہ اُپر چلایا ہے
سمجھا لوگوں نے تب بغیر گماں | کہ بلاشک وہی تھا قطب دوراں

۱۳؍رجب ۱۱۹۴ھ کو حضرت ذوقی کا وصال ہوا۔ حضرت ذوقی کو اپنے خاندانی گنبد میں سپرد خاک کر دیا گیا مولوی امین بیجاپوری نے آپ کی تاریخ رحلت کہی ہے۔ جو مزار پرُ انوار کے باہر جانب دیوارِ گنبد پر کندہ ہے وھوھذا ۔

سرافراز محی الدین ذوقی | کہ فیض اوست بر ابدال و اوتاد
چوں واصل شد بحق سال وصالش | امیں گفتا غاب قطب الامجاد ۱۱۹۴ھ

حضرت سید شاہ ابوالحسن قادری محوؔی ویلوری قدس سرہٗ

خانوادۂ اقطاب ویلور کے چوتھے بزرگ سید شاہ ابوالحسن قادری ویلوری قدس سرہٗ جو حضرت محوی اور ابوالحسن ثانی سے مشہور ہیں حضرت ذوقی قدس سرہٗ کے صاحبزادے ہیں۔ ۲۷ شعبان ۱۱۸۶ھ کو ویلور میں پیدا ہوے۔ گویا آپ کی ولادت سعادت حضرت ذوقی قدس سرہٗ کے وصال سے آٹھ سال پہلے ہوئی۔ بلند قامت، سبز رنگ، سینہ عریض، پیشانی کشادہ۔ دوہرے بدن پر وقار مگر ہنستے کم

اور مسکراتے زیادہ تھے۔ ابتدائی کتابیں اپنے والد ماجد ہی کے پاس پڑھیں۔ بعد میں مختلف اساتذہ سے استفادہ علم فرمایا۔ آپ کو عقائد فقہ، تفسیر، حدیث، بالخصوص سیرت، طبابت، حقائق اور سلوک میں حضرت ذوقی قدس سرہٗ کی طرح تبحر و کمال حاصل تھا۔ حضرت محوی قدس سرہٗ شعر کہتے تھے اور خوب کہتے تھے۔ آپ کا کلام نہایت ہی تحقیق و تفتیش کے باوجود بجز چند متصوفانہ غزلوں کے اور دستیاب نہ ہوسکا جس کا ہمیں افسوس ہے، کتب تراجمۂ احوال میں لکھا ہے کہ در مضمون آفرینی و تراکیب نگاری و محاورہ بندی ید طولیٰ می داشت و صاحب تصانیف بودہ' راقم کو آپ کی فارسی نثر پڑھنے کا بھی اتفاق ہوا۔ دوران مطالعہ میں اکثر عبارتوں پر حیرت ہوی اور مجھے یہ فیصلہ کرنا پڑا کہ حضرت محوی قدس سرہٗ فارسی نثر کے بادشاہ ہیں۔ بعض جگہ تو چہار مقالہ کی نثر کا گمان ہونے لگا ادق سے ادق مسئلہ کو نہایت ہی عمدہ پیرایہ اور سلجھی ہوی غیر مغلق عبارت میں اس طرح بیان کر جاتے ہیں کہ مسئلہ کا پلاٹ تھوڑے سے غور و فکر کے بعد قاری کے ذہن نشین ہوجاتا ہے۔ یہی حال آپ کی دکنی نثر کا ہے۔ آپ نے متصوفانہ مضامین کی ادائیگی کے لئے نظم سے زیادہ نثر کو ترجیح دی ہے۔ یہ سچ ہے کہ نظم میں جس قدر متصوفانہ مضامین رمز و کنایہ کے لباس میں باعث زیب و زینت بنتے ہیں نثر میں نہیں۔ مگر حضرت محوؔی نے ان مضامین کو نثر میں خاص طور پر بڑی عمدگی سے بیان کیا ہے۔ انشاء اللہ ہم تصانیف حضرت محوی پر اگلے صفحات میں کچھ نوٹ قلم بند کریں گے۔

حضرت قطب ویلور جو آپ کے صاحبزادے اور کئی مایۂ ناز کتابوں کے مصنف ہیں اپنی ایک تصنیف جواہر السلوک کے ضمیمہ میں حضرت محوی کے اخلاق وغیرہ کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ "۱۲۰۶ھ میں آپ کو جذبہ پہنچا اور آپ سے عجیب و غریب حالتیں ظہور پذیر ہونے لگیں۔ امرا کے ہاں طلبی کے باوجود نہ جاتے مرجع عام و خاص اور وقت کے حاکم تھے۔ چنانچہ آپ نے اللہ کی راہ میں ایک لاکھ نقد اور سات سو گھوڑے (فی گھوڑے کی قیمت پچاس سے کم اور ہزار سے زائد نہ ہوگی) غربا و فقرا کے درمیان تقسیم فرمادئے اور ۱۲۳۵ھ میں ایک عالی شان مسجد (جو دار العلوم لطیفیہ ویلور کے بائیں جانب اور گنبدِ اقطاب زماں کے عین مقابل واقع ہے) صرف کثیر سے تعمیر فرمائی۔ عمر کے آخری ایام میں جماعتِ سلامتیہ کے ساتھ مجذوب ارشامل ہوگئے۔

آگے چل کر آپ کے زہد و تقویٰ وغیرہ کے متعلق تحریر فرماتے ہیں کہ آپ معنئ اخلاص کی رعایت اور قاعدۂ صدق کی محافظت میں حد درجہ محتاط واقع ہوے تھے۔ اکثر عبادت اور خیرات عوام کی نظروں سے پوشیدہ طور پر کیا کرتے تھے۔ آپ کے معمولات و عادات میں یہ بات زیادہ نمایاں نظر آتی ہے کہ مسلسل کئی سال تک تہجد کے بعد تفسیر جلالین اور تفسیر رحمانی کا بالالتزام مطالعہ فرماتے رہے، اور کسی روز بھی اپنے معمول میں فرق آنے نہیں دیا۔" طب وغیرہ میں آپ کو اس قدر درک حاصل رہا کہ مرض اور دوا کی تشخیص مریض کو دیکھتے ہی فرمادیتے۔

حضرت محوؔی کی تصانیف کا آج تک ٹھیک پتہ نہ چل سکا۔ جو کتابیں راقم کے زیر مطالعہ رہیں، ان کی سردست فہرست تصانیف کے ساتھ مختصر اور اہم نوٹ سپرد قلم کئے دیتا ہوں۔

(۱) رسالہ تفصیل المراتب فی اطوار المراتب۔ یہ ایک غیر معمولی رسالہ ہے، مراقب کی مختصری جامع تشریح کرنے کے بعد

مصنف قدس سرہٗ نے اطوارِ مراقب کا تعارف مختصر الفاظ میں کرایا ہے۔ گویا یہ عبارت اس قدر مختصر ہے کہ اگر اس کی شرح لکھی جائے تو ایک ضخیم کتاب ہو جائے۔ چنانچہ پہلا طور اسم اللہ (باطن) دوسرا اسم اللہ (ظاہر) پھر اس کے چار مراتب گنائے ہیں۔ پہلا فنائی الفعل (توحید افعالی) دوسرا فنائی الصفت (توحید صفاتی) تیسرا فنائی الذات (توحید ذاتی) چوتھا فنائے مطلق (توحید مطلق) تیسرا طور یہ کہ اللہ تعالیٰ اس مراقب کو جس چیز کی اطلاع کرتا ہے اس کا وہ مراقب رہتا ہے۔ چوتھا طور مراقب بیعت بلاحصول واتحاد، پانچواں طور مراقبہ اسم اعظم (صفت عظمت الٰہیہ چھٹا طور مراقبۂ عجز انسانی، ساتواں طور حیثیت اسم ظاہر باری۔

شروع سے آخر تک رسالہ کے سنِ تصنیف کا کہیں ذکر ہی نہیں ہے تخمینی طور پر اس کا سن تصنیف ۱۲۴۰ھ قرار دیا جا سکتا ہے لیکن اس مخطوطے کے ساتھ جو مخطوطات منسلک ہیں اکثر کا سن تصنیف یہی ہے۔ صرف دن اور ماہ کا فرق ہے۔

رسالہ ذکر وذاکر حمد ونعت کے بعد مصنف قدس سرہٗ نے مقدمہ میں ذکر اور مراتب ذکر کی تشریح فرمائی ہے اور بتایا ہے کہ صوفیاء کرام کے نزدیک ذکر کے چھ مراتب ہیں، (۱) ذکر لسانی (۲) ذکر قلبی (۳) ذکر روح جس کا دوسرا نام ذکر جانی ہے اور ان اذکار کو ذکر العبد للہ سے تعبیر کیا ہے۔ (۴) ذکر السّر (مقام فنا) (۵) ذکر جملہ۔ ان اذکار کو ذکر اللہ سے یاد فرمایا ہے۔ گویا ان مراتب میں ذاکر اور مذکور ایک ہوتے ہیں۔ (۶) ذکر بقا اور اس کو ذکر اللہ للعبد سے معبّر فرمایا ہے۔ اذکار ولوازمات وشرائط اذکار کا ذکر۔

زیر نظر رسالہ کا سنِ تصنیف ۱۲۴۰ھ بتایا گیا ہے۔ گویا یہ رسالہ آپ کے وصال سے تین سال پہلے کا ہے۔

رسالہ ذکر وجود ومراتب وجود اس مختصر سے رسالۂ ہندی میں مصنف قدس سرہٗ نے صوفیا کے معرکۃ الآراء مسئلہ اندراج یعنی کل شیٔ فی کل شیٔ پر سیر حاصل بحث کی ہے۔ ساتھ ہی مراتب وجود پر مختصر علمی وعرفانی نوٹ قلمبند فرمایا ہے۔ اس کا سال تصنیف ۲ شوال ۱۲۴۲ھ بتایا گیا ہے۔

۴۔ رسالۂ عالم ارواح : فاضل مصنف قدس سرہٗ نے رسالہ مذکور میں عالم ارواح کی تفصیل بیان کی ہے۔ اس کا سال تصنیف ۲۴ شوال ۱۲۴۲ھ بتایا گیا ہے۔

۵۔ رسالۂ اسمائے ربوبی الٰہی : رسالۂ مذکور میں مصنف قدس سرہٗ نے اسمائے صفاتی میں سے ہر ایک کی مختصر تشریح دلچسپ ومتصوفانہ رنگ میں کی ہے، جو دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے۔ اس کا سال نقل ۲۴ شوال ۱۲۴۳ھ بتایا گیا ہے۔

۶۔ رسالۂ عالم مثال : رسالہ کی ابتدا میں عالم ناسوت، ملکوت، جبروت، لاہوت، اور باہوت وغیرہ مقامات کا تعین کرنے کے بعد یہ بتایا گیا ہے کہ ان مقامات کا حصول کن کے لئے ممکن ہے اور سالک کو کیا کچھ کرنا چاہئے۔ اس کے بعد سلسلۂ کلام آگے بڑھتا اور مصنف قدس سرہٗ کا قلم اعجاز رقم عالم مثال کے نئے نئے جزیرے دریافت کرتا اور عجیب تحقیقات وانکشافات پیش کرتے ہوئے قاری کے ذہن پر اچھے اثرات چھوڑتا اور اسے عالم مثال کے سفر پر تیار کرا دیتا ہے کہنے اور دیکھنے کو رسالۂ مذکور مختصر مگر عرفانی وعلمی حیثیت سے حد درجہ وقیع اور اہم ہے۔

۷۔ رسالہ دراحکام بیعت حاضر وغائب : یہ رسالہ سوال وجواب کی صورت میں لکھا ہوا ہے۔

رسائلِ مذکور بالا کے علاوہ حضرت محویؔ قدس سرہٗ کے اور بھی رسائل ہیں، حضرت کے نظر سے نہیں گذرے۔ لہٰذا سردست انہیں رسائل پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

مشہور ہے کہ حضرت محویؔ قدس سرہٗ اپنی مدت عمر میں ایکہزار گیارہ مرتبہ وجد و جذبہ میں آئے تھے۔ کبھی کبھی محویت و استغراق کا یہ عالم ہوتا کہ آپ دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو جاتے۔ کتب تراجمہٗ احوال میں اس قسم کے واقعات بہت زیادہ تعداد میں پائے جاتے ہیں، چنانچہ ایک روز حضرت محوی حالتِ جذب سے سرشار و ہم کنار تھے۔ ایک مرید صادق الاعتقاد حاضر خدمت ہوئے اور عرض کیا کہ پیر و مرشد قبلہ لوگ آنحضرت قبلہ کے مسجد نہ آنے پر معترض اور عجیب عجیب خیالات کا شکار ہو گئے ہیں۔ مرید کہے جا رہے تھے اور پیر و مرشد خاموش بیٹھے سن رہے تھے اور کوئی جواب نہیں دے رہے تھے۔ تھوڑی دیر سر بجیب تفکر رہے، سرِ مبارک اٹھایا اور فرمایا کہ آنکھ بند کرو، مرید نے آنکھ بند کر لی پھر فرمایا اب آنکھ کھولو۔ جب مرید نے آنکھ کھولی تو دیکھا کہ دونوں صحن حرم میں بیٹھے ہیں اور موذن اذاں دے رہا ہے۔ بیچارے مرید یہ منظر دیکھ کر دل ہی دل میں شرمندہ ہو رہے تھے۔ دونوں نماز باجماعت میں شریک ہو گئے، نماز سے فارغ ہونے کے بعد پیر و مرشد نے مرید کو تاکید کی اور کہا کہ دیکھو میں پانچ وقت کی نماز حرم میں پڑھا کرتا ہوں اور یہ بھی یاد رکھو کہ اس واقعہ کا ذکر میرے حین حیات کسی سے نہ کرنا۔

آپ کا ایک اور واقعہ مشہور ہے کہتے ہیں کہ ایک روز آپ اتفاق سے مسجد چلے گئے، مصلیوں کو یہ جرأت نہیں ہوتی تھی کہ آپ کو نماز پڑھانے کے لئے کہیں، عشاء کی اذاں ہوئے بہت دیر ہو گئی تھی۔ آخر ہمت کر کے کسی نے آپ سے نماز پڑھانے کی درخواست کی۔ اتنے میں دوسرے بھی آپ سے درخواست کرنے لگے۔ پہلے تو آپ نے انکار کر دیا۔ مگر جب عوام کا اصرار حد سے گزر گیا تو آپ کو رضامند ہونا ہی پڑا، جب آپ آیت ایاک نعبد وایاک نستعین پر پہنچے تو آپ پر محویت طاری ہو گئی اور آپ برابر اسی ایک آیت کی تکرار بار بار کئے جا رہے تھے، کسی کو بعد والی آیت یاد دلانے کی جرأت نہ ہوتی تھی، تھوڑی دیر مقتدیوں پر گہرا سکوت طاری رہا۔ ہمت کر کے آخر کسی نے مہر سکوت توڑ ہی دی۔ اس طرح ایک سے دو، دو سے تین، غرض یہ کہ سارے مقتدی بعد والی آیت یاد دلانے کی سعی بے سود کرتے رہے، ساری کوششیں بیکار گئیں۔ جب یہ پوری طرح تھک ہار گئے بلکہ دم ہو گئے تو آپ کی اقتداء سے الگ ہوتے اور ہر ایک نے انفرادی طور پر نماز پڑھ لی۔ تھوڑی ہی دیر میں مسجد خالی ہو گئی۔ آپ صبح تک اسی ایک آیت کی تکرار فرما رہے تھے۔ ادھر موذن الصلوٰۃ خیر من النوم کے الفاظ دہرا رہا تھا اور ادھر آپ کو ہوش آ رہا تھا۔ لوگوں کو جب اسکی اطلاع ملی تو آپ کے متعلق آپس میں چہ میگوئیاں ترک کر دیں۔

جب اس کا تذکرہ چھڑ ہی گیا ہے تو لگے ہاتھوں ایک اور واقعہ جو تاریخی حیثیت سے اہم ہے سنئے مشہور ہے کہ حضرت ٹیپو سلطان شہید رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت محوی کی خدمت فیض رجت میں چودہ ہزار روپیوں کا گراں قدر نذرانہ روانہ کر کے دار السلطنت طلب فرمایا تھا۔ مگر حضرت قدس سرہٗ نے شاہی نذرانے کو شکریہ کے ساتھ واپس کر دیا اور یہ کہلوا بھیجا کہ سلطنت خداداد کو چھ ماہ کے اندر زوال آنے والا ہے اگر یہ فقیر وہاں آیا تو لوگ یہ خیال کریں گے کہ اس کے دم قدم کی برکت تھی جس سے سلطنت خداداد زوال سے ہم

کنار ہوگئی، میں نہیں چاہتا کہ لوگ میرے متعلق اس قسم کا خیال کریں ظاہر ہے کہ اس قسم کا خیال کرنا شرک کا پیش خیمہ ہوتا ہے۔

صاحب مطلع النور نے ایک خواب کا ذکر فرمایا ہے جس کے راوی شاہ عنایت اللہ فخری ہیں ۔

نقل کرتا ہے ایک فرخ پے — نام جس کا عنایت اللہ ہے
کہ میں اک بار خواب میں دیکھا — بحرِ عرفان ذوقی والا
لایا تشریف ہے بشانِ علا — اور اس طرح مجھکو فرمایا
میرے فرزند پر بفضل رب — دیکھ کرتا ہوں میں توجہ اب
وہیں عرض جناب میں نے کی — کہ کرم سے توجہ مجھ پہ بھی
بس توجہ کیا وہ دونوں پر — وہیں ظاہر ہوا ہے اس کا اثر

صاحب مطلع النور نے ایک اور خواب کا تذکرہ بھی کیا ہے جس سے حضرت غوثؒ پاک کا لقا ثابت ہوتا ہے۔

دیکھا یک شب بعالمِ رُویا — حضرت غوث انس وجاں کا تھا
وہ لبِ حوض پر کھڑا تھا بخواب — اس کو ٹھیلا ہے غوث نے در آب
ہوا پیدا رجب وہ شیخ زمن — تر بتر تھا لباس اور بدن
موئے سر سے بھی آب ریزاں تھا — اور تن پاک اس کا لرزاں تھا

محولۂ بالا مثنوی میں ایک جگہ آپ کے علم وفضل وغیرہ کے متعلق لکھا گیا ہے کہ

اختر اوج عزّت و اجلال — گوہر بحرِ علم و فضل و کمال
رہنمائے مسالک تلویں — مسند آرائے درجۂ تمکین
راز دانِ رہ عروج و نزول — عارجِ نردبان قرب و وصول
صاحبِ کشف و جذبۂ عرفان — شرفِ عارفین و قطبِ زماں
ذوالفھا کریم ابن کریم — صاحب جود و بحرِ فیض عمیم
گنج سرمایۂ خدا دانی — جس کو کہتے ہیں بوالحسن ثانی

مختصر یہ کہ حضرت محوی بڑے پایہ کے بزرگ اور صوفیٔ صافی تھے۔ستاون سال کی عمر پائی اور آپ سے ایک نیرِ اعظم پیدا ہوے۔جن کی شہرت کے نقارے چاردانگِ عالم میں بج گئے اور جو حضرت قطب ویلور کے نام سے مشہور ہوئے، بہرکیف حضرت محوی ۲۶ جمادی الاخر ۱۲۴۳ھ دوشنبہ کی صبح صادق کورہ گذار عالم بقا ہوگئے اور اپنے خاندانی گنبد میں جد ماجد کے پہلو مدفون ہوے۔ دیوارِ گنبد پر یہ حسرت ناک قطعۂ تاریخ کندہ ہے۔

شد از طاق رخصت رواں بوالحسن

پئے سیر در روضۂ جاوداں

در آمد بمغرب سرِ آفتاب

چہ گویم سنش غاب قطب الزماں

۱۲۴۳ھ

حضرت محی الدین سید شاہ عبداللطیف (ثالث) قادری ویلوری قدس سرہٗ

خانوادۂ اقطاب ویلور کے پانچویں بزرگ سید شاہ عبداللطیف قادری قدس سرہٗ جو محی الدین ثانی سے مشہور ہیں حضرت محوی قدس سرہٗ کے صاحبزادے ہیں۔قد میانہ، رنگ سبز پیشانی کشادہ، بدن چھریرا اور صاحبِ وقار تھے،۱۴ جمادی الثانی ۱۲۰۷ھ کو محلۂ سعید آباد ویلور میں پیدا ہوے۔آپ ۱۹ سال کی عمر میں کتب عقائد فقہ، آداب، اخلاق، انشاء قصائد، صرف ونحو، منطق، کلام، نظریات عملیات، طبابت، ہندسہ، ہیئت، مساحت، علم فرائض، اصول وفروع اور تصوف وغیرہ علوم فنون سے فارغ ہوگئے۔ ۱۲۲۷ھ اور ۱۲۲۸ھ کے درمیان حفظ قرآن بھی مکمل کرلیا۔اور ۱۲۳۴ھ کو تحصیل علم کے لئے اپنی والدۂ ماجدہ کے ہمراہ مدراس تشریف لے گئے۔وہاں مولوی علاؤالدین مولوی محمد باقر آگاہ مدراسی اور بحر العلوم شیخ عبدالعلی وغیرہ اساتذہ عصر کے پاس استفادہ علم فرما کر ۱۲۴۲ھ مدراس سے ویلور تشریف لائے اس کے بعد بھی علم کی تشنگی نہ بجھی۔مولانا شاہ عبدالعزیز قدس سرہٗ کی خدمت میں تحصیل علم کی غرض سے دہلی جانے کا قصد کر چکے تھے مگر ۱۲۴۳ھ کو والد ماجد اور شاہ صاحب دونوں واصل بحق ہوگئے۔اس طرح یہ آرزو دل ہی میں رہ گئی اور اسی سال اپنے والد ماجد کے جانشین بھی ہوگئے۔

آپ کے معمولات میں یہ بات زیادہ نمایاں نظر آتی ہے کہ ہفتہ میں دو دن وعظ کے لئے مخصوص کر رکھے تھے، جمعہ مردوں کے لئے اور سہ شنبہ عورتوں کے لئے، باقی دن درس وتدریس اور تصنیف وتالیف میں گذارتے تھے، احیاء التوحید۔احیاء السنۃ، تنبیہ الجاھلین، صراط المومنین، اصل علوم اور مکتوبات لطفی وغیرہ تصانیف اسی دور کی یادگاریں ہیں۔

حضرت قطب ویلور پر چند شر پسندوں نے یہ اتہام لگایا اور شوشہ تراشا کہ آپ اپنے مواعظ میں انگریز کمپنی کے خلاف

مسلمانوں میں نفرت کے جذبات ابھارتے ہیں اور انہیں جہاد کی تحریص و ترغیب دلاتے ہیں۔ کمپنی نے جب اس قسم کی افواہوں کو سنا تو آپ کے خلاف ان کی ایماء پر عدالت میں مقدمہ دائر کر دیا اور آپ کو چتور کی جیل میں نظر بند کر دیا گیا۔ جب معاملہ کی دریافت اور عائد کردہ الزامات کی کھوج لگائی گئی تو آپ بری ثابت ہوے۔ عدالتِ عالیہ کے جج نے کوئن وکٹوریہ کو یہ ساری تفصیل لکھ بھیجی کہ آپ کو ان الزامات سے کسی قسم کا تعلق نہیں ہے اور یہ الزامات بے بنیاد بلکہ غلط ہیں۔ جواب میں کوئن وکٹوریہ نے حضرت قطب ویلور کی خدمت میں معذرت نامہ لکھ بھیجا کہ ہم نے آپ جیسے مرد باصفا کو بے جا زحمت دی، ہم معذرت خواہ ہیں، کہ عدالت نے جو سلوک آپ کے ساتھ کیا وہ اپنی ذمہ داری کے تحت کیا ورنہ عدالت کو آپ سے کوئی ذاتی عداوت نہیں، حضرت قطب ویلور نے بھی اس معذرت نامہ کا جواب میں ایک دعوت نامہ لکھا جس میں اسلام کی حقانیت و صداقت ثابت کی گئی تھی اور وکٹوریہ کو اسلام کی دعوت دی گئی تھی۔ کوئن وکٹوریہ نے جب اس دعوت نامہ کو ملاحظہ کیا تو وہ بے حد خوش ہوی اور جواب میں یہ لکھا کہ یہ شہزادی جو سلطنت برطانیہ کی فرماں روا ہے نہ صرف تمہاری بے باکی و حق گوئی کی داد دیتی ہے بلکہ اس دعوت نامہ کی دل سے قدر کرتی ہے میں مانتی اور جانتی ہوں کہ اسلام حقانیت وصداقت کا مجموعہ اور نجاتِ اخروی کا بہترین ذریعہ ہے مگر مجھے قبول اسلام کی راہ میں چند مجبوریاں مانع ہیں۔ مجھے اس بات کا ہمیشہ فخر رہیگا کہ میری سلطنت میں اللہ کے ایسے بے باک و حق گو بندے بھی ہیں جو غیر اقوام کو دعوت حق دیتے ہیں۔ اور اپنے فرض منصبی سے سبکدوش ہوتے ہیں۔ وکٹوریہ نے اس خوشی کے صلہ میں حضرت قطب ویلور کی خدمت میں بطورِ وظیفہ ماہوار ایک سو روپیہ کی پیشکش کی۔ مگر آپ نے اس پیشکش کو شکریہ کے ساتھ واپس فرمایا اور لکھ بھیجا کہ فقیر کو اس کی کوئی حاجت نہیں ہے اور یہ فقیر اس وقت خوش ہوتا تھا جبکہ آپ مشرف بہ اسلام ہوتیں۔ اس قسم کے دعوت نامے اور بہت سے ہیں جن کا ذکر کا یہ موقعہ نہیں۔

چتور کے دلخراش حادثہ کے بعد آپ خاطر کبیدہ ہوگئے اور ۲ شعبان ۱۲۶۰ھ کو ویلور کی سکونت کا ارادہ ترک فرمادیا۔ زیارتِ حرمین کے لئے روانہ ہوگئے۔ اور اسی خیال کے تحت حرمین میں دو سال برابر مقیم رہے۔ مگر ایک رات آنحضور پرنوران صلعم خواب میں تشریف لائے اور ارشاد فرمایا کہ اے میرے فرزند! تم پھر ویلور کو واپس چلے جانا تمہاری والدۂ ماجدہ بہت بیقرار اور تمہاری دید کی منتظر ہیں۔ میں یقین دلاتا ہوں کہ تم اسی خاک کے ہو اور تم سے ایک صالح فرزند ہونے والا ہے جس سے دین اسلام کی خدمت شاندار پیمانے پر ہوگی۔

قیام حرمین ہی کے دوران میں آپ نے ایک خواب دیکھا کہ کعبۃ اللہ میں ایک چھوٹا سا پودا پھوٹ نکلا ہے جو بڑھتے بڑھتے ایک سایہ دار درخت ہوگیا اور اس کا سایہ سارے کعبہ پر محیط ہوگیا۔ جب صبح ہوی تو سب سے پہلے شاہ اسحٰقؒ سے آپ کی ملاقات ہوی۔ خیر و عافیت دریافت کرنے کے بعد آپ نے اپنے اس خواب کا تذکرہ شاہؒ صاحب سے کیا۔ شاہ صاحب اس خواب کو سن کر بہت محظوظ و لطف اندوز ہوے۔ فرمایا کہ آپ سے ایک صالح فرزند ہوگا جس سے اور اسکی اولاد امجاد سے ایک عالم تا قیامِ قیامت مستفید و مستفیض ہوتا رہیگا۔ یاد رہے کہ شاہ صاحب نے آپ کو ایک سندِ تحصیل بھی عطا فرمائی تھی۔

دو سال کے مختصر قیام میں حضرت قطب ویلور فرصت کے اوقات میں گنبد خضرا پر حاضر ہوتے اور اپنی جو بھی عرضداشت ہوتی

پیش فرماتے رہتے۔ ایک مرتبہ دربانوں نے آپ کو روکا اور اندر جانے کی اجازت نہ دی، دلِ غم رسیدہ پکار کر کہا السلام علیک یا جدی صلعم جواب میں وعلیک السلام تعال یا ولدی کی آواز پر اعجاز آئی۔ محافظ یہ سن کر حیران ہوگئے اور آپ سے معذرت و منت سماجت کرنے لگے۔ اس دن سے قیام مدینہ میں آپ بلاناغہ گنبد خضرا پر حاضری دیتے رہے۔

قیام حرمین ہی کے دوران میں رجب کی ستائیسویں رات کو کعبۃ اللہ میں بذریعۂ شیخ المؤذنین اعلان عام ہوا کہ آج شب تہجد اور فرض کے درمیان فرشتوں کی اذاں ہونے والی ہے۔ یہ سن کر آپ نیند سے بیدار ہوگئے اور اپنے رفقاء کو بھی بیدار کر دیا۔ ادھر اذاں شروع ہوئی ادھر بعض لوگ فقط شہادتیں سن کر ہی بیہوش ہوگئے اور بعض مست و مخمور ہو رہے۔ جب اذاں دی جا چکی تو تمام کو ہوش آیا لوگ قضائے حاجات سے فارغ ہو کر مسجد میں جمع ہوتے گئے، اسی اثنا میں مؤذن بھی حضرت کی خدمت میں حاضر ہوگیا اور عرض کیا کہ آج مجھے امام الائمہ کی جانب سے حکم ہوا ہے کہ نمازِ فجر کی امامت آپ ہی فرمائیں۔ چنانچہ آپ نے مصلیٔ حنفی میں فجر کی نماز پڑھائی۔

انہی دنوں کی بات ہے جب کہ آپ اور آپ کے رفقائے سفر وادیٔ حمرا میں قیام فرما تھے۔ جو مکہ اور مدینہ کے درمیان پڑتی ہے شیخ القرا حضرت کی خدمت میں یہ آرزو لئے حاضر ہوئے کہ حضور والا میری نواسی کا خطبۂ نکاح پڑھیں شیخ القرا اس خوشی میں پھولے نہ سماتے تھے۔ اور بار بار کہتے تھے کہ ھذا امن عنداللہ وادی حمرا میں ٹھہرنے کے بعد سالار قافلہ نے کہا کہ حضرت یہ گھاٹی آج کل ڈاکوؤں کا اڈہ بن چکی ہے۔ مناسب ہے کہ آپ فوراً تبدیل مکان کر جائیں۔ حضرت نے فرمایا یہ چوروں کی گھاٹی ہو تو ہو مگر یہ محیط جبرائیل و مہبطِ وحی ہے۔ میں کیسے اس ڈر سے یہ متبرک مقام چھوڑ سکتا ہوں۔ مختصر یہ کہ حضرت قطب ویلور نے دو سال کی مدت میں عرب وغیرہ مقامات کا دورہ کیا اور وہاں کی تہذیب و تمدن کا بنظر غائر مطالعہ کیا آپ جہاں جاتے لوگ آپ کی حد درجہ تعظیم و تکریم کرتے اور بیعت سے شرف ہوتے، ممالک عرب میں آپ کے خلفاء و مریدین کی تعداد بہت زیادہ ہے چنانچہ حضرت قطب ویلور نے اپنے ایک خلیفہ کے جواب میں ایک رسالہ تحریر فرمایا، طائف میں قیام فرما کر آپ نے ایک عربی رسالہ بھی ''الف مقام'' کے عنوان سے لکھا، صراط المومنین جس کا تذکرہ گزر چکا ہے، یہ بھی قیام مکہ کی ایک یادگار ہے، ۱۲۶۲ھ کو حرمین سے واپسی کے بعد آپ نے نکاح کیا اور بحسبِ بشارت جد امجد صلعم اور بحسبِ شاہ محمد اسحٰق ایک صالح فرزند پیدا ہوئے جن کا اسم گرامی رکن الدین سید محمد قادری ویلوری ہے۔ اس دوران میں آپ نے چار ایسی کتابیں تصنیف فرمائیں جنہیں علماء و عرفاء کے ہر طبقہ میں مقبولیت عام حاصل رہی ہے۔

(۱) پہلی کتاب جواہر الحقائق جو ۱۲۷۳ھ کو مدراس میں طبع ہو چکی اور دار العلوم لطیفیہ کے نصاب میں بھی شامل رہی ہے۔ کتاب کیا ہے؟ اس کا صحیح اندازہ پڑھنے کے بعد ہی ہو سکتا ہے۔ بس یوں سمجھئے کہ حقائق و دقائق۔ اسرار و رموز کا ایک بحرِ بیکراں ہے جو ٹھاٹھیں مارتا ہوا نظر آتا ہے۔ واقعی آپ کی تصنیف لطیف تصوف میں ایک بہترین اضافہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ راہِ عرفان کے ایک سچے متلاشی کو اس کا مطالعہ دوسرے کتبِ تصوف سے مستغنی کر دیتا ہے۔

(۲) دوسری کتاب فصل الخطاب فی الفرق بین الخطا والصواب، جو ۱۲۷۷ھ کو مدراس میں طبع ہوئی ہے۔ علمائے عصر نے قطب ویلور کے متعلق یہ غلط فہمی پھیلائی کہ آپ کے عقائد بگڑ گئے ہیں اور آپ جادۂ مستقیم سے ہٹ گئے ہیں تو آپ نے ہر مسئلہ پر سیر

حاصل بحث کر کے اس کا صحیح موقف پیش کر دیا جس سے یارلوگوں کی پھیلائی ہوی ساری بدگمانیاں دور ہوگئیں۔گویا یہ کتاب صحیح معنوں میں فصل الخطاب ہے جوخطاوصواب کوواضح کرتی ہے۔اس کے مطالعہ سے ہم اس وقت کے ماحول،اورآپ کے علمی واصلاحی خدمات کا اندازہ لگاسکتے ہیں،اوراسکا جائزہ لے سکتے ہیں،واقعی بگڑے اور فاسد عقائد کی اصلاح کا کام وقت کا ایک اہم اورضروری فرض تھا جس سے حضرت قطب ویلورعہدہ برآ ہوے کیونکہ ہمارے نظامِ زندگی میں عقائد کو بہت بڑا دخل ہے۔فاسد عقائد سے ایمان کی مضبوط عمارت،ہی دھڑام سے گرجاتی ہے۔

(۳) کتاب غایۃ التحقیق جوتحفۂ اثناعشریہ سے مشہور ہےاور ۱۲۷۹ھ کومدراس میں طبع ہوی ہے۔یہ کتاب ایک پیارم پیٹی صاحب کے سوال پر بصورتِ جواب لکھی گئی اوراس میں مسئلہ وحدت الوجود کی عقلی ونقلی دلائل کوروشنی میں واضح طور پر بیان کیا گیا ہے مسئلہ وحدۃ الوجود کے متعلق آج جو لے دے ہورہی اورعوام کے اذہان میں جوغلط مقدمات ترتیب پاگئے ہیں ان سارے اعتراضات کاجواب غایۃ التحقیق میں موجود ہے۔

(۴) کتاب جواہر السلوک جوآپ کی آخری اور ۱۲۸۱ھ کی تصنیف لطیف ہے۔درحقیقت یہ ایک بلند پایہ تصنیف ہے۔ صاحب مطلع الانور مذکورۂ بالا تصانیف پرتبصرہ کرنے کے بعداپنا تاثرتی نوٹ لکھتے ہوے فرماتے ہیں کہ حضرت قطب ویلور کی یہ تصانیف محی الدین ابن عربی قیصری،قونوی،شیخ جیلی،عبدالرحمٰن جامی،شیخ مہائمی،شیخ سمنانی اور مجدالف ثانی وغیرہ کی نظر سے اگرگزری ہوی ہوتیں تو آپ کوچوم لیتے اورسینہ سے لگا لیتے۔

تصانیف مذکورۂ بالا سے فراغت پاکر ۲ شوال ۱۲۸۸ھ کودوبارہ زیارت حرمین کے لئے ایک کثیر جماعت کے ساتھ جس میں آپ کے صاحبزادے بھی تھے،ویلور سے ارکونم پہنچے،اورارکونم سے کڈپہ گئے اور کڈپہ سے تاڑپتری۔گتی ادھونی۔رائچور۔کرنول ہوتے ہوے گلبرگہ شریف پہنچے۔وہاں حضرت خواجہ بندہ نواز گیسودراز رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت کی اوراپنے خلفا اورنواب مختار الملک بہادر کے نام چندمکاتیب وہدایات بذریعۂ سیدشہاب الدینؒ عرف حسن باشاہ روانہ فرمائے۔گلبرگہ سے پونا ہوتے بمبئی پہنچے۔بمبئی میں چنددن قیام فرمانے کے بعد ۶ ذی قعدہ ۱۲۸۸ھ کوبادبانی جہاز کے ذریعہ ۳ ذی حجہ کوجدہ پہنچے۔اورجدہ سے ۶ ذی حجہ بروز جمعہ مکہ معظمہ میں داخل ہوے۔مناسک حج سے فراغت پانے کے بعد آپ فریش ہوگئے۔آنحضورکی طلبی پر مرض کی حالت میں مدینہ منورہ پہنچے۔۶ محرم کوزیارت روضۂ اقدس سے مشرف ہوے اور ۱۲،محرم بروز پنجشنبہ یہ آفتاب اقطاب ویلورسرزمین مدینہ منورہ میں اللہ کی تسبیح وتحمید کرتے ہوے غروب ہوگیا۔بلکہ ساری دنیامیں تاریکی چھاگئی۔

حضرت قطب ویلورنہ صرف بالغ نظرمصنف اورمجددوقت تھے بلکہ صاحب تصرف بزرگ اورآنحضوراکرم صلعم کامثالی نمونہ تھے۔آپ کے کشف وکرامات کاذکرمختصر سے تعارف میں ممکن نہیں ہے۔تاہم دوچارواقعات درج ذیل کئے دیتاہوں۔کہاجاتا ہے کہ ایک شمالی ہندوالے صاحب پیرکامل کی تلاش میں چکر کاٹتے ہوے مدراس آئے۔اہل مدراس نے کہااگرآپ ویلورجائیں تو آپ کی مراد برآئے گی۔یہ سن کروہ عازم ویلورہوے،جب ستواچاری(جوویلور سے کچھ فاصلہ پرہے)کے پاس آئے تو عصر کاوقت ہوچکا

تھا۔ایک باغ کے پاس اتر پڑے، یہ باغ درحقیقت حضرت قطب ویلور ہی کا تھا، جہاں آپ اکثر جایا آیا کرتے تھے۔نووارد جب باغ میں داخل ہوا تو حضرت قطب ویلور کو یادالٰہی میں مستغرق پایا۔اسی اثنا میں آپ نماز عصر سے فارغ ہو چکے تھے، جونہی نووارد کی نظر حضرت قطب ویلور کے چہرۂ انور پر پڑی مرعوب ہوگیا اور پوچھا کہ کیا آپ ہی اس باغ کے مالک ہیں۔حضرت نے ارشادفرمایا کہ بھائی اس کا مالک تو اللہ ہے۔جب میں خود اپنی جان کا مالک نہیں تو اس باغ کا کیسے مالک ہوسکتا ہوں۔یہ سنکر اجنبی کو کسی قدر حیرت ہوی اور دل ہی دل میں کہہ اٹھا کہ طالب کو بغیر طلب کے مطلوب مل گیا۔پھر آپ نے خندہ جبینی سے دریافت فرمایا کہ بھائی کہاں کا ارادہ ہے۔اجنبی نے کہا یوں تو عزم ویلور تھا، مگر جب ویلور والامل گیا تو ویلور سے کیا کام۔اجنبی اسی وقت بیعت سے مشرف ہوگئے آپ نے ذکرواذکار کی تلقین کی۔

۱حضرت قطب ویلور جب دوسری بار حج کے لئے تشریف لے گئے تو ارکونم ہوتے ہوئے کڈپہ روانہ ہوے۔کڈپہ میں کمال الدین صاحب قادری (محلّہ نبی کوٹ) کے ہاں آپ کا قیام رہا دورانِ قیام میں شہر کے شرفا اہل ثروت اور مشائخ وغیرہ ملاقات اور استفادہ کی غرض سے آتے رہے۔سید امام کہتے ہیں کہ ملاقاتیوں میں ایک بیاسی سال کے بوڑھے خان صاحب بھی تھے، حضرت کی نظر جب ان پر پڑی تو خان صاحب سے دریافت فرمایا کہ خان صاحب آپ کی عمر کیا ہے۔خان مذکور نے کہا عمر بیاسی سال ہے، حضرت نے فرمایا، گویا آپ کی اور فقیر کی عمر ایک ہی ہے۔تھوڑی دیر بجیب تفکر رہے اور پھر فرمایا

خانصاحب کہ چاہتا ہے من روح یعنی کہ چھوڑ دیوے تن
بعد پھر شیخ کچھ توقف کر کہہ رہے تھے وہی پلٹ کے سخن

راوی کا بیان ہے کہ دوسرے دن یا اسی دن خانصاحب راہی ملک بقا ہوگئے اور یہ خبر کڈپہ میں بجلی کی طرح پھیل گئی۔

کہا جاتا ہے کہ نواب حسین آباد کی بیوی کو حضرت قطب ویلور کی خدمت میں حاضر ہونے کا شوق دامنگیر تھا۔چنانچہ اپنے اس شوق کا تذکرہ نواب صاحب سے کیا۔نواب صاحب نے اس معاملہ کو دوسرے سال کے لئے چھوڑ دیا اور کہا کہ اب کے سال خراج وصول کر کے کچھ نذر ونیاز لئے دونوں حاضر خدمت ہوجائیں گے، چنانچہ ایک سال کے بعد دونوں حاضر خدمت ہوئے، ابھی وہ کچھ کہنے بھی نا پائے تھے کہ حضرت نے فرمایا نواب صاحب، تم نے یہ کیا کیا کہ یہاں آنے اتنی دیر لگادی، دیکھو فقیر کھاتا بھی ہے اور کھلاتا بھی۔یہ اللہ کا فقیر ہے، اس کو ان مادی ٹکڑوں کی کوئی ضرورت نہیں۔نواب صاحب شرمندہ ہورہے تھے اور خود کو ملامت کررہے تھے۔ حضرت نے ان کی دلجوئی فرمائی اور خاطرداری میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔

کہا جاتا ہے کہ ایک قندھاری جن کا نام سید ذاکر تھا وارد مکان ہوے۔اور مکان ہی کی مسجد میں گوشہ نشین ہوگئے۔انہیں کسی نے یہ پوچھا تک نہیں کہ آپ کون ہیں۔دن بھر بھوکے رہے۔اس طرح دو دن گزر گئے۔مسافر نے بھی کسی سے اپنے مسافر ہونے کا تذکرہ نہیں کیا۔دوسرے دن [illegible]ات کو حضرت قطب ویلور ایک خادمہ کے خواب میں تشریف لائے اور فرمانے لگے کہ تم کیسے لوگ ہو کہ

۱یہ واقعہ ایک قلمی بیاض سے نقل کیا گیا جو لطیفیہ لائبریری میں محفوظ ہے۔۱۲

تمہارے گھر مہمان کو آئے ہوئے دو دن ہو گئے۔ اور تم میں سے کسی نے بھی اس کی طرف کوئی توجہ نہ کی۔ پھر حضرت نے خادمہ سے دریافت فرمایا جو کچھ ہے وہ مہمان کی نذر کرو۔ خادمہ نے کہا حضور کھانا موجود ہے مگر سالن ندارد آپ نے کہا کیا چٹنی بھی نہیں ہے۔ اس کے بعد خادمہ کی آنکھ کھل گئی۔ جلد کھانا پکا کر مہمان کی خدمت میں بھیجدیا۔ قندہاری حیران ہو گئے کہ آج خلاف معمول یہ کیا واقعہ ہے۔ کہا کہ جب تک اس کا سبب نہ معلوم ہو میں ہرگز نہیں کھاؤں گا۔ جب حقیقت حال سے خبر دی گئی تو قندہاری نقش بدیوار بن گئے۔

اگر ہم آپ کے کرامات کا تذکرہ کرتے جائیں تو یہ صفحات ناکافی ہونگے، بہر کیف حضرت قطب ویلور میں خاندانی خصوصیات بدرجۂ اتم پائی جاتی تھیں۔ آپ نے اپنی پوری زندگی آنحضور اکرم صلعم کا مثالی نمونہ بن کر گذار دی۔ اور جب آپ کا وصال ہوا تو ایسے عالم میں ہوا کہ آپ عالم نزع میں بھی ذکر کا ضرب لگا رہے تھے۔ اسی حالت میں روح پاک قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

جس روز آپ کا وصال ہوا آنحضور پرنورؐ حاکم مدینہ کے خواب میں تشریف لائے اور ارشاد فرمایا کہ اے حاکم مدینہ جاؤ میرے اس لاڈلے فرزند کو جنت البقیع میں حضرت امام حسنؓ کے پائیں مدفون کرادو۔ چنانچہ وہ حاکم تلاش کرتا ہوا نعش مبارک کے پاس آیا اور نعش سے لپٹ کر زار زار رونے لگا۔ جمعرات کو آپ کا وصال ہوا۔ اور جمعہ کو آپ کے ہمشیرہ زادے سید شاہ محمد قادری دارِ فانی سے کوچ کر گئے۔ دونوں جنازے مسجدِ نبویؐ میں لائے گئے اور ممبر نبویؐ سے متصل رکھے گئے۔ بعد نمازِ جمعہ ستر ہزار زوّار کی ایک کثیر جماعت نمازہ جنازہ میں شریک رہی، وصیت نبوی صلعم کے مطابق جنت البقیع میں آپ کی تدفین عمل میں لائی گئی۔

ہم ظاہر از قبۂ فرزند فاطمہ　　قرب جوار یافتہ ومحترم شدہ

از روئے ایں اشارہ ضیاں سال آں نوشت
مقبول بارگاہ شفیع الامم شدہ ١٢٨٩ھ

نیز آپ کی تاریخ رحلت
غاب قطب القدم سے بھی نکلتی ہے

١٢٨٩

حضرت شمس العلماء رکن الدین سید شاہ محمد قادری ویلوری قدس سرہٗ

محی دیں رفت و رکن دیں آمد

گو چناں رفت و ایں چنیں آمد

(اطہر)

خانوادۂ اقطاب ویلور کے چھٹے بزرگ شاہ رکن الدین سید شاہ محمد قادری ویلوری جو رکن الدین ثانی سے مشہور ہیں حضرت قطب ویلور کے صاحبزادے ہیں۔ آپ کی ولادت باسعادت کی خوشخبری حضرت قطب ویلور کو دیارِ حرم ہی میں مل چکی تھی۔ چنانچہ آپ بحسب بشارت جدِّ امجد صلعم ۲۲ شوال ۱۲۲۹ھ کو ویلور میں پیدا ہوے۔ ولادت کے بعد بہت ساری برکتیں منصہ شہود پر آئیں۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد ہی کے پاس ہوی۔ بچپن ہی سے حد درجہ فہیم اور بلا کے ذہین واقع ہوے تھے۔ علم و فضل کا بہت سارا حصّہ بطور ورثہ آپ میں بھی منتقل ہوا۔ علم و فضل نے ذہانت کو خوب نکھار کے چھوڑا اور پھر اس پر طرہ یہ کہ حضرت قطب ویلور کی خاص تربیت نے سونے پر سہاگے کا کام دیا۔ چند ہی سال کی تربیت سے آپ میں وہ جوہر پیدا ہو گئے جن کی چمک دمک آنکھوں کو چکا چوند اور خیرہ کرتی تھی۔ اور جن کی قیمت ان زرق برق مادی ٹکڑوں سے کہیں بڑھ چڑھ کر تھی۔ انہی وجوہ کی بنا پر آپ کی ذات بابرکات اہل بصیرت کے لئے مرکز حسن بنی رہی۔ حقیقت بھی یہی ہے کہ آپ ایسے زندۂ جاوید کارنامے انجام دے گئے جو ایک مورخ کی نظر میں حد درجہ وقیع اور اہم ہیں۔

آپ اس دور کی ایک زبردست تاریخی یادگار ہیں۔ جب کہ سامراجی حکومت کے قیام کے بعد اسلامی مدارس کا دورِ انحطاط و اضمحلال شروع ہو گیا تھا اور یورپ کا سیلاب استعماریت اسلامی ممالک کی طرف تیزی سے بڑھتا ہوا چلا آرہا تھا۔ اس سیلاب کا جو اثر علوم اسلامی پر پڑا وہ اس کے حق میں نقصان دہ ثابت ہوا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمانوں کا نظام تعلیم درہم برہم ہو گیا اور مسلمان تعلیمی، معاشرتی اقتصادی، سیاسی اور سماجی بحران سے دوچار بلکہ ذلیل ہو رہے تھے اور پھر جب فارسی کی بجائے انگریزی حکومت کی ثانوی زبان قرار پائی تو رہے سہے اسلامی ادارے اس غریب کی طرح دم توڑ کر ختم ہو گئے جسے غربت و نکبت نے زمین پر دے مارا ہو، نہ معلوم اس سامراجی درخت کی آبیاری کے لئے کتنے مدارس کا خون ہوا۔ اس کی تاریخ حد درجہ درد انگیز اور خون کے آنسو لانے والی ہے۔ بس یوں سمجھئے کہ ع

آشیاں اجڑا کیا ہم ناتواں دیکھا کئے۔

جوں جوں اسلامی مدارس کا زوال و انحطاط شروع ہوا، قوم اور قومیت کے مٹ جانے کا اندیشہ روز بروز بڑھتا چلا گیا۔ یہ وہ اہم مسئلہ تھا جو ہماری قوم کے بیدار مغز طبقہ کو کسی ایک پہلو چین و سکون لینے نہیں دیتا تھا۔ گو کہ مسلمان اس وقت نزع کے قریب پہنچ چکے تھے۔ مگر اللہ کی رحمت سے ناامید نہیں تھے۔ انہیں یقین محکم تھا کہ اس غم کا مداوا ہو ہی جائے گا۔ یہ اس لئے نہیں تھے کہ ان کے پاس

سوچنے والے دماغ اورجدید نظام تعلیم کے خاکے موجود نہیں تھے۔ کیوں نہیں ساری چیزیں موجود تھیں مگر اتنی بات ضرور تھی کہ وہ آپس کے سیاسی اور شخصی نزاعات واختلافات میں خود کے ساتھ قوم کو فراموش کر بیٹھے تھے اور وہ بھی ایسی قوم کو سامراجی حملوں سے تھک ہار گئی اور بے دم ہو چکی تھی۔ تاریخ اگر کسی منظم و مستحکم تعلیمی قوت کی طرف نشان دہی کرتی ہے تو اس بزمِ رنداں میں دو چار قدح خوار ہی نظر آتے ہیں اور وہ بھی جو اس باختہ اور سہمی سہمی سی۔

خدا خدا کر کے شمالی ہند میں مولانا محمد قاسم نانوتوی کے مبارک ہاتھوں ۱۲۸۳ھ کو معمولی پیمانے پر ایک تعلیمی ادارہ کی ابتداء ہوی۔ جسے بعد میں بانی کی حسن کارکردگی و نیک نیتی کی بنا پر ۱۲۹۳ھ کو دارالعلوم دیوبند کی تشکیل دے دی گئی۔ اس کے بعد افق شمال سے ایک اور ستارا طلوع ہوا۔ جو سر سید مرحوم کی سعی پیہم سے لارڈ ویلنگڈن کے ہاتھوں ۱۸۷۷ء میں اس کا قیام عمل میں آیا۔ انہی دنوں میں ایک تیسرا ادارہ جو قدیم علماء اور علیگڈھ کی جدید پارٹی کے درمیان تعلیمی و مذہبی طریقہ کار قائم کرنے کے لئے ۱۸۹۴ء کو ندوۃ العلماء کے نام سے لکھنؤ میں قائم کیا گیا اور یہ ادارہ آگے چل کر زبردست مصنف اور مایۂ ناز ہستیوں کو پیدا کیا۔

شمال کی حرکت کی طرح جنوب بھی حرکت میں آ گیا۔ بلکہ جنوب میں شمال ہند سے پہلے ۱۱۴۷ھ کو حضرت ذوقی ویلوری اور حضرت باقر آ گاہ جیسے زبردست مصنف وشاعر پیدا ہوے اور پھر ان سے جنوب کا عظیم خطہ مستفید و مستفیض ہوا۔ اسی ادارہ سے حضرت محوی جیسے صوفی اور قطبِ زماں پیدا ہوے اور جن کی تربیت سے حضرت قطب ویلور جیسے مصنف و مجدد وقت نکلے اور آپ سے جنوب کا تو ذکر ہی کیا ہے، شمالی ہند بلکہ علاقۂ عرب نے بھی علمی وعرفانی استفادہ کیا اور آپ ہی کی تربیت کا نتیجہ تھا کہ آپ کے صاحبزادے رکن الدین سید شاہ محمد قادری جیسے فاضلِ اجل اور متبحر عالم نے اپنے آباواجداد کے قائم کردہ تعلیمی ادارہ کو ۱۳۰۱ھ میں ایک پختہ اور تعمیری شکل میں ڈھال دیا جو بعد میں چل کر دارالعلوم لطیفیہ مکان حضرت قطب ویلور کے نام سے مشہور روزگار ہوا۔ اس حیثیت سے آپ جنوبی ہند میں تعلیمی نشأۃ ثانیہ کے محرک و بانی ہیں۔ مختصر یہ کہ آپ کا وجود مسلمانانِ جنوبی ہند کے لئے خصوصاً اور مسلمانان ہند کے لئے عموماً باعث صد رحمت ثابت ہوا۔ اور اقطاب ویلور کے اس تعلیمی آفتاب کی بدولت جنوب نور بداماں ہو گیا۔

۴ شوال ۱۲۸۸ھ کو جبکہ آپ کی عمر بیس سال کی تھی حضرت قطب ویلور کے ہمراہ ویلور سے ارکونم اور ارکونم سے کڈپہ، تاڑپتری، گتی اور ادھونی، رائچور اور کرنول ہوتے ہوے گلبرگہ شریف گئے۔ دونوں مزار حضرت خواجہ بندہ نواز پر حاضر ہوے، دونوں نے مراقبہ کیا جو معائنہ شدی تھا وہ مکشوف ہوا۔ اسی دن نمازِ عصر کے بعد پونہ روانہ ہو گئے۔ ۱۳ شوال کی صبح سے قبل پونہ اسٹیشن پر پہنچے۔ پونہ میں تین دن قیام کرنے کے بعد ۱۶ شوال کو بمبئی روانہ ہو گئے۔ بمبئی میں ۲۲ دن تک قیام رہا۔ ۶ ذی قعدہ ۱۲۸۸ھ کو بمبئی سے بادبانی جہاز تنجر پر سوار ہوے اور ۳ ذی حجہ کو جدہ پہنچے۔ ۶ ذی حجۃ الحرام کو کعبۂ مقصود میں داخل ہو کر مناسک حج سے فراغ پائے۔ حضرت قطب ویلور کے جد امجد کی طلبی پر بحالتِ مرض مدینہ پہنچے۔ وہاں آپ کو یقین ہو چلا کہ میں اس مرض سے جانبر نہ ہو سکوں گا۔ اور حسب بشارت جد امجد یہی مقام میرا ابدی آرام گاہ ہوگا۔ چنانچہ آپ نے روضۂ اطہر کے روبرو اپنے صاحبزادے کو بیعت اور خرقۂ خلافت دونوں سے نوازا اور وصیت فرمائی کہ شریعت غرا سے سرمو انحراف نہ کرنا۔ اسلام کی خدمت سے کبھی غافل نہ رہنا اور مہمان نوازی وغرباء پروری میں کوئی کسر

اٹھانہ رکھناوغیرہ وغیرہ۔

جب آپ حرمین سے اپنے وطن واپس ہو گئے تو ۳ جمادی الاخریٰ بروز پنجشنبہ ۱۲۸۹ھ کو سجادہ نشینی کی رسم نہایت تزک و احتشام سے ادا کی گئی۔

حضور نظام حیدرآباد کو جب آپ کے علمی خدمات کی اطلاع ملی تو مزید خدمت علم کے لئے ہر ماہ پانچسو روپیوں کی پیشکش کی۔مگر آپ نے اس پیش کش کو شکریہ کے ساتھ واپس فرمادیا اور کہلوا بھیجا کہ فقیر کو ابھی اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

۱۸۹۴ء میں خدمات علیہ عالیہ کی بنا پر وائسرائے اور گورنر جنرل آف انڈیا کی جانب سے آپ کو ایک بہترین قیمتی تمغہ اور شمس العلماء کا معزز خطاب ملا۔ ۱۲۹۱ھ میں آپ نے دارالعلوم لطیفیہ کے بائیں پہلو میں ایک عالیشان مسجد تعمیر فرمائی محراب مسجد پر ایک کتبہ لگا ہوا ہے جس سے معمار اور تاریخ تعمیر کا پتہ چلتا ہے۔

رکن دیں مقتدائے اہل زمن — مسجدے چوں حرم بنا کردہ

بہر اعلام عابداں ہاتف — بانگ قد قامت الصلوٰۃ زدہ

۱۲۹۱ھ

اور یہ مسجد اس گنبد اقطاب کے عین مقابل جانب مغرب واقع ہے جس کو حضرت قطب ویلور نے تعمیر فرمایا تھا دیوار گنبد پر تاریخ تعمیر کندہ ہے اور وہ یہ ہے۔

بنائے روضہ ابن ابوالحسن کرد — بداں آئیں رضواں دارد ش دوست

بفکر سال بودم گفت ہاتف — کہ محی الدین ثانی بانی اوست

۱۲۴۵ھ

آپ کے کشف وکرامات میں سے ایک واقعہ جو اس علاقہ میں مشہور خاص وعام ہے ذکر کر دیا جاتا ہے۔کہا جاتا ہے کہ ایک شخص جو بہت نحوست میں مشہور زمانہ ہو گیا تھا اور لوگوں نے اسے خصوصی لقب آتش قدم سے معروف کر رکھا تھا جس راہ سے گذرتا لوگ اس سے کتراتے ، بالآخر اس غریب کے لئے جب اتنی وسیع کائنات تنگ ہو گئی تو وہ اپنی زندگی سے بیزار ہو گیا اور خودکشی کے بارے میں سوچ رہا تھا کہ ایک روز اسکا گذر مکان سے ہوا۔حضرت کے مریدین دیکھ کر گھبرا گئے اور حضرت کو آتش قدم کے آنے کی اطلاع دی اطلاع ہونے پر حضرت نے اسکو بلایا اور نزدیک بٹھا کر خیریت دریافت فرمائی حضرت اس کی روداد غم سُن کر بیتاب ہو گئے، اسے اپنے ساتھ بٹھا کر کھانا کھلایا اور فوراً اپنے ایک مرید کے نام جو آمبور کے رئیس تھے ،ایک خط دیا، جس میں آپ نے شخص مذکور کو کمپنی میں جگہ دینے کو فرمایا۔جب وہ رقعہ لیکر ان کے گھر پہنچا اور رئیس مذکور نے اس سفارش نامہ کو ملاحظہ کیا تو بہت پریشان ہوئے کہ پیر ومرشد نے اسے کہاں بھیجدیا۔وہ مرید بغیر جواب دئے اندر چلے گئے۔اتفاقاً ان کی بیوی کو درد زہ شروع ہوا اور اس قدر شدید ہوا کہ صورت نازک تر ہو گئی، رئیس موصوف کے دل میں معاً خیال پیدا ہوا کہ شاید پیر برحق کے عدول حکم کا نتیجہ ہے فوراً باہر آئے دیکھا تو بیچارہ غریب جواب

کے لئے سراپا منتظر ہے۔ مرید نے کہا کہ بھائی آج سے تم میرے نوکر ہوجاؤ اور میرے فرم میں کام کرو کرشمۂ قدرت ملاحظہ فرمایئے کہ ادھر اس کو منظوری دی اُدھر خوشخبری سننے میں آئی کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں چاند سا لڑکا عطا کیا، اس کے بعد اللہ نے انہیں اپنی رحمتوں سے ایسا نوازا کہ آجتک وہ خوشحال ہیں۔

مختصر یہ کہ آپ بہت بڑے پایہ کے بزرگ اور اپنے آبا واجداد کی قدیم روش پر قائم تھے۔ ستاون سال کی عمر پائی اور دو صاحبزادوں کو چھوڑ کر شب دوشنبہ ۲۰ رمضان ۱۳۲۵ھ کو راہی ملک بقا ہوگئے اور آپ کو اپنے خاندانی گنبد میں جد امجد کے پہلو سپرد خاک کردیا گیا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

حضرت شمس العلماء محی الدین سید شاہ عبداللطیفؒ رابع قادری ویلوری

رکن دیں رفت محی دیں آمد گو چناں رفت و ایں چنیں آمد

خانوادۂ اقطاب ویلور کے ساتویں بزرگ شمس العماء شاہ محی الدین سید شاہ عبداللطیف قادری ہیں جو حضرت مکی سے مشہور اور شمس العلماء رکن الدین سید شاہ محمد قادری قدس سرہٗ کے صاحبزادے ہیں۔ آپکی ولادت باسعادت ۲۶ ربیع الاول روز شنبہ ۴ ساعت اور ۱۲۹۸ھ ویلور میں ہوی۔ آپ کی عمر اپنے والد ماجد کے وصال کے وقت ستائیس ۲۷ سال کی تھی۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد ہی کے پاس حاصل کی اور بعد میں اساتذۂ دارالعلوم سے کسب علم فرمایا۔ اور اپنی انتھک کوششوں سے دارالعلوم کو صحیح معنوں میں دارالعلوم بنادیا۔ آپ کی زیر پرستی دارالعلوم دن دونی رات چوگنی ترقی کرگیا۔ اور قابل اساتذہ اپنی زرین خدمات انجام دیتے رہے۔ آپ نے بھی اپنی زندگی قوم وملت کے لئے وقف فرمادی تھی حالانکہ آپ کا دور بھی مسلمانوں کے لئے کچھ کم قیامت خیز نہ تھا۔ دور ردعمل کی قیامت خیزیاں شیرازۂ ملت کی زنگ آلود کڑیوں پر ضرب آہنی ثابت ہویں۔ مگر آپ اس وقت بھی ہمت نہ ہارے۔ آخر ہمت ہارتے بھی کیوں جب کہ آپ کے روبرو اپنے آباواجداد کے لافانی و بےنظیر کارنامے موجود تھے۔ تاریخ شاہد ہے کہ آپ نے اپنے آباواجداد کا مثال نمونہ بن کر رشد وہدایت کے وہ دریا بہائے کہ تشنگان علم وعرفان نے جی بھر کر اپنی پیاس بجھالی۔ آپ کے عہد سعید میں اقطاب ویلور کی اس علمی چھاؤنی میں طلبہ علم وادب کے وہ آبدار گہر دامنوں میں بھر بھر کر لے گئے جن کی چمک دمک آنکھوں کو خیرہ کرتی تھی۔ بلامبالغہ دکن میں علم دین کی روشنی جو گھر گھر نظر آتی ہے وہ بلاواسطہ دارالعلوم لطیفیہ ہی کا فیض ہے۔

حضور نظام حیدرآباد نے آپ کی خدمات جلیلہ سے متاثر ہوکر ایک گراں قدر رقم پیشکش کی جس کو آپ نے قبول نہیں فرمایا ۱۹۱۶ء میں گورنمنٹ آف انڈیا کی جانب سے اپنے والد ماجد کی طرح آپ کو بھی ایک تمغہ اور شمس العلماء کا معزز خطاب ملا اور ۱۹۲۰ء کو جب گورنر آف مدراس لارڈ ویلینگٹن (جو بعد میں وائسرائے ہند ہوے) نے آپ سے ملاقات کا پروگرام روانہ کردیا۔ اور کہلا بھیجا کہ شوق سے تشریف لاسکتے ہیں۔ اس وقت سر محمد حبیب اللہ میونسپالٹی کے چیرمن اور شہر ویلور کے مقتدر لوگوں میں سے تھے۔ اور

بعد میں انہیں ممبر آف دی ایگزیکیوٹیو کونسل آف وائسرائے ہند بنادیا گیا انتظامات کے تحت اگر آپ اس کمرہ کو منہدم کرادیں تو بہتر ہے۔ یہ سن کر آپ سے رہا نہ گیا ارشاد فرمایا کہ چیرمن صاحب آپ کیا فرمارہے ہیں، آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ یہ میرے آباواجداد کی قدیم یادگار ہے۔ اس کو میں کسی صورت میں منہدم نہیں کراسکتا کیونکہ یہ وہی متبرک مقام ہے جہاں حضرت ذوقیؔ قدس سرہٗ نے ایک رات میں پوری گلستاں نقل کی تھی۔ یہ سننا ہی تھا کہ چیرمن صاحب آبدیدہ ہوگئے اور اپنی اس گستاخی کی معافی مانگ لی اور کہا کہ اگر ایسی بات ہے تو اس کو یادگار ہی رہنے دیا جائے۔

مختصر یہ کہ حضرت موصوف کے علمی کارنامے ہم جنوبیوں کے حق میں بہتر اور مفید ثابت ہوئے آپ کا شمار جنوب کے صاحب کمال بزرگوں میں ہوتا ہے۔ سکندر خان جوان دنوں شمالی ہند کے ملک التجار تھے یہ عہد کر چکے تھے کہ میں ایسے پیر کے ہاتھ پر بیعت کروں گا جو مجھے میرا نام لیکر پکارے شرط یہ کہ مجھے کبھی نہ دیکھا ہو، غرضیکہ شخص مذکور مختلف مقامات پر ہوتے ہوئے جب مدراس آئے تو کسی نے کہا کہ ویلور کو جایئے جب وہ ویلور کو آئے تھے وہ عصر کا وقت تھا آپ صحن مسجد میں ٹہل رہے تھے کہ وہ داخل مکان ہوئے اور آپ کو سلام کیا، حضرت نے سلام کا جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ آیئے سکندر خان صاحب تشریف لایئے۔ کہئے کیسے ہیں، سکندر خان سنکر حیران وششدر رہ گئے فوراً توبہ کی اور آپکے دستِ حق پرست پر بیعت کی۔

ایک اور سکندر صاحب کا دلچسپ واقعہ آپ ہی کے دور میں ظہور پذیر ہوا۔ مولوی سکندرالدین صاحب میسوری حضرت مکان سے اور مولوی محی الدین صاحب چیدہ سے تعارف کے بعد مسجد میں آپس میں گفتگو کرتے رہے، اسی اثناء میں ایک اجنبی چائے لئے ہوئے آیا، دونوں حضرات نے چائے پی، اس کے تھوڑی ہی دیر بعد دونوں کی حالت ابتر ہوگئی۔ مولوی چیدہ صاحب تو گھر چلے گئے اور یہ مسجد ہی میں رہے۔ موصوف بیقراری کے عالم میں رات کو بار بار حوض کے پاس جاتے اور چاہتے کہ اس میں کود جائیں، لیکن فوراً وہ بزرگ گنبد سے باہر تشریف لاتے اور آپ کو پکڑ کر مسجد میں لٹادیتے، بارہا ایسا ہی ہوا، بالآخر جب ہوش ہوا اور صبح بھی ہوئی تو آپ نے دوران تقریر میں اس واقعہ کو بیان فرمایا اور کہا کہ اگر یہ بزرگ نہ ہوتے تو میں یقیناً نہیں بچتا۔

۱۳۳۸ھ کو اپنے جد امجد کی طلبی پر زیارت حرمین کے لئے تشریف لے گئے۔ بعد فراغ مناسک حج اپنے بڑے صاحبزادے ابوالفتح سلطان محی الدین سید شاہ عبدالقادر قادری کو خرقۂ خلافت سے نوازا۔ مختصر سی علالت کے بعد چار صاحبزادوں کو چھوڑ کر ۱۹ ماہ ذی الحجہ ۱۳۳۸ھ کو مکہ معظمہ میں واصل بحق ہوگئے اور جنت المأویٰ میں مدفون ہوے۔

انا للہ وانا الیہ راجعون

حضرت ابوالفتح سلطان محی الدین سید شاہ عبدالقادر قادری ویلوری قدس سرہ‘

ہم جس ذات بابرکات و منبع فیوضات کو کل تک مدظلہ العالی لکھا اور کہا کرتے تھے آج قدس اللہ سرہ‘ اور نور اللہ مرقدہ‘ لکھنے پر مجبور نظر آرہے ہیں۔ ایک وہ بھی زمانہ تھا جبکہ چمن اقطاب دکن کے ایک گل صد بہار افزا کی مست و مدہوش کن خوشبو سے دنیا رشک صد نافۂ ختن بنی ہوئی تھی اور باغ عالم کا پتہ پتہ رشک صد ارم اور روح چمن بنا ہوا تھا۔ آپ کی دیدار گہر بار سے دنیا کا ایک معتد بہ حصہ شرف اندوز و محظوظ اور اکتساب فیض روحانی سے بہرہ اندوز ہوا کرتا تھا۔ آہ! ایک یہ بھی وقت ہے کہ آج ہمیں یہ سیاہ دن دیکھنا نہ پڑا کہ دکن کی یہ گراں مایہ ہستی ہم سے چھن گئی۔ اس گوہر نایاب کی گم شدگی پر ہندوستان کے اکثر خانوادے مرثیہ خواں میں جابجا تعزیتی جلسے اور تعزیتی مشاعرے منعقد کئے جارہے ہیں اور مرثیے پر مرثیے لکھے جارہے ہیں۔ اخبارات ماتمی جدول شائع کرنے پر مجبور نظر آرہے ہیں۔

اللہ اللہ کیا وہ ہستی تھی زندگی جسکی حق پرستی تھی (شاکر نائطی)

آہ! یہ لکھتے ہوئے زبان قلم کی ساری توانائیاں اور جولانیاں ایک ایک جواب دے بیٹھتی ہیں۔ اتنی طاقت تو ہے نہیں کہ ریشۂ قلم سے اعلیٰحضرت قدس سرہ‘ کے حالات زندگی لکھ سکوں۔ دل کانپ کانپ اور قلم لرز لرز اٹھتا ہے کہ بیسویں صدی کے ایک مردِ حق آگاہ زندہ قطب خانقاہ سجادۂ اقطاب ویلور چھوڑ کر اپنے آباؤ اجداد کے آغوش اور گنبدِ اقطاب ویلور تبدیل مکان فرماگئے۔

یوں تو موت ہر ایک کو آتی ہے اور ہر مستفیض کو اس مرحلہ سے گزرنا ہی پڑتا ہے مگر سچ کہا ہے کسی نے کہ موت کو آنکھیں نہیں ہوتیں“ وہ اپنا جال بساطِ دہر پر پھیلا دیتی ہے۔ جال سمیٹتے وقت یہ نہیں دیکھتی کہ کون شکار اس جال میں آکر دم توڑ دیا ہے اور سسک سسک کر جان دے رہا ہے۔ کون کہتا ہے کہ موت بری ہے، موت کی آمد سے ہمیں انکار نہیں مگر اس کی نظر انتخاب سے جی گھبراتا ہے۔ یہ جب کسی بدنصیب کا در کھٹکھٹاتی ہے تو بڑے بڑے جوانمردوں کا چہرہ پانی پانی ہوجاتا ہے حلق خشک ہونے لگتا ہے منہ چھپانے کی کوشش کرتا ہے اور طوعاً و کرہاً نیم رضامندی سے خوش آمدید“ اور اہلاً و سہلاً کہنا ہی پڑتا ہے مگر یہ ؎

موت غم ہم کو دینے آئی تھی مغفرت ان کو لینے آئی تھی (حضرت شاکر نائطی)

واحسرتا! تیرا سو اٹھتر ۱۲ محرم الحرام کی صبح ہمارے لئے صبح قیامت سے کم نہ تھی جس کی پو پھوٹنے سے قبل چمن اقطاب

دکن کے گلاب کی خوشبو کافور ہوگئی۔

حیف در چشم زدن صحبت یار آخر شد　　　روئے گل سیر ندیدیم و بہار آخر شد

اور ہمارے احباب نے بھی مرحوم کے ساتھ کچھ اچھا سلوک نہیں کیا اور آپ کو

نئے کپڑے پہنائے مرتے ہی نہلا کے لوگوں نے　　　سلا دینے کو اس گھر میں جسے مٹی سے بھرنا تھا

آپ کے بعد زندگی کا لطف ہی ختم ہو گیا بلکہ ان کے بغیر ہم زندگی کا منہ چڑا رہے ہیں اور یہ زندگی جو ہمارے سر پڑی ہے محض اس لئے کہ

زندگی در گردنت افتاد باید زیستن　　　شاد باید زیستن ناشاد باید زیستن

ہم اس دل غم رسیدہ چشم نم رسیدہ کو کیسے سمجھائیں اور کیونکر دلاسے دلائیں کہ اعلیٰحضرت اپنے دوست کی ملاقات و دید کے لئے چلے گئے۔ اور اس دنیائے ہست و بود سے رشتہ توڑ کر مقامِ محمود کو اپنے قدوم میمنت لزوم سے شرف ورود بخشا اور ایسی فضا میں جا کر دم لیا جہاں قیود شام وسحر نہیں بس خلوت ہی خلوت اور جلوت ہی جلوت ہوتی ہے

چہ خوش روح پرور مقامے بود

جہاں تجلیات ربانی کا ظہور ہی ظہور اور فیوضات باری کا ترشح ہی ترشح ہوتا ہو اور یہ دنیا جس کی حقیقت

جتنے آئینے بنے تھے وہ تو پردے ہو گئے

اور پھر اس سے بڑھکر　ایک حجاب اٹھا تو حائل ہو گئے صد ہا حجاب‘‘ والی ہے کون آدمی ایسا ہے جو یہاں رہنا پسند کرے۔

اعلیٰحضرت مرحوم آج ہم میں نہیں ہیں لیکن آپ کی قابل قدر سیرت اور اعلیٰ شخصیت ہمارے روبرو موجود ہے۔ ہم انہیں ایک حیثیت سے خوش کر سکتے ہیں۔ وہ ایسا کہ ہم آپ کی سیرت کے بلند اقدار کو اپنی سیرتوں سے ہم آہنگ کر لیں۔ اگر اعلیٰحضرت قدس سرہٗ آہ و بکا سے مل سکتے تھے تو کوئی بات نہ تھی، ہم عمر بھر رونے کے لئے تیار ہیں مگر بیچارے اس غریب عرفیؔ نے بھی سچ کہا کہ

عرفیؔ اگر بگریہ میسّر شدے وصال　　　صد سال می تواں بہ تمنا گریستن

جب آپ کا اسمِ گرامی نوک زبان پر آ ہی گیا تو یہ کیسے ہو سکتا ہے　کہ بطورِ نذرِ عقیدت محبت و عقیدت کے چند گوہر نہ سہی پھول، یا پھول کی چند پنکھڑیاں ہی سہی، آپ کے قدموں پر نچھاور نہ کی جائیں

بیا تا فقرو شاہی درحضورِ اوبہم سازبذ　　　تو بر خاکش گہر افشاں و من برگ گل افشانم

سن ولادت ووفات

سیادت ونقابت پناہ حقیقت آگاہ معرفت دستگاہ حضرت مولانا مولوی الحاج الحافظ ابوالفتح سلطان محی الدین سید شاہ عبدالقادر

قادری نقوی ویلوری قدس سرہٗ ۱۳۲۴ھ جمعہ کے دن پیدا ہوئے اور ۱۲ محرم ۱۳۷۸ھ روز چہارشنبہ صبح کی پو پھٹنے سے قبل مختصر سی علالت کے بعد اس دار فانی سے رحلت فرما گئے گویا۔

یہ مہینہ جو تھا محرم کا پھر سے باعث ہوا نئے غم کا

حلیہ مبارک رنگ گندم گوں۔ قد میانہ۔ قوی الجثہ، سینہ عریض پیشانی کشادہ ابرو پیوستہ، لب شگفتہ، رخسارے نورانی، ریش مبارک عریض اور گھنی، آواز پر اعجاز، سماعت نزدیک و دور یکساں تھی۔

تعلیم و تربیت اعلیٰحضرت مرحوم کی ابتدائی تعلیم گھر ہی پر ہوئی۔ جب آپ نے ہوش سنبھالا تو آپ کو دار العلوم لطیفیہ میں بٹھا دیا گیا، جہاں آپ نے مشہور روزگار اساتذۂ نامدار سے ادب عربی، ادب فارسی اور ادب اردو میں کسب علم فرمایا اور ہر ایک پر خوب عبور حاصل کرلیا۔ چنانچہ آپ کے پہلے استاذ مولانا مولوی الحاج حسین چیدہ مرحوم جنوب کے ایک زبردست عالم اور عربی کے بے نظیر ادیب و شاعر تھے۔ جنوب کا یہ گوہر نایاب زیارت حرمین کے لئے جاتا ہے اور اپنے عربی لکچر نوٹ کراتا ہے تو عرب کے بڑے بڑے ادیب جو میدان حج میں جمع پڑے ہوئے تھے ایک ہندی نژاد کی عربی سن کر مرعوب ہوگئے اور کہہ اٹھے کہ یہ تو ہندی نژاد معلوم نہیں ہوتا۔ حضرت مرحوم دار العلوم لطیفیہ کے صدر مدرس اور اعلیٰحضرت قدس سرہٗ کے خاص الخاص اساتذہ سے تھے۔

۲، استاذ الحاج حضرت مولانا مولوی حافظ قاری سید محمد قاسم چشتی قادری رحمۃ اللہ علیہ کے خاص تلامذہ میں سے تھے۔ کمسنی میں حفظ قرآن سے فارغ ہوگئے تھے۔ قرأت میں فیاضِ ازل سے آپ کو لحن داؤدی عطا ہوا تھا۔ جب ۱۹۲۰ء میں حج حرم کے لئے تشریف لے گئے تو حرم کعبہ میں آپ کی تلاوت قرآن سے خوش الحان عرب خود دوزانو ہوکر سر دھنتے تھے۔ آپ کی فارسی دانی تو جنوب میں مسلّم تھی۔ خاص طور پر آپ کا فارسی کلام اساتذۂ فارس کے کلام سے لگا کھاتا ہے۔ ہم اس موضوع پر آپ کا کلام جمع کر رہے ہیں تاکہ مختصر تعارف کے ساتھ آپ کا فارسی دیوان زیور طباعت سے آراستہ ہوجائے۔ حج سے واپسی کے بعد ۲۰ سال تک زندہ رہے اور ۸ مارچ ۱۹۴۰ء کو یہ آفتاب علم و ادب غروب ہوگیا۔

۳۔ استاذ علامہ فصیح سخن حضرت مولانا مولوی غضنفر حسین صاحب شاکر نائطی سابق ناظم جامعہ دار السلام عمر آباد ہیں۔ جنوبی ہند کی یہ گراں مایہ شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ آپ ایک فنی شاعر۔ ایک بہترین ادیب اور بے لاگ و بے باک نقاد ہیں۔ ادب فارسی، ادب عربی اور ادب اردو تینوں زبانوں میں کامل دسترس رکھتے اور کئی ایک کتابوں کے مصنف ہیں، کسی زمانہ میں اڈیٹر مجلۂ مصحف بھی رہے۔ جو جنوب کا ایک معیاری رسالہ تھا، شاکر کالج کے فارغ الاصلاح شاگردوں کی تعداد سینکڑوں سے ہزاروں تک پہنچتی ہے۔ مختصر یہ کہ اعلیٰحضرت قدس سرہٗ نے ان قابل اساتذہ کی زیر تربیت اپنے علم کی تکمیل کی۔ انہی دنوں میں قرآن بھی حفظ فرمالیا تھا۔

علمی وقار اعلیٰحضرت قدس سرہٗ دار العلوم لطیفیہ کے فارغ شدہ ایک ٹھوس قابلیت رکھنے والے بزرگ سراپا قدس تھے۔

ادب فارسی وادب عربی کا بلند مذاق تھا۔ آپ کی علمیت وقابلیت کا اندازہ اسی آدمی کو تھا جو آپ کی صحبت فیض درجت میں رہا ہو گویا آپ کی شخصیت کا علمی وقار ہم جیسے لوگوں کے درمیان مسلّم تھا۔

سفر حج اور اعطائے سند خلافت اعلیٰحضرت قدس سرہٗ ۱۹۳۸ء کو زیارت حرمین کے لئے اپنے والد محترم اور اپنے استاذ مکرم مولوی حافظ سید قاسم رحمۃ اللہ علیہ کے ہمراہ تشریف لے گئے تھے، ۱۹ ماہ ذی حجہ ۱۳۳۸ھ کو مکۂ مکرمہ میں واصل بحق ہوگئے اور جنت المعاویٰ میں مدفون ہوے۔ آپ کے والدِ ماجد نے اپنے وصال سے پہلے بہت سے مریدین ومعتقدین کے علاوہ مندرجۂ ذیل حضرات مشائخ کی موجودگی میں کعبۃ اللہ میں بٹھا کر آپ کو بیعت وخرقۂ خلافت دونوں سے نوازا۔ چنانچہ ان میں سے حضرت الحاج مولانا مولوی سید شاہ حیدر ولی اللہ صاحب قبلہ قادری سابق ناظم دار العلوم لطیفیہ حضرت مکان حضرت قطب ویلور۔ حضرت الحاج مولانا مولوی سید شاہ مصطفےٰ قادریؒ جاگیر دار عرس ورنگل اور حضرت الحاج مولانا مولوی سید شاہ حسین قادری میلاپوری وغیرہ کے نام قابل ذکر ہیں۔ مؤخر الذکر بزرگ میلاپور کے ایک صوفیٔ کامل اور ہزاکسلنسی سر محمد عثمان گورنر مدراس کے اور شاطر مدراسی صاحب اعجاز عشق کے پیر ومرشد ہیں۔ اعلیٰحضرت مرحوم مجاز مقدس سے یتیمی کا بارِ غم لئے ویلور تشریف لائے۔ اور آپ کے والد بزرگوار کے نہ صرف جانشین ہوگئے بلکہ الولد سر لابیہ کا مصداق بنکر رشد وہدایت کے سلسلہ کو زوروں پر شروع فرمادیا۔ حج سے واپسی کے وقت آپ کی عمر شریف صرف چودہ سال کی تھی۔

جلسۂ سجادہ نشینی ۱۳۳۹ھ کو دار العلوم لطیفیہ کے احاطہ میں ایک عظیم الشان جلسہ بتقریب سجادہ نشینی منعقد کیا گیا۔ جس میں جیّد علماء اور جمیع سلاسل کے صوفیاء کرام دور دور مقامات سے تشریف لائے تھے۔ بصد شان وشوکت یہ رسم سجادہ نشینی ادا کی گئی۔ آپ کے دستِ مبارک پر ہزاروں آدمی دولتِ بیعت سے مالا مال ہوے اور بہت سارے تو بقول کسے ''قدر نعمت بعد زوال نعمت'' کے مطابق ہاتھ مسوس کررہ گئے اور اپنی اس ناداں خیالی پر آہیں بھر بھر کر رونے لگے۔

مصروفیات اعلیٰحضرت قدس سرہٗ کی مصروفیات کا جب ہم تصور کر بیٹھتے ہیں تو عقل دنگ رہ جاتی ہے کہ تھوڑے سے وقت میں بہت سارا کام کر جاتے تھے۔ روز بیسوں ملاقاتی آتے۔ اطمینانِ کلی کے ساتھ اپنے مطلب کی بات عرض کرتے اور تشفی بخش جواب پاکر شاداں وخنداں رخصت ہوتے۔ مہمانوں کی آمد آمد کا یہ حال ہوتا کہ کبھی یہ سلسلہ منقطع ہونے نہیں پاتا۔ مگر اعلیٰ حضرت کی جواں ہمتی دیکھا جائے کہ ہر ایک کا خاطر خواہ انتظام فرمادیتے اور کسی کو شکایت کا موقع تک نہ دیتے۔ خادموں کو مہمانوں کا خاص خیال رکھنے کی تاکید فرمایا کرتے تھے۔ اس ہجوم خلائق کے باوجود آپ کے معمولات میں کوئی فرق نہیں آنے پاتا تھا، رات تو تھی ہی خلوت یادِ الٰہی کے لئے مخصوص تھی،

ڈر کسی کا نہیں ساری شبِ غم اپنی ہے　　　خوب رولے دلِ ناکام سحر ہونے تک

سجادہ نشینی کے فوراً بعد گھر کا سارا بوجھ آپ کے نازک کندھوں پر پڑ گیا۔ چونکہ اس وقت آپ کے دوسرے سعادت مند بھائی اس قابل نہیں تھے کہ وہ آپ کا ہاتھ بٹا سکیں گویا آپ کی مثال ''ایک سر ہزار سودا'' والی تھی۔ اس کے باوجود کبھی ہمت نہیں ہاری، بلکہ پہلے سے زیادہ سرگرمی اور جوش وخروش کے ساتھ ان ذمہ داریوں کو بحسن وخوبی انجام دیتے رہے۔ گویا اس طرح صبر وتحمل کا سبق کم عمری ہی میں آپ کو مل گیا تھا۔

اخلاق وذاتی خصوصیات اعلیٰحضرت بچپن ہی سے کریمانہ اخلاق اور شریفانہ وضع قطع کے مالک تھے۔ فقراء و مساکین کے ساتھ انتہائی تعظیم وتکریم سے پیش آتے بڑوں کی عزت کرتے، چھوٹوں پر شفقت فرماتے، ہم نشینوں کا خاص خیال رکھتے، اور خیر وعافیت دریافت فرماتے۔ حد درجہ حیا پسند اور کم گو تھے۔ بہ نسبت کلام کے سکوت زیادہ فرماتے تھے۔ آپ کی ہر دلعزیزی کا دائرہ اس قدر وسیع تھا کہ کسی قوم وملت کا فرد اکتساب فیوض روحانی سے محروم نہ جاتا اور ہر مذہب کے آدمی کشاں کشاں حضرت کی زیارت اور سعادت قدمبوسی کے لئے چلے آتے۔ صبح ہوتے ہی ہندو مسلم کا ایک عجیب سماں بندھ جاتا۔ جہاں عفو ودرگذر آپ کی فطرت تھی، وہاں صبر وتحمل آپ کی خمیر میں داخل تھی۔

چند خاص الخاص ذاتی اوصاف : اعلیٰحضرت مرحوم مستجاب الدعوات تھے۔ لوگ دور دور سے دعا کے لئے حاضر ہوتے، حد درجہ غیور تھے کسی رئیس کی محفل میں جانا اپنی فطرت کے خلاف تصور فرماتے۔ ہاں البتہ اپنے مریدین کی دعوت پر ان کے گھر تشریف لے جاتے۔ آپکی زندگی تکلف وتصنع سے عاری تھی۔ لباس معمولی اور سادہ ہوتا تھا۔ کھانا بلا نمک نوش فرماتے تھے۔

معمولات اعلیٰحضرت مرحوم نمازِ فجر سے فراغت پانے کے بعد تلاوت کلام مجید میں مصروف ہوجاتے اور گھنٹوں ایک ہی آیت پر غور وخوض کرتے رہتے۔ نیز آپ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ قرآن کائنات کی تصویر کے ہر رُخ کو پیش کرتا ہے جسکی روشنی میں ہم اپنی زندگی کا نفسیاتی طور پر بہترین جائزہ لے سکتے ہیں۔ کیونکہ زندگی کے ہر موضوع پر بحث کرتا اور اسرارِ زندگی ہمارے روبرو پیش کرتا ہے۔ قرآن مجید کا مطالعہ کرنے والے کی مثال ایک غواص کی سی ہے، جو جتنی دیر پانی میں رہتا ہے، وہ اتنے ہی صدف وگوہر دامن میں بھر بھر کر لے آتا ہے، اگر آپ کے ارشادات وملفوظات کو ضبط تحریر میں لایا جائے تو ایک چھوٹا سا رسالہ ہی ہوجائے تلاوت کلام کے بعد اوراد ووظائف اولیاء کرام میں مصروف ہوجاتے۔ ناشتہ سے فراغت پانے کے بعد خانقاہ تشریف لاتے، مریدین ومعتقدین سے کشادہ پیشانی اور ہر دلعزیزی کے ساتھ ملتے۔ فرصت کے اوقات میں کتب سیر وتواریخ کا مطالعہ فرماتے۔ نماز ظہر کے بعد پھر خانقاہ تشریف لاتے اس وقت بھی کسی ملاقاتی کو ملاقات سے محروم نہ فرماتے۔ بلکہ تھوڑا سا وقت نکال کر اسکی بھی دلجمعی فرمادیتے۔ عصر کی نماز کے بعد اپنے مکان سے تشریف لے جاتے کتب حدیث وفقہ کے ہر ہر موضوع پر گھنٹوں غور وفکر کیا کرتے۔ مغرب کے بعد پھر وظائف میں مشغول ہوجاتے۔ عشاء کے بعد تناول طعام فرماتے اور رات کا اکثر حصہ عبادت وریاضت میں گزار دیتے۔ اس طرح آپ کی زندگی کا کوئی لمحہ یادالٰہی سے غفلت میں نہ کٹتا۔ کبھی کبھی خشیت الٰہی کا اس قدر غلبہ ہوجاتا کہ زار زار روتے، اپنی اور اپنے عزیز واقربا کے لئے

دعائیں کرتے رہتے۔

حافظہ آپ کم عمری ہی میں حفظِ قرآن فرما چکے تھے، حافظہ اس قدر قوی کہ صدیوں کے واقعات کچھ اس انداز سے سناتے کہ وہ ابھی ابھی ہوے ہیں، خصوصاً تواریخ کو سند مسلسل مع تاریخ واقعات سنائے چلے جاتے۔ اپنے بزرگوں کے واقعات تواز بر تھے۔

ذاتی وقار یا شخصیت کا رعب، اعلیٰحضرت کی خدمت بابرکت میں بڑے سے بڑا سرکش اور ظالم ہی کیوں نہ ہو جب حاضر ہو جاتا تو سراپا عجز و نیاز و مرقعہ خلوص بن جاتا اور ایک ہی پہلو گھٹنوں حرکت کئے بغیر بیٹھ جاتا، جمال باکمال کا یہ حال کہ مجرد دیدار ہی سے سنگدل موم بن جائے۔ مگر اعلیٰحضرت مرحوم کا یہ وطیرہ رہا کہ اپنی زندگی میں سخت سے سخت مخالف و معاند سے ترشروئی کے ساتھ کبھی پیش نہ آئے بلکہ پوری بشاشت و انشراح قلب کے ساتھ اسی طرح ہم کلام ہوتے کہ ہر ایک بھی خیال کرتا کہ اعلیٰحضرت مجھ سے زیادہ محبت کرتے ہیں گویا آپ کی ذات بابرکات بقول کسے

ہر کہ مارا یار نبود ایزد اور ا یار باد	ہر کہ مارا رنج دادہ راحتش بسیار باد
ہر کہ در راہِ منم خارے نہد از دشمنی	ہر گلے کز باغ عمرش بشگفد گلزار باد

کی سراپا تفسیر و تعبیر تھی۔

تعلیمی صیغہ سے دلچسپی سجادہ نشینی کے فوراً بعد دارالعلوم لطیفیہ کی سرپرستی کا مسئلہ بہت حد تک نازک شکل اختیار کر چکا تھا۔ نامساعد حالات کو موافق بنانے کے لئے آپ نے انتھک کوشش کی، حالات سدھرتے گئے، ہمت بڑھتی گئی اور کام کرتے چلے گئے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دارالعلوم آج معراج کمال کو پہنچے ہوے ہے اور اپنی قدیم روایات کو اپنے اندر جذب کر لینے کی پیہم کوشش کر رہا ہے اور جست پہ جست لگائے جا رہا ہے۔ آج اس کے حالات بہت حد تک سدھر اور سنور چکے ہیں۔ یہ جو کچھ کہ ہوا آپ کی انتھک کوششوں اور مخلص نیتوں ہی کا ثمرہ ہے جو ہمیں اس صورت میں مل رہا ہے۔ راقم الحروف تعلیمی و تنظیمی امور کے سلسلہ میں اکثر حاضر ہوتا اور آپ حسن کارکردگی اور تنظیمی امور کے متعلق زرین اور گراں قدر مشوروں سے نوازتے اور طریقہ تعلیم کے نئے نئے طریقے بتاتے طلباء و اساتذہ سے دلچسپی اخیر تک باقی رہی۔ ان کی ہمت افزائی اور دلجوئی میں کوئی کسر باقی نہیں رکھتے تھے۔

جلسۂ خلافت ۱۳۷۵ھ میں اعلیٰحضرت مرحوم کو حکم غیبی ہوا کہ آپ اپنے عزیز بھائیوں کو خرقۂ خلافت سے نوازیں گویا آپ کو یہ معلوم کرادیا گیا تھا کہ آپ چند دن کے مہمان ہیں چنانچہ آپ نے اس سلسلہ میں ایک عظیم الشان جلسۂ خلافت منعقد فرمایا۔ جس میں ملک بھر کے سجادہ نشین شعرا و ادبا حضرات تشریف لائے تھے۔ مراسم کی ادائیگی کے بعد آپ نے بھائیوں کے درمیان خرقہ خلافت تقسیم فرمایا۔

وقت کے واصلان حق کی چند قدر شناسیاں اپنے وقت کے واصلانِ حق کو اعلیٰحضرت مرحوم کی شان میں کہتے ہوئے سنا ہے لیکن مشکل یہ کہ ہماری کوتاہ نظری اس مرد عارف کے محاسن ومناقب کا اندازہ لگانے سے قاصر رہی۔ چنانچہ نبیرۂ قادری میراں ابوصالح سید احمد صاحب الجیلی القادری نے ایک مرتبہ بحالتِ وجد فرمایا کہ آپ کا حلیۂ جلال و جمال ایسا وجد آفریں نظر آیا کہ اگر مجھے آداب محفل کا پاس ہوتا تو میں اس مرد عارف کے قدم چوم لیتا اور گریبان چاک کرکے رقص کرنے لگتا۔ ایک اور مرتبہ فرمانے لگے، اس دنیائے رنگ وبو میں اگر کسی زندہ قطب کو دیکھنا چاہو تو اس مرد قطب کو دیکھو جو اقطاب حضرت مکان کی خانقاہ میں آیۂ من آیات اللہ کی سراپا تفسیر اور اصلھا ثابت وفرعھا فی السّماء کا مثالی نمونہ بنے سجادہ نشین ہے۔ ایک اور مرتبہ ارشاد فرمانے لگے۔ افوہ! تم یہ سمجھ رہے ہو کہ یہ مرد قادر کوئی معمولی ہستی ہے نہیں اس کو میری آنکھ سے دیکھو، یہ تو زندہ ولی ہے۔

اعلیٰحضرت مرحوم کس پایہ کے بزرگ تھے۔ مندرجۂ ذیل واقعہ سے آپ بخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں کہا جاتا ہے کہ غلام محی الدین مرحوم جو دھرم پور کے مٹھے دار تھے۔

تھی تلاش ان کو شیخ کامل کی | مرد عارف کی حق سے واصل کی
شوق تھا رات دن توسّل کا | شیوہ تھا خلق سے تبسّل کا

آخر مٹھے دار صاحب گھومتے گھامتے تلاش حق میں

شاہ گنج سوائی تک پہنچے | اور رہے جاکے بارگہ میں کھڑے
عرض ومعروض میں زبان کھلی | اور بڑی عاجزی سے عرض یہ کی
شیخ کامل مجھے دکھا دیجئے | پردہ آنکھوں سے اب اٹھا دیجئے

اور شاہ گنج سوائی قدس اللہ سرہٗ

طالب حق کی آرزو پاکر | اور خود اپنے ساتھ لے جاکر
حلیۂ شیخ اسے دکھا بھی دیا | اور حضرت مکاں بتا بھی دیا

اور مزید فرمایا!

میرا ہمنام ہے یہ شیخ ترا | میرا ہم گام ہے یہ شیخ ترا
عبد قادر ہوں میں بھی یہ بھی ہے | اور شاکر ہوں میں بھی یہ بھی ہے
قادریت میں پختہ مرد ہے یہ | اور قطبیت میں آج فرد ہے یہ

موصوف اشارۂ غیبی پاتے ہی کشاں کشاں شاداں وخنداں مکان حضرت قطب ویلور تشریف لائے اور سیدھے اس گلشنِ عرفان میں داخل ہوگئے اور گنبد اقطاب میں فروکش ہوکر کچھ دیر مراقبہ کیا اور پھر اعلیٰحضرت مرحوم کو دیکھنے کے لئے دروازہ پر آنکھیں

گاڑدیں، تھوڑی ہی دیر گزری نہ تھی کہ اعلیحضرت مرحوم خانقاہ جانے کے لئے مکان سے نکلے موصوف دیکھتے ہی پہچان گئے، برق کی طرح اٹھے اور بجلی کی طرح دھرم پور پہنچے اور اپنے اہل وعیال کو ساتھ لاکر اعلیحضرت کے دستِ فیض درجت پر بیعت ہوگئے۔ اس کے بعد مٹھے دار صاحب نے اسکی اطلاع دی جس کو سن کر آپ درگاہِ الٰہی میں سربسجدہ ہوگئے۔

حضرت علامہ شاکر نائطی مدظلہ العالی نے اعلیحضرت کے وصال سے قبل ایک خواب دیکھا تھا، جس کو آپ نے نظم کے سانچے میں ڈھالا ہے۔ خواب اس قدر اہم اور وقیع ہے کہ ہم نے اس کا ذکر ضروری سمجھا آپ ہی کی زبانی سنئے فرماتے ہیں۔

تھے کرامات سے بھرے انساں — لیلۃ القدر ہو کے تھے پنہاں

میں نے دیکھا تھا ایک خواب کبھی — ہے نگاہوں میں اس کا منظر ابھی

منظرِ خواب ملاحظہ فرمائے کہ اس میں کس قدر واقعیت اور حسیّت کا پہلو نمایاں ہے۔

بقعۂ نور تھا تمام جہاں — فرش سے عرش تک فضا یکساں

ذرہ ذرہ میں تلملاہٹ تھی — قطرہ قطرہ میں جگمگاہٹ تھی

بجلیاں کوندتی نظر آئیں — تابشِ نور کی نظر آئیں

سامنے تھا جلال کا منظر — اور اسی میں جمال کا منظر

کچھ نرالا تھا عالم قدرت — مجھ کو اس دید سے ہوئی حیرت

پھر اس کے بعد :-

جب یہ نقشہ نگاہ نے دیکھا — تو میرے کان میں کسی نے کہا

بنید ایں جلوہ راچہ ذوبصرے — ایں ہمہ تاب گوشۂ نظرے

پیر روشن ضمیر تھے یہ تو — عاشق دستگیر تھے یہ تو

قبولیتِ عام اعلیحضرت مرحوم ہر طبقۂ خیال کے لوگوں میں مقبول ومحبوب تھے ہی مگر جنّوں کو بھی آپ سے حد درجہ اُلفت ومحبت تھی، مشہور ہے کہ اعلیحضرت مرحوم فرمی کے دنوں میں اکثر لطیفیہ کے اس گوشہ میں جو خانقاہ کے عین مقابل پڑتا ہے استراحت فرمایا کرتے تھے۔ ایک رات چند جن آپ پر سے گزرے اور آپ گرمی کی شدت سے کروٹ بدل بدل کر سو رہے تھے، جنوں نے جب یہ دیکھا تو کوئی پنکھا جھلنے لگا اور کوئی پیر سہلانے۔ اعلیحضرت کے پائیں خادم دنیا ومافیہا سے بےخبر سو رہا تھا۔ آپ کو تعجب ہوا کہ ایک آدمی دو کام کیسے کر سکتا ہے۔ آپ نے خادم کو آواز دی۔ مگر کوئی آواز نہ آئی۔ اسی اثنا میں جنوں سے ایک کو یہ کہتے ہوئے سنا وہ کہہ رہا تھا کہ ہم کو ادھر کا رخ کئے ہوئے کافی عرصہ گزر چکا ہے۔ بہت سال بعد آج ہمارے بزرگوں کی خدمت کا موقعہ ملا ہے۔ ہمارا گمان غالب

ہے کہ یہ جن وہی تھے جو حضرت ذوقی اور حضرت محوی قدس اللہ سرہم سے استفادہٗ علم کیا کرتے تھے۔

انتقال پر ملال مختصری علالت کے بعد مزاج اس قدر پلٹا کھایا کہ کوئی امید افزا صورت نظر نہیں آئی۔ مشن ہسپتال ویلور کے مشہور معالج علاج کے لئے منتخب کئے گئے باقاعدہ طور پر علاج جاری رہا۔ دورانِ علاج میں ڈاکٹر آپ کے استقلال اور اطمینان کو دیکھ کر اظہارِ حیرت کرتے تھے۔ وصال کے دن قریب ہوتے گئے اور آپ سے عجیب عجیب محیر العقول واقعات ظہور پذیر ہوتے گئے۔ چنانچہ محرم کی چار تاریخ کو آپ کی عزیز ہمشیرہ صاحبہ جب ٹمپریچر دیکھنے کے لئے گئیں تو آپ ؎

مسکرا کر یہ سب سے کہنے لگے غم میں ان کے جو اشک بہنے لگے

ابھی لے لو جو ہم سے ہو لینا آٹھویں روز خوب رو لینا

جب چار محرم گذر گئے اور ۱۲ محرم کا دن آیا تو ادھر اس روز کا ؎

نکلا سورج بھی تھرتھراتا ہوا منظر غم میں تلملاتا ہوا

اور ادھر حالتِ نزع میں زبان فیض ترجمان پر بے ساختہ کلمۂ طیبہ کا ورد جاری ہو گیا۔ ہاتھ پاؤں کو خود بخود آپ نے درست فرمالیا۔ لبوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ چہرہ انور ہشاش بشاش نظر آنے لگا۔ گویا یوں معلوم ہوتا تھا کہ مہر منور زندگی میں پہلی مرتبہ اس قدر چمک دمک رہا ہے۔ اور آپ کو کوئی غیر فانی دولت ابدی لذت اور کوئی دلی تمنا پوری ہوی جارہی ہے سچ کہا ہے حضرت شاکر نائطی نے بھی ؎

حالت نزع میں خود انکو سکون اور حضار بیقرار و زبوں

ہاتھ دونوں اٹھائے بہر دعا دیر تک مانگی حق سے حق کی بقا

سچ تو یہ ہے کہ اللہ کے محبوب بندے جنکی زندگی سراسر حق پرستی میں گذری ہو اسی طرح موت سے کھیلا اور مذاق کیا کرتے ہیں اور زندگی ہی میں مرگِ صالح کی آرزو کیا کرتے ہیں۔

قسمت نگر کہ کشتۂ عشق یافت مرگے کہ زاہداں بہ دعا آرزو کنند

یا بقول شاعر مشرق حضرت علامہ اقبال علیہ الرحمہ ؎

نشان مرگ مومن باتو گویم چو مرگ آید تبسم برلب اوست

یا بقول حضرت علامہ شاکر آپ قبل از وصال واصل تھے اور اس سے بھی بڑھ کر ہو گئے مر کے زندۂ جاوید۔ مختصر یہ کہ صبح کی پو پھوٹنے سے قبل روح پر فتوح قفسِ عنصری سے یہ کہتے ہوے پرواز کر گئی کہ ؎

بعد وفات تربتِ ما بر زمیں مجو

در سینہ ہاے مردمِ عارف مزار ما

اسقدر کہہ چکنے کے بعد جب ہم حقیقت حال کی طرف عود کرآتے ہیں تو یہ مبہم حقیقت واضح ہوتی ہے کہ ؎

ایسے کیا انتقال کرتے ہیں مرنے والے بھی ساتھ مرتے ہیں
مرگ تنہا نہیں یہ وہ غم ہے موت عالِم کی موت عالَم ہے

جس وقت حضرت مرحوم کا جنازہ دارالعلوم لطیفیہ کی سرحد میں لاکر رکھا گیا، تو ایک قیامتِ صغریٰ برپا ہوگئی۔ مریدین و معتقدین جو دور دور مقامات سے تشریف لائے تھے اس جوہر نایاب کی گم شدگی پر کوئی دھاڑیں مار مار کر رو رہا تھا، کوئی سسکیاں بھر بھر کر، کوئی گریباں چاک کر رہا تھا کوئی سر پیٹ رہا تھا، غرض ایک شور نشور تھا جو ویلور میں برپا ہوگیا تھا بس یوں کہئے کہ ۔

آج یوم نشور ہے! کیا ہے شور ہے یہ کہ صور ہے! کیا ہے
انفجار بحور ہے! کیا ہے منکدر نجم و خور ہے! کیا ہے

زیر و بالا زمانہ ہوتا ہے
مرگیا قطب چرخ روتا ہے

آہ سینے میں لب پہ شیون ہے دل میں نالہ جگر میں روزن ہے
پنجہ بر جیب و چاک دامن ہے حسرت و درد و لب گزیدن ہے

دائرہ دہر کا جو پرغم ہے
ایک قطب زماں کا ماتم ہے

بہر کیف آپ کے چھوٹے بھائی مولوی ابوالنصر قطب الدین سید شاہ محمد باقر قادری نے نماز جنازہ پڑھائی، کئی ہزار کی کثیر جماعت نمازِ جنازہ میں شریک رہی، مغرب سے پہلے آپ کو اپنے خاندانی گنبد میں لایا گیا اور حضرت ذوقیؔ قدس سرہٗ کے پہلو جانبِ قبلہ سپرد خاک کردیا گیا، حضرت شاکر نے تاریخ رحلت کہی ہے۔

حضرت ابوالفتح سلطان محی الدین عبدقادر قدوۂ اہل صفا
کرد رحلت آہ تاریخ وصال گفت شاکر غاب قطب الکبریا

۱۳۷۸ھ

حضرت ابوالنصر قطب الدین سید شاہ محمد باقر صاحب قبلہ قادری ویلوری

سجادہ نشین خانقاہ اقطاب ویلور قدس اللہ اسرارھم

خانوادۂ اقطاب ویلور کی آٹھویں پشت اور نویں سجادہ نشین بزرگ حضرت مولانا ابوالنصر قطب الدین سید شاہ محمد باقر صاحب قبلہ قادری جو شمس العلماء شاہ محی الدین سید شاہ عبداللطیف ثالث کے صاحبزادے ہیں۔ رنگ گندم گوں قد متوازن قوی الجثہ، داڑھی عریض اور گھنی، پیشانی کشادہ، صاحبِ وقار اور ہنس مکھ ہیں ۔ ۱۳۲۸ھ کو مکان حضرت قطب ویلور میں پیدا ہوے، دارالعلوم

لطیفیہ میں قابل اساتذہ کی زیرنگرانی آپ کی ابتدائی تعلیم ہوی۔علم وادب کے بہت سارے شہ پارے ہاتھ لگے۔اعلیحضرت مرحوم کے پاس علم تصوف کے نکات حاصل کرتے رہے۔یہاں تک کہ آپ تصوف کے لاینحل مسائل خود بخود حل کرنے لگے۔

آپ کی ولادت کے چند دن پیشتر آپ کے والد ماجد قدس سرہٗ نے ایک رات خواب میں دیکھا کہ ہر شجر حجر اور ہر درودیوار پر ابوالنصر قطب الدین سید شاہ محمد باقر لکھا ہوا ہے۔سمجھا کہ لڑکا پیدا ہونے والا ہے۔جب آپ پیدا ہوے تو اسی بشارت کے مطابق آپ کا یہی نام قرار پایا۔

آپ بچپن ہی سے بڑے باوقار وسلیقہ شعار واقع ہوے ہیں۔دوررس ذہن اور خدارس نگاہ رکھتے ہیں۔خاندانی خصوصیات آپ میں بدرجۂ اتم موجود ہیں۔مہمان نوازی وغربا پروری میں اپنے اسلافِ کرام کے نقش قدم پر ہیں کشادہ ونرم دل بھی ہیں۔آپ نے اپنی زندگی کا اکثر حصہ زہدوریاضت میں گزارا،اور اعلیٰحضرت مرحوم کے دست راست بن کر کام کرتے رہے۔

اعلیٰحضرت قدس سرہٗ نے اپنی زندگی کے آخری دور یعنی ۱۳۷۵ھ کو بحسب ارشاد جدامجد اپنے عزیز بھائیوں ،(موجودہ بھائیوں میں آپ ہی بڑے بھائی ہیں) کو خرقہ پہنایا اور سندِ خلافت دی اعلیٰحضرت مرحوم کے وصال کے چالیس دن بعد ایک جلسہ بتقریب سجادہ نشینی ۲۲صفر المظفر ۱۳۷۸ھ کو منعقد ہوا۔اس جلسہ کے لئے سلاسل کے سجادہ نشینوں کو مدعو کیا گیا۔ان بزرگوں کی موجودگی میں رسم سجادہ نشینی نہایت ہی تزک واحتشام سے ادا کی گئی۔

آپ کے دو اور بھائی ہیں جن میں سے ایک حضرت مولانا ابوالصالح عمادالدین سید شاہ محمد ناصر صاحب قبلہ قادری جو حضرت میراں پاشاہ صاحب قبلہ سے مشہور اور شمس العلماء شاہ محی الدین سید شاہ عبداللطیف ثالث کے صاحبزادہ عالی وقار ہیں۔۵ذی الحجہ ۱۳۲۹ھ کو ویلور میں پیدا ہوئے۔ابتدائی تعلیم دارالعلوم لطیفیہ میں ہوی۔مزید تعلیم کے لئے مدرسۂ نظامیہ حیدرآباد میں داخلہ لیا۔وہاں چند سال قابل اساتذہ کے پاس کسبِ علم فرمایا۔۱۳۷۵ھ میں اعلیٰحضرت مرحوم نے آپ کو بیعت اور خرقۂ خلافت دونوں سے بہرہ ور فرمایا۔آپ بھی اپنے بڑے بھائی کی طرح حد درجہ خلیق ولئیق واقع ہوے ہیں سنجیدہ مزاج رکھتے ہیں۔کتبِ تصوف کا مطالعہ آپ کا محبوب وواحد مشغلہ ہے۔اللہ کرے کہ آپ بھی ترقی کریں اور اپنے بڑے بھائی کی طرح ایک عالم کو فیوض وبرکات سے بہرہ ور فرمائیں ۔اللہم زدفزد ۔

آپ کے ایک آخری اور بھائی حضرت مولانا ابوالحسن صدرالدین سید شاہ محمد طاہر صاحب قادری جو حضرت پیر سے مشہور اور شمس العلماء شاہ محی الدین سید شاہ عبداللطیف رابع کے صاحبزادۂ صاحب جمال ہیں ۱۳۳۶ھ کو ویلور میں پیدا ہوے۔ابتدائی تعلیم دارالعلوم لطیفیہ میں ہوی۔طبیعت انگریزی علم کی طرف مائل تھی۔چنانچہ آپ نے گورنمنٹ محمڈن ہائی اسکول ویلور سے سکول فائنل کیا ۔پھر اسلامیہ کالج وانمباڑی میں ایک سال تعلیم پائی۔اس کے بعد گورنمنٹ محمڈن کالج مدراس سے بی اے۔کیا اور پھر لاکالج میں داخل ہوگئے ۱۳۷۵ھ میں اعلیٰحضرت مرحوم نے آپ کو بھی بیعت اور خرقۂ خلافت دونوں سے نوازا۔آپ انتہائی خلیق ومتواضع بزرگ ہیں۔علمی چیزوں سے حد درجہ شغف اور دلچسپی رکھتے ہیں اور آجکل دارالعلوم لطیفیہ کی ارتقاء وبقا کے لئے انتھک کوشش کرتے ہیں عزائم بلند

اور ارادے نیک ہیں۔ دینی معلومات کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ آپ کا نظریہ ایک صالح انقلاب کا ہے۔

اللہ کرے کہ آپ اپنے عزائم میں کامیاب ہوں۔ دعا ہے کہ اللہ اپنی نوازشات وفیوضات کا سلسلہ اس خانوادۂ اقطابِ ویلور پر جاری وساری رکھے اور یہ چمن اقطاب اپنی مدہوش کن وکیف آور خوشبو سے سارے دکن بلکہ سارے ہند کو پھر سے معطر کر دے، آمین۔

ایں دعا از من واز جملہ جہاں آمین باد

مؤخر الذکر تینوں حضرات یکے بعد دیگرے سفرِ آخرت پر روانہ ہو گئے اعلیٰحضرت مولانا ابوالنصر قطب الدین سید شاہ محمد باقر قادری آخری صلبی سجادہ نشین ثابت ہوئے جن کی وفات سے حضرت سید عبداللطیف قادری بیجاپوریؒ کی قرینہ اولاد کا سلسلہ ختم ہوا اور آپ کے برادر عزیز حضرت مولانا ابوالحسن صدرالدین سید شاہ محمد طاہر قادری کی دو صاحبزادیوں سے آل کا سلسلہ جاری وساری ہے۔

مدرسۂ لطیفیہ

پروفیسر محمد جلال کڈپوی

اے مخزن علوم حقیقی لطیفیہ
اے درس گاہِ قربیؔ و ذوقیؔ لطیفیہ
لہرا رہا ہے سارے دکن میں علم تیرا
ہے جب وجود سب کے لئے مغتنم لطیفیہ
معدن سے تیرے قوم کو جوہر کئی ملے
یعنی علوم دین کے رہبر کئی ملے

(سالنامہ اللطیف ص ۱۸۵ مطبوعہ قومی الکٹرک پریس بنگلور، ۱۳۹۸ھ)

حضرت مولانا سید شاہ محی الدین عبد اللطیف قادری المعروف قطب ویلور کی تصنیفی خدمات

از ڈاکٹر بشیر الحق قریشی

آپ کا اسم گرامی سید عبداللطیف ہے اور آپ علمی دنیا میں شاہ محی الدین اور حضرت قطب ویلور سے مشہور ہیں۔ آپ کے والد ماجد کا نام حضرت سید شاہ ابوالحسن محوی اور والدہ ماجدہ کا نام حضرت بی بی امۃ المجید (متوفاۃ ۱۲۸۲ھ) بنت حضرت سید شاہ علی محمد قادری ویلوری (متوفی ۱۲۲۶ھ) ہے۔ حضرت قطب ویلور کی ولادتِ باسعادت بروز ہفتہ یوم البدر بوقت طلوع صبح صادق۔ ۱۴، جمادی الآخری ۱۲۰۷ھ آپ کے جد مادری سید علی محمد قادری کے گھر محلہ سعید آباد ویلور میں ہوی۔ بقول ضمیمۂ جواہر السلوک:

"ولادتِ وے درویلور بمحلہ سعید آباد در خانہ جد مادری دے سید علی محمد قادری ہنگام طلوع صبح صادق شنبہ یوم البدر جمادی الاخری ۱۲۰۷ ہجری است (ضمیمۂ جواہر السلوک: ص: ۲۶۶)

زمانہ کی مروجہ عادت اور طریقہ کے مطابق آپ کی تعلیم شروعات چار سال کی عمر میں ہوی ابتدائی تعلیم والدِ ماجد کے پاس ہوئی۔ آپ عہد طفولیت ہی سے ذہین وفطین تھے۔ اس عمر میں بھی آپ کے اندر کھیل کود اور لایعنی مشاغل سے کوئی دلچسپی اور رغبت نہ تھی۔ درس اور مطالعہ کے اوقات کے بعد فن کتابت آپ کا محبوب اور پسندیدہ مشغلہ تھا۔ چناں چہ آٹھ سال کی عمر میں ایک بہترین خطاط اور خوش نویس اور زود نویس کاتب بن چکے تھے۔ اور تین چار دن میں کلام اللہ کا ایک سیپارہ لکھ کر اپنی مسجد کے موذن کے حوالے کرتے تھے اور وہ لوگوں کو دے کر ہدیہ حاصل کرتے اور آپ کی خدمت میں پیش کرتے تو آپ وہ رقم اپنی والدہ کے حوالے کر دیتے۔ مولانا عبدالحئی بنگلوری فرماتے ہیں:

ایک سیپارہ کلا م اللہ — لکھتا یہ چار دن میں وہ آگاہ
اور موذن کے ہاتھ دیتا تھا — لاتا وہ کر فروخت زر اس کا
اور وہ پیسوں کو شیخ نے لیتا — والدہ پاس اپنے لادیتا

(مثنوی مطلع النور: ص: ۱۸)

حضرت قطب ویلور کی عمر جب آٹھ سال تھی تو اس وقت اپنے والد ماجد کو یہ فرماتے ہوئے سن لیا تھا کہ جمعہ کے دن خطبوں کے درمیانی وقت میں دعا قبول ہوتی ہے تو اسی وقت آپ نے اپنے دل میں نیت کر لی کہ اگلی جمعہ اس مستجاب وقت میں اپنے لئے علم وفہم اور فضل وکمال کی دعا مانگ لوں گا۔ چنانچہ آپ نے اگلی جمعہ دو خطبوں کے درمیان اپنے لئے علم کی دولت مانگی اور یہ دعا قبول ہوگئی۔ اس کے بعد آپ علم وفضل کے میدانوں میں آگے بڑھتے چلتے گئے۔ مولانا عبدالحئی رقم طراز ہیں:۔

مگر اس جمعہ میں وہ آئی ہو تب — کہ کیا شیخ نے دعا وہ جب
کیا مقبول اس کو ربّ غفور — ہوا فوراً قبولیت کا ظہور

(مثنوی مطلع النور: ص: ۱۸)

حضرت قطب ویلور کو دینی علوم وفنون کی تحصیل کے ساتھ فنونِ حرب وضرب کی تحصیل کے مواقع بھی من جانب اللہ حاصل ہو گئے۔ چنانچہ اس زمانہ میں ٹیپو سلطان کی شہادت کے بعد انگریزوں نے ان کی بیگمات، شہزادوں اور شاہی خاندان کے دیگر لوگوں کو ویلور کے قلعہ میں نظر بند رکھا۔ سلطان کے خاندان والوں کو حضرت قطب ویلور کے والد ماجد حضرت محوی کے خانوادے سے نیاز مندانہ اور عقیدت مندانہ تعلق تھا۔ جب خانوادۂ ٹیپو سلطان کے افراد قلعہ میں محصور ہوئے تو حضرت محوی کے گھر والوں سے مزید تعلق اور آمد ورفت کی صورت پیدا ہوگئی۔ حضرت محوی کا مکان قلعہ کی شمالی سمت ہی میں واقع ہے۔ چنانچہ سلطان ٹیپو کے صاحبزادۂ والا شان نے حضرت محوی کی خدمت میں پیغام بھیجا کہ آپ اجازت مرحمت فرمائیں تو صاحب زادۂ گرامی گوہر قطب ویلور کو فنونِ حرب کی تعلیم کے لئے اتالیق بھیج دوں۔ شہزادے کی خواہش پر حضرت محوی نے ہاں کہہ دی۔ اس طرح حضرت قطب ویلور نے فنون حرب وضرب میں کمال حاصل کرلیا۔ چنانچہ حضرت عبدالحئ بنگلوری نے اپنی مثنوی میں اس طرح ذکر کیا ہے۔

ٹیپو سلطان شہید عالی شان ۔۔۔ ملکِ میسور کا جو تھا سلطان
اس کی رحلت کے بعد لوگ اس کے ۔۔۔ بیگمات اور اس کے شہزادے
سب تھے محصور قلعۂ ویلور ۔۔۔ معتقد پدر شیخ کے مشہور
سو اسی روز ایک شہزادہ ۔۔۔ ہوا بریں امر خیر آمادہ
والد شیخ پاس سرعت سے ۔۔۔ بھیجا پیغام یہ عقیدت سے
کہ میں نیت کیا ہوں اے رہبر ۔۔۔ شیخ زادے کی تربیت کے اوپر
تین استاد کو میں دیوں قرار ۔۔۔ تار ہیں تربیت میں لیل و نہار
کہ معلم ہوں علم کے وہ فہیم ۔۔۔ دیوے یک خط نسخ کی تعلیم
سہ اتالیق و اپ اور انفار ۔۔۔ اور چابک سوار بھی اے یار
ہوے حاضر مکان اقدس پر ۔۔۔ اور باندھے ہیں تربیت پہ کمر

شیخ سے مراد حضرت قطب ویلور کی ذاتِ گرامی ہے جو حضرت عبدالحئ کے مرشدِ روحانی وشیخ مربی تھے۔ (مثنوی مطلع النور: ص: ۱۸)

حضرت قطب ویلور نے اپنے والد ماجد اور دیگر نابغۂ روزگار اساتذہ سے علم حاصل کیا۔ اور چند سالوں کی مدت میں علم تفسیر، حدیث، فقہ، عقائد، اصول، فرائض، تصوف، فلسفہ، منطق، کلام، ہندسہ، ہیئت، حساب، مساحت، طبابت وغیرہ میں ملکہ پیدا کرلیا۔ اور انیس سال کی عمر میں ۱۲۲۶ھ میں درسیات سے فراغت حاصل کرلی اور اسی زمانہ میں کلام اللہ حفظ کرنا شروع کیا اور صرف ایک سال کی قلیل ترین مدت میں حافظِ قرآن ہو گئے۔ ضمیمۂ جواہر السلوک میں مرقوم ہے:

''از تعلم نزد والد خود ودیگر اساتذہ تا ۱۲۲۶ھ فراغت یافت ودر سال ۱۲۲۷ھ تحفظِ قرآن مجید پرداخت۔'' (ضمیمۂ جواھر السلوک: ص: ۲۶۶)

حضرت قطب ویلور کے اساتذہ کرام میں سرفہرست ملک العلماء حضرت مولانا مولوی علاؤالدین احمد، پرنسپل مدرسۂ کلاں مدراس اسم گرامی ہے۔ جن سے علمی استفادہ کا ذکر حضرت قطب ویلور نے اپنے ایک مکتوب میں کیا ہے جو مولانا مولوی جمال الدین احمد خلف الرشید مولانا علاؤالدین کے نام ارسال کیا ہے اور اس میں اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ یہ فقیر مولانا علاءالدین کے حقوق کو اپنے والد اور شیخ کے حقوق کے مقارن اور مساوی سمجھتا ہے۔

''این مسکین ہماں محی الدین پارینہ است کہ برآستانہ فیض آشیانہ مولانا ملک العلماء حضرت مولوی علاؤالدین احمد از فنون و علوم در یوزہ گری می گرد۔ وحقوق ایشاں مقارنِ حقوق ابی وشیخی می شناسد'' (مکتوب لطیفی: قلمی)

مولانا علاؤالدین کے علاوہ افضل العلماء قاضی القضاۃ محمد ارتضاء علی خان بہادر بھی حضرت قطب ویلور کے اساتذۂ کرام کی صف میں شامل ہیں جن سے آپ نے علمی استفادہ کیا ہے۔ چنانچہ اپنی تصنیف رسالہ ''احیاء سنت'' سے متعلق قاضی صاحب کو لکھتے ہیں کہ یہ فقیر آپ کے ملاحظہ کے بغیر اس رسالہ کو قابل اشاعت نہیں سمجھتا۔ محو واثبات اور کمی وزیادتی میں آپ پوری طرح مختار ہیں۔

''حالا در رسالہ احیاء سنت بخدمت فرستادہ ام وبدن اصلاح شریف قابل ترویج نمی پندار دودر کمی وزیادت ومحو واثبات مختار اند۔''

(خانوادۂ قربی کی اردو خدمات: ص:۱۴۰: ڈاکٹر ذاکرہ ام شہلا: غیر مطبوعہ مقالہ، برائے پی ایچ ڈی، ۱۹۸۹ء)

حضرت قطب ویلور نے اپنی تعلیم مکمل کرنے کے بعد کامل یکسوئی اور انہاک کے ساتھ مختلف تفاسیر، احادیث، اسمائے رجال، سیر، تاریخ اور تصوف کا مطالعہ عمیق نظر کے ساتھ کیا اور عیسائی لٹریچر اور اہل کتاب اور اہل اسلام کے درمیان ردوترديد پر مشتمل مواد کا بڑی تحقیقی نظر سے جائزہ لیا اور عیسائیوں کی کتابوں سے تقریباً تین تناقصِ افکار اور تضادِ آراء کی نشان دہی کی تو عیسائی اہل علم حیران رہ گئے۔

(خانوادۂ قربی کے اردو خدمات: ص:۱۴۰: ڈاکٹر ذاکرہ ام شہلا: تحقیقی غیر مطبوعہ مقالہ ۱۹۸۹ء)

حضرت قطب ویلور کے مطالعہ وتحقیق کی وسعت اور تنوع نے ان کی علمی تشنگی کو اور بڑھا دیا۔ ویلور جیسے چھوٹے شہر میں اہل فضل و کمال کی قلت اور کمی کے باعث آپ کو پوری طرح سے علمی سیرابی حاصل نہ ہونے کا یقین ہوا تو آپ نے مدراس جانے کا عزم صمیم کر لیا اور اس وقت شہر مدراس ایک عظیم علمی مرکز اور اہلِ علم واصحابِ کمال کی آماجگاہ بنا ہوا تھا۔ حضرت علامہ بحر العلوم عبد العلی اور ان کے تلامذہ کی علمی واصلاحی سرگرمیوں سے مدراس جگمگا رہا تھا۔ حضرت قطب ویلور نے حصول علم کی غرض سے مدراس میں آٹھ سال قیام کیا۔ جس وقت آپ مدراس پہنچے تو اس وقت آپ کی عمر ستائیس سال تھی۔ پینتیس سال میں آپ کی فراغت ہوئی۔ بحر العلوم کے داماد حضرت مولانا علاؤالدین احمد (شارحِ فصول اکبری) اور مدرسۂ کلاں کے اساتذۂ کرام سے تعلیم حاصل کی۔ ۵ شعبان المعظم ۱۲۴۲ھ مطابق ۱۸۰۳ء کو آپ کی فراغت ہوئی۔

(صوفیائے کرام میں قطب ویلور کا علمی مرتبہ: یوسف کوکن عمری: سالنامہ اللطیف: ص:۱۳۵: ۱۳۸۹ھ)

حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی کی معرکۃ الآراء فارسی تصنیف ''تحفہ اثناء عشریہ'' ۱۲۲۸ھ میں مدراس میں مدراس پہنچی تو اس کی غیر معمولی مقبولیت اور پذیرائی ہوئی اور حضرت قطب ویلور کے استاد محترم مولانا محمد سعید اسلمی نے ''الصولۃ الحیدریۃ'' کے نام سے عربی میں ترجمی مطالعہ کیا تو آپ کے دل میں خواہش پیدا ہوئی کہ دہلی جا کر براہِ راست مصنفِ کتاب سے استفادہ کیا جائے، اس سفر کی اجازت کے

لئے والدین کی خدمت میں ویلور پہنچے تو والدین نے کہا: پہلے یہاں کی تعلیم مکمل کرلو، اس کے بعد مزید تعلیم کے لئے دہلی کا قصد کرو۔ چنانچہ فراغت کے بعد دہلی جانے کی سوچ ہی رہے تھے کہ اس درمیان میں ۲۲ جمادی الآخر ۱۲۴۳ھ کو والد ماجد حضرت محوؔی دارفانی سے کوچ کر گئے۔ جس کی وجہ سے آپ کو آستانہ کی سجادہ نشینی اور دارالعلوم لطیفیہ کی سرپرستی قبول کرنا پڑا اور اس طرح آپ کا یہ ارادہ پورا نہ ہوسکا۔

(صوفیائے کرام میں قطب ویلور کا علمی مرتبہ: یوسف کوکن عمری: اللطیف: خاص نمبر: ص: ۱۳۵)

حضرت قطب ویلور نے اپنے والد ماجد حضرت محوی سے خرقۂ خلافت زیب تن فرمایا اور ایک سو اکیانوے سلاسل اور چھبیس خانوادوں سے خلافتِ آبائی اور خلافتِ خلفائی کی نعمت حاصل کی اور ۱۲۴۳ھ میں مسندِ سجادگی پر رونق افروز ہوئے۔

درس و تدریس، اصلاح و تزکیہ، دعوت و تبلیغ

مسندِ سجادگی پر متمکن ہونے کے بعد حضرت قطب ویلور درس و تدریس، اصلاح و تزکیہ اور دعوت و تبلیغ میں ہمہ تن مشغول اور مصروف ہوگئے اور آپ کی ذات گرامی سے لاکھوں افراد نے علوم ظاہری اور علوم باطنی کی نعمت پائی۔ حضرت مولانا مولوی عبدالغفار حسینی قادری مسکیںؔ جن کو حضرت قطب ویلور سے بیعت و خلافت کا شرف حاصل ہے اپنے شیخ محترم کے تدریسی، تصنیفی، تطہیری اور تبلیغی کام سے متعلق فرماتے ہیں:

''ہمارے قطب الہند بعد نصف شب بیدار ہوجاتے، فقیر بیت الخلاء میں پانی اور کلوخ مہیا کردیتا تھا۔ بعد فراغت وضو کے لئے پانی تیار کردیتا تھا۔ حضور وضو فرماکر حجرہ میں چلے جاتے اور نمازِ صبح کے لئے مسجد تشریف لاتے۔ نمازِ صبح کے بعد ذکر اور مراقبہ میں مشغول رہتے اور اشراق پڑھ کر مسجد کے باہر نکلتے تھے۔ پھر مکان میں داخل ہوتے اور مسافروں کے آرام، مریدوں کی آسائش اور طلباء کے خورد و نوش کا سامان مہیا فرماکر مدرسہ میں آتے اور تفسیر وحدیث کا درس بارہ بجے تک دیتے۔ دوپہر کے کھانے کے بعد تصنیف و تالیف اور مطالعہ میں مشغول رہتے۔ اگر فتاوی ہوتے تو ان کے جواب تحریر فرماتے اور ظہر کے بعد مریدوں اور مسترشدوں کی تعلیم و تفہیم میں مصروف رہا کرتے اور ہفتہ میں دو مرتبہ مدرسہ کے اندر وعظ فرمایا کرتے تھے۔'' (حیات المسکین: بحوالۂ اللطیف ۱۴۰۴ھ سلور جوبلی نمبر: ص: ۸۱)

حضرت قطب ویلور کے ایک دوسرے خلیفہ حضرت مولانا عبدالرحیم ضیاؔ حیدرآبادی نے ان الفاظ میں حضرت قطب ویلور کے اصلاحی و تربیتی کام پر روشنی ڈالی ہے۔

''تربیتِ باطنی میں بھی آپ کا طریقہ افراط و تفریط سے مبرّا تھا۔ اشغال اور اذکار کی تعلیم میں حضرات صحابہ اور تابعین کا رنگ اور مراقبات وغیرہ کی تلقین میں صوفیائے متقدمین کا ڈھنگ تھا۔ دوسروں کے یہاں سالہا سال کی جو محنت تھی وہ آپ کے یہاں ایک لمحہ کی بات تھی۔ رنگِ دوئی کثرت بفیض صحبت آئینہ سے یوں دور ہوتا تھا۔ جیسے آفتاب سے ظلمت۔ آپ کا قال بعینہ حال تھا۔''

(مقالات طریقت: ص: ۲۶۷: مولوی عبدالرحیم ضیاؔ حیدرآبادی: مطبوعہ ۱۳۱۹ھ)

حضرت قطب ویلور نے اپنی ذات کو مدرسہ میں درس و تدریس اور خانقاہ میں تلقین و ارشاد کی حد تک ہی محدود اور مقید نہیں رکھا۔ بلکہ عام مسلمانوں اور عورتوں کی اصلاح و تعلیم اور وعظ و تذکیر کی جانب بھی توجہ کی اور مواعظِ حسنہ کا سلسلہ شروع کیا۔ بقول صاحب

''مقالات طریقت'':

''آپ ہر روز عصر کی نماز پڑھ کر بالا خانہ پر جلوہ افروز ہوتے۔گرد وپیش بندگانِ خدا جمع رہتے۔ پند و نصائح اور ارشاد میں مغرب تک دربار عام فرماتے۔مغرب کی نماز ادا فرمانے کے بعد قرآنِ کریم کی کسی آیت کی تفسیر بیان فرماتے اور یہ سلسلہ نماز عشاء تک جاری رہتا۔(مقالات طریقت:ص:۲۶۷)

بقول صاحبِ ''ضمیمۂ جواہر السلوک'':

''ہر جمعہ در مردمان و ہر سہ شنبہ در زنان وعظ می نمود (ضمیمۂ جواہر السلوک:ص:۲۶۷)

مردوں میں ہر جمعہ اور عورتوں میں ہر سہ شنبہ (منگل) تقریر فرماتے تھے۔

حضرت قطب ویلور کے دست مبارک پر عرب وعجم میں سات لاکھ سے زائد لوگوں نے بیعت کی اور چار سو سے زائد اربابِ علم و فضل نے خرقۂ خلافت زیب تن فرمایا۔حضرت مولانا مولوی شاہ محمد ولی اللہ قادری فرماتے ہیں:

''خاکسار شاہ محمد ولی اللہ قادری عفی عنہ کو تلمذ واردات وخلافت اپنے والد بزرگوار حضرت مولانا حاجی شاہ محمد قادری سے حاصل ہوئی ہے اور والد بزرگوار کو حضرت مولانا مولوی سید شاہ محی الدین قادری معروف بہ قطب ویلور سے حاصل تھی ۔ اور والد بزرگوار قطب الاقطاب قطب ویلور موصوف الصدر کی خدمت مبارک میں چودہ برس تک مصروف ومشغول استفاضہ واستفادہ رہے اور تربیت قطب الاقطاب کے طفیل سے علم ومعارف واسرار میں دستگاہِ کامل حاصل کی۔قطب الاقطاب کے آٹھ لاکھ مرید او چار سو خلفاء تھے۔''

(جواہر العرفان:ص:۱)

حضرت قطب ویلور کے ایک وفات نامہ سے بھی اس تعداد کی نشاندہی ہوتی ہے۔

بے عدد ہیں مرید قطبِ زماں   منحصر سات لاکھ میں ہی کہاں

(شہر آشوب یوم النشور: وفاتِ نامۂ قطب زمان ویلور:ص:۳،۴،نظام المطابع ، بنگلور)

حضرت قطب ویلور نے تعلیم وتدریس اور اصلاح وتزکیہ کے ساتھ ساتھ امتِ دعوت (غیر مسلم اقوام) کو اسلام کی جانب مائل اور راغب کرنے کی مہم شروع کردی۔اور سب سے پہلے اربابِ حکومت کو اسلام کی صداقت وحقانیت اور اسی میں اخروی نجات منحصر ہونے کی بات سمجھاتے ہوئے قبول اسلام کی دعوت دی آپ نے سلاطین وحکام کی جانب اس لئے توجہ فرمائی کہ وہ مشرف بہ اسلام ہو جائیں تو سارے لوگ الناس علی دین ملوکھم (لوگ اپنے بادشاہوں کے نقش قدم پر چلتے ہیں) کے مصداق حلقۂ بگوش اسلام ہو جائیں گے۔آپ نے سب سے پہلے ملکۂ برطانیہ کو اسی کی زبان میں اسلام کی دعوت دی۔مفکرِ اسلام حضرت مولانا مولوی سید شاہ ابوالحسن علی ندوی حسنی مرحوم کے والد ماجد حضرت مولانا مولوی سید شاہ عبدالحئی حسنی ندوی سابق ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ نے اپنی عربی تصنیف نزھۃ الخواطر میں لکھا ہے۔''بعث رسالة فی تلک اللغة الی ملكة انكليز ايد عوها الى الاسلام (نزهة الخواطر: حكيم سيد عبد الحئی لكهنوی :ص: ۷ ۳۱ج:مطبع دائرة المعارف العثمانيه حيدرآباد دكن: ۱۹۵۹ء)

کوئن وکٹوریہ نے آپ کے دعوتِ اسلام کے مکتوب کا جواب دیا اور یہ اعتراف کیا کہ مذہب اسلام دین برحق ہے۔ لیکن وہ چند وجوہ کے باعث اسلام قبول کرنے سے قاصر ہے۔ (اللطیف: ص:۱۳۲:۱۳۸۹ھ)

حضرت قطب ویلور کا انگریزی زبان میں تحریر کردہ دعوت اسلام کا مکتوب جو ملکۂ انگلستان کی خدمت میں پیش ہوا تھا تلاش بسیار کے باوجود راقم الحروف کو دستیاب نہ ہوسکا۔ البتہ ملکہ، وزراء، حکام اور اہل کتاب کے نام عربی زبان میں تحریر کردہ دعوت اسلام کا مکتوب ''مقالاتِ طریقت'' میں ثبت ہے۔ حضرت قطب ویلور نے اس مکتوب میں جہاں اسلام کے عقائد کو اجاگر کیا ہے وہاں حضرت مسیح کی بشیرت وآدمیت اور ان کی نبوت کا اثبات اور ان کی الوہیت کا ابطال بڑی خوبی وعمدگی اور اختصار وجامعیت کے ساتھ کیا ہے۔

ملکہ برطانیہ، وزراء اور عیسائی عوام کے نام دعوت اسلام کا مکتوب

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله الذى خلق الانسان من نطفة فجعله سميعاً بصيراًو اعطاه قلباً منيراً. ثم وهب لمن اراد فى العاجلة نعيماً وملكاً كبيراً وربىّ بدنه و قلبه و لتربيه بدنه صب الماء صباً وشق الارض شقاً وانبت حباً و عنباً و قصباًو زيتوناً ونخلاً وو حدائق غلباً وفاكهةً واباً متاعاً لكم ولا نعا معكم ولتربية قلبه ارسل رسلاً هداة الى خالقه وربه.

ايها الملك ! كان عيسىٰ رسول الله عبده' كما كان موسىٰ و محمد رسول الله وعبد ه ايّد هم الله بالا يات و المعجزات لتميز الصادق عن الكاذب فى دعوىٰ الرسالات وماكانو الهاً و معبوداً.

ايها الملك ! جاء عيسىٰ بايات من ربه يصور من الطين كهية الطير فينفخ فيه فطيراً باذن الله و يبرى الاكمه والا برص و يحى الموتىٰ باذن الله كما جاء موسىٰ يفلق البحر وجاء محمد يشقق القمر فقد جاؤ ا ابالمعجزات والنباء العظيم وقالو ا ان الله ربى وربكم فاعبدوه هذا صُراط مستقيم.

كان عيسىٰ مخلوقاً من غير الاب كما كان اٰدم من غير الاب والام فكيف يكون خالقاً و ربّاً.

ايها الملك ! كان عيسى عبداً مغلوباً من اليهود وان الله غالب على كل شئ فالعبد المغلوب كيف يكونُ الهاًو معبوداً.

ایھا الملک ! یو خذ العبد بذنبه لا بذنب غیره؛ لا تزروزرة اُخریٰ فکیف اخز الله عیسیٰ بذنب امّته والقاه فی جهنم واخذ بعقوبته

ایھا الملک! اخذ البرّی بذنب غیره ظلمه فاحش والله عادل فکیف یکون ظالماًسبحانه وتعالیٰ عمّا یقولون

ایھا الملک ! بشرّ یحیی بان النبی الکبیر یأتی من بعدی کما فی الباب الثالث من متیّ وکان عیسی نبیاً مبعوثاً الی نبی اسرائیل حاضراً بین یدیٰ یحییٰ فکیف یکون نبیاً مبشراً

ایھاالملک ! مادعیٰ احد من الانبیاء الذین سبقوا علی نبینا محمدً بانقطاع النبوة فکیف خلا الزمان الی هذا الامر البعید عن النبی ناصحاً امیناً۔

ایھا الملک ! ادعی بنیناً بانه نبی مبعوث الی الناس کافة و خاتم الانبیاء ولم یات نبی بعده؛ کما ادعاه کیف لم یکن نبیاً مبشراً خاتماً

ایھاالملک ! ان الانکار من عمال الملک بغی کذلک الانکار من انبیاء الله کفر۔ وان الانکار نبی الله عیسیٰ کفر۔کذلک الانکار من نبی الله محمد کفر۔ عصمنا الله تعالیٰ عما ینکرون۔

ایھا الملک ! ان البغی موجب للافات کذالک الکفر مورث للعقوبات۔ وانّ فی طاعة الملک وعامله امن وراحة ولیس فی عیش المطیع ولاه فی سکونه ثقبة ۔کذالک فی الایمان باالله ونبیه امان و جنة ولیس فی دالة الملک ولا فی ملکه ثلمة؛۔

ایھا الملک ! الدولة الفانیة سمٌ قاتل والملک ظل زائل بحادثٍ اووارثٍ فالموت حق والبرزخ حق والبعث حق والحساب حق و علم الله بالسروالعلانیة حق والجنّة والنار حق۔خف من الله تعالی فانه خلقک ورباک واعطاک ملکاً وبیده الحیوٰة والموت والبعث والحساب والغفور العتاب وانه هو الغفور الرحیم وان بطشه شدید و عذابه الیم۔

ایھا الملک ! لا تجعل مع الله الهاً اٰخر فتلقیٰ فی جهنم ملوماًمد حوراً

ایھا الملک !ان اهل الکتاب لم یعبدون المخلوق و یذرون الخالق وهم یعقلون ولم یلسبون الحق بالباطل ویکتمون الحق وهم یعلمون۔

ایھا الملک ! انی لا اقول لاهل الکتاب الّا ان تعالو ا الی کلمة سواء بیننا و بینکم ان کا نعبد الا الله ولا نشرک شیاءً ولا یتخذ بعضنا بعضاً ارباباً من دون الله فان تولو افاشهدو ابانّا موحدون

ایھاالملک ! انی ادعوک الی الله تعالی و توحیده أسلم تسلم یوتک الله اجرک مرتین۔ اجرک واجر التابعین۔ فان تولیت فعلیک اثمک واثم المطعین۔

ایھا الملک! انی لست ببننی ولا رسول ولکنّی لجدی محمد رسول الله وارث ولاٰخرتی حارث۔

ایھا الملک! انی لک ناصح امین ان ارید الا الاصلاح ما استطعت وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب.

ایھا الملک! ما اسلک علیہ من اجران اجری الا علی رب العالمین من محی الدین وارث خاتم النبین الی الملکۃ الوکتوریہ وارکان المشورۃ وسائر العیسویون۔ھداھم اللہ الی سبیل الرشاد وحماھم عن کل شر وفساد۔“

ترجمۂ مکتوب

تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جس نے انسان کو نطفے سے پیدا کیا، پھر اس کے لئے اعضائے جوارح اور ایک روشن قلب عطا کیا اور دنیا میں جس شخص کو چاہا سلطنت وحکومت عطا کیا اور انسان کے قلب اور جسم کی پرورش وتربیت کا نظام قائم کیا۔اس کے جسم کی تربیت کے لئے آسمان سے پانی برسایا اور اس کے لئے اور اس کے مویشیوں اور جانوروں کے لئے زمین سے غلہ، انگور، سبزیاں، زیتون ، کھجور، گھنے باغ، میوہ اور چارہ اگایا اور اس کی روح اور قلب کی تربیت کے لئے رسولوں کو مبعوث کیا تا کہ اس کے رب اور اس کے خالق کی جانب راستہ دکھلا سکے۔

اے ملکہ! حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔جس طرح موسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمد ﷺ اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔اللہ تعالیٰ نے ان کی تائید اور توثیق معجزات کے ذریعہ کی۔تا کہ رسالت ونبوت کے دعوے میں جھوٹے اور سچے الگ الگ ہو جائیں اور جھوٹے مدعیانِ نبوت کی حقیقت کھل سکے۔اور یہ حضرات معبود اور الٰہ نہیں ہیں۔

اے ملکہ! حضرت عیسیٰ نے اپنے رب کی جانب سے معجزات لے کر آئے تھے اور آپ مٹی سے پرندے کی مورت بناتے اور اس میں پھونکتے تو وہ پرندہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے زندہ ہو جاتا تھا۔اور حضرت عیسیٰ مادرزاد اندھے اور کوڑھی کو اچھا کردیتے تھے۔لیکن یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کی قدرت سے ہوتا تھا۔اور یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ذاتی فعل اور تصرف نہ تھا۔جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دریا کو چیر دیا تھا اور حضرت محمد ﷺ نے چاند کے دو ٹکڑے کر دیا تھا۔اور یہ سارے انبیائے کرام دنیا میں معجزات اور کتابوں کے ساتھ تشریف لائے اور سب نے یہی کہا۔بے شک اللہ تعالیٰ ہمارا اور تمہارا رب ہے لہذا تم سب اسی کی عبادت کرو اور یہی سیدھی راہ ہے۔

اے ملکہ! حضرت عیسیٰ علیہ السلام بغیر باپ کے پیدا ہوئے ہیں۔جس طرح حضرت آدم علیہ السلام بغیر ماں اور باپ کے پیدا ہوئے۔پھر کیوں کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام رب اور معبود ہو سکتے ہیں؟

اے ملکہ! حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایک بندۂ مغلوب یہود تھے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر غالب ہے۔لہذا ایک مغلوب انسان کیوں کر معبود اور الٰہ ہو سکتا ہے؟

اے ملکہ! آدمی اپنے جرائم اور گناہوں کی وجہ سے ماخوذ ہوتا ہے۔دوسرے کے جرم میں گرفتار نہیں ہو سکتا۔اور کوئی بھی کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھاتا تو پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسی علیہ السلام کو ان کی امت کے عوض کیسے ماخوذ کیا اور ان کو دوزخ کے عذاب میں

گرفتار کا؟

اے ملکہ! کسی بے گناہ آدمی کو دوسرے شخص کے گناہ کے بدلہ میں گرفتار کرنا اور اسے سزا دینا یہ تو ایک کھلا ہوا ظلم ہے اور اللہ تعالیٰ تو عدل وانصاف والا ہے پھر بھلا وہ کیسے ظالم ہوگا۔ اللہ کی ذات ایسی باتوں سے پاک وصاف ہے۔ اور بلند و بالا ہے۔ جو کفار کہتے ہیں۔

اے ملکہ! حضرت یحییٰ علیہ السلام نے اپنے بعد ایک بزرگ نبی (بزرگ نبی سے مراد حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ ہیں) کے مبعوث ہونے کی بشارت دی تھی۔ جیسا کہ انجیلِ متی کے تیسرے باب میں ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام بنو اسرائیل کی طرح حضرت یحییٰ علیہ السلام کی موجودگی میں نبی بنا کر بھیجے گئے تھے تو حضرت یحییٰ علیہ السلام کی بشارت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لئے کیسے ہوسکتی ہے؟

اے ملکہ! حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ سے پہلے دنیا میں جتنے بھی پیغمبر مبعوث ہوئے اور کسی نے بھی خاتم النبین ہونے کا دعویٰ نہیں کیا تو کس طرح زمانہ مدتِ دراز تک ناصح اور امین پیغمبر سے خالی رہے گا؟

ہمارے پیغمبر حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے اس بات کا دعویٰ کیا ہے کہ وہ یقیناً اور تحقیقاً نبی ہیں اور سارے انسانوں کی طرف نبی بنا کر بھیجے گئے ہیں۔ لہذا وہی خاتم النبیاء ہیں۔ کیوں کہ ان کے بعد کوئی نبی مبعوث نہیں ہوا۔ جیسا کہ انہوں نے دعویٰ کیا۔ لہذا آپ ہی نبی مبشر، پیغمبر موعود اور خاتم الانبیاء کیوں کر نہیں ہوں گے؟

اے ملکہ! بے شک عاملوں اور سفیروں کا انکار کرنا بادشاہ کا انکار کرنا ہے اور اس سے بغاوت کی نشانی ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کے نبی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا انکار بھی کفر ہے اور اسی طرح اللہ کے نبی خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کا انکار بھی کفر ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان لوگوں سے محفوظ رکھے جو انکار کرتے ہیں۔

اے ملکہ! بے شک بغاوت آفتوں کے لئے سبب ہے، اسی طرح کفر بھی عذاب کے لئے سبب ہے۔ اور یقیناً بادشاہوں اور ان عاملوں کی اطاعت میں امن وسلامتی ہے اور فرماں برداروں کے چین وسکون میں کوئی خلل نہیں ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں پر ایمان لانے میں امن وسلامتی اور راحت ونجات ہے اور بادشاہ کی سلطنت میں کوئی رخنہ نہیں ہے۔

اے ملکہ! مال ودولت اور حکومت وسلطنت زوال پذیر اور سمِ قاتل ہے۔ بادشاہت ڈھلنے والا ایک سایہ ہے اور حکومت کسی بھی وقت حادثہ کی وجہ سے ختم ہو جاتی ہے یا وارث کی وجہ سے چلی جاتی ہے۔ لہذا تم حکومت کی حقیقت سے آگاہ ہو جاؤ اور اس حقیقت کو یاد رکھو کہ موت یقینی ہے۔ برزخ حق ہے۔ مرنے کے بعد زندگی حق ہے اور جنت ودوزخ حق ہے اور یہ حقیقت ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام ظاہر باطن کا جاننے والا ہے۔

اے ملکہ! اللہ تعالیٰ سے خوف کرو۔ اسی نے تم کو پیدا کیا ہے اور اسی نے تمہاری پرورش کی ہے اور اسی نے تم کو حکومت عطا کی ہے۔ اور اسی ذات وحدہٗ لاشریک کے قبضۂ قدرت میں زندگی اور موت ہے۔ اور مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کرنا اور حساب وکتاب اور عفو و درگزر اور عتاب یہ سب اسی کے ساتھ مخصوص ہیں۔ بے شک وہی بخشنے والا ہے اور بلاشبہ اس کی گرفت بڑی سخت ہے اور یقیناً اس کا عذاب بڑا دردناک ہے۔

اے ملکہ! اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی مخلوق کو معبود نہ ٹھراؤ کیوں کہ وہ ملامت کیا ہوا اور راندہ کیا ہوا دوزخ میں پھینک دیا جائے گا۔

اے ملکہ! اہلِ کتاب عقل وفہم رکھتے ہوئے بھی مخلوق کی پرستش کیوں کر رہے ہیں اور خالق کو کیوں چھوڑ رہے ہیں؟ اور کیوں حق کو باطل کے ساتھ ملا رہے ہیں؟ اور حق کو چھپا رہے ہیں؟ حالاں کہ یہ سب کچھ اچھی طرح جانتے اور سمجھتے ہیں۔

اے ملکہ! میں اہل کتاب کی خدمت میں صرف یہی ایک بات عرض کروں گا کہ ایک ایسی حقیقت کی جانب آؤ جو ہمارے اور تمہارے درمیان برابر ہے اور وہ حقیقت یہ ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کی عبادت نہ کریں اور ہم اللہ کے سوا کسی کو معبود نہ ٹھرائیں اور اگر تم اس روشن حقیقت سے پھر جاؤ تو گواہ رہ کہ ہم موحد ہیں۔

اے ملکہ! میں تم کو اللہ تعالیٰ اور اس کی توحید کی طرف بلا رہا ہوں۔ اگر تم اسلام قبول کرو تو سلامت رہوگی اور تم کو دوگنا اجر ملے گا اور اگر تم نے اسلام قبول نہیں کیا تو اس کا گناہ اور تمہاری رعایا کا گناہ بھی تمہارے ہی سر رہے گا۔

اے ملکہ! بیشک میں تمہارا خیر خواہ ہوں اور اس امرِ خیر میں تمہارے لئے فلاح ونجات اور اپنے لئے اجر ثواب کے علاوہ اور کوئی مقصد نہیں رکھتا ہوں۔ ہدایت اللہ ہی کے طرف سے ہے۔ اور میں اس معاملہ میں اسی کی ذات پر اعتماد کرتا ہوں اور اسی کی جانب رجوع کرتا ہوں۔

اے ملکہ! میں تمہیں اسلام کی دعوت دینے میں تمہاری ذات سے کوئی امید وآرزو اور کوئی دنیاوی منفعت کی امید نہیں رکھتا ہوں۔ میری اس نیکی کا بدلہ رب العالمین پر ہے۔

اے ملکہ! میں کوئی نبی اور رسول نہیں ہوں، لیکن میں اپنے جدِّ امجد رسول اللہ ﷺ کا وارث ہوں اور اس عمل کے ذریعہ میں اپنی آخرت سنوارنا چاہتا ہوں۔

دعوتِ اسلام کا یہ مکتوب محی الدین وارثِ خاتم النبیینؑ کی طرف سے ملکۂ انگلستان اور اس کے وزراء وحکام اور تمام عیسائیوں کی خدمت میں پیش ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ان تمام کو قبول اسلام کی ہدایت عطا فرمائے۔ اور ان کو گمراہی وفساد سے محفوظ رکھے۔ **آمین بجاہ سید المرسلین والہ الطیبین واصحابه الظاهرین۔**

حضرت قطب ویلور نے ملکۂ انگلستان اور اس کے وزراء وحکام اور عیسائیوں کے علاوہ ہندوستان کے راجاؤں اور یہاں کے غیر مسلم باشندوں کو بھی اسلام کی دعوت دی۔ ۱۲۸۵ھ میں ایجادنگر، صبح کونگرد۔ کالیستر ونکٹ۔ تروندرم، کوچین اور مالابار کے راجاؤں کی خدمت میں اپنے خلیفہ مولانا مولوی سید حفیظ الدین اور مولانا مولوی سید علی کے ذریعہ دعوتِ اسلام کا پیغام بھیجا اور اس موقعہ پر ایک اور مکتوب کے ذریعہ تبلیغ کی اہمیت، داعی کے انتخاب اور اس کی صفات اور مدعو کے ساتھ حسنِ خلق سے پیش آنے کے بارے میں روشنی ڈالی۔ مولانا مولوی شاہ عبداللہ قادری سے ان الفاظ میں مخاطب ہیں:

''دو قطعہ دعوت نامہ یکے براجایان، دویم بسائر مشرکان ملفوف اند۔ درجائے خالی الی الامیر یا الی الامیر الکبیر راجہ صاحب

اے راجہ! یہ مورتاں اپنا پوجا کرنے کے لئے زبردستی نہیں کرتی۔ بلکہ چاہتی بھی نہیں اور مورتاں کا پوجا چھوڑے تو ملک و دولت اور عیش و آرام میں خلل بھی نہیں۔ پھر انسان کا بے سبب خدا کا حق، مورتاں کو دینا اور حق تعالیٰ کا پوجا چھوڑ کر مورتاں کا پوجا کرنا بڑی نمک حرامی ہے۔ کھانا کس کا گانا کس کا۔

اے راجہ! دنیا فانی اور سم قاتل ہے۔ اور ظل ملک زائل ہے۔ ملک زوال پاتا ہے۔ حادثہ سے یا بدل جاتا ہے وارث سے۔ پس موت حق ہے اور حساب حق ہے۔ اور اللہ کا انسان کے ظاہر و باطن کو جاننا حق ہے۔ اور جنت و دوزخ حق ہے اور ڈرو تم اللہ سے جس نے تم کو پیدا کیا۔ اور پالا اور ملک دیا۔ اور اسی کے ہاتھ میں حیات و ممات، قیامت و حساب، عفو اور عذاب ہے۔ بے شک خدا غفور اور رحیم ہے اور بے شک اس کا مواخذہ دردناک اور شدید ہے۔

اے راجہ! میں تم کو خدا کی طرف اور خدا کی توحید کی طرف بلاتا ہوں۔ تم اسلام قبول کرو گے تو سلامت رہو گے۔ خدا تم کو دہرا اجر دے گا۔ ایک تمہارا اجر اور دوسرا تمہارے تابعین کا۔ اسلام قبول نہ کرو گے تو تمہارے اوپر تمہارے متبعین کا گناہ ہے۔

اے راجہ! مورت والوں کو میں یہی بولتا ہوں کہ آؤ ایک بات پر جو برابر ہے ہمارے اور تمہارے میں وہ یہ کہ پوجا نہ کریں کسی کی سوائے خدا کے۔ شریک نہ ٹھرائیں کسی کو خدا کے ساتھ اور نہ پکڑیں خدایاں ہم مخلوقات کو۔ اور یہ بات قبول نہ کریں تو اس بات کی گواہی دو کہ ہم موحد ہیں۔

اے راجہ! میں نہ نبی ہوں اور نہ رسول لیکن میرے جد محمد رسول اللہ ﷺ کا وارث اور آخرت کا حارث ہوں۔

اے راجہ! میں تمہارا بہتر خواہ ہوں اور جہاں تک ہو سکے میں سنوارنا چاہتا ہوں اور بن لانا ہے اللہ سے اس پر بھروسہ کیا اور اسی کی طرف رجوع ہوں۔

اے راجہ! میں نہیں مانگتا ہوں اس پر مزدوری۔ میری مزدوری رب العالمین پر ہے پاس بڑی خرابی ہے۔

یہ اظہار محی الدین وارث سید المرسلین کا اپنے بھائیاں اور ہوش والے آدمیاں کے لئے ہے۔ خدا ان کو سبیل رشاد پر چلنے والے بنادے اور ہر شر و فساد سے بچادے۔

حضرت قطب ویلور نے اپنے تصنیفی کام کو مختلف جہتوں میں تقسیم کردیا ہے۔ عربی اور فارسی تصنیفات میں خالص علمی و عرفانی مسائل کو زیر بحث لایا ہے اور ان پر عالمانہ و فاضلانہ اور محققانہ انداز میں کلام کیا ہے آپ کی یہ تمام تصانیف خواص اور اہل علم کے کام کی ہیں۔ اسی کے ساتھ آپ نے قلم کو عوام کے رشد و ہدایت اور تعلیم و تلقین کی جانب بھی، موڑا ہے اور اس کے لئے اردو زبان میں عام فہم اور سیدھی سادھی اور رائج زبان میں کلام کیا ہے۔

اردو زبان میں آپ کی سات تصنیفات کا سراغ لگ سکا۔ جن میں سے چار کتابیں موجود ہیں اور باقی تین کتابوں کے صرف نام تذکروں میں ملتے ہیں۔

نکاح و اولاد!

حضرت قطب ویلور کا پہلا نکاح آپ کے پھوپھا حضرت سید غوث قادری ویلوری کی دختر نیک اختر سید عائشہ بی بی صاحبہ سے ہوا۔ جن کے بطن سے ایک صاحب زادی امۃ الصمد تولد ہوئی۔ حضرت قطب ویلور نے پہلے سفر حج سے واپسی کے بعد جب کہ آپ کی اہلیۂ محترمہ کا وصال ہو چکا تھا، دوسرا نکاح محترمہ عفت النساء بی بی صاحبہ سے ۱۲۶۷ھ میں کیا جن کے بطن سے سید شاہ رکن الدین محمد قادری ۱۲۶۹ھ میں پیدا ہوئے۔ (دار العلوم کا ادبی منظر نامہ: ص: ۲۲۰: راہی فدائی)

حجاز مقدس کا دوسرا سفر

حضرت قطب ویلور ۴ شوال المکرم ۱۲۸۸ھ کو دوسری مرتبہ حجاز پر روانہ ہوگئے۔ اس موقعہ پر آپ کے تلامذہ، مریدین، خلفاء، اعزا، احباب، خویش و اقارب، اہلیان ویلور اور گرد و نواح کے مسلمانوں کی بھاری اکثریت ویلور آ پہنچی۔ اخص الخواص اور مخصوص حضرات اس بات سے خوب واقف تھے کہ آپ کا یہ سفر حج ہی نہیں بلکہ سفر آخرت بھی ہے۔ اس دائمی فرقت کے تصور سے ان سب کے دل مغموم، چہرے اداس اور آنکھیں پُر نم تھیں۔ سارے لوگوں نے خوشی و غم کے ملے جلے جذبات کے ساتھ آپ کو وداع کیا۔ آپ کے خلیفہ حضرت مسکینؔ کا بیان ہے۔

''حضرت کا یہ سفر آخرت تھا۔ جس کی وجہ سے تقریباً دو لاکھ آدمی آپ کی قدم بوسی کے لئے ویلور میں جمع ہوگئے۔ فقیر بھی حاضر تھا۔ جاتے وقت فرمایا: سید کیا چاہتے ہو؟ عرض کیا ترا می خواہم (آپ ہی کو چاہتا ہوں) فرمایا جزاک اللہ۔ مفارقت جسمانی ہے۔ روحانی ملاقات تو روز ہوگی۔ اللہ پاک ساتھ ساتھ ہے۔ گھبرانا نہیں۔ فقیر رونے لگا اور حضرت ادھر روانہ ہوگئے۔

(حیات المسکین: بحوالۂ اللطیف سلور جوبلی نمبر: ص: ۸۵ مطبوعہ ۱۴۰۴ھ)

اس سفر میں آپ کے ہمراہ آپ کے صاحب زادے شمس العلماء حضرت مولانا مولوی رکن الدین سید شاہ محمد قادری اور آپ کے ہمشیر زادے حضرت مولانا مولوی سید شاہ محمد قادری اور مریدین و خلفاء اور متعلقین و متوسلین کی خاصی تعداد تھی۔ حضرت قطب ویلور کے اس سفر کی تفصیلات ایک قلمی بیاض میں موجود ہیں۔ اسی سفر نامہ سے ہم یہاں بعض احوال بیان کر رہے ہیں۔ جس کے راوی مولانا مولوی عبد العزیز ہیں جو قطب ویلور کے ہم سفر تھے۔

''حضرت قطب ویلور بذریعہ ٹرین ارکونم اور وہاں سے کڈپہ پہنچے اور محلۂ نبی گوٹ میں کمال الدین المعروف پاشاہ صاحب کے یہاں سے تاڑپتری رونق افروز ہوئے تو اسٹیشن پر آپ کے خلیفہ سید شاہ عالم صاحب اور دیگر مریدین و معتقدین استقبال کے لئے آپہنچے۔ یہاں آپ کا قیام شاہ صاحب کے مکان پر رہا۔ شاہ صاحب نے ایک روز بہت بڑی ضیافت کا اہتمام کیا۔ جس میں تاڑپتری کے علماء و فضلا اور اکابر و مشائخ اور اہالیانِ شہر کی خاصی تعداد کو مدعو کیا۔ باشندگان تاڑپتری میں سے سید عبد اللہ قادری، غلام نبی صاحب، غلام رسول قادری اور چند افراد آپ کے ہمراہ حج بیت اللہ کے لئے نکل کھڑے ہوئے۔ یہاں سے آپ ۹ شوال المکرم کو ادھونی تشریف لے گئے اور شہر کی پر رونق وسیع و عریض شاہی جامع مسجد کے صحن میں واقع حجرہ میں اقامت پذیر ہوئے۔ یہاں بہت سارے مسلمانوں نے بیعت کی۔

قاضی مولانا حکیم غلام محی الدین ہر وقت حاضر باش اور خدمت گذار رہے۔ جمعہ کے روز علی الصباح ادھونی سے رائچور روانہ ہوگئے اور وہاں اندرون قلعہ کی جامع مسجد میں مقیم رہے۔ باشندگانِ رائچور میں بہت سارے لوگ بیعت سے مشرف ہوئے۔ پھر آپ یہاں سے کرنول تشریف لے گئے جہاں آپ کے محبّ صادق الاعتقاد نواب محمد داؤد خان کرنول سراپا منتظر تھے۔ یہاں بھی لوگوں کی آمد و رفت اور ملاقات اور بیعت کا سلسلہ قائم رہا۔ نواب داؤد خان صاحب کی بڑی خواہش اور کوشش رہی کہ آپ کے ہم راہ حج ادا کریں۔ لیکن انگریز سرکار نے منظوری نہیں دی۔ جس کی وجہ سے وہ بہت کبیدہ خاطر ہوگئے تاہم آپکے ہمراہ بمبئی تک تشریف لائے اور آپ کے جہاز میں سوار ہونے کے بعد کرنول واپس تشریف لے گئے۔ کرنول سے حضرت گلبرگہ شریف پہنچے۔ اسٹیشن پر سید محی الدین عرف اعلوی صدر تعلقدار، بہت سارے افسروں اور دیگر حضرات کے ساتھ آپ کے استقبال کے لئے موجود تھے۔ آپ نے گلبرگہ میں چند روز قیام فرمایا۔ اس دوران بعض غیر مسلم شخصیتوں کے نام قبول اسلام کی ترغیب پر مبنی مکاتیب بھیجا۔ ایک مکتوب جناب نواب مختار الملک بہادر کے نام تحریر فرمایا۔ جس میں ریاستِ حیدرآباد میں شرعی احکام کے نفاذ سے متعلق کچھ ہدایتیں دیں۔ یہ مکتوب اپنے خلیفہ مولانا مولوی سید شہاب الدین کے ذریعہ حیدرآباد دکن بھیجا۔ آپ نے حضرت بندہ نواز گیسو دراز کی مزار اقدس پر بھی حاضری دی اور بہت دیر تک مراقب رہے۔ جب وہاں سے واپس ہوئے تو ہم سفر احباب سے فرمایا حضرت بندۂ نواز صاحبِ فنا بقا ہیں مجھے ان کی روحِ پُر فتوح سے ملاقات کی سعادت نصیب ہوئی اور انھوں نے بڑی مسرت کے ساتھ مجھ سے فرمایا: ''سفر حج ترا مبارک باد''۔ حج کا سفر مبارک ہو!

ہم لوگ ۱۳ تاریخ کی صبح صادق کے وقت پونہ پہنچے تو اسٹیشن پر عبدالواحد سیٹھ، صدیق سیٹھ، منشی غفار بیگ اور ان کے فرزند اور دوسرے مریدین اور معتقدین نے بڑی خاطر مدارت اور بڑی مہمان نوازی کی۔

۱۵، تاریخ کو ہم مغرب کے وقت بمبئی میں داخل ہوئے۔ یہا قیام کی مدت زیادہ رہی۔ اس عرصہ میں بہت سارے علماء و فضلاء، مشائخ و سادات اور عوام کی کثیر تعداد آپ کی تعلیمات و ارشادات اور روحانی فیض و برکات سے مشرف ہوئی۔''

سید حسین قادری عرف جیلانی کا بیان ہے:

''ہم لوگوں نے بھی اسی سال حجِ بیت اللہ کا قصد کیا، جس سال شاہ محی الدین بھی حجِ بیت اللہ کے لئے روانہ ہوئے۔ جب ہم بمبئی پہنچے تو معلوم ہوا کہ شاہ صاحب بھی بمبئی پہنچ چکے ہیں۔ میرے دل میں آپ کی ملاقات کا اشتیاق ہوا۔ اور میں آپ کی قیام گاہ پر پہنچا۔ جیسے ہی جمالِ جہاں آراء پر نظر پڑی تو میرے دل نے کہا کہ حضرت ولیٔ کامل ہیں۔ جب میں اپنا ہاتھ مصافحہ کے لئے پیش کیا تو انتہائی شفقت کے ساتھ میرا ہاتھ پکڑ لیا اور اپنی طرف کھینچ لیا اور سونگھتے ہوئے فرمایا: تمہارے اندر حسینی بُو آرہی ہے۔ سادات حُسین سے ہیں۔ سید حسین تمہارا نام ہے۔ یہ سننا ہی تھا میرے جسم پر رونگھٹے کھڑے ہوگئے اور میری آنکھیں اشک بار ہوگئیں اور آپ سے یہ میری پہلی ملاقات تھی۔ آپ کے ہمراہ احباب سے یہ جان کر حیرت ہوئی کہ حضرت مجھ سے غائبانہ طور پر بھی واقف نہ تھے۔''

''حضرت قطب ویلور بمبئی سے ۲، ذی قعدہ ۱۲۸۸ھ کو آبی جہاز سے حجاز روانہ ہوئے آدھی مسافت طے ہو پائی تھی کہ سمندر میں طوفان آگیا۔ تیز و تند مخالف ہوائیں زور و شور کے ساتھ چلنے لگیں اور جہاز پیچھے ہونے لگا۔ جہاز کا عملہ اور سارے مسافر بے چین اور مضطرب

نزدیک کان لے گئے تو صاف طور پر یہ صدا سنی "لقد نظر اللہ الّی"

حضرت کے داماد فرماتے ہیں کہ:

"اس وقت میں سر بالین کھڑا تھا۔ ناگاہ حضرت کا سر بائیں جھکا۔ میں نے سمجھا کہ شدتِ ضعف سے جھکا ہے۔ فوراً بیٹھ گیا۔ دیکھا لب ہلتے ہیں۔ نزدیک سے سنا تو کلمہ لا الہ الا اللہ زبان پر جاری تھا۔ اسی حالت میں عصر کے وقت قفس عنصری سے روحِ پُرفتوح پرواز ہوئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ دوسرے دن جمعہ تھا اور بقضائے الٰہی آپ کے ہمشیر زادے سید شاہ محمد قادری نے بھی اسی دن وبا کی شکایت سے انتقال کیا۔ دونوں جنازے مسجد نبویؐ میں منبر شریف کے متصل روضۂ جنت میں رکھے گئے۔ نماز جمعہ کے بعد تمام زائرین نے جو ستر ہزار سے کم نہ ہوں گے، جنازے کی نماز پڑھی اور جنت البقیع میں اہلِ بیت کے پائین دونوں بزرگوار ایک مزار میں دفن ہوئے۔"

(مقالات طریقت: ص: ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹)

تصنیفی خصوصیات اور کتابوں کا تعارف

حضرت قطب ویلور کے عہد میں علمی اور تحقیقی میدان میں بڑی وسعت اور ترقی ہو چکی تھی اور پریس کی ایجاد نے کتابوں کی نشر و اشاعت اور رسل و رسائل میں روز افزوں ترقی ہو رہی تھی اور دور دراز کے شہروں سے مختلف علماء و فضلاء کی کتابیں علاقۂ مدراس میں پہنچ رہی تھیں۔ چنانچہ حضرت قطب ویلور کی طالب علمی کے زمانہ میں 'تحفۂ اثناء عشریہ' مدراس آچکی تھی اور ایسی عمدہ و لاجواب اور مدلل تصنیف ردِ شیعیت میں اس سے پہلے کہیں دیکھنے میں نہیں آئی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ اس کتاب سے سارے جنوب کے اندر ایک ہل چل پیدا ہوگئی۔ اسی کتاب کے مطالعہ سے حضرت قطب ویلور کے اندر یہ خواہش پیدا ہوئی کہ دہلی پہنچ کر مصنف کتاب حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی سے استفادہ کیا جائے۔ لیکن آپ کے والد ماجد حضرت محوؔی ویلوری کے انتقال کے باعث یہ سفر نہ ہوسکا۔ ۱۲۲۷ھ میں مولانا محمد سعید اسلمی، استاذ حضرت قطب ویلور نے "الصولۃ الحیدریہ" کے نام سے "تحفۂ اثناعشریہ" کا عربی ترجمہ کردیا۔ یہ عربی ترجمہ کافی مقبول ہوا۔ حضرت قطب ویلور کے معاصرین میں افضل العلماء مولانا مولوی قاضی ارتضا علی خان صفوی، امام العلماء قاضی بدرالدولہ، مولانا مولوی عبد الوہاب مدراسی، مدارالامراء بہادر اور مولانا مولوی حافظ احمد خان بہادر، صاحبِ قلم تھے۔ اور دنیائے تصوف بھی تصنیفی عمل سے یکسر خالی نہ تھی۔ حضرت سید شاہ عبدالقادر مہربانؔ فخری میلاپوری المتوفی ۱۲۰۴ھ کی کتاب "اصل الاصول" اور "مفتاح العوارف" اہل تصوف کے لئے مرجع تھی۔ مولانا عبدالعلی بحر العلوم نے بھی "مثنوی مولانا روم" کی بڑی عمدہ تشریح لکھی تھی۔ اس کے باوجود علم تصوف پر خالص علمی و فنی انداز اور مثبت پہلو پر مبسوط و مفصل اور مدلل تصنیف کی ضرورت محسوس کی جا رہی تھی۔ حضرت قطب ویلور ہی نے تعلیم و تزکیہ اور تصنیف و تالیف میں ایک نئی روح ڈال دی اور آپ کے قلم سے کئی معرکۃ الآراء، شاہ کار، گراں قدر اور علمی و تحقیقی کتابیں معرض وجود میں آئیں۔ جو اپنے گوناگوں خصوصیات کی وجہ سے آج بھی منفرد و ممتاز اور مفید ہیں۔

آلائشوں اور نفس کی کدورتوں سے منزہ تھے اور یہ حضراتِ کرام اس قابل ہیں کہ ان کے ساتھ حسنِ ظن اور ان کے علم وعمل پر حسنِ اعتماد رکھا جائے۔ اور یہ حقیقت ہے کہ ہم لوگوں کو ان ہی بزرگوں سے دین کی دولت حاصل ہوی ہے۔ اگر ان کے بارے میں لعن طعن کی گنجائش نکل آئے تو پھر شریعت کے اوپر سے اعتماد ہی ختم ہو جائے گا۔ العیاذ باللہ!

صحابہ اکرام اور اہل بیت نبویؐ کی تکفیر و تضلیل اور ان پر لعن طعن ہی نے روافض اور خوارج کو صراطِ مستقیم سے بہت دور کر دیا۔ ھلکو افھلکوا: خود ہلاک ہوئے اوروں کو بھی ہلاک کر دیا۔

فقیر افراط غلو سے پناہ طلب کرتا ہے اور اولیائے کرام کا انکار اور توہین کرنے والوں سے اور ان کو کافر کہنے والوں سے اور متقلدین کے اجتھادات سے اور بدعتوں کی بدعات وخرافات سے بزرگانِ دین پر طعن و تشنیع کرنے والوں سے بےزارگی و علاحدگی اور برأت ظاہر کرتا ہے۔

بندگانِ نفوس شرعی احکام سے لاعلمی کے باوجود بزرگوں پر لعن طعن کر رہے ہیں۔ اس لئے فقیر ''فصل الخطاب بین الخطاء الصواب'' تحریر کر رہا ہے۔ اور اس کی تالیف سے فقیر کا مقصد بزرگانِ دین پر عائد کردہ الزامات کو دور کرنا ہے۔''

(مکتوباتِ لطیفی: فارسی قلمی مخطوطہ)

چوتھی خصوصیت یہ ہے کہ آپ کی ہر تصنیف میں علمیہ وفنی گہرائی اور گیرائی ہے۔ جس کے مطالعہ سے یہ تاثر پیدا ہوتا ہے کہ آپ نے جس موضوع پر بھی قلم اٹھایا ہے وہ نہایت ہی جامع ہے اور اس میں کئی اہلِ قلم کی نگارشت کا نچوڑ بھی مل جاتا ہے۔

اور پانچویں خصوصیت یہ ہے کہ یہ کتابیں زندگی سے ہم آہنگ نظر آتی ہیں۔ جن کے مطالعہ سے بآسانی اس عہد کے مسلمانوں کی علمی، دینی اور اخلاقی حالت اور ان کے درمیان پھیلے ہوئے اختلافات، گروہی تعصب، جماعتی حمایت، اختلافی مسائل میں غلو و تشدد، افراط و تفریط جیسی اہم اور نازک چیزوں کا علم ہو جاتا ہے۔ اس سلسلہ میں آپ کی فارسی تصنیف ''فصل الخطاب سے ایک اقتباس کا صرف ترجمہ پیش ہے۔

''اسلام کے غیر مانوس اور اجنبیت کے اس زمانہ میں بعض مسلمان قلت علم کے باوجود علماء کے علم میں دخل اندازی کر رہے ہیں اور فقہا کے اجتھادات اور ان کے احکام و مسائل پر طعنہ زنی کر رہے ہیں اور بہتر ۷۲ گمراہ بدعتی فرقوں کے مانند بزرگانِ عالی مقام کو کافر اور گمراہ کہہ رہے ہیں۔ اور مجتھد انِ ذی شان کے خلاف آواز بلند کر رہے ہیں۔ اور انتہائی تعصب اور عناد کا مظاہرہ کر رہے ہیں۔ ان کے اس طرزِ عمل کی وجہ سے مسلمانوں کے درمیان تفریق پیدا ہو رہی ہے اور دین متین کے اندر بحث و مباحثہ اور جدال و نزاع کا بازار گرم ہو رہا ہے۔ اور یہ لوگ سنیت کا دعویٰ بھی کر رہے ہیں۔ اور اس کے ساتھ ساتھ معتزلہ، شیعہ اور دوسرے بدعتی فرقوں کی طرح اہلِ سنت و جماعت کے اختلافی مسائل میں ان کو کافر قرار دے رہے ہیں اور بےعلمی کے باوجود اجتھاد کا دعویٰ کر رہے ہیں اور ائمۂ مجتھدین کے مسلک کے خلاف کتاب وسنت سے احکام اخذ کرنا شروع کر دیا ہے اور اپنے ہی بزرگوں کی توہین و تضلیل کرنے کو اور خانۂ دین متین کے انہدام کو بزرگی اور دین داری تصور کر رہے ہیں۔ اور شریعت کی بنیادیں ہلا دینے میں اور اساطین ملت کو توڑنے میں اپنی فطری صلاحیت کو صرف کر رہے ہیں حدیث میں وارد ہے اذکرو امحاسنکم موتاکم وکفوعن مساویھم گزرے ہوئے لوگوں کی خوبیاں بیان کرو اور ان

کے عیبوں کو ظاہر نہ کرو لیکن مسلمانوں کا یہ حال ہے کہ مرے ہوئے لوگوں کے عیبوں کو بیان کرو اور ان کی خوبیوں کو ظاہر نہ کرو بلکہ اس وقت نوبت یہاں تک پہنچ چکی ہے کہ مرے ہوئے لوگوں کی خوبیوں کو بھی عیبوں کی شکل میں دیکھا جارہا ہے شیعہ اور خوارج کی طرح ہر گروہ دوسرے گروہ کے بزرگوں کی عیب چینی اور طعنہ زنی میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کررہا ہے اور نفرت وحقارت کا اظہار کئے بغیر سکوت کوئی بھی پسند نہیں کررہا ہے اور عوام الناس کی یہی افراط و تفریط اور نفس بدانجام کا یہی تعصب مسلمانوں میں اختلاف کا سبب ہوا اور اسی چیز نے ہر جماعت کو دوسری جماعت کی ایذارسانی اور دشمنی پر آمادہ کردیا ہے اگر ذرہ غور بھی کیا جائے تو یہ حقیقت روز روشن کی طرح عیاں ہوجائے گی کہ اس بے سروپا غلو اور بے بنیاد مبالغہ اور بے بنیاد اجتہاد کا اصل سبب صرف اور صرف طلب وجاہت سوٗ ادب بددیانتی۔ائمہ اربعہ کی ترکِ تقلید اور اپنی اپنی بے اصل رائے اور بے بنیاد فکر کی اشاعت ہے اور بس!'' (فصل الخطاب:ص:۲،۳)

۱۔ترجمہ تحفہ اثنا عشرہ

حضرت قطب ویلور نے عربی،فارسی اور اردو تینوں زبانوں میں کتابیں لکھی ہیں عربی زبان میں آپ کی تین کتابوں کا تذکرہ ملتا ہے۔ان میں سے ایک شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کی شہرۂ آفاق فارسی تصنیف ''تحفہ اثناعشریہ'' کا ترجمہ ہے۔یہ ترجمہ آپ نے قیام حجاز کے زمانہ میں شریف مکہ کی درخواست پر کیا ہے۔جس کا ثبوت راقم الحروف کو ایک فارسی قلمی بیاض سے فراہم ہوا ہے۔کسی تذکرہ نگار نے اس عربی ترجمہ کا ذکر نہیں کیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ قلمی بیاض راقم الحروف سے پیش رو اہل قلم حضرات کی نظر سے نہیں گذری ہے۔افسوس ہے کہ اس ترجمہ کا سراغ ہنوز نہیں لگ سکا۔تاحال یہ کتاب نایاب ہے۔مذکورہ بیاض کی فارسی عبارت کا ترجمہ درجِ ذیل ہے۔

''ترکستان کے سلطان کو مدت دراز سے یہ خواہش تھی کہ اگر کوئی عالم دین مولانا شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی متوفی ۱۲۴۸ھ کی کتاب ''اثناعشریہ'' کو فارسی سے عربی میں کرے تو اس کا مطالعہ کیا جائے۔اس آرزو کی تکمیل کی لئے اس نے شریف مکہ کو اطلاع بھجوائی کے ہندوستان سے کوئی عالم عربی اور فارسی پر عبور رکھنے والا مکہ مکرمہ آجائے تو اس کتاب کا عربی میں ترجمہ کروایئے اور مترجم کو ترجمہ کے ساتھ ہمارے ملک میں بھیج دیجئے۔حضرت قطب ویلور جب مکہ مکرمہ پہنچے تو شریف مکہ آپ کے قدوم فیض لزوم سے بہت شاداں وفرحاں ہوا۔اور آپ کی خدمت میں حاضر ہوکر ''اثناعشریہ'' کو عربی میں ترجمہ کرنے کی گذارش کی۔آپ نے اس کتاب کی افادیت کے پیش نظر قبول فرمایا۔اور چند دنوں کے اندر ترجمہ کردیا۔''

سلطان کی خواہش کے مطابق شریف مکہ آپ کو روم بھیجنا چاہا۔لیکن آپ نے روم جانا پسند نہیں کیا۔بالآخر آپ کا ترجمہ ہی روم پہنچادیا گیا۔سلطان روم نے ترجمہ ملاحظہ کیا اور بے پایاں مسرور ہو۔اور حضرت قطب ویلور کی عدم تشریف آوری پر بے حد درجہ افسوس ظاہر کیا۔

۲۔ صراط المومنین

یہ عربی تصنیف بھی ارض حرم پر جلوہ نما ہوی۔جس میں مصنف نے ایمانیات پر روشنی ڈالی ہے۔حضرت احقر بنگلوری نے اس کتاب کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے۔

پہلے مکہ میں وہ صراط لکھا اس میں مجمل بیاں ہے ایمان کا
اس بیاں کو دلیل عقلی سے ہے مدلل کیا ہے دیکھ اسے (مثنوی:ص:۲۵)

۳۔ رسالہ در جواب حفظی

شاہ عبدالحیٔ بنگلوری نے ''صراط المومنین'' کے علاوہ ایک اور رسالہ کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ یہ رسالہ شیخ محمد حفظی استنبول کے سوالات کے جوابات پر مشتمل ہے۔اور سائل کا تعارف ان الفاظ میں کیا ہے۔''شیخ محمد حفظی استنبول حافظ قرآن و حافظ دوازدہ ہزار (بارہ ہزار) حدیث و خلیفہ آنجناب (قطب ویلور) یعنی شیخ محمد حفظی استنبولی حضرت قطب ویلور کے خلیفہ ہیں اور آپ قرآنِ کریم کے حافظ ہیں۔ اور آپ کو بارہ ہزار احادیث یاد ہیں۔

در جواب محمد حفظی! لکھا مکہ میں ایک رسالہ بھی (مثنوی مطلع النور:ص:۲۵)

شاہ صاحب کے بیان سے رسالہ مذکورہ کو زبان اور اس کے موضوع کا پتہ نہیں چلتا۔عربی تصنیفات کے ذکر میں مذکورہ رسالہ کے نام سے یہی قیاس کیا جاسکتا ہے کہ اس رسالہ کی زبان بھی عربی ہی ہوسکتی ہے۔یہ رسالہ بھی نادر و نایاب ہے۔

٤۔ رسالہ الف مقام

یہ رسالہ فردوس حجاز طائف کی حسین یادگار ہے۔جس میں ایک ہزار صوفیانہ مقامات کی تشریح ہے جو ایک سالک کے لئے نہایت ضروری ہے۔اس کا سالِ تصنیف ۱۲۶۱ھ ہے۔اس کے تعلق سے مولانا احقر بنگلوری رقمطراز ہیں۔

اور طوائف میں وہ کیا ارقام ایک رسالہ بذکر الف مقام
کیا تفصیل اسکی با ایجاز عربی میں ہے وہ نکو انداز (مثنوی مطلع النور:ص:۲۵)

۵۔ فصل الخطاب بین الخطاء والصواب

حضرت قطب ویلور کی زیادہ تر تصانیف فارسی زبان میں ہیں۔آپ کی فارسی تصنیف فصل الخطاب فل سکیپ کے ڈیڑھ سو صفحات پر پھیلی ہوی ہے اور ہر صفحہ میں ۲۳ سطور ہیں۔اور آپ کی زندگی میں حاجی سید عبدالقادر قادری ویلوری کے مطبع قادری سے ۱۸۸۴ھ میں شائع ہوی ہے۔کتاب کے آخر میں سنِ تصنیف ۱۲۷۷ھ ہے۔

کتاب ھذا سے متعلق مصنف علیہ الرحمہ کی وضاحت ملاحظہ کیجئے:

''یہ کتاب خطا کاروں کی افراط و تفریط اور اہل سنت و جماعت کے طریق اعتدال اور روش میانہ روی کے باب میں تالیف ہوی ہے تاکہ لوگ حق کی پیروی کریں اور سادہ لوح مسلمان ان خطا کاروں کی ہمنوائی اور پشت پناہی نہ کریں۔نیز اس کتاب کے ذریعہ خطا کاروں کی اصلاح مقصود ہے۔نکتہ چینوں کی عیب چینی اور انکے نام کا اظہار مقصود نہیں ہے۔''

اس کتاب میں ان شبہات کا حل ہے جو دوسری کتابوں میں ملنا مشکل ہے۔اور ان شبہات میں سے بعض کا تعلق علم باطن سے ہے اور یہ کتاب اہلِ سنت و جماعت کی مستند کتابوں سے معمور اور خاص طور پر دونوں فریقوں کے بزرگوں کے اسناد و شواہد اور دلائل سے

مرتب ومزین ہے تا کہ دونوں جماعتوں میں طعن کرنے والوں کے دلوں پر اثر ہوسکے۔

اس کتاب کا مطالعہ وہی شخص کرے جو غالی اشخاص کے غلو سے واقف ہو اور اہلِ سنت و جماعت کے مذہب سے بھی واقف ہو اور جو شخص ان دونوں (لوگوں کے غلو اور مذہب اہل سنت) میں ایک کو جانتا ہو اور دوسرے کو کما حقہ نہیں جانتا ہو کیا یہ کتاب اس کے لئے قابل مطالعہ نہیں۔اور اگر لوگوں کے غلو سے پوری طرح واقف ہو اور اہل سنت کے مذہب سے اس قدر واقف نہ ہو تو کوئی حرج نہیں، یہ کتاب اس کو نفع پہنچائے گی۔اور اگر اس کے برعکس لوگوں کے غلو سے مطلق واقف نہیں ہے اور اہلِ سنت کے مذہب سے پوری طرح واقف ہے تو کیا یہ کتاب اس کو نفع نہ پہنچائے گی۔کیونکہ اس کتاب کے اندر بحث لوگوں کے غلو وتشدد اور ناقص افراد کے افراط اور زیادتی سے متعلق ہے۔
(فصل الخطاب:ص:۴۳،۲۴)

حضرت قطب ویلور نے اس کتاب میں بعض مقامات پر ضعیف روایات سے بھی استدلال کیا ہے۔جس سے ان کا مقصد، غالی حضرات کی زبان بند کرنا ہے تا کہ ان پر یہ حقیقت واضح ہو جائے کہ فلاں فلاں مسئلہ مختلف فیہ ہے۔اور کسی بھی اختلافی مسئلہ کے اندر ایک ہی جانب کے حق ہونے کا یقین کر لینا اور اسی اہمیت اور ترجیح دینا اور اس میں غلو وتشدد سے کام لینا غیر مناسب طریقہ ہے اور اختلافی مسائل میں ایک دوسرے پر طعن و تشنیع سے پرہیز کرنا چاہئے۔کیونکہ دوسرے موقف کے علماء بھی کسی دلیل ہی کے تحت مسئلہ کو اختیار کئے ہوئے ہونگے اگر چہ کہ وہ دلیل ضعیف ہی کیوں نہ ہو اور نہ صرف اختلافی مسائل بلکہ سارے کاموں میں توقف واحتیاط پسندیدہ بات ہے اور افراط وتفریط اور زیادتی وکمی تمام جگھوں میں مذموم اور ناپسندیدہ ہے اور اختلافی مسئلہ میں ایک دوسرے پر طعن و تشنیع کے بجائے ہر ایک کو اس کے موقف پر چھوڑ دینا چاہئے۔اگر ایک فریق کی دلیل راجح نظر آئے تو دوسرے کو غلط اور گمراہ خیال نہیں کرنا چاہئے۔

ضعیف اور مرجوح روایات نقل کرنے سے یہ گمان نہ کیا جائے کہ فقیر لوگوں کو ضعیف اقوال پر عمل کرنے کی ترغیب دے رہا ہے اور اس کے مسلک کی بنیاد مرجوح روایات پر ہے۔حاشاوکلا!

''مقصود فقیر از نقل اقاویل ضعیفہ روایات مرجوحہ در بعض مواقع رسالہ سد لسان غالیان است تا معلوم شود کہ مسئلہ مختلف فیہ است و درام مختلف جزم کردن بیک جانب وترجیح آن تعصب نمودن دران نمی رسد۔وعیب یک دیگر نباید کرد فربکم اعلم بمن هوا هدی سبیلا۔ ''توقف واحتیاط در ہمہ کار محمود واز افراط وتفریط در ہمہ جا مذموم۔'' (فصل الخطاب:ص:۲۴)

حضرت قطب ویلور نے کتاب کے آغاز میں بطور تمہید بیس مقدمات لکھتے ہیں جس میں انھوں نے درجِ ذیل موضوعات پر روشنی ڈالی ہے۔

ادلہ شرعیہ یعنی کتاب وسنت اور اجماع وقیاس مجتہد۔

۲۔ماہیت فقہ ۳۔اجتہادِ فقہا ۴۔اجتہاد صوفیاء ۵۔حضور اکرمؐ کا الہام ۶۔اولیاء کرام کا الہام

۷۔نبی اور ولی کے الہام میں فرق اور ان کے شرعی احکام ۸۔علوم دینیہ کی اقسام ۹۔ایک مقلد کو یہ حق اور اختیار نہیں ہے کہ وہ قرآن وحدیث سے احکام اور مسائل اخذ کرے۔ ۱۰۔مقلد کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ بعض فقہا کے مذہب کو بعض فقہا کے مذہب پر

ترجیح دے۔ ۱۱۔اہل سنت و جماعت کے اختلاف خواہ وہ ظاہر شریعت میں ہوں یا باطن شریعت میں ہوں یہ اختلافات اہل اسلام اور اہل کتاب یا سنی و رافضی یا سنی و خارجی کے اختلاف کی طرح نہیں ہیں کہ جانبین ایک دوسرے کی تکفیر کریں، بلکہ ان اختلافات میں حق دائر اور شامل ہے۔لہذا اہل سنت و جماعت کے فقہی اختلافات اور فروعی تنازعات میں کسی کی تکفیر اور تضلیل نہ کریں۔

۱۲۔ نبی اکرم ﷺ سے صادر شدہ احکامات میں نہ شبہ کی گنجائش ہے اور نہ خطا کا تصور اور یہ احکام یقین، عمل اور اعتقاد کے لئے مفید ترین ہے۔اس کے بعد کے دور کے احکام و مسائل اور مجتہدات مفید عمل ہیں، موجب اعتقاد نہیں۔

۱۳۔قرآن مجید کے معانی و مطالب کا بیان تفسیر سے ہے یا پھر تاویل سے۔

۱۴۔ بدعت کے مفہوم میں اختلاف ہے۔جمہور کے نزدیک بدعت دو حصوں میں تقویم ہے۔بدعت حسنہ اور بدعت سیئہ۔

۱۵۔تصوف کے بعد دقیق مسائل و احکام اور غوامض و دقائق کو عوام سے پوشیدہ رکھنا چاہئے تاکہ وہ ان کے دقائق و اسرار کو نہ سمجھ کر علماء وصوفیاء کی توہین و تنکیر اور تکفیر نہ کر سکے۔

۱۶۔تصوف کے بعض نکات اور معارف سمجھنے کے لئے ماہر تصوف کی ضرورت ہے۔جس کے بغیر یہ متاع دقیق حاصل نہیں ہوسکتی۔جب دنیا کا کوئی علم اور فن استاد کے بغیر حاصل نہیں ہوسکتا تو پھر علم تصوف اور علم باطن کے بارے میں یہ کیسے سمجھ لیا گیا کہ استاذ کے بغیر یہ علم حاصلکر لیا جاسکتا ہے۔

۱۷۔صوفیاء کے بعض اقوال ظاہراً خلافِ شرع نظر آئیں تو ان کی مراد سمجھے بغیر صوفیاء پر لعن طعن نہ کریں کیونکہ ان کلمات کے مخصوص محامل اور مفاہیم ہیں اور ان کے لئے تاویل کی گنجائش ہے۔محض ان کے ظاہری معنی کو لیتے ہوئے ان کی تعلیمات کا انکار کرنا اور ان پر لعن طعن کرنا غیر مناسب اقدام ہے۔

۱۸۔صوفیاء کے علوم و معارف کا انکار کرنے والا اپنی موت کے وقت سوء خاتمہ سے دوچار ہوتا ہے۔لہذا ان کی بعض باتیں سمجھ میں نہ آئیں تو انکار کرنے کے بجائے سکوت کو ترجیح دیں۔

مذکورہ مقدمات سے متعلق فرماتے ہیں کہ:

''مقدمات این حین المطالعہ ملحوظ دارند کہ در قلع درن اوہام و دفع خیالات خام کالکبریت احمرمی آیند۔'' (فصل الخطاب: ص:۳۰)

اس کتاب کے مطالعہ کے دوران ان مقدمات کو ذہن میں ملحوظ رکھیں کیونکہ یہ اوہام کی آلودگیوں کو دور کرنے میں اور خیالاتِ خام کو دفع کرنے میں کبریت احمر کی طرح مفید ہیں۔

بیس مقدمات کے بعد حضرت قطب ویلورنے چالیس عنوانات پر روشنی ڈالی ہے اور فقہاء وصوفیاء کی مستند کتابوں سے دلائل کا انبار لگا دیا ہے۔جن کے مطالعہ کے بعد کوئی بھی سنجیدہ اور سلیم الطبع شخص انکار نہیں کر سکتا۔ان میں سے بعض مسائل، اختلافی ہیں اور بعض کے دلائل ضعیف ہیں، جن کے تعلق سے خود مصنف علیہ الرحمہ نے صراحت کردی ہے کہ ان سے صرف غالی حضرات کی زبان بند کرنا ہے اور روشن اعتدال کی تعلیم دینا ہے۔

وہ چالیس عنوانات یہ ہیں: ۱۔اولیہ شرعیہ ۲۔فعل مکلف ۳۔تکالیف شرعیہ ۴۔حکم حج ۵۔طوف غیر کعبہ کا حکم ۶۔اقسام ضیافت ۷۔موتی کے لئے دعا اور صدقہ کا حکم ۸صدقات کی تخصیص کا حکم ۹۔نذر کا حکم ۱۰۔مشرک کے ذبیحہ کا حکم اور آدمی کے جھوٹے اور کتابی و مشرک کے جھوٹے کا حکم ۱۱۔تمباکو کا حکم ۱۲۔میلاد النبیؐ پر اظہار مسرت کا حکم ۱۳۔رسول کریم کے موئے مبارک کی زیارت کا مسئلہ ۱۴۔ذکر صالحین کے فوائد ۱۵۔ خوبرویاں کے جمال کا تذکرہ ۱۶۔داعیان حق اور دعوت کے مراتب ۱۷۔قبر اور گنبد کی تعمیر کا مسئلہ ۱۸۔اہل قبلہ کی تکفیر کا مسئلہ ۱۹۔سجدہ تحیت کا حکم ۲۰۔ملاقات و مصاحبت کے آداب ۲۱۔سلام سنت ۲۲۔تصوف ۲۳۔صوفیاء کے ساتھ مولانا شاہ ولی اللہ کے اختلافات ۲۴۔طور نبوت اور طور ولایت کے خواص اور احکام ۲۵۔منتر و فسوں اوراوراد کا حکم ۲۶۔تواضع کی خوبی ۲۷۔عشق ۲۸۔شیخ کے ساتھ قلبی ارتباط اور مراقبہ ۲۹۔علم الغیب ۳۰۔انبیاء اور اولیاء کی علامات ۳۱۔زیارتِ قبور اور زیارت کے لئے سفر کا حکم ۳۲۔مسئلہ تبرک ۳۳۔اقسام ندا ۳۴۔توسل استمداد ۳۵۔زندہ اور فوت شدہ بزرگوں سے ندا کا مسئلہ ۳۶۔دوگانہ قادریہ ۳۷۔ندا اور دعا کے درمیان فرق ۳۸۔وحدت الوجود ۳۹۔وحدت الوجود اور وحدۃ الشہود اور وجود کے معنے کا اختلاف ۴۰۔تیرہویں صدی ہجری کے علماء سے وحدت الوجود کی سند۔

فصل الخطاب کے آخری صفحہ پر مولوی سید شہاب الدین قادری عرف حسن پاشاہ اور مولوی حاجی محمود حسین علاّم کے دل چسپ و معنی خیز تاریخی قطعات درج ہیں۔

معنی قول فصل گر پرسی	ہست بے شک کتابِ فصل خطاب
می کند فرق درخطا و صواب	سزد اور اخطاب فصل خطاب
آن امام زمن سراج دکن	یعنی عبداللطیف ثانی
داد فیصل چوں زیں کتاب نفیس	درنزاع وجدال نفسانی
جست علاّم سال اتمامش	از جناب سروشِ رحمانی
گفت از غایت عجب بامن	طرفہ فصل خطابِ حقانی

اس کتاب کی تاریخ طباعت ''انہ القول الفصل وماھو بالھزل'' سے بھی نکلتی ہے۔عاجز راقم الحروف کے قلم سے یہ ساری کتاب اردو قالب میں ڈھل چکی ہے اور اس کا ترجمہ منظر عام پر آچکا ہے۔ الحمدالله علی ذالک۔

اس مقام پر فصل الخطاب کے تمام موضوعات پر سیر حاصل بحث کرنا ایک مشکل امر ہے۔ان میں سے ہر عنوان اپنی جگہ ایک مستقل کتاب ہے۔لہذا اتنی بات عرض کرتے ہوئے اس بحث کو مکمل کیا جارہا ہے کہ فصل الخطاب کے بعض موضوعات متفق علیہ ہیں تو بعض

ایسے مسائل ہیں جن میں صوفیا متفق ہیں تو فقہا مختلف ہیں۔ مثلاً توسل استمداد اور استمداد بالقبور کا مسئلہ ہے اور بعض مسائل ایسے ہیں جن میں مصنف کا عملی تجربہ ہے اور انھوں نے اس کے اثرات محسوس کیے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

''و چون این فقیر بارواحِ مشائخ صوفیاء متوجہ شد۔ ثر ان توجہ خود بچند وجہ یافت'' (فصل الخطاب: ص:۱۲۲)

غرض حضرت قطب ویلور کی یہ وہ عظیم اور مفید کتاب ہے جس کے مطالعہ کی آج بھی سخت ضرورت ہے۔ تیرھویں صدی ہجری کا پُرفتن اختلافی ونزاعی دور جس سے متاثر ہوکر حضرت قطب ویلور نے یہ کتاب لکھی تھی۔ آج پھر وہ دور لوٹ چکا ہے۔ اس عہد کا پس منظر، پیش منظر میں تبدیل ہو چکا ہے۔ اور مسلمان پھر سے اختلافی امور ومسائل اور فروعی معاملات واحکام میں الجھ کر اعتدال کی راہ کھو بیٹھے ہیں۔ ایسے حالات میں یہ آفاقی کتاب مینارہ نور کی حیثیت رکھتی ہے۔

۲۔ جواهر الحقائق

یہ کتاب علمی حقائق و دقائق اور صوفیانہ اثرات وغوامض سے بھر پور ہے۔ مصنف نے تسوید سے فراغت کی تاریخ ۱۱ رجب المرجب ۱۲۷۳ھ لکھی ہے یہ کتاب فل سکیپ سائز کے ۱۸۱ صفحات پر پھیلی ہوی ہے۔ اور ہر صفحہ پر ۲۱ سطور ہیں اور ۱۲۷۴ھ میں مطبع مظاہر العجائب، مدراس سے شائع ہوی، حضرت مولانا شاہ محمد ولی اللہ قادری دھارواڑی علیہ الرحمہ نے اس کتاب کے بعض مباحث کا اردو میں خلاصہ لکھا ہے اور ''جواهر العرفان'' کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔

حضرت قطب ویلور نے اس کتاب میں علم تصوف، تصوف کا موضوع اور اس کی غرض وغایت، مسائل ومبادیات، وجود اور اسکے مراتب واقسام، تنزلات ستہ، وحدت الوجود اور وحدت الشھود، عالم ارواح، عالم مثال، عالم اجسام، عقل کل، نفس کل، طبیعت کل، جوھر ھبا، جسم کل، شکل کل، عرش، کرسی، فلک اطلس، فلک منازل، سبع سماوات، کرۂ اثیر، کرۂ ہوا، کرۂ آب، کرۂ ارض، جمادات، نباتات، حیوانات، جن، ملک، انسان، انسان کامل، حقیقت دنیا اور حقیقت آخرت پر فاضلانہ وعالمانہ اور محققانہ بحث کی ہے۔

آپ نے جن موضوعات کو زیر بحث لایا ہے ان میں اکثر وبیشتر ایسے ہیں جن کا تعلق طبقہ خواص اور علماء سے ہے۔ اور یہ کتاب انہیں افراد اور اشخاص کے لئے مفید ہے جو صاحب علم ہوں اور فنِ تصوف سے واقفیت رکھتے ہوں۔ ایک جگہ رقمطراز ہیں۔

''ہر کہ از عقائد اہلِ سنت والجماعت وروِیۂ سلف صالحین وآئمہ ملت واصطلاحات صوفیاء وحالاتِ ایں طبقہ علیہ آگہی ندارد از انتفاع این رسالہ حرمان بلکہ نقصان وخسران نقد وے بود۔'' (جواهر الحقائق:۳)

جو آدمی اہل سنت و جماعت کے عقائد، سلف صالحین اور ائمہ کرام کے طور طریق اور ان کے علم وعمل سے واقفیت نہ رکھتا ہو اور حضرات صوفیاء کے حالات اور علمِ تصوف کی اصطلاحات سے نا آشنا ہو تو یہ کتاب اس کے لئے سودمند نہیں ہوگی بلکہ نقصان دہ ہے۔

حضرت قطب ویلور نے کتاب کے آخر میں تیرہ جدول پر مشتمل ایک مفید اور پر از معلومات ضمیمہ لکھا ہے جو ایک مستقل تصنیف کی حیثیت رکھتا ہے۔ جس میں انھوں نے زمین کے کئے نقشے دیے ہیں۔ اور لکھا ہے کہ کس علاقہ میں کون حکام ہیں اور ان میں مسلمان کون ہیں اور غیر مسلمان کون ہیں۔ گیارہویں جدول میں ہمارے ملک ہندوستان کے ان علاقوں کو ذکر کیا ہے جن پر انگریزوں نے دوسو

سال میں قبضہ کیا ہے۔حضرت قطب ویلور کے زمانہ میں ہندوستان پر انگریزوں کا اقتدار قائم تھا۔آپ نے انگریزوں کے حالات وعادات کا قریب سے مشاہدہ کیا ہے اور ذاتی طور پر بھی آپ کو اس قوم سے سابقہ پیش آیا اور آپ انگریزی اقتدار کے مخالف سمجھے گئے ، برٹش کے قیدی قرار پائے ۔برٹش عدالت میں حاری دی اور انگریز عدلیہ کی کاروائی کو قریب سے دیکھا جس کی وجہ سے آپ کو انگریزوں سے متعلق کئی ایک معلومات حاصل ہوئیں۔اس جدول میں انگریزوں کی سربلندی وترقی اور دانش مندی وعالی ہمتی کو بیان کرتے ہوئے ہم ہندوستانیوں کی غیر دانش مندی اور پس ہمتی کا تذکرہ دل سوزی کے ساتھ کیا ہے۔

’’درایں جا ترقی و دانش وعلو ہمت و اخلاق مردم انگلش با وجود قلت قوم و مسافرت و مغائرت زبان ملت در تسخیر بلدان دیدنی است وانحطاط وغفلت ودون ہمتی نا اتفاقی مردم ہند، باوجود کثرت وتوطن واتحاد زبان وملت تماشا کردنی ،احکم الحاکمین می فرماید: تــؤ تــی الـملـک من تشآء وتعز من تشآء و تذل من تشآء (ضمیمۂ جواھر الحقائق:ص:۱۱)

ہمارے ملک ہندوستان میں انگریزوں کی ترقی ، دانش مندی، حوصلہ مندی اور اتحاد و اتفاق ہمارے لئے درس عبرت ہے۔ یہاں کی زبان سے لاعلمی اور یہاں کے باشندوں سے اجنبیت اور اپنے افراد کی قلت اور مسافرت کے باوجود انگریزوں میں ملکوں کی تسخیر کا جذبہ اور شوق دیکھنے کی چیز ہے۔اور افراد کی کثرت ، زبان وملت کے اتحاد اور اپنے ہی وطن میں رہنے کے باوجود ہم ہندوستانیوں کی پستی وغفلت، زوالم وانحطاط اور بزدلی ونا اتفاقی ایک تماشا ہے۔

کتاب کے آخری صفحات میں مولوی عبدالحی بنگلوری ،مولوی مرزا عبدالقادر صوفی اور مولوی محمود حسین علاؔم کے تاریخی قطعات درج ہیں۔جن کے مطالعہ سے مصنف علیہ الرحمہ کی شخصیت اور جواہر الحقائق کی خوبیوں پر روشنی پڑتی ہے۔

حضرت احقرؔ فرماتے ہیں:

چو سید محی الدین قطب زمانہ — بہارِ روضۂ فیض خلائق
کتابے در حقائق کرد تصنیف — گل گلزار اسرار دقائق!
باحقرؔ سال ختمش بلبلِ دل — چہ خوش گفتا گل باغ حقائق

حضرت عبدالقادر صوفی فرماتے ہیں:

امام الوری القطب الھمام المحقق — وشیخ الشیوخ العارف قدوۃ العصر
جواھر اسرار الحقائق صنفا — فصیح بلغۃ الفرس خال عن الھذر

(ضمیمۂ جواھر الحقائق:ص:۱۱)

کتاب علی کل العلوم قد احتوی — بسیط وسیط ثم فی الحجم مختصر
تـنـحـصـت دعن تاریخ تکمیل طبعہ — سمعت کذامن ھاتف صاحب الخیر
بلامین ذاک لب علم الحقائق — فطوبیٰ لما صادفتہ غیر منکر ۱۲۷۴ھ

مولوی محمود علاّم فرماتے ہیں:

مرشدم محی دین و الملت | یعنی عبد اللطیف بے ہمتا
کرد تصنیف از اعانت حق | درحقائق جواہر زیبا
خادمِ خادمان او علاّم | گفت سالش لای غرّا

٤۔ جواہر السلوک

حضرت قطب ویلور کی یہ آخری تصنیف ہے اور یہ چالیس فوائد وابواب اور چند ضمیموں پر پھیلی ہوی ہے۔ضمیمہ میں سلوک کے ہزار مقامات کومختصر کرکے ایک سو مقام کی تشریح جدولوں کے ذریعے کی گئی ہے۔مقاماتِ سلوک اور صوفیانہ کوائف کی یہ جامع تشریح خود اپنی جگہ ایک مستقل تصنیف ہے۔کتاب کے آخر میں ایک اور ضمیمہ بھی ہے جو حضرت مولانا سید شاہ محمد قادری کا لکھا ہوا ہے۔جس میں ضمیمہ نگار نے آخر میں ایک اور ضمیمہ بھی لکھا ہے جو حضرت مولانا سید شاہ محمد قادری کا لکھا ہوا ہے۔جس میں ضمیمہ نگار نے حضرت قطب ویلور کے پدری و مادری سلسلوں کو بیان کیا ہے۔آپ کے بزرگوں کا مختصر تعارف اوران کی علمی ودینی اور تصنیفی خدمات کو بیان کیا ہے۔

یہ کتاب فل سکیپ سائز کے ۲۴۳ صفحات پر مشتمل ہے اور ہر صفحہ میں ۲۳ سطر موجود ہیں۔اور مصنف علیہ الرحمہ کی حیات میں ۱۲۸۱ھ میں مدراس کے مطبع مظہر العجائب سے شائع ہوی ہے۔اس کتاب کی تالیف کے محرک نواب امیر الدولہ بہادر ہیں۔جن کے اشتیاقِ حصول کا علم کا ذکر کرتے ہوئے ان کے حق میں دعا کی ہے اور سالِ تالیف بھی بیان کیا ہے۔(جواھر السلوک:ص:۳)

سال رقم رسالہ ظاہر | گردیدہ باسمِ پاک غافر

غافر کے لفظ سے تاریخ تالیف ۱۲۸۱ھ نکلتی ہے اس وقت آپ کی عمر ۷۴ سال تھی کتاب کے دیباچہ میں فرماتے ہیں:

''ایں جواہر یست چند در سلوک معنوی کہ در سلک حروف وکلمات منسلک گردید وفوائدیست بلند درسیر وسفر انسای کہ از ممکن غیب بجلوہ گاہے شہاد رسید۔ایں رسالہ ہمچو کشکول در یوزہ گراں،لبریز نوالہ ہائے گوناگوں است۔و مانند مرقع درویشاں بہیت اجتماعیہ قطعاتِ بوقلمون۔'' (جواھر السلوک:ص:۳)

سلوک کے معنوی کی یہ چند موتیاں ہیں جو حروف اور کلمات کی لڑکی میں پروئی گئی ہیں اور سیر وسفر انسانی کے وہ بلند فوائد ہیں جو پردہ غیب سے جلوہ گاہ شہادت میں لائے گئے ہیں۔یہ کتاب دریوزہ گروں کے کشکول کی طرح مختلف نوالوں سے بھرپور ہے۔اور درویشوں کی گڈری کی طرح گوناگوں قطعات کا مجموعہ ہے۔

جواہر السلوک درج ذیل موضوعات کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔

۱۔انسانی طبقات کے مراتب ۲۔معرفت نفس ہی معرفت حق کی کنجی ہے ۳۔انواع سفر ۴۔راہ حق کے مسافر دو ہیں ایک حکماء وعلماء اور دوسرے عرفاء واولیاء ۵۔سفر الحق اور سفر العبد ۶۔قوسِ نزولی اور قوسِ عروجی وجود

۷۔قوس عروجی ونزولی سفرالعبد ۸۔طورولایت اورطورنبوت کے خواص اوراحکام ۹۔ حُبِّ عشقی (راہ ولایت) اور حبِ ایمانی (راہ نبوت) ۱۰۔دائرۃ الوجود کے اسفارِاربعہ ۱۱۔سلوک سفراول اورطریقِ اکتساب ولایت ۱۲۔مرتبۂ نفس، مرتبۂ قلب اورمرتبۂ روح ۱۳۔ترقیاتِ سالک ۱۴۔انسان اورقربِ نوافل وقربِ فرائض کابیان ۱۵۔توحید وجودی کی تصویر اورسالکوں کے شبہات کاازالہ ۱۶۔تجلیات حق چارقسم پر ہیں۔ ۱۷۔فوائدعجیبہ پر مشتمل توحیدکی قسمیں ۱۸۔انواع تجلی افعال ۱۹۔انواع تجلی اسماء ۲۰۔ انواع تجلیاتِ صفات ۲۱۔تجلی ذات ۲۲۔جہت معیت اور جہت سلسلۂ ترتیب ۲۳۔اربابِ صلاح وسلوک چارہیں۔ ۲۴۔راہ جذب اورراہ سلوک ۲۵۔جذبہ اورسلوک وغیرہ ۲۶۔ولایت اولیاء ۲۷۔اقسام ولایت اوردیگرفوائدمعیت تجدد، وحدۃ الوجود کے ضروری امور ۳۰۔آداب ذکر ہنگام مشغولی،اس کے قبل اوراس کے بعد ۳۱۔تبتل وانقطاع ۳۲۔فوائدمتعلقہ کے ساتھ سلوک کے طریق کابیان ۳۳۔سلوک، مقام عشرہ ۳۴۔سلوک، دائرۃ الوجود ۳۵۔نصیحت سالک ۳۶۔اوقات کواذکاراورصلوٰۃ وغیرہ سے معموررکھنا۔ ۳۷۔صلوٰۃ وصوم۔صدقہ اورتلاوت وغیرہ۔ ۳۸۔کیفیاتِ ذکروغیرہ ۳۹۔مراقبہ ۴۰۔معارضاتِ راہ سلوک اوراس کے معالجات

مذکورہ مسائل پر یہاں تفصیلی بحث کی گنجائش نہیں ہے۔صرف ایک دوفائدے کے جائزہ اورمطالعہ پراکتفاکیا جارہاہے۔جن کی موجودہ زمانہ میں سخت ضرورت ہے۔

یہ حقیقت ہے کہ سلوک کی دنیاعلم شریعت ہی سے آبادرہے گی۔علم شریعت کے حصول اورشرعی احکام کی پابندی کے بغیر سلوک صحیح اور دست نہیں ہوسکتا۔یہی وجہ ہے کہ مرشدکا عالم دین ہونا شرط اولین ہے۔کیونکہ اس کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے مریدوں کوخیرونیکی کاحکم دے اورشروبدی سے بچنے کی تاکید کرے۔ظاہرہے کہ یہ فرض اسی وقت پوراہوسکتاہے جب کہ پیرمغاں، صاحب علم وعمل ہو۔اسی لئے حضرت قطب ویلور نے ۳۲ویں فائدے اور۳۴ویں فائدے میں یہ وضاحت فرمائی ہے کہ سالک کے لئے کس چیزوں کاہونا ضروری ہے۔

''مترجم کہتاہے کہ: سبحان اللہ! معاملہ بالعکس ہوگیاہے۔فقرائے جہال کواس وقت یہ خبط سمایاہے کہ پیری مریدی میں علم کاہونا ضروری نہیں۔بلکہ علم درویش کے لئے مضرہےاس واسطے کہ شریعت کچھ اورہےاورطریقت کچھ اورہے۔حالاں کہ قدیم صوفیہ کی کتابوں مثلاً قوت القلوب،عوارف،احیاء العلوم'' کیمیائے سعادت،فتوح الغیب،اورغنیۃ الطالبین، میں صاف مصرح ہے کہ علم شریعت شرط ہے طریقت اورتصوف کی۔یہ بھی جہالت کی شامت ہے کہ جن مرشدوں کانام صبح وشام مثلِ قرآن اوردرود کے ذکرکیاکرتے ہیں، ان کلام سے بھی غافل ہیں کہ وہ کیافرماگئے ہیں۔''

(جواہرالسلوک:ص:۱۲۱۔مترجم سے مرادمولوی بلہوری کی ذات گرامی ہے جنھوں نے''القول الجمیل'' مصنف ولی اللہ محدث دہلوی کااردو ترجمہ ''شفاالعلیل'' کے نام سے کیاہے۔)

مشائخ کامتفقہ قول ہے کہ کوئی بھی شخص لوگوں کے سامنے وعظ نہ کرے مگروہی جس نے حدیث کی کتابت کی ہواورقرآن کریم پڑھاہو۔ہاں!اگروہ علماء وصوفیاء اوربزرگوں کی صحبت میں ایک طویل زمانہ گزارچکاہواوران سے ادب حاصل کیاہواوروہ حلال وحرام جانچا

ہو اور کتاب سنت پر عمل پیرا ہو۔ ایسی صورت میں ممکن ہے کہ اس کے لئے اتنی تربیت کافی ہو جائے۔'' (جواہر السلوک: ص: ۱۶۲)

حدیث کی کتابت اور قرآن کے پڑھنے سے مراد موجودہ زمانہ میں رائج قرآن کا مفہوم سمجھے بغیر پڑھنا اور کچھ احادیث درسائل سے نوٹ کر لینا نہیں ہے۔ بلکہ قرآن وحدیث کی فہم اور ان میں درک رکھنا ہے۔ (راقم)

'' پہلی چیز جو سالک کے لئے ضروری ہے وہ حضرات صحابہ و تابعین اور سلف صالحین کے طریقہ پر عقائد کی تصحیح ہے۔ ارکانِ اسلام کا ادا کرنا۔ اور کبیرہ گناہوں سے اجتناب کرنا اور مظالم سے روکنا ہے اور وتمام احکام کو بجالانا ہے جن کا شریعت مطہرہ نے حکم دیا ہے۔ کیوں کہ یہی سارے اعمال کی اصل اور جڑ ہے۔ اس کے بغیر سلوک صحیح نہیں ہوسکتا۔'' (جواہر السلوک: ص: ۲۳۶)

جواہر السلوک میں حضرت قطب ویلور نے کئی ایک صوفیائے کبار کی تصنیفات سے موضوع کی مناسبت سے اقتباسات نقل فرما کر صوفیا کی تعلیمات اور ارشادات کا بہترین جامع خلاصہ پیش کر دیا ہے۔ جو ہمیں دیگر کتابوں سے بے نیاز کر دیتا ہے۔ اس کتاب پر ایک صدی سے زائد عرصہ گزر چکا لیکن ہنوز تصوف کے موضوع پر اس جیسی علمی و تحقیقی اور مستند و معیاری کتاب کسی صاحب عرفان کے قلم سے نہیں نکلی۔ مولوی مرزا عبدالقادر علی کے درج ذیل شعر سے جواہر السلوک کی تاریخ تصنیف نکلتی ہے۔

صراط موصل ھذا الی اللہ   بہ عام اختتامہ قد تنال

۸۔ غایۃ التحقیق

حضرت قطب ویلور کی عالمانہ و عارفانہ تصنیف جواھر الحقائق کے مباحث عوام کی عقل و فہم سے بالاتر تھے لیکن اہل علم میں بھی۔ جو علم تصوف سے ناآشنا تھے ان کے لئے بھی ذہنی خلجان کا باعث بن گئے اور سارے علاقۂ مدراس میں علماء کے درمیان تائید و توثیق اور تردید و تشکیک کی فضا پیدا ہوگئی تو پیارم پیٹ کے ایک بزرگ مولانا ٹیپو حسین صاحب نے اپنی جانب سے چند اشکالتا اور استفسارات کو حضرت قطب ویلور کی خدمت میں پیش کئے۔ حضرت قطب ویلور نے بھی محسوس کی کہ اس سلسلہ میں ایک تحریر شائع کی جائے جو سارے شکوک و شبہات اور سوالات واعتراضات کو ختم کر سکے۔ چنانچہ آپ نے ''غایۃ التحقیق'' کے نام سے ایک فتویٰ لکھا جو ۱۲۸۰ھ میں سید جمال الدین کی نگرانی میں مدراس کے مظہر العجائب پریس سے شائع ہوا۔ اور اس وقت کے مستند، جلیل القدر علماء اور اہلِ علم صوفیاء نے فتویٰ کی صحت اور صواب سے متعلق اپنی رائے پیش کی اور ان کے تمام بیانات اور تصدیقات دستخط اور مہر کے ساتھ غایۃ التحقیق کے اواخر میں شائع ہوی ہیں۔ جن میں حضرت مولانا شاہ عبدالوہاب قادری بانی مدرسۂ باقیات الصالحات ویلور اور مولانا حضرت سید عبدالقادر حنیف الدین فخر المصفوی، حضرت مولانا محمد شہاب الدین کی تصدیق بھی ہیں۔

جواب ھذا بلاشک وارتیاب صحیح ہے۔ (مولانا عبدالوہاب قادری)

اس فتویٰ میں درج کئے ہوئے سوالات کے جوابات صحیح اور درست ہیں اور اہل سنت و جماعت اور تمام صوفیاء کے مسلک حق کے موافق اور مطابق ہیں۔ (مولانا سید عبدالقادر علوی)

اس محقق (حضرت قطب ویلور) کا جواب صوفیاء اور اہل سنت و جماعت کے مسلک کے مطابق ہے اور وہ مذاہب باطلہ کے

عقائد کی تردید کرنے والا ہے۔ (مولانا شہاب الدین)

حضرت قطب ویلور کے عہد میں جس طرح فقہی اختلافی اور فروعی مسائل اور احکام کے اندر افراط وتفریط، تشدد وتعصب اور غلو کی فضا پیدا ہوگئی تھی اور ان مسائل کو نصوص کا درجہ دیتے ہوئے باہمی تکفیر وتضلیل کا بازار گرم رکھا گیا تھا اسی طرح آپ کے عہد میں تصوف کے اندر بھی افراط وتفریط، تشدد وتعصب اور غلو کی فضا پیدا ہوگئی اور غالی ومتشدد صوفیا اور صوفی نما افراد نے بھی تضلیل وتکفیر کا بازار گرم کر رکھا تھا۔ حضرت قطب ویلور نے فقہ کی طرح تصوف میں بھی اعتدال وتوازن اور توسط ومیانہ روی پیدا کی اور صوفیاء کے دو عظیم گروہ جودیہ اور شہودیہ کے درمیان ارتباطِ قلبی، وسعت ذہنی اور فکری ہم آہنگی پیدا کی۔ نظریۂ وجودہ اور شہودریہ کے درمیان تطبیق دی۔ چنانچہ غایت التحقیق کے اندر بارھویں سوال کے جواب صوفیاء کی کتابوں سے درج ذیل موقف پیش کیا۔

''تیسرے اور پانچویں صدی ہجری کے سلف صالحین کے بعد توحید وجودی اور شہودی کے میں صوفیاء دو طبقوں میں بٹ گئے۔ ہم لوگ وجودی اور شہودی کے اختلافات کے بعد پیدا ہوئے طرفین میں سے کسی ایک جانب کی صحت و درستگی کا یقین نہیں کر سکتے لہذا ہمارے لئے یہی ایک راہ ہے کہ جس طرح مذاہب اربعہ میں حق کو دائر اور شامل سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ مذہب حنفیہ صواب پر مبنی ہے اور خطا کا احتمال ہے۔ اور مذہبِ شافعیہ اور دیگر مذاہب خطا ہیں اور صواب کا احتمال ہے۔ اسی طرح دونوں مذاہب (وجودی اور شہودی) میں کسی ایک مذہب کی دلیل راجح معلوم ہو تو دوسرے مذہب کو غلط خیال نہیں کرنا چاہئے کیونکہ دوسرے مذہب کو غلط سمجھنے سے برگزیدہ علماء ومشائخ کی کثیر جماعت کا گمراہ ہونا لازم آئے گا۔

ہاں! اگر کسی ایک مذہب کی تقلید میں غلو کرے اور فرق مراتب کو نظر انداز کرے اور جادۂ اعتدال سے قدم باہر نہ رکھے اور عابد کو معبود، حادث کو قدیم، ملوث کو منزہ، حرام کو حلال، اور نجس کو طاہر قرار دے تو یقیناً ایسے اشخاص ملحد اور زندیق قرار پائیں گے۔

اس بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ توحید وجودی اور توحید شہودی کہ فرق کی وجہ سے یہ اختلاف امت مین پیدا ہوا وہ سنی اور رافضی یا سنی کے خارجی کے اختلاف کے مانند نہیں ہے کہ فریقین ایک دوسرے کو گمراہ اور کافر قرار دیں۔ بلکہ شہودی اور وجودی کا اختلاف مذہب اربعہ کے اختلاف کی طرح ہے۔

''ہاں! اگر کوئی وجودی شخص جادۂ اعتدال سے قدم باہر رکھتے ہوئے الحاد وزندیقیت پھیلائے تو یقیناً وہ شخص گمراہ وگمراہ کن ہے اور اسی طرح کوئی شہودی شخص اعتدال کی روش ترک کرتے ہوئے علماء وصوفیاء کو گمراہ اور کافر کہنے لگے تو وہ بھی یقیناً مطعون اور قابل سرزنشت ہے۔''

غایۃ التحقیق میں حضرت قطب ویلور نے درج ذیل سوالات کے جوابات دئے ہیں۔

۱۔ وحدت الوجود قرآن وحدیث کے مطابق اور اہل سنت وجماعت کے عقیدے کے موافق ہے یا نہیں؟

۲۔ علمائے متکلمین کے انکار مسئلہ وحدت الوجود کے اسباب کیا ہیں؟

۳۔ وحدۃ الوجود دلائل شرعیہ سے ثابت ہونے کی صورت میں اس کا انکار کرنے والے شخص کو کافر یا فاسق قرار دینا ضروری ہے یا نہیں؟

۴۔ وحدۃ الوجود کشف والہام سے ثابت ہونے کی صورت میں دوسروں کے لئے حجت ہے یا نہیں؟

۵۔صاحب کشف کواپنا الہام قرآن وحدیث پر پیش کرنا ضروری ہے یا نہیں؟

۶۔کیا تصوف کے دقیق وہ غامض مسائل کو عوام سے پوشیدہ رکھنا ضروری ہے؟

۷۔کیا مسائل تصوف سمجھنے کے لئے کسی ذی علم شیخ کامل سے وابستگی ضروری ہے؟

۸۔کیا صوفیاء کے مسائل ظاہر شریعت کے خلاف ہیں؟

۹۔صوفیائے متقدمین میں سے کون کون وحدت الوجود کے قائل ہیں؟

۱۰۔وجودیہ اور شہودیہ کے اختلافات کی نوعیت کیا ہے؟ اور ان میں تطبیق کی صورت کیا ہے؟

۱۱۔نحن اقرب الیہ من حبل الورید :(آیت) اور ان اللہ علیٰ کل شئی محیط (آیت) اور خلق الانسان علی صورتہ (حدیث) وغیرہ اور کتب اعتقادی کی تاویلات جو صوفیاء کے نزدیک ثابت ہیں۔ کیا یہ صحیح ہیں؟ اور انا من نور اللہ وکل شئی من نوری اور انا عرب بلا میم وانا احمد بلا میم کیا یہ صحیح احادیث ہیں؟

حضرت قطب ویلور نے غایۃ التحقیق کو درج ذیل عبارت پر ختم کیا ہے۔ اس انداز بیان سے بھی آپ نے ایک فتنہ کو رفع کرنے کی سعی وکوشش کی ہے۔

''چوں ایں مختصر گنجائش اقاویل دیگر ندارد وبیشتر مردوم طاعن باصاحب صراط مستقیم کمال اعتقاد دارند واز کن مکن او بیرون نمی روند لہٰذا اقوال او را خاتم اقوال متاخرین ایں قرن کردانیدہ آمد واللہ ھو الھادی الی صراط مستقیم۔''

حاصل کلام ! اس مختصر رسالہ میں مزید اقوال نقل کرنے کی گنجائش نہیں ہے اور زیادہ تر طعن وتشنیع کرنے والے لوگ صاحب صراط مستقیم (مولانا شاہ اسمعیل دہلوی) کے ساتھ مکمل اعتقاد رکھتے ہیں۔ اور ان کی بات کو بے چوں وچرا تسلیم کرتے ہیں۔ اس لئے ان کا قول اس صدی کے علماء کے اقوال کے آخر میں نقل کیا جارہا ہے۔

رسالہ غایۃ التحقیق راقم الحروف کے ترجمہ کے ساتھ سالنامہ ''اللطیف'' میں قسط وار شائع ہو چکا ہے۔ فلیراجعھا (سالنامہ اللطیف سن ۱۹۸۲ء، ۸۳ء، ۸۴ء، ۸۵ء، ۸۶ء، ۸۷ء)

۹۔مکتوبات لطیفی

حضرت قطب ویلور نے اپنے مریدین، معتقدین، متوسلین، سائلین اور تلامذہ وخلفاء کے نام وقتاً فوقتاً جو مکاتیب اور فتاویٰ روانہ کیا تھا ان کو آپ کے ہمشیر زادے اور داماد حضرت مولانا مولوی سید محمد قادری علیہ الرحمہ نے جمع کیا ہے۔ اور آپ کے اسم مبارک عبد اللطیف کی مناسبت سے اس مجموعہ کا نام ''مکتوبات لطیفی'' رکھا۔ جیسا کہ صاحب تدوین رقم طراز ہیں۔

ھذا مکتوبات لطیفۃ مشتملۃ علی الفوائد و محتویۃ فی غرائب والفرائد الذی حررھا استاذی و مرشدی ایں اضعف بندگان صمد سید محمد عفی اللہ خوفاً للانتشاری ونفعاً للعام درصدد جمع وتفتیش افتاد و بمناسبت اسم شریف آں حضرت معزالیہ مکتوبات لطیفی تسمیہ اش نہاد تا ناظرین از و بہرہ ور گردند ایں فقیر را ز دعائے خیر محروم نگردنند۔''

مکتوبات وفتاوی کا یہ ضخیم دفتر تقریباً پانچ سو صفحات پر مشتمل ہے اور یہ ایک مستقل تحقیق طلب مخطوطہ ہے۔ اور اسکا صرف ایک ہی نسخہ ہے۔ جو کتب خانہ دارالعلوم لطیفیہ میں محفوظ ہے۔ راقم الحروف کے قلم سے اس کا ترجمہ سالنامۂ اللطیف میں تقریباً بیس سال سے شائع ہو رہا ہے۔ بحمداللہ! یہ ضخیم، دفتر قریب الختم ہے۔ مکتوبات میں بیان کردہ مسائل ومباحث کے تفصیلی مطالعہ اور تبصرہ وتجزیہ کی یہاں گنجائش نہیں ہے۔ البتہ چند اہم موضوعات کی نشان دہی کرنے سے اس مجموعۂ مکاتیب وفتاوی کی علمی عظمت واہمیت آشکار ہو جائے گی۔

وصیت اور ہبہ اوران دونوں کے درمیان فرق ۔۲ زکوۃ اور نفقہ میں فرق ۔۳۔ ہندوستان دارالحرب ہے یا نہیں ۔۴۔ دارالحرب میں مسلمانوں میں سکونت کا مسئلہ ۶۔ کسی مسلمان کو کافر کہنے کا مسئلہ ۸۔ دارالحرب میں سود خوری ۹۔ ایک ہی امام کی تقلید ۱۰۔ حنفی یا شافعی شخص اپنے امام کے بجائے دوسرے امام کی پیروی کن صورتوں میں کرسکتا ہے۔ ۱۱۔ میلادالنبی ﷺ پر اظہار مسرت کا مسئلہ ۱۲ بیعت اوراس کے اقسام ۱۳۔ طب وحکمت ۱۴۔ بدعات محرم الحرام ۱۵۔ صدقات ۱۶۔ ارواح مشائخ سے اکتساب فیض ۱۷۔ صوفیاء کی اجازت اور تاثیر وفیضان ۱۸۔ مسبعات عشر ۱۹۔ طریقت میں ارتداد ۲۰ مسئلہ وحدۃ الوجود ووحدۃ الشھود ۲۱۔ قبر پر چراغ افروزی یہودی کا عمل ۲۲۔ روح انسانی۔

اس رنگا رنگ گلدستہ کے بعض مکتوبات میں ادیبانہ رنگ نمایاں ہے۔ اور بعض پند ونصیحت اور حکمت وموعظت سے دل لبریز ہیں اور بعض فاضل مکتوب نگار کے احوال اور انکے خانوادے کے حالات درج ہیں۔

مکتوبات لطیفی میں فارسی، اردو اور چند خطوط عربی میں ہیں۔ اردو زبان میں تحریر کردہ ایک مکتوب جو فتاوی کی شکل میں ہے یہاں نقل کیا جارہا ہے۔ یہ مکتوب آپ نے جناب بڑے میاں صاحب خطیب شہرانی، ضلع دھارواڑ کے نام سے ارسال فرمایا ہے۔ ب

''تمہارا التفات نامہ ۲۱ ذی الحجہ ۱۲۸۲ھ کا رجسٹری پہنچا اور اس میں دینی مسائل کا استفسار رہنے سے دل بہت مسرور ہوا۔ معلوم ہوا کہ شریعت مطہرہ تمہارے دل میں قرار پکڑی ہے۔''

تمہیں پوچھے تھے کہ کسی نے یا اللہ، یا رسول اللہ میر تئیں بیٹا یا بیٹی دیو کہے تو جائز ہے یا نہیں؟

جواب اس کا یہ ہے کہ ایسا کہنا جائز نہیں اور کہنے ہارا مشرک ہے اسلئے کہ پیدا کرنا اور بیٹا بیٹی دینا بالخصوص خدا کا کام ہے۔ قال اللہ تعالی افمن یخلق کمن لا یخلق افلا تذکرون ۔یعنی بھلا جو پیدا کرے، یعنی حق تعالی برابر ہوگا۔ اس کے جو کٹھ پیدا نہ کرے کیا تم سوچ نہیں کرتے۔ اور پیغمبراں اپنے کو اولاد پیدا نہیں کرسکتے، دوسرے کو اولاد کیسا دیتے! آپ ہی پیدا کرسکتے ہیں تو خدا سے اولاد کی (کیوں) مانگتے، جیسا کہ زکریا پیغمبر خدا سے فرزند مانگتے ہیں۔ فھب لی من لدنک ولیا یرثنی ویرث من آل یعقوب واجعلہ رب رضیا۔

تمہیں پوچھے تھے کسی نے یا اللہ، یا رسول اللہ میرے تئیں روزی دیونے، کر کے کہے، ایسا کہنا جائز ہے یا نہیں؟ اور کہنے والا مشرک ہے یا نہیں؟

جواب اس کا یہ ہے کہ ایسا کہنا بھی جائز نہیں اور کہنے والا مشرک ہے۔ بشرطیکہ سرور عالم کو حقیقی روزرساں اور مسبب جانے اور

خدا کے ساتھ روزی رسانی میں شریک کرے۔ اگر سرور عالم کو وسیلہ گردانے اور سبب روزی جانے تو یہ بات دوسری ہے۔

حضرت قطب ویلور کے اردو مکتوبات تعداد کے لحاظ سے تو بہت کم ہیں لیکن ان کی علمی و مذہبی اور اصلاحی وافادی حیثیت واہمیت آج بھی اپنی جگہ پر پوری طرح برقرار ہے۔ چنانچہ سوداگر خدا بخش صاحب ساکن سرونچہ ضلع اوپر گوداوری کے نام تحریر کردہ مکتوب جہاں مختلف ومتعدد احکام ومسائل کی گرہ کشائی ہوتی ہے وہاں ایک ایسے اہم اور ضروری مسئلہ پر بھی روشنی ملتی ہے جو موجودہ زمانے میں لائق اعتناء اور قابل عمل ہے اور وہ یہ ہے کہ کتاب وسنت سے احکام کا استخراج اور استنباط مجتہدین ذی علم کا کام ہے اور یہ حق واختیار عوام الناس کو حاصل نہیں ہے اور انکی سلامتی اور نجات مذاہب اربعہ پر عمل کرنے میں ہے۔

حضرت قطب ویلور کا یہ مکتوب ملاحظہ کیجئے:

''پس از سلام مسنون عزیزی خدا بخش صاحب سوداگر کو ظاہر ہووے۔'' تمہارا مکتوب مرقوم، ۲۰ ذی الحجہ ۱۲۸۵ھ کا پہنچا اور دینی مسائل کا استفسار رہنے سے دل بہت مسرور ہوا۔ این کار دولت است کنون تا کرا رسد۔ معلوم ہوا کہ شریعت مطہرہ تمہارے دل میں قرار پکڑی ہے۔ از کوزہ بروں تراود کہ درو یست۔

فتویٰ ملفوفہ مرقوم بھی فقیر کا ہے جو ۱۲۲۸ھ میں لکھا تھا۔ لیکن وہ فتویٰ ناقص رہنے سے ایک فتویٰ ملفوف کیا ہوں اس سے مفصل مع اسناد معلوم ہوویگا۔

اول یہ بات جاننا ضروری ہے کہ دین ہمارا محمدی ہے۔ موسوی اور عیسوی وغیرھا نہیں۔

پھر یہ دین محمدی میں تہتر ۷۳ فرقے ہیں۔ ہمارا فرقہ سنت جماعت کا ہے۔ خارجیہ، رافضیہ، قدریہ، جبریہ، مرجیہ، ظاہریہ، باطنیہ وغیرھا نہیں۔

پھر یہ فرقے میں سنت جماعت کے چار مجتہد مستقل سے چار مذہب رائج اور مشہور ہیں۔ ۱۔ حنفی ۲۔ مالکی ۳۔ شافعی ۴۔ حنبلی چاروں مذاہب میں حق دائر ہے اور اختلاف میں ان کی رحمت ہے لقولہ علیہ السلام اختلاف علماء رحمۃ

پھر یہ چاروں مذاہب میں مجتہد فی المذہب ہیں یا مقلد۔

اور مذہب حنفیہ میں بھی یا مجتہد فی المذہب ہیں۔ جیسے امام ابو یوسف، امام محمد، امام طحاوی، امام کرخی، امام سرخسی، امام بزودی، قاضی خان، امام راضی، شیخ ابوالحسن قدوری، شیخ برہان الدین مرغیسانی، صاحب ہدایہ وغیرھم۔

۴۔ یا مقلد ہیں یعنی پیروان یہ مجتہدوں کے جیسے ہم حنفیہ۔

۵۔ پھر یہ چاروں مذہب مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ، عرب، عجم، روم، شام، مصر، ایران، توران، ہند، سند، سوادِ اعظم میں جہاں کے مشہور ہیں اور مقلد یعنی پیرو یہ یہ چار مذہبوں کے سیدھی راہ پر ہیں لقولہ علیہ السلام علیکم بالسواد الا عظم (حضور نے فرمایا سواد اعظم کی پیروی کرو)

۶۔ پھر جو احکام اجتہاد سے مجتہدوں کے نکلے ہیں صواب اور خطا میں متردد ہیں۔ لیکن مجتہد مصیب کو دو اجر ہیں اور مجتہد مخطی کو ایک اجر ہے۔

امام ربانی شیخ احمد سرہندی باویسویں مکتوب میں جلد ثالث کے فرماتے ہیں۔

''بر مجتہد چہ جکائے اعتراض است کہ خطاء اوراینیز ایک درجہ ثواب است وتقلید او اگر چہ خطا کند موجب نجات است۔ (مجتہد پر اعتراض کی گنجائش ہی نہیں ہے اس کی خطا میں بھی ایک گونہ ثواب ہے۔ اس کی تقلید اگر چہ کہ خطا میں بھی ہو نجات کا باعث۔

اعتراض ہے تو مقلد پر ہے۔ اس لئے قرآن حدیث سو مسئلے نکالنا اور اجتہاد کرنا کار مجتہدوں کا ہے نہ مقلدوں کا۔

مقلد برخلاف اپنے مجتہدوں کے قرآن وحدیث سے مسئلے نکالے اور اجتہاد کرے تو قطع نظر کے خطاء کے صواب میں بھی اس کو ثواب نہیں اور پیرو کو اس کی مقلد سے نجات بھی نہیں۔

مقلد اور پیرو اس مقلد کا ہر دو عاصی ہیں۔ جیسا حکم کرنا کام عہدہ داروں کا ہے نہ سپاہیوں کا۔ سپاہی برخلاف اپنے عہدے داروں کے کچھ حکم کرے یا دوسرا سپاہی اس سپاہی کا پیرو ہووے تو سپاہی اور پیرو اس سپاہی کا، ہر دو تقصیر مند ہیں۔

اب جواباں تمہارے سوالوں کے لکھتا ہوں۔ تمہیں پوچھے تھے کہ نذر مخلوق کی چاروں اماموں کے پاس جائز ہے نہیں۔

جواب اس کا یہ ہے کہ نذر کے دو معنی ہیں ایک ایجاب العبادت دوسرا ھدیہ۔ اگر بمعنی ایجاب العبادت ہے تو بالا جماع یہ نذر مخلوق کو حرام ہے۔ مخلوق زندہ ہووے یا مردہ۔ اور نذر نقد ہووے یا جنس طعام ہووے یا شراب۔ لا ن النذر عبادة والعبادة لا یکون للمخلوق۔ (بے شک نذر عبادت ہے اور عبادت مخلوق کے لئے نہیں ہوتی۔)

اگر مراد نذر سے ھدیہ ہووے تو مخلوق کو دینا جائز ہے۔ چنانچہ امام ربانی شیخ سرہندی بعض مکتوب میں اپنے لکھے ہیں نذر شار سید اور اسمعیل دہلوی باب دوم میں صراط مستقیم کے لکھے ہیں کہ: درخوبی نذر ونیاز اموات شکے وشبہے نیست۔ (اموات کے لئے نذر نیاز کے صحیح ہونے میں کوئی شک اور شبہ نہیں ہے)

اور مریدان پیروں کو اور نوکراں امیروں کو جو نذر دیتے ہیں مراد اس سے ھدیہ ہے نہ کہ عبادت۔

پھر پوچھے تھے کہ مولوی اسماعیل دہلوی کو اور مولوی حیدر علی رامپوری کو کسی نے کافر بولے اور محمد اسماعیل دہلوی کو کوئی چور اور دغاباز کہے تو اس کا کیا حکم ہے؟

جواب اس کا یہ ہے کہ مولوی اسماعیل دہلوی اور مولوی حیدر علی رامپوری دونوں بڑے عالم تھے، اور سنی حنفی اور مجاہد تھے انکو بتاویل کوئی کافر بولے تو گمراہ ہے اور بے تاویل کافر بولے تو بولنے والا کافر ہو جاتا ہے۔ رافض بتاویل صحابہ کرام کو اور خوارج بتاویل اہل بیت عظام کو مرتد اور کافر کہتے ہیں۔ بتاویل سے بولنے سو بالا جماع یہ دونوں گروہ گمراہ ہیں، نہ کافر۔

شیخ عبدالحق دہلوی ''تکمیل ایمان'' میں فرماتے ہیں۔

''درحدیث آمدہ است کہ ہر کہ دیگرے را کافر گوید اگر وے در نفس نفس الامر کافر نبود، قائل بالفعل کافر گردد''

(حدیث میں ہے کہ جو شخص دوسرے کو کافر کہے اور اگر وہ واقع میں کافر نہ ہو تو کہنے والا ہی کافر ہو جائے گا)

محمد اسماعیل ویلوری طالب علم مرد صالح اور واعظ تھے اور اس فقیر کے ہاتھ پر سلسلہ قادریہ میں بیعت کئے تھے میں ان کو خوب

جانتاہوں ۔ چوراور دغاباز ان کو بولنا بے اصل بات ہے یہ سب دنیا سے گزر گئے ۔ان پر تہمت کرنا اور بدی سویاد کرنا بڑا گناہ ہے ۔ پھر پوچھے تھے کہ حنفی بموجب حدیث ابوحمید ساعدی کے ہاتھ کھندوں تک اٹھاتا ہے تو اس کا کیا حکم ہے؟

جواب اس کا یہ ہے کہ حنفی اگر مجتہد ہے تو حدیث پر عمل کر سکتا ہے ۔اگر مقلد ہے تو اس پر تقلیداً اپنے اماموں کی واجب ہے ۔امام ربانی شیخ احمد سرہندی مکتوب دوبست وہ دوہشتادو ششم میں جلد اول کے فرماتے ہیں

''مقلد را نمی رسد کہ خلاف رائے مجتہد از کتاب وسنت اخذ احکام کند و برآں عامل باشد۔''

مقلد کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ اپنے امام کے مسلک کے خلاف قرآن حدیث سے احکام اخذ کرے اور ان پر عمل پیرا ہو جائے اس صورت میں حنفی مقلد کو بجز تقلید مجتہدانِ حنیفہ کے کچھ چارہ نہیں ۔

پھر پوچھے تھے کہ تشہد میں انگشت اٹھانے کا کیا حکم ہے؟

جواب اس کا یہ ہے کہ انگشت اٹھانے کے مقدمے میں ۲۸ حدیث آئے ہیں مگر صحیح بخاری میں اس کا کچھ مذکور نہیں ۔امام الائمہ امام اعظم ابوحنیفہ النعمان اور حضرات صاحبین (امام محمد، امام ابویوسف) اور مالکیہ اور شافعیہ اور حنبلیہ سب کے سب اٹھانے پر گئے ہیں اور علمائے ماوریٰ النھر نہیں اٹھانے پر گئے ہیں ۔

غرض یہ مسئلہ میں اختلاف ہے اور فتویٰ بھی مختلف ۔تفصیل اس مسئلہ کی میں فصل الخطاب میں لکھا ہوں ۔ یہ کتاب عنقریب چھپنے والی ہے ۔پس آدمی انگلی اٹھانے نہیں اٹھانے میں مختار ہے ۔جھگڑا کس لئے!

فقیر ایک کم اسی سال کو پہنچا اور لب گور بیٹھا ہے ۔ پھر حکم یک انار صد بیمار ۔اور ایک سر ہزار سودا کا رکھتا ہے ۔فرصت مسائل کو تفحص کرنے کی کم ملتی ہے ۔لیکن دل میں بہت باتاں ہیں قلم ترجمان سے اوس کے مقصر ہے ۔

میرے تیں تم دوستوں سے فراموش نا سمجھنا: المرء مع من احبہ (آدمی کا حشر اسی کے ساتھ ہوگا جس کے ساتھ اسے محبت ہوتی ہے ۔) حدیث متفق علیہ ہے ۔

حق جل مجدہ سب مسلمانوں کو توفیق دے تا مذہب حقہ، پر سنت و جماعت کے قائم رہیں اور افراط وتفریط سے اور دنیائے دنیہ فانیہ کے فریب سے بچیں اور کچھ بوا پنے محبت وجمیعت باقیہ کی اپنی مشام میں لاویں اور تذکر موت اور احوال آخرت پیش نظر رکھیں ۔ مرقوم دوازدہم محرم روز یکشنبہ ۱۲۷۷ھ''۔

اس مقام پر اردو زبان کا تحریر کردہ ایک اور مکتوب نقل کرنا فائدے سے خالی نہیں ۔ جس کے مطالعہ سے یہ عظیم حقیقت آشکار ہو جاتی ہے کہ وجود یہ میں ملحد اور غیر ملحد کے درمیان ما بہ الامتیاز فرق کیا ہے؟ اور علمائے سلف اور خلف میں کون کون حضرات وحدۃ الوجود کے قائل ہیں؟ اسی کے ساتھ تکفیر بازی اور دشنام طرازی اور گروہ بندی سے اجتناب کی تاکید وہدایت ملتی ہے ۔ یہ خط ضلع شمالی آرکاٹ سے معروف تاریخی شہر وانمباڑی کے سنت جماعت کے لوگوں کے نام لکھا گیا ہے ۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پس از سلام سنت سید الانام افضل التحیہ والسلام!

یجمان عظیم الدین صاحب اور یجمان اسماعیل صاحب اور حاجی سعید حسین صاحب اور مدیکا راحمد صاحب اور وانمباڑی کے چارو پیٹ والے سب اہل سنت جماعت کو ظاہر ہوے۔ تمہارا خط شانز دہم رمضان ۱۲۸۰ھ کا پہنچا اور مضمون اس کا مفصلاً معلوم ہوا۔

تمہیں حال عبدالقادر کا پوچھے تھے۔ پھر ان کے ساتھ محبت رکھنے اور اقتدا کرنے کے باب میں استفسار کئے تھے۔

سچ ہے کہ عبدالقادر میرے مکان میں سالہا سال رہے۔ ایک کسی تقریب میں میرے روبرو کہتے تھے کہ ملاحدہ کو گمراہ اور کافر بولتا ہوں نہ اورلیاء وجودیہ کو۔ ایسا ہی انہوں نے اگر ملاحدہ کو کافر بولتے ہیں تو بے ریب رہ پر ہیں۔ اگر اولیاء اور علمائے وجودیہ کو کافر کہتے ہیں۔ تو بے سک گمراہ ہیں۔

اولیاء اور علمائے وجودیہ ہزار ہا ہیں شماران کا کون کر سکے؟

امام حجۃ الاسلام محمد غزالی، شیخ الاسلام عبداللہ انصاری، شیخ فریدالین عطاط، مولانا جلال الدین رومی، مولانا شمس الدین تبریزی، شیخ اکبر محی الدین ابن عربی، شیخ کبیر صدرالدین قونوی، خواجہ بندہ نواز سید محمد گیسودراز، سید جعفر مکی، شیخ عبدالکریم جیلی، شیخ شرف الدین داؤد قیصری، خواجہ عبیداللہ احرار، مولانا نورالدین جامع، مولانا عبدالغفور لاری، خواجہ عبدالباقی، مولانا شاہ ولی دہلوی، بحرالعلوم ملک العلماء مولانا عبدالعلی لکھنوی، سندالعلماء مولانا شاہ عبدالعزیز دہلوی، سید شیخ جعفر ملیباری، سید علوی ملیباری، سید شاہ کمال الدین بنگلوری، یہ سب اولیائے وجودیہ ہیں۔

اور امام فخرالدین راضی اور قاضی ناصرالدین بیضاوی اور علامہ میر شریف جرجانی اور شمس الدین طیبی، ملا جلال دوانی، شیخ الہند عبدالحق محدث دہلوی اور مولوی محمد باقر آگاہ مدراسی یہ سب علمائے وجودیہ ہیں۔

وجودیہ میں ملحد اور غیر ملحد کا فرق یہ ہے کہ اگر کوئی تقلید میں وجودیہ کے غلو کرے اور خدا میں اور عالم میں فرق نہ کرے اور حد سے بڑھ کر بندے کو خدا اور حادث کو قدیم اور ملوث کو منزہ اور حرام کو حلال اور نجس کو پاک سمجھے تو ملحد اور زندیق ہے۔ اور کوئی خدا میں اور عالم میں فرق کرے اور شرع کا مقید رہے اور لوگوں کو نماز اور روزہ اور تلاوت قرآن اور ذکر اور خوف اور رجاء اور تقویٰ صلح کی دعوت دے تو وہ مومن پاک اعتقاد ہے۔ اور بری ہے زندقہ اور الحاد سے۔ (کذا فی مکتوب مولانا شاہ عبدالعزیز دہلوی برائے مولوی نوراللہ)

حدیث شریف میں آیا ہے کہ مومن کو کافر بولنے والا بالفعل کافر ہوتا ہے۔ (کذا فی تکمیل الایمان)

ان پیشوایان مومنین اور ارکان دین کو کافر بولنے والا کافر کیں نہ ہوگا محبت اور اقتدا کے لائق کب رہے گا۔ گالی دینا برا کام ہے۔ سب گالیوں میں بڑی گالی تکفیر، کافر بولنا ہے۔ ایسی بڑی گالی اہل سنت کے پیشوایان کو دینا کام سنیوں کا نہیں بلکہ رافضی و خارجی اور بدعتیوں کا ہے۔

مذہب معلوم واہل مذہب معلوم دشنام بمذہب کہ طاعت باشد

پھر سنیوں کو گالی تکفیر کی لگانا مومنوں کو کافر بنانا اور مذہب سنت کو بگاڑنا اور سنیوں میں پھوٹ بھانا ہے۔

اتفاق بڑی دولت ہے۔ حیوانوں میں چرندے مثلاً ہاتھی اور اونٹ اور بیل بکرے مندوں میں ہلے ملے چرتے ہیں۔ اور پرندے مثلاً مور چے اور مکھوڑے قطار در قطار چلتے ہیں اور مطلب پر ہاتھ مارتے ہیں۔

دولت ہمہ زاتفاق خیزد بے دولت از نفاق خیزد

رب العالمین مومنوں کو گالیاں دینے اور ایمان کھونے سے بچاوے اور راہ سنت پر چلاوے اور مسلمانوں کو بلا سے پھوٹ کی نجات دیوے۔اور دولت سے ملاپ کے کامیاب کرے۔ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم۔

اردو زبان میں جناب غلام علی میجر صوبہ دار کے نام بھی ایک مکتوب ملتا ہے جس میں مذہب معین پر عمل کرنے کے دلائل بیان کئے گئے ہیں۔اور اس بات کی بھی صراحت کی گئی ہے کہ جلیل القدر صوفیاء اور ائمہ طریقت نے بھی فقہاء کے مذہب کی اتباع و پیروی کی ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بعد الحمدی والصلوۃ و تبلیغ الاسلام والدعوات

ظاہر خاطر سعادت ذخائر ہوے۔

تمہارا مکتوب مرقوم یازدہم رجب ۱۲۸۸ھ مع فتویٰ ملفوفہ پہنچا۔اور نوید خیریت سے مطلع کیا۔

سعادت آثار!

دو سند ایک سند امام حجۃ الاسلام محمد غزالی کی، دوسری سند سند العلماء مولانا شاہ عبدالعزیز دہلوی کی ذیل میں مرقوم ہے۔

اور اسی کے مطابق عرب و عجم، روم و شام، مشرق و مغرب اور ہند و سندھ والوں کا عمل ہے۔اور سب بزرگان دین ایک ہی مذہب معین پر چلے ہیں۔

شیخ الہند عبدالحق دہلوی ''مرج البحرین'' میں فرماتے ہیں:

ہمہ ائمہ طریقت و اساطین ملت تابع مذہب فقہاء بود اند (ملت کے تمام اکابرین اور ائمہ طریقت، حضرات فقہاء کے مذہب کے تابع تھے۔) چنانچہ سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی مذہب ثوری اور غوث الثقلین عبدالقادر جیلانی مذہب حنبلی، حضرت شبلی، مالکی مذہب اور جریری، حنفی مذہب اور محاسبی، مذہب شافعی رکھتے تھے۔اور امام محمد حسن ابن زیاد اور امام زفر باوجود درجۂ اجتہاد کے حنفی تھے۔اور امام مزنی اور امام بویطی باوجود درجۂ اجتہاد کے شافعی تھے۔

الحق جمہور علماء وجوب تعیین پر گئے ہیں۔چنانچہ ہر دو سند مذیلہ سے معلوم ہوگا اور بعض علمائے اکرام وجوب پر گئے ہیں جیسے امام ابن ہمام صاحب ''فتح القدیر'' اور مولانا نظام الدین لکھنوی اور مولانا عبدالعلی لکھنوی وغیرہ۔ان کے پاس اگرچہ تعیین واجب نہیں لیکن مستحب و مستحسن۔اس لئے بزرگان مرنے تک حنفی رہے ہیں۔

بہر حال تعیین دونوں کے پاس خوب کام ہے۔خواہ واجب ہوے یا مستحسن رہے۔اس میں لڑائی کس لئے۔اور غیر تعیین کے خلاف سواد اعظم کا ہو جاتا ہے۔حدیث شریف میں آیا ہے ''علیکم بالسواد الاعظم'' (تم پر لازم ہے کہ سواد اعظم کی پیروی کرو)

اور مولوی محمد علی واعظ رامپوری، مولوی اسماعیل دہلوی، مولوی عبدالحیٔ دہلوی، مولوی سید احمد مجاہد، مولانا شاہ عبدالعزیز دہلوی،

مولانا شاہ ولی اللہ دہلوی، شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی اور سب ان کے پیراں نقش بندی اور حضرت بہاؤالدین نقش بند سب کے سب حنفی تھے۔ رفیع الدین نیں کرتے تھے اور آمین جہر سے نیں بولتے تھے تو بخاری اصح الکتاب ہے پس ''بخاری'' کے برخلاف ''ہدایہ'' پر عمل غیر صحیح باطل کیسا کئے؟ اور گمراہ کیسا ہوے؟ بالجملہ مقلد کو سوائے تقلید مجتہد کے چارہ نہیں۔ (کذافی کتب الصول)

خلاصۃ العلوم

حضرت قطب ویلور کا یہ رسالہ خود شناسی، خدا شناسی، دنیا شناسی اور آخرت شناسی پر مشتمل ہے۔ اس میں جابجا موضوع کے وضاحت و مناسب اور تائید میں مولانا روم علیہ الرحمہ کی مثنوی سے متعدد اشعار پیش کئے گئے ہیں۔ اور ایک مقام پر حضرت قربی علیہ الرحمہ کا ایک دکھنی شعر بھی نقل کیا گیا ہے۔

اس رسالہ کی اشاعت کئی بار ہوی۔ پہلی مرتبہ محمدی پریس کلکتہ سے ۱۲۷۳ھ میں ہوی ہے۔ پھر اس کے بعد مطبع احمد قلندر بنگلور سے ۱۳۰۸ھ میں پھر دار العلوم لطیفیہ کے سالنامۂ اللطیف ۱۳۹۲ھ میں حل لغات اور مفید حواشی کے ساتھ اس کی اشاعت ہوی۔ سالانامہ ''صفیر'' ویلور ۱۳۹۹ھ میں بھی اس رسالہ کی دکنی زبان کو کسی قدر جدید اردو زبان کے قالب میں ڈھال کر تعارف و تبصرہ کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔

حضرت قطب ویلور کی اردو نثر کا نمونہ ملاحظہ کیجئے۔

''جان اے بھائی! اصول سعادت کے یعنی جڑان نیک بختی کے چار ہیں۔ ایک خود شناسی یعنی اپنے کو پہچاننا۔ یہ دو چیز ہے۔ ایک اپنا ظاہر ہے۔ اسکو تن، عالم جسم اور عالم شہادت بولتے ہیں۔ اس اپنے ظاہر میں پھر دو قسم ہے۔ قسم اول جب تک جان تن کے ظاہر ہیں تصرف کرتا ہے اور اس کو بیداری کہتے ہیں۔ قسم دوم جب تک جان، تن کے باطن میں عمل کرتا ہے اس کو خواب بولتے ہیں۔''

''دوسرا باطن ہے۔ اس کو جان، دل اور نفس بولتے ہیں۔ اور عالم ملکوت بھی کہتے ہیں اول یعنی اپنا ظاہر آنکھ سو دستا ہے، دوسرا یعنی اپنا باطن، آنکھ سو نہیں دستا۔ بلکہ بصیرت سو یعنی دل کی پہچانت سو معلوم ہوتا ہے۔ اسی خود شناسی میں خدا شناسی ملتی ہے۔ جب کوئی بموجب فرمان انبیاء کے سلوک کرے۔ جدی و شیخی رکن الملۃ والدین حضرت سید شاہ ابوالحسن قادری قربی قدس سرہٗ فرماتے ہیں۔

جنے جی کو سمجھا سو سمجھا او سے ولے جی سمجھنے کو آتا کسے

اسی لئے خود شناسی کو کلید خدا شناسی کی کہی ہیں۔ اور اسیواسطے خود شناسی کو خدا شناسی پر مقدم رکھے ہیں۔ ولاً واقع میں خدا شناسی خود شناسی پر مقدم ہے۔ اور راہ خدا شناسی کی اپنے کو اور سب مخلوقات کو سایہ سا ہے سو معلوم ہونے پر ملتی ہے اور اس سایہ کا شخص خدا ہی سو پچھانت میں آیا تو خدا شناسی حاصل ہوتی ہے۔''

اسی رسالہ میں ایک مقام پر انسان کی فوقیت و افضلیت اور اس کی حیاتِ جاودانی اور حقیقت دنیا اور عالم برزخ سے متعلق فرماتے ہیں: جیسا تخم جھاڑ کے یا زمین یا سنگ پر دستا ہے، تب تک قابل سڑنے گلنے کے ہے۔ جب اپنی اصل یعنی زمین میں چھپ گیا تو دوسرے حیات پیدا کرتا۔ پیڑ اور ڈالی اور ڈالی اور پتے اور پھول اور پھل ہو جاتا ہے اور سڑنے گلنے سے بچ جاتا ہے۔ ویسا ہی انسان جب تک میں میں بولتا اور انانیت اور میں پن گرفتار رہتا ہے تب تک قابل ہلاک ابدی کے ہے۔ جب اپنی اصل یعنی حق میں اپنے کو فنا کیا اور

میں پن چھوڑا اور اپنے کو عکس حق کا بوج لیا تو حیات جاودانی حاصل کر لیتا ہے صاحب منطق الطیر فرماتے ہیں :

چوں نداستی کہ ظل کیستی فارغی گر مردی و گر زیستی

تخم کو بغیر بھوسے اور کھال کے پیرے تو درخت ہونا اور حیات دیگر پیدا کرنا ممکن نہیں۔ ویسا ہی انسان یہ تن کا بھوسہ اور کھال کے دور ہوئے اور مرے پر حیات جاودانی حاصل کرنا ممکن نہیں۔ اسی لئے پیغمبر علیہ السلام نے ''الدنیا مزرعۃ الآخرۃ فرمایا، یعنی دنیا جائے زراعت آخرت کی ہے۔

اسی واسطے صاحب منطق الطیر فرماتے ہیں:

پوست ہے تک ڈھونڈ لے تو دوست کو موڑ چاول کو ہے پیدا پوست سو

جب بروتی چھوڑ دیا اور ظاہر جسم اور باطن جسم تلف کیا تو اس حالت کو ابدالا آباد تک عالم آخرت بولتے ہیں۔ اور اس عالم میں جب تک آدمی بے تن رہتا ہے اور عالم ملکوت میں بقار کھتا ہے اس کو عالم قبر اور عالم مثال اور عالم برزخ بولتے ہیں۔ اور جب تن دار ہو گیا اور دنیا میں جیسا تن تھا ویسا تن پا گیا تو اس کو محشر اور قیامت وغیرھا کہتے ہیں۔

آخرت میں حاکم سب حاکموں کا، خالق اور مالک سب حکیموں کا، اچھے لوگوں کو اچھا رکھے گا اور اس اچھا رکھنے کے مقام کو بہشت بولتے ہیں۔ اور خراب لوگوں کو سزا دیگا۔ اس سزا کی جائے کو دوزخ کہتے ہیں۔ بدن میں عمل جان کا جس قدر زیادہ ہے، اس قدر تندرستی ملتی ہے۔ ویسا ہی عمل جان جان کا جس قدر ہے اس قدر حیات جاودانی اور عافیت حقیقی ہاتھ لگتی ہے۔

۱۱۔ شفاعت بالاذن

یہ رسالہ ایک فتویٰ ہے جو ۱۲۷۳ھ میں مطبع مولوی فیض اللہ کلکتہ سے شائع ہوا ہے۔ اس کے نام سے ہی موضوع کی نشان دہی ہو رہی ہے۔ حضرت قطب ویلور نے مروہ گل کے قاضی سید مخدوم کے استفسار پر شفاعت بالاذن کا ثبوت قرآن وحدیث اور علمائے اہل سنت و جماعت کی تصریحات سے پیش کیا ہے۔ یہ رسالہ بیس سال قبل راقم الحروف کو کتب خانہ لطیفیہ کے اندر خستہ حالت میں دستیاب ہوا۔ تو راقم نے رسالہ میں منقول آیات واحادیث اور عربی وفارسی اقتباسات کا ترجمہ کرتے ہوئے سالنامہ اللطیف ۱۴۰۰ھ میں شائع کر دیا۔ اس رسالہ کی صحت پر مولوی ارتضا علی خان بہادر اور مولوی اسلمی صاحب اور دوسرے علمائے مدراس کی مہر اور دستخط ہیں۔ رسالہ ھذا میں فرماتے ہیں۔

علمائے عرب وعجم میں علمائے مدراس، بنگالہ اور ممبائی سب بالاتفاق یہی کہتے ہیں کہ شفاعت بالاذن ہے۔ اس بات میں علماء کو کچھ اختلاف نہیں۔ چنانچہ اسناد اس بات کی تفاسیر اور کتب احادیث اور عقائد وغیرہ سے آگے آویں گے۔ اور سرور انبیاء محمد مصطفیٰ ﷺ کے ۲۰۱ نام ہیں۔ ایک نام مختار ہے۔ اس کا برگزیدہ ہے... اور ''گلزار ہدایت'' میں عمدۃ العلماء بدر الدولہ قاضی الملک بہادر لکھے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کا قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سے حکم لینا اور شفاعت کروانا، اتنے احادیث سے ثابت ہے کہ جس کے انکار کا مجال نہیں۔

اس اسناس سے معلوم ہوا کہ معنی مختار کا برگزیدہ ہے اور بالاتفاق علمائے شفاعت بالاذن ہے۔ اور فتح باب شفاعت اور شفاعت

Scanned with CamScanner

کبریٰ کے مالک سرور عالم ﷺ ہیں۔ پھر شفاعت کو بے اذن الٰہی کہنا قرآن اور حدیث اور اجماعِ امت کے خلاف کرنا اور خدائے وحدہ لاشریک کے کارخانہ میں غیر خدا کو شریک کرنا ہے۔ چونکہ کوئی حس اور عضو بے اذن جان کے حرکت نہیں کرتا ہے۔ پھر کوئی جان بدون حکم جان جان اور خالق جان کے حرکت کیسے کرے گا۔'' (اللطیف: ص: ۱۲۵، ۱۳۰، ۱۴۰۰ھ)

۱۲۔ احیاء السنہ

رسالہ کے نام سے ہی اس کے موضوع اور اس کے غرض کی وضاحت ہو رہی ہے۔ کہ متروک سنتوں کو پھر سے زندہ اور رائج کیا جائے اور پھیلی ہوئی بدعتوں کو ختم کیا جائے۔ بدعت کے باب میں حضرت قطب ویلور کا موقوف یہ رہا ہے کہ آپ نے اسی بدعت کے انسداد کی حمایت اور جد و جہد کی ہے جو قرآن و سنت سے متصادم ہو اور شریعت مطہرہ کے منشاء کے خلاف ہو اور اس کے جس چیز کی طرف اللہ اور اس کے رسول مقبول ﷺ نے دعوت دی اور اس کی ترغیب دلائی، اس عموم میں جو بدعت داخل ہوگی اسے اخذ و قبول کے درجہ میں رکھا ہے یہی وجہ ہے کہ آپ ہر نئے عمل کو بدعت کہہ کر انکار کے درپہ نہیں ہوے۔ جیسا کہ آپ کا یہ موقوف آپ کی کتاب فصل الخطاب کے مطالعہ سے نمایاں ہوتا ہے۔

رسالۂ احیا السنہ کا ذکر حضرت قطب ویلور کے مکتوبات میں بھی ملتا ہے۔ آپ نے اپنے قیام مدراس کے دوران مولانا ارتضاء علی خان سے خواہش ظاہر کی تھی کہ رسالہ احیا السنہ اور رسالہ احیاء التوحید آپ کی خدمت میں روانہ کرونگا، آپ ایک نظر دیکھ لیں۔ چنانچہ ویلور واپس ہونے کے بعد آپ نے ایک مکتوب مدراس روانہ کیا ہے جس میں لکھا ہے کہ اس وقت احیا السنہ ہی بھیج رہا ہوں انشاء اللہ رسالہ احیاء التوحید مکمل ہوتے ہی ارسالِ خدمت کروں گا۔ تصنیف و تالیف سے فقیر کا مقصد صرف برادران اسلام کو نفع پہنچانا ہے۔

''حالا رسالہ احیاء السنہ بخدمت فرستادہ ام و رسالۂ احیاء التوحید را پس از تمام مبیضہ عنقریب خواہم فرستاد انشاء اللہ مخصوص از تصنیف و تالیف انتفاع برادران دینی است۔'' (مکتوبات لطیفی: قلمی مخطوطہ)

یہ رسالہ ۷، جمادی الثانی ۱۲۶۹ھ کو بخط نور رقم ''مطبع اسلامیہ'' میں طبع ہوا ہے۔ جیسا کہ سرورق ہی پر اس کی غرض و غایات اور سال اشاعت وغیرہ کا ذکر ہے۔ مطبع کا صرف نام ہے لیکن یہ مطبع کس شہر میں ہے اس کا پتہ نہیں چلتا۔

''در توضیح احیاء سنت و اماتت بدعت از تصانیف محی شریعت، حامی طریقت، عالم حقانی، عارف ربانی، شیخ الشیوخ، مرشدنا مولانا حضرت مولوی سید عبد اللطیف شاہ محی الدین قادری ادام اللہ فیوضاتہ بہفتم جمادی الثانی ۱۲۶۹ھ از خط نور رقم مطبوع شد۔''

حضرت قطب ویلور نے اس رسالہ کو دو باب اور ایک خاتمہ پر تقسیم کیا ہے اور اس میں کتاب و سنت اور علماء و صوفیاء کے اقوال کی روشنی میں سنتوں کے احیاء و اشاعت کی ضرورت اور اہمیت کو بیان کیا ہے اور اس کا آغاز سرور کونین حضور پر نور احمد مجتبیٰ ﷺ کی نعت سے کیا ہے۔

حضرت قطب ویلور کا یہ نایاب و نادر رسالہ ڈیمی سائز کے ۱۶ صفحات پر مشتمل ہے اور راقم الحروف کی ذاتی لائبریری کا مخزونہ ہے جو آج سے پچیس سال قبل مولانا حکیم سید ناصر علی عمری کے ذریعہ حاصل ہوا تھا۔ اس رسالہ کی زبان اور اس کا انداز بیان ایک انفرادی نوعیت کا حامل ہے۔ اسی لئے مناسب سمجھا گیا کہ اس کو من و عن اس تحقیقی مقالہ کا جز بنا دیا جائے، تا کہ اس کی افادیت کو دوام اور استمرار بخشا جائے

اورستبرد زمانہ سے محفوظ ہو جائے۔اور حضرت قطب ویلور کی یہ اردو تصنیف اور اردو زبان و ادب کا حصہ بن جائے۔

۱۳۔ رسالہ احیاء توحید

یہ رسالہ نایاب ہے۔حضرت قطب ویلور کے ایک خلیفہ حضرت مولانا مولوی میر محی الدین ابن سید شاہ امین اللہ قادری ابن مولانا شاہ عبدالقادر دہلوی نے اس کی تلخیص لکھی ہے۔اور یہ خلاصہ ''نورِ روح قدسی'' کے نام سے ۱۲۶۹ھ میں مطبع فردوس بنگلور سے شائع ہوا ہے۔

۱۴۔ فتویٰ آثار شریف

رسول کریم ﷺ کے آثار و متروکات اور تبرکات سے متعلق ایک مختصر سا فتویٰ ہے۔۱۲۶۸ھ میں مطبع حیدری ویلور سے شائع ہوا ہے۔

۱۵۔ فطرہ کے احکام

فطرہ کے احکام و مسائل پر مشتمل ہے۔

۱۶۔ تنبیہ الجاھلین

حضرت قطب ویلور کے عہد میں بے علم عوام جن بدعات و خرافات اور خلاف شرع کاموں میں گرفتار تھے اس رسالہ کے ذریعہ اصلاح کی گئی ہے۔یہ نایاب رسالہ راقم الحروف کے کتب خانے میں ہے۔

حاصل کلام! حضرت قطب ویلور کی تصنیفات و نگارشات میں علمی گہرائی و گیرائی اور فنون کی کثرت اور مواد میں وسعت عنوانات کا تنوع اور تہہ بہ تہہ مباحث اور تشریحات ہیں کہ یہاں نقد و نظر اور تبصرہ و جائزگی کی گنجائش نہیں۔لہذا مختصر سی وضاحت پر اکتفا کیا جارہا ہے۔

مسلک و مشرب

کسی عالم و فاضل اور مصنف و محقق کے مطالعہ اور تجزیہ کے باب میں اس کے نظریات و خیالات اور آرا و افکار کی بڑی اہمیت ہوتی ہے جن کی روشنی میں اس کی سیرت و شخصیت، علمیت و ادبیت اور عملیت کو سمجھا اور پرکھا جاتا ہے۔لہذا سوانح عمری میں مسلک و مشرب اور عقیدہ و عمل کو نظرانداز نہیں کیا جاسکتا۔حضرت قطب ویلور کا مسلک و مشرب ان کی کتابوں کے تعارف و تبصرہ ہی میں کسی حد تک واضح ہو چکا ہے۔تاہم اس مقام پر مستقل طور پر ان کی مسلک و مشرب کی نشاندہی اور ترجمانی کی جارہی ہے۔حضرت قطب ویلور کے نام کے ساتھ مسلک کے لفظ سے یہ مفہوم اخذ نہ کیا جائے کہ آپ کسی مستقل مسلک کے بانی ہیں۔آپ کا مسلک تو وہی ہے جو اہل و سنت جماعت میں حنفیہ کا ہے مسلک کی تخصیص ائمہ اربعہ (امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی، امام احمد حنبل رحمہم اللہ عنہم) کے نام کی نسبت سے (حنفی، مالکی، شافعی، حنبلی) ہوا کرتی ہے۔حضرت قطب ویلور اہل سنت و جماعت میں سے ہیں۔اور حنفی مسلک کے پیرو اور داعی ہیں۔اگر ان ارباب بصیرت مقلدین اور ارباب استنباط متبعین کے نام کے ساتھ لفظ مسلک کا استعمال ہو رہا ہے تو یہ درحقیقت مسلک اہل سنت ہی کا حصہ اور جز ہے۔ جس کا تعین فقہائے مجتہدین اور ائمہ مجتہدین نے کیا ہے۔موجودہ زمانہ میں دینی اداروں اور شخصیتوں کے نام سے مسالک کی نسبت کا جو طریقہ رائج ہے وہ ایک اضافی اور انتسابی چیز ہے اور یہ تمام مسالک دراصل اہل سنت کے

مسلک میں دائر اور شامل ہیں۔ اس نوع کی نسبت کو اسی حد اور دائرہ میں رکھا جائے تو کوئی حرج اور نقصان نہیں ہے اس کے برعکس مختلف شخصیتوں اور اداروں کے مسلک سے اپنی آراء وافکار کا ادعاء اور دوسروں کے خیالات کا ابطال ایک نقصان دہ عمل ہوگا۔ اور یہ چیز اہل سنت و جماعت کے چار مبنی برحق مسالک و مذاہب کی تخصیص و تعین کے لئے ضرب کاری ہے۔

حضرت قطب ویلور کے مسلک و مشرب کی جو بات کہی جارہی ہے وہ دراصل حنفی مسلک و مذہب ہی کی بات ہے۔ صرف بعض جزئیات اور فروعیات اور اختلافی مسائل میں آپ کی جداگانہ امتیازی حیثیت ابھرتی ہے۔ ذیل میں ہم آپ کے بعض بیانات نقل کررہے ہیں۔ جن کی روشنی میں آپ کے مسلک اور موقوف کو اچھی طرح سمجھا جاسکتا ہے۔"

مولوی سید حسین الملک عرف پاچھا صاحب مفتی بلہاری کے نام تحریر کردہ مکتوب میں فرماتے ہیں:

'ایں مسکین از اہل سنت و جماعت بودو مذہب حنفی دارد۔" (مکتوبات لطیفی: قلمی)

یہ مسکین اہل سنت و جماعت سے ہے اور حنفی مذہب پر حامل ہے۔

مولوی خیر الدین مدراس کے نام تحریر کردہ مکتوب میں فرماتے ہیں۔

"فقیر از افراط و تفریط پناہ می جوید و از منکران اولیاء و مکفرین ایشاں و اجتہاد مقلدان و طاعن بزرگان و ابتداع مبتدعاں برأت دارد۔" (مکتوبات لطیفی: قلمی)

"فقیر افراط تفریط اور زیادتی اور کمی سے پناہ طلب کرتا ہے اور اولیاء اکرام کا انکار کرنے والوں سے اور ان حضرات کو کافر کہنے والوں سے اور مقلدین کے اجتہاد سے بدعتی لوگوں سے اور بزرگان دین پر لعن وطعن سے برأت اور بے زاری ظاہر کرتا ہے۔"

"ہر جماعت دوسری جماعت کے بزرگوں کی عیب جوئی اور نکتہ چینی میں مبتلا ہے اور افراط تفریط کی راہ پر چل رہی ہے۔ اعتدال و میانہ روی سے دور جاپڑی ہے۔ یہ فقیر اعتدال اور توسط کا دامن تھامے ہوے ہے۔" فی کل خلف من امت عدول من اھل بیتی الخ "میری امت کے ہر پچھلے دور میں میرے اہل بیت میں عادل اور ثقہ اشخاص ہونگے جو اسلام کو غالی افراط کی تحریف سے اور باطل اشخاص کی حلیہ سازی سے اور جاہل لوگوں کی جعل سازی سے محفوظ رکھیں گے۔ میں امید کرتا ہوں کہ میرا شمار بھی انہیں عادل اور ثقہ افراد میں ہوگا اور میں بھی لوگوں کو افراط و تفریط اور غلو و تعصب سے بعض رکھوں گا۔" (فصل الخطاب: ص:۳۱)

"کسی اختلافی مسئلہ میں ایک ہی جانب کے حق وصواب ہونے کا یقین کرلینا اور اسی کو ترجیح دینا اور اس میں تعصط سے کام لینا غیر مناسب بات ہے۔ اور اختلافی مسائل میں ایک دوسرے پر لعن وطعن اور تعریض و تشنیع نہ کرے۔ کیوں کہ وہ بھی کسی دلیل ہی کے تحت مسئلہ کو اختیار کئے ہوں گے اگرچہ کہ وہ دلیل ضعیف ہی کیوں نہ ہو۔ اگر ان میں سے کسی ایک کو نیکی اور صلاح وقت خیال کریں تو احتیاط اور توقف سے کام لیں اور اختلاف و تفریق اور نزع کے بھنور میں نہ پھنس جائے اور اسی روش میں سلامتی تصور کرے۔"

"بعض مسائل میں ضعیف اقوال نقل کرنے سے فقیر کا مقصد عالی حضرات کی زبان بند کرنا ہے تاکہ وہ جان لیں کہ یہ مسئلہ مختلف فی ہے اور اختلافی مسائل میں ہرایک کو اس کے حال پر چھوڑ دینا چاہئے۔ فربکم اعلم بمن ھوا اھدیٰ سبیلا :تم میں

زیادہ ہدایت کی راہ پر کون گامزن ہے وہ تو اللہ ہی جانتا ہے۔ مرجوع روایات اور ضعیف اقوال کو دیکھتے ہوئے یہ خیال نہ کریں کہ فقیر کے مسلک کی بنیا د ضعیف اقوال پر ہے۔'' (فصل الخطاب: ص:۲۴)

حاصل کلام! سیاق میں حضرت قطب ویلور کے مسلک کو نمایاں طور پر اس لئے پیش کیا گیا ہے کہ آپ کے دور میں خود سنی علماء اور سنی فرقوں کے درمیان متعدد مسائل مثلاً نذری اموات، فاتحہ، دسواں، بیسواں، چہلم، میلا دالنبی ﷺ، ندائے رسول اللہ ﷺ، استمداد بالقبور، علم غیب، تبرک، توسل واستغاثہ، دوگانہ، قادریہ وغیرہ کے جواز وعدم جواز سے متعلق شدید اختلافات کھڑے ہوگئے تھے۔ علماء میں بعض حضرات نے تشدد وغلو کا رویہ اختیار کرلیا تو بعض نے تعصب کی روش اختیار کی تھی اور نوبت بائیں جا رسید کے اہل سنت کے علماء اور سنی فرقوں کے درمیان باہمی تحقیر اور تذلیل، نفرت وعداوت اور تکفیر وتضلیل کا ماحول پیدا ہوگیا تھا۔ اس لئے حضرت قطب ویلور نے اختلافی وفروعی مسائل میں اعتدال وتوازن اور توسط اور میانہ روی کی دعوت دی اور آپ کی یہ آواز جنوب کے اکثر وبیشتر علاقوں میں پھیل گئی۔ حضرت قطب ویلور کے مسلک وموقف کی ان ہی امتیازی خصوصیات (مثلاً اعتدال وتوازن، میانہ روی، توقف، احتیاط، صلح کل، عدم تشدد، غلو اور تعصب کے فقدان) کی وجہ سے آج بھی یہ مسلک خواص اور عوام میں رائج ہے۔ اس مسلک کی بقا واستحکام میں جہاں اس کی ذاتی خوبیوں کا دخل ہے وہاں بعض دوسرے اسباب بھی ہیں۔ ان میں سے ایک طاقتور اور موثر سبب حضرت قطب ویلور کے خلفاء کی تدریسی وتحریری اور تقریری کاوشیں ہیں۔ اور یہ حقیقت ہے کہ کسی بھی مسلک اور موقف کو دوام واستمرار اسی وقت حاصل ہوسکتا ہے، جب کہ اس کے مزاج اور منہاج کے مطابق اشخاص کی تربیت کا سلسلہ جاری رہے۔ چنانچہ مسلک قطب ویلور کے بقا کے لئے دو عظیم درس گاہ ہیں وجود میں آئیں۔ ایک دارالعلوم لطیفیہ ویلور ہے جس سے فارغ ہونے والے علماء وفضلاء اور حفاظ اسی مسلک کے پیرو اور داعی رہے اور آج بھی ہیں۔ دوسری درسگاہ مدرسۂ باقیات الصالحات ویلور ہے۔ جو حضرت قطب ویلور کے ارشاد پر آپ کے مرید وخلیفہ شمس العلماء حضرت مولانا مولوی عبدالوہاب قادری ویلوری نے قائم کیا۔ جس سے ہزاروں تشنگانِ علم نے سیرابی حاصل کی، اور آج بھی اس چشمہ فیضان جاری ہے۔

مسلک قطب ویلور کی اشاعت میں آپ کے خلیفہ حضرت مولانا شاہ عبدالحیٔ واعظ بنگلوری کے خطبات اور تصنیفات کا بھی بڑا دخل ہے۔ چنانچہ ماضی قریب تک بھی آندھرا، کرناٹکا اور ٹمل ناڈو کے اکثر شہروں میں محرم الحرام، ربیع الاول اور ربیع الثانی میں امام حسینؓ، رسول کریم ﷺ اور حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی علیہ الرحمہ کی سیرت وسوانح پر مشتمل شاہ صاحب کا منظوم کلام پڑھا جاتا تھا اور یہ سلسلہ ان مخصوص مہینوں سے گذر کر پیوستہ مہینوں تک بھی چلتا رہتا تھا اور اس کے لئے مختلف جگہوں میں مجلسیں آراستہ ہوتی تھیں، جن میں مردوں کے علاوہ عورتیں بھی کثیر تعداد میں شریک ہوا کرتی تھیں۔ واعظین اکرام شاہ صاحب کے منظوم کلام کی وضاحت کے ساتھ ساتھ حالات حاضرہ اور مسائل ضروریہ پر بھی روشنی ڈالتے تھے جس کی وجہ سے دعوت واصلاح اور تبلیغ کا کام انجام پا رہا تھا۔ مولانا عبدالحیٔ نے بیس ہزار اشعار میں نبی کریم ﷺ کی سیرت کو نظم کیا ہے اور اس مجموعہ کا نام ''جنان السیر فی احوال سید البشر ﷺ'' رکھا ہے۔ اس کتاب کی مقبولیت کا یہ عالم رہا ہے کہ وہ کرناٹک اور آندھرا میں مسلمانوں کے گھر گھر پہنچی اور لوگ اپنی لڑکیوں کی شادی میں قرآن کریم کے ساتھ سیر شریف کا نسخہ

اورس بھی ضرور دیتے تھے۔ پروفیسر پیر محمد حسین فرماتے ہیں:

''کرناٹک اور جنوبی ہند میں یہ کتاب گھر گھر پہنچی مسلمانوں میں قرآن مجید کے بعد اس کی تلاوت سب سے زیادہ رائج ہے۔ ہمارے یہاں لڑکی کو جہیز میں قرآن شریف کے ساتھ سیر شریف کا نسخہ بھی ضرور دیا جاتا ہے۔''

بقول ڈاکٹر حبیب النساء بیگم

''شائد ہی ریاست میسور کا کوئی ایسا گھر ہوگا۔ جس میں قرآن شریف کے بعد اس کتاب کا پڑھنا اور رکھنا باعث خیر و برکت نہ سمجھا جاتا ہو۔'' (دار العلوم لطیفیہ کا ادبی منظر نامہ: ص: ۲۳۱، ۲۳۲)

غرض اس کتاب کے ساتھ جنوبی ہند کے مسلمانوں کے شغف اور قلبی ارتباط کا یہ عالم تھا کہ حجاز (سعودی عرب) ہجرت کر گئے تھے تو وہاں بھی اپنی عادت کے مطابق مخصوص مہینوں میں ''جنان السیر'' کے پڑھنے پڑھانے اور سننے اور سنانے کا اہتمام کیا کرتے تھے اور عازمین حج بھی اپنے ساتھ جنان السیر لے جایا کرتے تھے اور حرم مکی اور حرم مدنی کی پر کیف نورانی فضاؤں میں پڑھا کرتے تھے۔

مولانا عبد القادر صوفی فرماتے ہیں:

خصوصاً جنان السیر کے تئیں — دیا ایسی شہرت خدائے متین
کہ دکن سے لے تا بہ ہندوستان — ہے ہر شہر و قریہ میں اس کا نشان
حرم بیچ مکہ مدینہ کے بھی! — پڑھا کرتے ہیں ہندیاں اس کو بھی

(جنان السیر: چمن ہفتم: ص: ۴۵۲: بحوالہ احقر بنگلوری)

مولانا عبد الحئی نے مختلف دینی اور اصلاحی موضوعات پر ''خطبات حرمین شریفین'' کے نام سے خطبات لکھا ہے۔ ان کی مقبولیت کا یہ عالم رہا کہ جنوب کی اکثر و بیشتر مسجدوں میں ائمہ کرام جمعہ میں یہی خطبات پڑھتے تھے۔ اس طرح مولانا عبد الحئی کی ذات گرامی سے مسلک قطب ویلوری خوب پھلا اور پھولا۔

میر محمود حسین فرماتے ہیں:

''یہ اردو میں خطبوں کا پہلا مجموعہ ہے اس سے پہلے نہ جنوبی ہند مین ایسا کوئی مجموعہ منظر عام پر آیا اور نہ شمالی ہند میں۔''

(مقالات محمود: ص: ۱۱۳، بحوالہ دار العلوم کا ادبی منظر نامہ)

مولانا عبد الحئی کے علاوہ حضرت قطب ویلور کے دوسرے خلفاء مولانا عبد الرحیم ضیاؔ حیدر آبادی، مولانا عبد الغفار مسکینؔ، مولانا میر محی الدین (مولانا شاہ عبد القادر دہلوی کے پوتے) مولانا شاہ ولی اللہ دھارواڑ وغیرہ کی تقریری و تحریری کاوشیں بھی مسلک قطب ویلور کی اشاعت اور بقا میں موثر ثابت ہوئیں۔

جواہرالسلوک فلسکیپ سائز کے ۲۴۳ صفحوں میں آئی ہے، ہرایک صفحہ ر۲۳ سطریں ہیں۔ یہ کتاب مطبع مظہرالعجائب مدراس سے ۱۲۸۳ھ میں شائع ہوئی تھی۔ قطب ویلور کے ایک عقیدتمند شاگرد مرزا عبدالقادر علی نے عربی اوراردو دونوں میں قصیدے لکھے ہیں جن میں صراط موصل هذا الی اللّٰه ۱۲۸۱ھ سے اس کی تاریخ تصنیف نکالی ہے۔

آخر میں ایک جدول تصوف کے سومقامات کی ہے جن میں سے ہرایک مقام دس اقسام پر مشتمل ہے ان مختلف اقسام میں صوفیانہ احوال کی تشریح کی ہے۔ اس کے بعد حضرت قطب ویلور کے آباء اجداد پدری و مادری شجرے اور مختصر حالات ہیں جن سے اس مضمون کے لکھنے میں مدد لی گئی ہے۔

حضرت قطب ویلور نے دوبارہ ۱۲۸۸ھ میں حج کا قصد کیا۔ آپ مختلف جگہوں پر اپنے عقیدتمندوں سے ملاقات کرتے ہوئے حرمین روانہ ہوے تھے۔ طبیعت کی ناسازی کے باوجود آپ نے حج کے مراسم پورے طور پر ادا کئے۔ آنحضرت ﷺ کی قلبی کشش انہیں مدینہ منورہ کھینچ لے گئی۔ وہاں آپ نے ۱۱محرم ۱۲۸۹ھ کو مدینہ منورہ میں انتقال فرمایا۔ اور جنۃ البقیع میں مدفون ہوے۔

آج آپ کی وفات پر سوسال ہو چکے ہیں۔ کیا ہی اچھا ہوتا کہ آپ کی صد سالہ برسی منائی جاتی ....اور آپ کی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر روشنی کی جاتی۔ تاہم ایک مختصر سے مضمون پر اکتفا کیا جارہا ہے۔

اب مجھے صرف ایک اور بات کی طرف توجہ دلانا ہے۔ وہ یہ ہے کہ اچھے اچھے مصنف بھی جوش اور جذبے کی حالت میں اکثر اپنے آپ سے باہر ہو جاتے ہیں ان کا واقعی احترام ملحوظ نہیں رکھا جاتا۔ اس کے برخلاف ہم قطب ویلور کی تصنیفات پر ایک نظر ڈالتے ہیں تو صاف نظر آتا ہے۔ کہ ان کے اندر انتہائی تحمل اور بردباری تھی۔ انہوں نے کسی وقت بھی سنجیدگی اور متانت کو ہاتھ سے جانے نہیں دیا۔ وہ ہر جگہ یہی تعلیم دیتے ہیں کہ مسائل کے اندر اختلاف کی وجہ سے کسی پر لعن طعن کرنا ہرگز روا نہیں ہے۔ وہ اپنے مخالفین کے متعلق بھی ناروا اور ناسزا الفاظ استعمال نہیں کرتے آپ کا یہی وصف آپ کو دوسرے مصنفین سے بالکل ممتاز بنادیتا ہے۔

آپ نے یہ ساری کتابیں فارسی زبان میں لکھی ہیں جو بہت ہی شستہ اور شگفتہ ہے۔ زبان میں پوری سلاست پائی جاتی ہے۔ دقیق سے دقیق مضامین بھی نہایت عمدہ زبان میں ادا کر گئے ہیں، جس سے دل دماغ کو بہت بڑی فرحت حاصل ہوتی ہے۔ یہ کتابیں اس لائق ہیں کہ عربی مدراس کے باقاعدہ نصاب تعلیم میں داخل کی جائیں۔

حضرت سید شاہ قربی اوران کا غیر مطبوعہ کلام

پروفیسر محمد علی اثر

شاہ ابوالحسن قربیؔ بارھویں صدی ہجری کے ایک متبحر عالم دین، صوفی کامل اور اردو کے بلند پایہ شاعر، استاد سخن اور نثر نگار بھی تھے۔انھوں نے اردو سے زیادہ فارسی زبان میں طبع آزمائی کی۔نظم ونثر میں تقریباً ۲ درجن تصانیف اپنی یادگار چھوڑی ہیں۔قربی کے آباء واجداد کا شمار ان اولیاء اللہ اور صوفیائے عظام میں ہوتا ہے۔جو مذہب اسلام کی تبلیغ واشاعت کے سلسلے میں دیگر ممالک سے ہندوستان میں وارد ہوکر اپنی دینی اور روحانی تعلیمات کے ذریعہ اس سرزمین کی آنکھیں روشن کی تھیں۔

قربی سادات حسینی اور امام محمد تقی عسکری کی اولاد میں تھے۔آپ کے اجداد میں چودھویں پشت میں مولانا سید محمد کشمیر، بیسویں پشت میں مولانا سید عبدالفتاح دہلی تشریف لائے۔یہ دونوں بزرگ سرزمین ہند میں آسودہ خاک ہیں۔اس کے علاوہ تیئسویں پشت میں آپ کے جدّ اعلیٰ سید برھان الدین ''رے'' ہندوستان تشریف لائے تھے۔آپ کے بزرگوں میں قاضی محمد اسمٰعیل کا شمار گجرات کے اکابر صوفیاء میں ہوتا ہے آپ اصفہان سے گجرات (احمد آباد) آئے تھے اور یہیں سپرد خاک ہوئے۔[۱]

شاہ قربیؔ شب برات ۱۴ شعبان المعظم ۱۱۱۸ھ بیجاپور میں پیدا ہوئے اور انھوں نے ۱۱۸۲ھ میں ویلور دارالسرور میں وفات پائی۔قربی نے اپنے والد محترم سید شاہ عبداللطیف بیجاپوری کے علاوہ مولانا محمد حسین بیجاپوری شیخ فخر الدین مہکری نائطی اور محمد ساقی آرکاٹی کے آگے زانوئے تلمذ تہہ کیا۔

جنوبی ہند کے اولیاء اللہ اور صوفیاء کرام میں شاہ قربی کو یہ فخر وافتخار حاصل ہے کہ انھیں دکن کے متعدد صوفیائے کبار سے بیعت اور خلافت حاصل کرنے کا اعزاز ملا ان کے والد محترم ہی مرشد اول تھے۔جو اپنے زمانے کے صاحب سلوک اور صاحب سلسلہ بزرگ تھے۔بعد میں انھوں نے والد کے مشورے سے سید محمد مدرس کے نبیرہ سید علی محمد سے بھی بیعت کی۔اس کے علاوہ شاہ قربی نے اپنے استاذ محترم فخر الدین مہکری سے سلسلہ قادریہ میں بیعت اور اجازت حاصل کی۔بعدازاں انہوں نے حضرت شیخ فخر الدین کے استاذ ومرشد حضرت محمد مخدوم ساوی گیان بھنڈاری (م ۱۱۶۵ھ) کے دست مبارک سے خرقۂ خلافت پہنا۔اور پھر حضرت ساوی گیان بھنڈاری کے پیرومرشد حضرت خواجہ رحمت اللہ نائب رسول اللہ سے (م ۱۱۹۵ھ) سلسلہ قادریہ ونقشبندیہ وچشتیہ ورفاعیہ میں اجازت و خلافت کے سرفراز کیے گئے۔[۲]

مثنوی مطلع النور کے مصنف کا بیان ھیکہ حضرت قربی نے 26 خانوادوں سے فیض حاصل کیا اور 191 سلسلوں میں اجازت وخلافت حاصل کی۔شاہ قربی کے مریدوں ارادت مندوں اور شاگردوں کی تعداد بھی بہت زیادہ تھی۔آپ کے صاحب تصنیف خلفاء مریدوں اور تلامذہ میں جنھیں سب سے زیادہ شہرت اور مقبولیت حاصل ہوئی۔ان میں تین لاکھ سے زاید اشعار کے خالق آپ

کے فرزند شاہ عبداللطیف ذوقی اور اردو کے پہلے نقاد اور صاحب دیوان شاعر محمد باقر آگاہ کے اسمائے گرامی اہمیت کے حامل ہیں۔

قربی کا عہد مذہبی اور معاشرتی اعتبار سے برصغیر کی اسلامی تاریخ میں اصلاحی عہد سے تعبیر کیا جاتا ہے۔اس دور کے مسلمانوں میں بدعقیدگی اور بے شمار غیر اسلامی رسوم ورواج راہ پاگئے تھے،اس کے تدارک کے سلسلے میں مختلف علاقوں میں اصلاحی تجدد اور قرآن وسنت کی روشنی دعوت واصلاح کا کام متعدد صوفیوں نے بڑے زور وشور سے سرانجام دیا تھا۔یہی وہ زمانہ ہے جب کہ شمال میں شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور جنوب میں شاہ قربی کے علاوہ خواجہ رحمت اللہ نائب رسول اللہ مصنف تنبیہ السناء (م 1195) مولانا شہیر کڈپوی نے رشد وہدایت اور اصلاح وتبلیغ کا کام کیا۔قربی کی دو اور مثنویوں ''بدعت نامہ'' اور ''ہدایت نامہ'' کے علاوہ فارسی تصانیف ''میزان العقائد اور ملحدان ومبتدعان'' میں بھی اس دور میں پائے جانے والے مسلمانوں کے گمراہ کن فرقوں دہریہ مجوسیہ مثنویہ، شیعہ، حلولیہ، ملاحدہ، مشبہ اور فسطایہ وغیرہ کی بدعقیدگی کا مختلف دلائل کے ذریعہ ابطال کیا گیا ہے۔اور اہل سنت والجماعت کے عقائد کی حقانیت اور صحت کو اُجاگر کیا گیا ہے۔ ۳

شاہ قربی نے نہ صرف اپنی تصنیفات وتالیفات کے ذریعے اصلاح وہدایت کا کام انجام دیا۔بلکہ عملی طور پر بھی بدعت ودیگر خرافات کے خلاف تجدید واحیاء وسنت کا اکام انجام دیا۔مولوی سخاوت مرزا لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ عشرہ محرم میں لالہ پیٹ کے مقام سے علم کی سواری نکلی تو شاہ قربی ان بدعتوں کی سرکوبی کی غرض سے نکلے۔جو کلمات کفر بک رہے تھے۔مقابلے کے لئے لکڑی ہاتھ میں لئے ہوئے تشریف لائے اور مارنے لگے۔مجمع نے تلواروں سے حملہ کردیا کسی نے سر پر ضرب لگائی۔دستار کا ایک بل ٹوٹ گیا۔اور وہ گر پڑی مگر آپ مقابلہ کرتے رہے۔بالآخر سب فرار ہوگئے۔ ۴

وہ آگے چل کر ایک اور واقعہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ویلور میں عین عشرہ کے روز آپ کے مکان کے سامنے سے علم جارہا تھا۔جو خاص مرتضی خان نواب ویلور کا تھا۔تلوار لیے ہوئے راستے میں کھڑے ہوگئے۔اور جانے نہ دیا۔بالآخر نواب کو راستہ بدلدینا پڑا۔ ۵

شاہ قربی کی فارسی تصانیف کا تذکرہ وتعارف ڈاکٹر راہی فدائی اور ڈاکٹر بشیر الحق نے علی الترتیب اپنی تصانیف دار العلوم لطیفیہ کا ادبی منظر نامہ اور حضرت قطب ویلورؒ کے علمی وادبی کارنامے میں کروایا ہے۔جہاں تک شاہ قربی کی اردو تصانیف کا تعلق ہے۔ان کی چار مثنویوں ''معراج نامہ'' نمک نامہ'' (اس کتابچے کا ایک مخطوطہ علیم صبا نویدی کی ذاتی لائبریری میں موجود ہے) ہدایت نامہ'' بدعت نامہ'' کے علاوہ ایک دیوان کا پتہ چلتا ہے۔

بعض محققین نے چکی نامہ کے عنوان کے ایک نظم کو بھی شاہ قربی سے منسوب کیا ہے۔بقول علیم صبا نویدی (مشاہیر ادب صفحہ 110) اور ڈاکٹر نسیم الدین فریس یہ چکی نامہ دراصل حضرت شاہ کمال کڑپوی کی تصنیف ہے قربی کا معراج نامہ ہنوز غیر مطبوعہ ہے۔اسکا ایک قلمی نسخہ کتب خانہ آصفیہ کی زینت ہے۔(مخطوطہ نمبر 180) اس کے علاوہ کتب خانہ سالار جنگ میوزیم میں بھی اس کا ایک مخطوطہ موجود ہے جس کا ذکر نصیر الدین ہاشمی کی مرتبہ فہرست میں شامل نہ ہوسکا۔مزید براں اس مثنوی کے تین مخطوطے کتب خانہ انجمن

ترقی اردو (ہند) میں موجود ہیں۔[٦] اس مثنوی کا ایک مخطوطہ بقول علیم صبا نویدی کتب خانہ لطیفیہ میں موجود ہے۔

شاہ قربی کا معراج نامہ 1500 سے زیادہ اشعار پر محیط ہے۔ دکنی کے دیگر معراج ناموں میں شاہ قربی کے معراج نامے کی اہمیت و افادیت اس لئے بڑھ جاتی ہے کہ انھوں نے بقول علیم صبا نویدی (مطبوعہ ٹمل ناڈو کے مشاہیر ادب) عبدالحق محدث دہلوی کی مستند فارسی کتاب ''معارج النبوۃ'' سے استفادہ کیا ہے۔ اور شاعری سے زیادہ ترجمہ نگاری پر توجہ کی ہے۔

نمک نامہ 62 اشعار پر مشتمل ایک مختصر مثنوی ہے۔ جس میں نمک کو مختلف صوفیانہ تصورات و اسطلاحات کا اشارہ بنایا گیا ہے۔ بقول ڈاکٹر بشیر الحق قریشی اس کتابچہ کا پہلا نسخہ کتب خانہ لطیفیہ کا مخزونہ ہے۔

مثنوی ہدایت نامہ 364 ابیات پر پھیلی ہوئی ہے۔ اس کے دو قلمی نسخے کتب خانہ انجمن ترقی اردو ہند میں مخزونہ ہیں۔ اس مثنوی میں غیر شرعی احکام سے بچنے کی تلقین کی گئی ہے اور معاشرتی مذہبی دونوں قسم کی برائیوں کو نہایت سخت اور تلخ الفاظ میں واضح کیا گیا ہے۔ شاہ قربی کے زمانے میں جتنے بُرے رسم و رواج تھے ان میں سے ہر ایک کو بیان کیا ہے۔ اور ان کی سختی سے مذمت کی ہے۔

مثنوی بدعت نامہ 81 اشعار پر محیط ہے۔ جس میں اس دور کے مسلمانوں میں پائی جانے والی بدعقیدگی غیر شرعی رسوم اور طور طریقوں کی مذمت کی گئی ہے۔ اس مثنوی کے تعلق سے ٹمل ناڈو کے مشاہیر ادب میں علیم صبا نویدی نے لکھا ہے کہ اس نظم میں شیعوں کے مذہبی عقائد کو پیش کرتے ہوئے حضرت قربی ویلوری نے اسلام کی صحیح راہ پر چلنے کی ہدایت کی ہے۔ اور اس نظم کے ذریعہ شیعی حضرات اور ملحدین کے غلط عقائد کی تردید کرنے کی سعی کی ہے۔

قربی کی دکنی تصانیف میں سب سے اہم ان کا دیوان ہے جسے انھوں نے 1151ھ میں خود ہی مرتب کیا تھا۔ اس دیوان کو پروفیسر سید فضل اللہ نے مرتب کر کے پہلی بار 1962ء میں ترو پتی سے اور دوسری 1964ء میں حیدر آباد سے شائع کیا تھا۔ پروفیسر موصوف نے کتب خانہ سالار جنگ کے مخزونہ دیوان قربی کے علاوہ خود ان کا مملوکہ مخطوطہ بھی پیش نظر رکھا تھا۔ دیوان قربیؔ کا ایک اہم اور ضخیم نسخہ پروفیسر فضل اللہ کی دسترس سے باہر رہا۔ جو کتب خانہ انجمن ترقی اردو کراچی کے قلمی نسخوں کی زینت بڑھا رہا ہے۔ اس مخطوطہ کا مکمل عکس ڈاکٹر نور السعید اختر کے ہاں محفوظ ہے۔ ڈاکٹر اختر نے میری خواہش پر از راہ عنایت عکسی نسخہ مجھے فراہم کیا ہے۔ اس قلمی نسخے میں بقول ڈاکٹر اختر 86 غزلیں دو مثنویاں ایک مناجات' ایک مخمس' ایک قصیدہ اور دو برہنیاں بھی موجود ہیں۔[٧]

اس نسخہ میں کل تعداد اشعار 1280 ہے جب کہ ڈاکٹر فضل اللہ کے مطبوعہ دیوان قربیؔ میں جملہ اشعار صرف 616 ہیں اس طرح پاکستان کے مخطوطہ میں مطبوعہ نسخے سے 662 اشعار زائد ہیں۔ مولوی افسر صدیقی نے اس نسخے کے مشمولات کی اس طرح نشان دہی کی ہے۔

''حمد باری تعالی اور نعت سرور کائنات کے بعد غزلیات ہیں۔ پھر ایک قصیدہ نما نظم ہے۔ جس میں ان لوگون کی ہدفِ طعن بنایا گیا ہے۔ جو اپنی عورتوں کو بے پردہ لیے پھرتے ہیں۔ آخر میں دو برہنیاں اور ایک نظم ہمہ اوست ہے''۔[٨]

شاہ قربی ولی و سراج کے بعد کی نسل کے ایک اہم صوفی شاعر ہیں ان کے دیوان میں ایک طرف صوفیانہ مسائل کی حرارت

ملتی ہے۔تو دوسری طرف عشق مجازی کے جذبات کی ترجمانی بھی لیکن بہ حیثیت مجموعی ان کے کلام کا بیشتر حصہ مسائل تصوف کی آئنہ داری کرتا ہے۔وہ ایکفطری اور وہبی سخنور ہونے کے علاوہ جید صوفی اور عارف بھی تھے۔انھوں نے اپنی غزلوں کو صوفیانہ رموز و اسرار اور عارفانہ حقائق کے اظہار کا وسیلہ بنایا۔ان کی اس قبیل کی غزلوں کے مطالعہ سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ فن تصوف کی اصطلاحات کو سمجھے بغیر ان کے کلام کی تفہیم ناممکن ہے۔بقول ڈاکٹر راہی فدائی

''حضرت قربی کی شاعری کا متعدد بہ حصہ تصوف کے معرکہ آرا دقیق مسائل پر مشتمل ہے۔چنانچہ وحدت الوجود'عینیت و غیریت' خال وفال کے مضامین آپ کے اشعار میں بڑی عمدگی سے بیان کئے گئے ہیں۔ ۹

حضرت قربی کی غزلوں کے تعلق سے علیم صبانویدی نے اپنے تفصیلی مضمون میں لکھا ہے کہ حضرت قربی نے اپنی غزلوں میں ''وحدت الوجود'' کے موضوع کو بار ہا نبھایا ہے۔ ۱۱

مذکورہ تصانیف کے علاوہ قربی کی ایک مناجات ایک مثنوی ایک نثری رسالے کا پتہ چلتا ہے۔مناجات قربی کا ایک قلمی نسخہ (مخطوطہ نمبر 183) کتب خانہ سالار جنگ کی زینت ہے۔ 70 ابیات پر مشتمل اس نظم میں قربی نے قاضی الحاجات کی بارگاہ میں التجاو مناجات پیش کی ہے۔

قربی کی 143 ابیات پر مشتمل ایک مثنوی ''نامہ لقمان'' کو علیم صبانویدی نے دریافت کیا ہے۔ ۱۰ لیکن انھوں نے نہیں بتایا کہ اس کا قلمی نسخہ کہاں ہے۔

اب تک شاہ قربی کی شہرت کا دارومدار اردو شاعر کی حیثیت سے تھا حال میں ڈاکٹر نسیم الدین فریس اور ڈاکٹر راہی فدائی نے ان کے ایک نثری رسالے کی نشاندہی کی ہے۔ ۱۲ اس نئی دریافت کے باعث وہ پہلی بار ایک نثر نگار کی حیثیت سے سامنے آتے ہیں۔اس نثری رسالہ کا نام ''رسالہ تصوف شاہ قربی'' ہے۔جس کا مخطوطہ اورینٹل مینواسکرپٹ لائبریری حیدرآباد (مخطوطہ نمبر تصوف شاملات 392) میں محفوظ ہے۔

حوالے وحواشی

1۔مولوی سخاوت مرزا۔سید شاہ ابوالحسن قربی۔رسالہ سہ ماہی اردو، جولائی 1954 ص 6، 7

2۔نواب غوث خاں اعظم ۔تذکرہ گلزار اعظم میں 282

3۔ڈاکٹر بشیر الحق قریشی۔حضرت قطب ویلور کے علمی وادبی کارنامے ص 37

4۔مولوی سخاوت مرزا ۔سید شاہ ابوالحسن قربی رسالہ سہ ماہی اردو، جولائی 1954 ص 10

5۔ایضاً

6۔بہ حوالہ سہ ماہی اردو۔علیگڈھ جولائی 1952۔ص183

7۔بہ حوالہ نور السعید اختر۔شاہ ابوالحسن قربی کی برہنیاں۔ہندوستانی زبان جولائی ستمبر 2007 ص56

8۔افسر صدیقی امروہی مخطوطات انجمن ترقی اردو کراچی۔جلد چہارم ص 189، 190

9۔ڈاکٹر راہی فدائی ۔دارالعلوم لطیفیہ کا ادبی منظر نامہ۔ص 70

10۔علیم صبا نویدی تمل ناڈو کے مشاہیر ادب۔ص 110

11۔علیم صبا نویدی تمل ناڈو کے مشاہیر ادب۔ص 113

12۔دارالعلوم لطیفیہ کا ادبی منظر نامہ۔ص 63

حضرت ابوالحسن قربی کی پانچ غیر مطبوعہ غزلیں

پروفیسر ڈاکٹر علی محمد اثر شعبۂ اردو، عثمانیہ یونیورسٹی

۱

زیر بالا راست ہور چپ پیش و پس — حق ہے ظاہر توں اپس کوں دیکھ بس [1]

ہے قسم حق کی وہی ہے اے جواں — ہمدم و ہم خواب و ہمراہ ہم نفس

عین رب ہے عبد سچ بھی غیر ہے — اے سخن مرشد سوں بوجھ اے جوالہوس

سب وہی ہے عبد ہے اوعبد رب — وہی ہے ایک ہے اور ایک بس

''وھو معکم اینما کنتم'' کیا — توں محک پرلوح کے اس زرکوں کس

معرکے میں عینیت کے اے جواں — ثم وجہ اللہ سوں پاوے گا جس

اب اناالحق ہور اناالحق بول توں — گر تجھے وحدت کے دم کا ہے اس

غیر مرشد وصل حق ممکن نہیں — گر کرے گاتوں عبادت سو برس

علم ہے پردا پڑا بوجیاں ہوں میں — جب لیا مرشد سوں نکتے کا درس

رس میں آنکتے بیاں کرتا ہوں میں — اس کے باتاں اہل رس کن ہیں سرس

خوں بہا ہے ہر شہید عشق کا — دیکھنا معشوق کا ہردم درس

لعل لب مہ کا شراب ناب ہے — اس سوہ کریک جام قربؔی ملتمس

۲

عرش اللہ ہر ذرہ ہے سمجھ دل علیٰ الخصوص — سب دیکھتے ہیں دوست کوں کامل علی الخصوص [2]

رب عبد عبد رب ہے یوں کہتے کے صدق پر — اقوال سب ہیں دال دلائل علی الخصوص

---

[1] یہ شعر ''دیوان قربی'' مطبوعہ میں 'فرد' کے عنوان سے درج ہے۔تاہم اس کے مصرعۂ ثانی میں اختلاف نسخ موجود ہے ع حق ہے ظاہر توں اسی کو دیکھ بس ص ۲۷

توں جہل علم بوجھ کہ عاقل نے عقل سوں
پہنچیا ہے حق کوں عالم و جاہل علی الخصوص

کیا فقر کیا عقیدہ سمجھ دیکھ دال ہے
وحدت پو عاشقاں کے رسائل علی الخصوص

ہے پردہ پوش وجہ حقیقت علی العموم
سب سے بڑا تو تو نچہ ہے حائل علی الخصوص

سب دلبراں اپس کوں بناتے ہیں مہر تیوں
دلبر مرا ہے مشاکل علی الخصوص

گرچہ ہوے ہیں قتل میں عشاق کے مژہ
آراستہ (ہے) غمزۂ قاتل علی الخصوص

کیا نازو کیا کرشمہ سبھی دلبری میں ہیں
عشاق کا وہ زلف مسلسل علی الخصوص

عشاق آرزو کیے قربی کیا سوال
سب مستحق ہیں وصل کے سائل علی الخصوص

۲ مطبوعہ دیوان میں مطلع فرد کے عنوانسے یوں درج ہے۔

عرش اللہ ہر ذرہ دل علی الخصوص سب دیکھتے ہیں دوست کو کامل علی الخصوص ص ۷۴

(۳)

عاشق جو ہے حق کا اسے ہے خواہش دنیا غلط
اغیار کے عاشق کے تیئں اس عشق کا دعویٰ غلط ۳

برہان قاطع جب دیکھا توحید کوں ثابت کیا
ایسے محقق کا بچن نئیں اے جواں قطعا غلط

قال صحیح سوں کام ہے مت حال میں بے حال ہو
تجھ قال کوں توں اصل کل نئیں یو سخن اصل غلط

اہل لغت کہتے خدا نیں بوجھتے کیا ہے خدا
اس ناسمجھ جہال سوں ہردم خدا کہنا غلط

اے ناسمجھ مت لے کبھی اسم خدا اسم رسول
کہنا خدا کہنا نبی بے علم ہے سارا غلط

تحقیق کے مشرب بنے ہر چیز نئیں ہر چیز ہے
یک شئے کنا ہر چیز کوں ہوتا ہے سب معنا غلط

کیا آسماں و کیا زمیں کیا یومکاں و کیا زماں
علم لغت سوں مہر و مہ ہور مشتری زہرا غلط

بے پیر کے بے پیر جو لوجھا سو قربی اس کوں بول
اپنا غلط و آشنا غلط صورت غلط معنا غلط

۳ مطبوعہ دیوان میں یہ شعر فرد کے عنوان سے موجود ہے۔

(۴)

اے بے وفا وفا کر جو رو جفا سوں کیا خط
عشاق باوفا کوں تجھ بے وفا سوں کیا خط ۴

مرشد سوں ملتجی ہے سالک خدا کی خاطر
وہ کام نئیں ہوا تو اس التجا سوں کیا خط

اس راہ کے دقائق بن پیر کے نہ کھلسے
گر توں زکی ہوا تو اس میں زکا سوں کیا خط

عین خدا ہے بندہ کر درک اس بچن کوں
گر درک سوں نہ پاوے طبع رسا سوں کیا خط

ہر ذرہ حق نما ہے توں سب ہی دیکھ حق کوں
گر حق کوں نہ دیکھا اس حق نما سوں کیا خط

جیوں عین عبد ہے رب تیوں غیر عبد بھی ہے
یک جسم اگر ہم اتو تجھ کوں خدا سوں کیا خط

ہے درد دوست جس کوں دیدار اس کی دارو
اس درد کے دُکھی کوں قربؔی دوا سوں کیا خط

ہ مطبوعہ میں یہ شعر فرد کے نام سے درج ہے

۵

عشاق حق کا مجمع ہے احسن الجامع
دل ان کے فیض سوں کر مانند ہر لامع

مت لا دولب کے اوپر اسرار عشق سجاں
جوراز دوسوں گذریا ہوتا ہے جگ میں شائع

حرص و طمع اگرچہ انسان کوں بری ہے
تو رہ جنال حق کا نس دن حریص و طالع

جب راہ حق میں قانع نفس ہوا ہے تیرا
توں پیر کی مدد سوں سب کار کر موانع

رکھ روز و شب توں حد سوں مرشد کے دل کوں راضی
نفسانیت کی جڑ کوں اس کی رضا ہے قامع

الحاد سیکھ اکثر بے شرع ہورہتے ہیں
توں شرع کے امر کارہ جان و دل سون جامع

سب ملحداں ہوے ہیں یک جسم معرفت میں
شرع وحقیقت اندر رہ توں یقیں سوں جامع

پردے منے خودی کے توں محتجب ہوا ہے
خورشید ذات کے ہیں ذرات سب مطالع

رب عبدؔ عبد رب ہے بھی غیر یکدگر ہیں
کہتا ہوں غور کرتوں ہے یو بیان واقع

جب اینما تولو قرآں میں حق نے بولیا
توحید کے بچن پر ہے یو دلیل قاطع

ہر ہر ذرہ میں ظاہر جب ہے حقیقت حق
ہر شے کوں بوجھ قربؔی ۵

ہ مطبوعہ دیوان میں یہ صرف مطلع فرد کے عنوان سے شائع کیا گیا ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اقطابِ ویلور پر تحقیقی مقالے اور مقالہ نگاری

علیم صبا نویدی

یہ بات اظہر الشمس ہے کہ اولیاء صوفیاء کرام اور مذہبی مبلغین نے ہندوستان کے مختلف علاقوں میں تعلیم وتبلیغ کے سلسلے میں یہاں کے تاریک ماحول میں دورِ اسلام کی جو روشنی پھیلائی ہے اور انسانی اعلیٰ قدر کا جو درس دیا ہے وہ غیر معمولی اہمیت کا حامل ہے۔ یہاں اس بات کا تذکرہ بے جا نہ ہوگا کہ برِ صغیر میں جنوب کے علاقے سے ابھرنے والی نورانی کرنوں سے سارے ہندوستان کو منور کرنے میں نمایاں کردار ادا کیا ہے اور یہ بات کہ ہندوستان میں اسلام تلوار کے زور سے پھیلا، باطل ہو جاتی ہے۔ محمد بن قاسم، علاءالدین خلجی اور محمد تغلق کے ہندوستان پر حملوں سے صدیوں پہلے جنوبی ہند کا علاقہ اولیاء اللہ اصحاب رسول اور مختلف صوفیوں اور سجادہ نشینوں کی آماجگاہ بنا ہوا تھا۔

جہاں تک اقطاب ویلور کی دینی و علمی اور ادبی خدمات کا تعلق ہے اس سلسلے میں جن اہل قلم حضرات نے خامہ فرمائی کی ہے ان میں نواب غوث خان اعظم، مولوی عبدالقادر ناظر، عبدالجبار خان صوفی ملکاپوری۔ مولوی سخاوت مرزا، مولانا یوسف کوکن، پروفیسر محمد فضل اللہ، مولوی محمد طیب الدین اشرفی وغیرہ کے نام قابل ذکر ہیں۔ اس کے بعد حالیہ عرصہ میں خانوادۂ اقطاب ویلور کی خدمات پر سندی مقالے لکھنے والوں میں ڈاکٹر ذاکرہ اُمِ شہلا نے (خانوادۂ قربی کی علمی وادبی خدمات) ڈاکٹر راہی فدائی نے ''ویلور کے عربی مدارس کے دینی خدمات'' پر، ڈاکٹر عثمان پاشاہ قادری نے ''اقطاب ویلور کے خلفاء کی اردو خدمات'' پر، مولانا بشیر الحق نے ''قطب ویلور کی علمی وادبی خدمات'' پر، ڈاکٹر سید منیر محی الدین قادری نے ''دارالعلوم لطیفیہ کی علمی وادبی خدمات'' پر اور امان اللہ نے ''خلفاءِ قربی کی اردو خدمات'' پر مقالے سپرد قلم کئے ہیں۔ جن پر حسبِ گذارش راقم نے ایک طائرانہ نظر ڈالی ہے۔

حضرت قربی ویلوری کی علمی ،ادبی اور دینی خدمات

ڈاکٹر ذاکرہ اُمِ شہلا کا تحقیقی کام ''حضرت سید شاہ ابوالحسن قربی کے خانوادہ کی علمی ادبی اور دینی خدمات سے متعلق ہے خانوادۂ اقطاب ویلور میں حضرت قربی ویلوری کو ایک درخشاں ستارے کی حیثیت حاصل ہے۔ یہ مقتدر مقالہ پروفیسر نجم الہدیٰ صاحب کی سرپرستی اور ڈاکٹر سجاد حسین کی نگرانی میں ڈاکٹریٹ کی سند کے لئے پیش کیا گیا۔

حضرت قربی نہ صرف ایک بلند پایہ صوفی تھے بلکہ اپنی ذات میں ایک ادارے کی حیثیت رکھتے تھے۔ وہ دکنی اور فارسی کے باکمال صوفی شاعر تھے۔ ان کے آباواجداد کا سلسلہ ان صوفیائے کرام سے ملتا ہے جو اصفہان سے ہندوستان (گجرات) تشریف لائے تھے حضرت قربی اور ان کے خانوادے کے دیگر افراد نے اردو فارسی اور عربی میں اپنی متعدد کتابیں یادگار چھوڑی ہیں۔ ڈاکٹر اُمِ شہلا نے اپنے مقالے کی ابتداء میں اس خاندان کے بزرگوں کا سیر حاصل تذکرہ کیا ہے۔ انہوں نے اپنے مقالوں کو پانچ حصوں میں تقسیم کرتے

ہوئے پہلے باب میں تصوف اور صوفی کی اصطلاحات پر بحث کی ہے۔اور ساتھ ساتھ ٹملناڈو میں صوفی اہل قلم حضرات پر سرسری طور پر روشنی ڈالی ہے۔ جہاں مسائل تصوف کا تعلق ہے محترمہ کی یہ بحث نہ صرف مستعار سی لگتی ہے بلکہ اس بحث میں تصوف کے نکات پر بھرپور دسترس رکھنے والے رہنما کا عکس بھی دکھائی دیتا ہے۔ دوسرے باب میں خانوادہ قربی کا تعارف اور ان کی مختلف الجہات خدمات کا جائزہ لیا ہے۔ تیسرے باب میں حضرت قربی کی اردو خدمات، ان کے واقعات حیات وکشف وکرامات کا تذکرہ کیا ہے۔

ڈاکٹر اُمِ شہلا نے اس مقالے کے چوتھے باب میں حضرت قربی ویلوری کے فرزند ارجمند دلبند حضرت سید شاہ عبداللطیف ذوقیؔ کی اردو خدمات کا احاطہ کیا ہے۔ اسی طرح پانچویں باب میں خانوادۂ قربی ویلوری کی علمی ادبی خدمات کی قدر وقیمت کو متعین کرنے کی کوشش کی ہے۔

بعض محققین مثلاً ڈاکٹر جمیل جالبی اور سخاوت مرزا نے حضرت قربی کے واقعات حیات، کشف وکرامات اور ادبی کارناموں پر تاریخ ادب اردو اور مختلف رسائل میں مضامین شائع کئے ہیں۔ ان مضامین تک ام شہلا کی رسائی نہ ہوسکی۔ حضرت قربی ویلوری کا مطبوعہ دیوان ڈاکٹر محمد علی اثر کے اطلاع کے مطابق ان کے نصف کلام کا احاطہ کرتا ہے، جس کا بیشتر حصہ غزلیات پر محیط ہے۔ ڈاکٹر محمد علی اثر نے حضرت قربی ویلوری کا دیوان از سر نو مرتب کیا ہے۔ جس کا مسودہ راقم کے نظر سے گذرا ہے۔ اور یہ کتابی صورت میں بہت جلد منظر ادب پر آئے گا۔

خالانکہ قربی نے بعض دیگر اصناف سخن پر بھی طبع آزمائی کی ہے۔ یہاں اردو کی ایک غیر معروف صنفِ سخن کی طرف اشارہ کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ جسکی ہیئت (فارم) کی تعریف عروض بلاغت کسی بھی کتاب میں نہیں ملتی۔ علامہ باقر آگاہ ویلوری نے اپنے اردو دیوان کے مقدمے ''درسنی'' یا ''برہنی'' کے عنوان سے اپنے استاد محترم حضرت قربی ویلوری کے کلام کے حوالے سے اس ہیئت کا تعین کیا ہے۔ چنانچہ مولانا باقر آگاہ کہتے ہیں ''درسنی'' یا ''برہنی'' میں شاعر خود کو صنفِ نازک تصور کر کے فراق و ہجر کی حالت میں اپنے جذبات کا اظہار عورتوں کے زبان میں کرتا ہے۔ اس صنفِ سخن میں عشق حقیقی اور عشقِ مجازی دونوں کیفیتوں کا اظہار ہوتا ہے۔ کبھی اس میں ذاتِ خداوندی کو اپنا محبوب تصور کیا جاتا ہے اور کبھی اپنے مرشد کو۔ برہنی ایک مخصوص صنف ہے جو صنفِ مثنوی کی مروجہ بحروں میں سب سے مقبول ہے۔ قربی کی برہنی کا ایک شعر ملاحظہ ہو۔ میں پیو میں آپس کو فدا کری میں مرنے کے آگیچ مری

اس صنف کی بہترین مثالیں حضرت قربی ویلوری کے شاگرد شاہ تراب ترنالی کے مجموعۂ کلام میں بہت زیادہ موجود ہیں۔

من حیثیت الکل ذکر امِ شہلا نے حضرت قربء ویلوری کی دینی علمی اور ادبی روشن کائنات سے آج کے اردو ادب کی نئی لھیپ کو آگاہ کرانے اور حضرت قربی ویلوریؒ جہانِ شاعری سے قریب تر کرانے کی کوشش میں بے حد کامیاب اور کامراں ہوی ہیں۔

دارالعلوم لطیفیہ کا ادبی منظر نامہ

ڈاکٹر راہی فدائی نے ویلور کے دینی مدارس کے موضوع پر اپنا مقالہ پروفیسر سلیمان اطہر جاوید صدر شعبہ اردو، تروپتی یونیورسٹی کے زیرنگرانی سپرد قرطاس کیا ہے۔ اس ضخیم مقالے کو انہوں نے دو حصوں میں تقسیم کر کے علی الترتیب

''مدرسۂ باقیات الصالحات کے علمی وادبی کارنامے'' اور ''دارالعلوم لطیفیہ ویلور کا ادبی منظر نامہ'' کے عنوان سے دو علاحدہ علاحدہ کتابوں کی صورت میں شائع کیا۔ دونوں کتابیں نہ صرف تحقیق کا اعلیٰ معیار پیش کرتی ہیں بلکہ جنوبی ہند خصوصاً ویلور صوفیائے کرام کے قدوم میمنت افروز سے پھیلنے والی روشنی کا بھی بخوبی احاطہ کرتی ہے۔ موصوف نے ''ویلور تاریخ کے آئینے میں'' اور ''کڈپہ میں اردو'' کے نام سے بھی دو دستاویزی کتابیں اردو ادب کی دی ہیں۔

جہاں تک اقطاب ویلور کی مذہبی اور ادبی خدمات کا تعلق ہے اس سلسلے میں ان کی تحقیقی کتاب ''دارالعلوم لطیفیہ کا ادبی منظر نامہ'' غیر معمولی اہمیت اور افادیت کا حامل ہے۔ اس کتاب کی ابتداء میں ڈاکٹر راہی فدائی نے ویلور کا تاریخی اور سماجی پس منظر پیش کرنے کے بعد حضرت قربیؔ ویلوری، حضرت ذوقیؔ ویلوری، حضرت محویؔ ویلوری، حضرت باقر آگاہؔ ویلوری، میر حیات میسوری، سید شاہ عبدالغفار مسکینؔ قادری، مولانا شہاب الدین شہابؔ ویلوری، مولانا رکن الدین سید شاہ محمد ویلوری، علامہ شاکر نائطی، مولوی بشیر الحق قریشی اور دیگر علماء وشعراء کی خدمات کا سیر حاصل جائزہ لیا ہے۔ اس کتاب کا پیش لفظ پروفیسر معین الدین عقیل (ٹوکیو یونیورسٹی جاپان) اور تعارف پروفیسر محمد علی اثر کے زورِ قلم کا نتیجہ ہے۔

ڈاکٹر راہی فدائی بنیادی طور پر جدید لب ولہجہ کے شاعر ہیں لیکن انہوں نے احقر کے ساتھ تحقیق وتنقید کے میدان میں قدم رکھا اور دیکھتے ہی دیکھتے موصوف نے تحقیقی وتنقیدی کتابوں کا انبار لگا دیا۔ اعلیٰ درجہ کے محقق ہیں اور جنوبی ہند کے متعدد شاعروں اور ادیبوں کو اردو دنیا سے روشناس کروایا ہے۔ پیش نظر کتاب میں موصوف نے دارالعلوم لطیفیہ کے فارغین اور متواسلین اور اہلِ علم کا بڑی ژرف بینی سے مطالعہ کر کے ان کے دینی علمی اور ادبی خدمات کو زیب قرطاس کیا ہے۔ کہیں کہیں اس کتاب کا مطالعہ کرتے ہوئے راہی فدائی کی صدق گوئی اور حقیقت نگاری کے سلسلے میں ان کے بعض عبارتیں تیر کی طرح دل میں پیوست ہو جاتی ہیں۔ ظاہر ہے کہ حق گوئی میں تلخی کا بھی ہونا ضروری ہے۔ اور بعض وقت ان کی ایسی تنقیدیں طبیعت کو بوجھل کر دیتی ہیں لیکن ان کی حق گوئی ان کو مصلحت سے کام لینے پر راغب بھی نہیں کرتی۔

دارالعلوم لطیفیہ ویلور، ڈاکٹر راہی فدائی کا ایک اہم تحقیقی کارنامہ ہے۔ موصوف نے تحقیق کے آداب کو ملحوظ رکھا ہے۔ راہی فدائی نے وہی زبان استعمال کی ہے۔ جو زبان تحقیق کے لئے زیب دیتی ہے۔ وہ حوالے کے بغیر ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھتے، لیکن حوالے اس ہنرمندی سے پیش کرتے ہیں کہ قارئین کو اکتاہٹ کا احساس بھی نہیں ہوتا۔ حضرت قربیؔ ویلوری، حضرت ذوقیؔ ویلوری اور حضرت باقر آگاہؔ ویلوری پر موصوف نے تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔ کئی نئے انکشافات کے دائروں کو وسعت دیتے ہوئے تحقیق کا حق ادا کیا ہے۔

اس غیر معمولی اہمیت کی حامل تحقیقی کتاب کا مطالعہ کرتے ہوئے سب سے پہلے ہماری نظر فہرست عناوین پر جب پڑتی ہے تو اس بات کا احساس ہوتا ہے کہ ڈاکٹر راہی فدائی جیسے عالم وفاضل نے سب سے اہم عنوان کو کیوں نظر انداز کر دیا۔ کتاب کے عنوان کے مناسبت سے پس منظر کے بعد ناچیز کی رائے میں پہلا باب بانی دارالعلوم لطیفیہ ویلور حضرت شاہ عبداللطیف قادری بیجاپوری کا ہونا

ضروری تھا، جنہوں نے بیجاپور سے شاہ نور سرا آرکاٹ سے ہوتے ہوئے ویلور میں قیام فرمایا تھا اور ایک رات حضور اکرم ﷺ نے خواب کی حالت میں انہیں اسی مقام پر مستقل سکونت اختیار کرنے کی تاکید فرمائی تھی اور یہ بھی کہا تھا کہ یہاں ایک دینی مدرسہ اور مسجد کی تعمیر کریں۔ انشاء اللہ اس خانقاہ سے مذہب اسلام کی روشنی دور دور تک پھیلے گی۔ اس طرح اس عنوان سے دارالعلوم لطیفیہ کے بانی اور روحانی پیشوا کی مذہبی خدمات اور آپ کے حالات زندگی، جائے مدفن، تلامذہ وغیرہ سے متعلق اہم معمولات یکجا ہو جاتیں اور حضرت عبداللطیف بیجاپوری پر مولانا راہی فدائی صاحب سے بہتر شاید ہی کوئی محقق تحقیق کا حق ادا کرسکتا ہے۔

حضرت قطب ویلور کی دینی علمی اور ادبی خدمات

حضرت مولانا سید شاہ عبداللطیف نقوی قادری قطب ویلور کی عربی فارسی اور اردو خدمات پر سب سے زیادہ جامع اور پُر مغز تحقیقی مقالہ مولانا ڈاکٹر بشیر الحق قریشی نے پروفیسر سید قدرت اللہ باقوی، صدر شعبہ اردو ایس یونیورسٹی آف سنسکرت کیرلا کی نگرانی میں لکھا ہے۔ موصوف ایک طویل عرصے سے دارالعلوم لطیفیہ میں درس وتدریس کے خدمات انجام دے رہے ہیں۔ اس خانوادے کی مختلف النوع دینی وملّی خدمات پر اُن کے متعدد مضامین ومقالات مجلّہ اللطیف ویلور'' سالنامہ نفیر'' ویلور، ''نور جنوب'' چنائی کے علاوہ دیگر مقامی رسائل وجرائد میں شائع ہو چکے ہیں۔ اُن کا سب سے اہم تحقیقی کارنامہ حضرت قطب ویلور کے علم وادبی کارنامے ہے۔ یہ کتاب چار ابواب میں منقسم ہے۔ پہلا باب دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ (الف) ویلور کی تاریخی، جغرافیائی اور علمی حیثیت سے متعلق ہے۔ (ب) حضرت ویلور کے عہد کا تاریخی سیاسی علمی اور مذہبی پس منظر ہے۔ ان حصوں کی ابتداء میں نہ صرف شہر ویلور کا سیاسی اور تاریخی پیش منظر اجاگر کیا گیا ہے بلکہ جنوبی ہند کے اس دارالسرور ویلور میں صوفیا اکرام اور اولیائے عظام کی آمد اور ان کی مذہبی و دینی خدمات پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔ اس سلسلے میں ڈاکٹر بشیر الحق قریشی نے خانوادۂ قطب ویلور کے ان آبا واجداد کا تذکرہ کیا ہے جنہوں نے عادل شاہی دور میں بیجاپور سے ہجرت کر کے مختلف مقامات سے ہوتے ہوئے بالآخر ویلور کو اپنا مامن ومسکن بنایا۔

دوسرا باب حضرت قطب ویلور کے خانوادے کی علمی وادبی اور دینی خدمات کا احاطہ کرتا ہے جس کے ابتدائی حصہ میں حضرت قطب ویلور کا نسب نامہ حضرت سید شاہ عبداللطیف بیجاپوری بانی دارالعلوم لطیفیہ کے حالات وزندگی کا تذکرہ ہے اور پھر حضرت ابوالحسن قربیؔ ویلوری، شاہ عبداللطیف ذوقیؔ ویلوری، شاہ سید عبدالحسن ثانی محویؔ ویلوری، حضرت سید شاہ محمد باقر قادری، حضرت سید شاہ ناصر قادری، المعروف میراں پاشاہ ویلوری، حضرت سید شاہ محمد طاہر قادری کی علمی اور دینی خدمات کا مفصّل جائزہ لیا گیا ہے۔

تیسرا باب حضرت قطب ویلور کی سیرت وسوانح پر مشتمل ہے۔ جو موصوف کی شخصیت اور واقعاتِ حیات پر محیط ہے اور ساتھ ساتھ اس باب میں موصوف کی عربی فارسی اور اردو تصانیف کا بھرپور تعارف کروایا گیا ہے۔

چوتھا باب حضرت قطب ویلور کے مسلک ومشرب اور ان کی تصنیفی خصوصیات اور موضوعات کا احاطہ کرتا ہے۔ اس کتاب کا

آخری باب اختتامیہ ہے، جو اس تصنیف کی لب لباب کی حیثیت رکھتا ہے۔ جس میں نہایت اختصار کے ساتھ حضرت قطب ویلور کے آبا واجداد اور ان کی اولاد امجاد کی سیرت و شخصیت، حالاتِ زندگی اور علمی ادبی دینی خدمات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

اس کتاب میں سب سے اہم قابل توجہ باب یہ ہے کہ قطب ویلور نے تبلیغ اسلام کے سلسلے میں نہ صرف انگریزوں سے ٹکر لی بلکہ اپنے عہد کے غیر مسلم ذی اقتدار شخصیتوں کو مذہبِ اسلام کی طرف راغب کرنے کی جو کامیاب تحریک چلائی تھی اس کا جائزہ ڈاکٹر بشیر الحق قریشی نے بڑے (Sceintific) انداز میں لیا ہے۔ بہ حیثیت مجموعی ڈاکٹر بشیر الحق قریشی کا یہ مقالہ قطب ویلور کی دینی علمی و ادبی نورانی جہتوں کے شناخت کی حیثیت رکھتا ہے۔ احقر نے اپنی ایک حالیہ نعت شریف میں جو مطلع لکھا تھا وہ حضرت مولانا قطب ویلوری کی عہد آفریں شخصیت کی نذر ہے۔

نور والوں کا نور سے رشتہ　　　ذاتِ ربِ غفور سے رشتہ

دارالعلوم لطیفیہ کی علمی و ادبی خدمات

ڈاکٹر سید منیر محی الدین قادری موجودہ معلومات کی روشنی میں اب تک خانوادۂ اقطاب ویلور کی دینی علمی اور ادبی خدمات پر سند داد تحقیق دینے والے آخری محقق ہیں، جنہوں نے ''دارالعلوم لطیفیہ ویلور کی علمی و ادبی خدمات'' کے عنوان ڈاکٹر بشیر احمد صدر شعبہ اردو تروپتی یونیورسٹی کی نگرانی میں تحقیقی مقالہ پیش کیا اور یہ مقالہ ۲۰۰۸ء میں ایک کتابی صورت میں شائع ہوا ہے۔ اس کتاب کے عنوان پر نظر پڑتے ہی ڈاکٹر راہی فدائی کا نام ذہن میں آجاتا ہے جنہوں نے اس کتاب کی اشاعت سے چودہ سال قبل اسی عنوان سے اپنی تحقیقی تصنیف اقلیمِ اردو ادب کو دے کر اکابرین علم وادب سے خراجِ تحسین حاصل کیا ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ دارالعلوم لطیفیہ کی علمی وادبی خدمات کے موضوع پر جب ایک کتاب منظرِ عام پر آچکی ہے تو پھر اسی موضوع پر اسی جامعہ سے جہاں ڈاکٹر راہی فدائی نے ڈاکٹریٹ کی سند حاصل کی تھی ایک اور مقالے کی ضرورت کیوں پیش آئی؟ حالانکہ راہی فدائی کا مقالہ وسیع تر پس منظر میں تحریر کیا گیا ہے۔ یہ دراصل جامعات کے پروفیسر صاحبان اور مقالے کے نگران کی سہل پسندی ہے جس کا نشانہ راس طور پر مقالہ نگار بنتا ہے۔

اسی طرح اگر تحقیق شدہ موضوعات پر از سر نو تحقیق کروائی جائے تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ یا تو پچھلا تحقیقی کام غیر معیاری رہا ہے یا مقالہ نگار نے تحقیق کا حق ادا نہیں کیا یا پھر اسے کما حقہ صحیح رہنمائی حاصل نہ ہو سکی۔ دونوں کتابوں کے تقابلی مطالعہ سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے پہلا مقالہ خاصے کی چیز ہے جس میں مقالہ نگار کو مواد کی فراہمی کے سلسلے میں جو دوڑ دھوپ کرنی پڑی اس کا فائدہ دوسرے مقالہ نگار کے لئے نعمت غیر مترقبہ ثابت ہوی یہی وجہ ہے کہ سید منیر محی الدین کی کتاب بڑی حد تک ڈاکٹر راہی اور ڈاکٹر بشیر الحق کی کتابوں کی بیشتر عبارتوں کا اعادہ معلوم ہوتی ہے جس کے لئے مقالہ نگار کو لازمی طور پر پہلے مقالوں کا حوالہ دئے بغیر کوئی چارہ نہیں تھا۔

کتاب پر سرسری نظر ڈالنے سے یہ اندازہ لگانا دشوار نہیں کہ ڈاکٹر سید منیر نے تحقیق و جستجو کی صلاحیت موجود ہے اور انہوں

نے بڑی انہماک اور لگن سے اپنے موضوع کو وسعت دینے کی کوشش کی ہے۔ اگر ان کے نگران کار تحقیق کے سلسلے میں اور کوئی ایسا موضوع تجویز کرتے جس پر بہت کم لکھا گیا ہے یا نہیں لکھا گیا ہے تو اس سے نہ صرف مقالہ نگار کو اپنی تحقیقی صلاحیتوں کے اظہار کا موقعہ ملتا بلکہ اردو ادب کا بھی فائدہ ہوتا اور نئے تحقیقی انکشافات بھی منصۂ شہود پر آتے۔

ڈاکٹر سید منیر نے اپنے مقالہ کو پانچ ابواب میں تقسیم کیا ہے۔ پہلے باب میں ہندوستان کی دینی درس گاہوں اور مدرسوں پر روشنی ڈالی ہے جس میں شمالی ہند کے مشہور درس گاہیں اور جنوبی ہند کی معروف ومقبول دینی درس گاہوں کو موضوع بحث بنایا گیا ہے اور ساتھ ہی ساتھ اس باب میں ہندوستان کی دیگر اسلامی درس گاہوں سے دار العلوم لطیفیہ کا تقابل کرتے ہوئے اس کے مقام ومرتبہ کا تعین کرنے کی کوشش کی ہے۔

اس کتاب کو پچھلی کسی کتاب کے عنوان سے مطابقت کی وجہ سے بہ آسانی رد نہیں کیا جاسکتا۔ جیسا کہ پہلے کہا جا چکا ہے کہ ڈاکٹر سید منیر میں تحقیق وتدقیق کی اچھی صلاحیتیں موجود ہیں۔ آخر میں دو ایک اہم باتوں کی طرف اشارہ کرنا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے۔ ایک تو یہ کہ مطبوعہ مقالہ میں کمپوزنگ اور پروف ریڈنگ کی غلطیاں تقریباً ہر صفحہ پر موجود ہیں۔ ویسے آج کے زمانے میں شاید کوئی کتاب ایسی شائع ہو جس میں یہ اغلاط نظر نہ آئیں لیکن بیشتر یکساں فروگذاشتوں سے شبہ ہوتا ہے کہ یہ کتابت کی اغلاط نہیں دوسری بات یہ کہ مقالہ نگار تحقیق کے جدید اصولوں سے واقفیت نہیں رکھتا یہی وجہ ہے کہ ایک ہی صفحہ پر ایک ہی کتاب کے ایک سے زیادہ حوالے صفحہ کی تبدیلی کے ساتھ نظر آتے ہیں۔ جس سے قارئین کو الجھن پیدا ہوتی ہے۔ اس پر مستزاد یہ کہ یہ حوالے معہ اقتباس وعبارت کی روانی میں رکاوٹ پیدا کر دیتی ہے۔ ڈاکٹر منیر کو چاہئے تھا کہ حوالوں کو فٹ نوٹ لکھا جائے یا ہر باب کے آخر میں پیش کیا جائے۔

بحیثیت مجموعی یہ مقالہ بھی ہمارے معلوماتی جزیرہ میں ایک ہلکی سی کرن بن کر عالم شہود پر آیا ہے۔

اقطاب ویلور اور ان کے خلفاء کی دینی، علمی و ادبی خدمات

ڈاکٹر عثمان پاشا قادری نے ''خلفائے اقطاب ویلور کی دینی علمی وادبی خدمات'' پر پروفیسر سید صفی اللہ صاحب شعبۂ اردو مدراس یونیورسٹی کی سرپرستی میں اپنا مقالہ قلم بند کر کے ڈاکٹریٹ کی سند حاصل کی ہے اس مقالہ میں خلفائے اقطاب ویلور کی مختلف الجہات اور عہد ساز خدمات کا تفصیلی جائزہ لیا گیا ہے۔ اس سلسلے میں کم وبیش تمام خلفاء کے واقعات حیات اور ان کی دینی، ملی، علمی اور ادبی خدمات کو اجاگر کیا گیا ہے۔ یہ مقالہ سات ابواب میں منقسم ہے۔ پہلے باب کو مزید درج ذیل دو ذیلی سرخیوں میں تقسیم کیا گیا ہے (الف) ٹمل ناڈو کا سیاسی تمدنی اور علمی پس منظر (ب) خانوادۂ اقطاب ویلور شہر ویلور میں آمد اور قیام۔ اس کے بعد دو ابواب حضرت قربی ویلوریؒ سے لے کر سید شاہ عبد اللطیف مکی کے حالات اور خدمات کا احاطہ کرتے ہیں۔ چوتھے باب میں سید شاہ عبد اللطیف مکی کا مکمل تعارفی خاکہ پیش کیا گیا ہے۔

اس خانوادۂ نور کے خلفائے خاص میں مولانا باقر آگاہ ویلوری، حضرت میر حیات میسوری، حضرت لامع کڈپوی، مولانا احقر بنگلوری، حضرت سید شاہ عبدالغفار مسکین مدراسی اور مولانا شاکر نائطی ہر لحاظ سے بڑی اہمیت کے حامل ہیں۔ ان بزرگوں کے علاوہ دیگر خلفاء میں مولانا بشیر الحق قریشی، پروفیسر سید بدر عالم، سید شاہ عبدالجلیل قادری، حضرت مولانا یوسف بغدادی کڈپوی، حضرت سید مرشد پیراں مدراسی کے حالاتِ زندگی اور مذہبی خدمات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

چھٹا باب میں من حیثیت المجموع دارالعلوم لطیفیہ کی خدمات کا احاطہ کرتا ہے۔ ساتواں اور آخری باب اس مقالے کے اختصاریہ کی حیثیت رکھتا ہے جس میں پیش نظر مقالے کے تمام مباحث مخطوطات کا اجمالی جائزہ لیا گیا ہے۔

ڈاکٹر عثمان پاشا قادری کا پیش نظر مقالہ اپنی نوعیت کا ایک اہم اور قابل قدر تحقیقی کام ہے۔ اقطاب ویلور کی خدمات پر اور بھی مقالے لکھے گئے ہیں لیکن یہ مقالہ اس سلسلے کے صوفیاء علماء اور شعراء کی بیش بہا خدمات کو ایک نئے زاویہ سے ابھار کر قاری کے ذہن کو طمانیت بخشتا ہے۔

حضرت قربی ویلوری کے خلفاء کی علمی و ادبی خدمات

جناب، بی، یم، امان اللہ کا یم فل کا تحقیقی مقالہ پروفیسر سید سجاد حسین شعبہ اردو، مدراس یونیورسٹی کی سرپرستی میں پایۂ تکمیل کو پہنچا۔ یہ مقالہ حضرت قربی ویلوری کے خلفاء کی علمی و ادبی خدمات سے متعلق ہے۔ اس مقالے کو پانچ ابواب میں پھیلایا گیا ہے۔ مقالہ کی ابتدا میں ''اپنی بات میں'' اس موضوع کے انتخاب کی وجہ اور یہ اعتراف بھی کیا ہے کہ اس موضوع پر اس سے پہلے سب سے محققین نے بڑے وسیع پیمانے میں روشنی ڈالی ہے اور حضرت قربی ویلوری کی خلفاء کے علمی و ادبی کارناموں سے اردو ادب کے قارئین کو روشناس کرایا ہے۔

اس مقالے کا پہلا باب شہر ویلور کی تاریخی، جغرافیائی اور علمی نقوش کا احاطہ کیا گیا ہے۔ دوسرے باب میں حضرت قربی ویلوری کے دور کا تاریخی سیاسی اور علمی پس منظر پر اجمالی روشنی ڈالی گئی ہے۔ تیسرے باب میں حضرت ذوقی ویلوری کے دینی علمی و ادبی سفر میں جو تحریری کارنامہ عالم شہود پر آئے ان کا مختصراً جائزہ لیا گیا ہے۔

چوتھا باب میں حضرت مولانا باقر آگاہ ویلوری کی شخصیت اور ان کے اردو عربی اور فارسی زبانوں میں جو تصنیفات منظر عام پر آئے ان کا مختصراً تذکرہ کیا گیا ہے۔ اس باب میں مولانا باقر آگاہ ویلوری کی عشقیہ مثنویوں پر بڑے اچھے انداز سے روشنی ڈالی گئی ہے۔

پانچواں باب بہت اہم اس لئے ہے کہ اس باب میں شاہ تراب علی ترنالی کو بحیثیت شاگرد خاص حضرت قربی ویلوری پیش کیا گیا ہے اور شاہ تراب کے تعلق سے یہ بیان یقیناً غور طلب ہے کہ ٹمل ناڈو میں اردو شاعری کی روایت کو فروغ دینے اور آگے بڑھانے

والوں میں حضرت شاہ تراب چشتی کا نام زندہ جاوید رہے گا۔

مختلف تاریخی شواہد کے پس منظر سے اتنا ضرور پتہ چلتا ہے کہ حضرت قربؔی ویلوری، شاہ تراب تر ناملی، حضرت ولؔی ویلوری، حضرت ذوقؔی ویلوری اور مولانا باقر آگاہ ویلوری کے دور میں دکنی شاعری عروج پر تھی۔ حضرت قربی ویلوری بزرگوں حضرت سید رحمت اللہ شاہ قادری (نائب رسول) اور حضرت عبدالحق مخدوم ساوی (عرف دستگیر صاحب) نے دکنی زبان ہی میں اپنی شاعری کے چراغ جلائے تھے جس کی روشنی پورے جنوب پر محیط تھی جہاں تک راقم کی رائے ہے وہ یہی کہے گا کہ اردو شاعری بلکہ دکنی شاعری کو سرزمین آرکاٹ میں اپنی مثنویوں کی توسط سے بڑھاوا دینے اور اس کو ارتقائی منزلوں تک پہنچانے میں حضرت قربؔی ویلوری اور ولؔی ویلوری نے بہت اہم رول ادا کیا ہے۔ یہ اور بات ہے کہ قربی کی دکنی شاعری بالخصوص مثنویوں سے پہلے شاہ تراب تر ناملی کی مثنویاں ''من سمجھاون'' اور'' گیان سروپ'' کا بہترین تعارف مولوی نصیرالدین ہاشمی نے اپنے مضامین میں کر دیا تھا۔ اس تعارف کے بعد شاہ تراب کی مثنویوں کا سخاوت مرزا، ڈاکٹر جمیل جالبی، ڈاکٹر افضل الدین اقبال، ڈاکٹر سیدہ جعفر نے اپنے اپنے تحقیقی مقالوں میں نمایاں ذکر کیا۔ اس کے بعد شاہ تراب پر ڈاکٹر سلطانہ بخش نے ''دیوان تراب'' میں پر جو مقدمہ لکھا وہ واقعی بڑا معلومات افروز ہے۔ جناب امان اللہ صاحب نے راقم کے طویل اور تفصیلی مضامین ''شاہ تراب تر ناملی'' اور ''سید شاہ ابوالحسن قربؔی ویلوری'' ٹمل ناڈو کے مشاہیر ادب'' (مطبوعہ ۱۹۹۱ء) سے بہت سارا مواد مستعار لیا ہے۔ دکھ اس بات کا ہے آپ کا مزاج تحقیقی بھی آپ کے مقالہ کے نگراں کے ادبی مزاج پر جا کر رک گیا ہے۔ اس فن میں جو ید طولیٰ رکھتے ہیں۔

یہاں ایک اور بات کی وضاحت کر دوں کہ فطری طور پر ہر شاگرد اپنے استاد کی طبیعت، انداز گفتگو، طرز تحریر کو اپنانے کی بھر پور کوشش کرتا ہے۔ یہ بات امان اللہ صاحب کے حصے میں لاشعوری طور پر آ گئی ہے جو ان کے حق میں سم قاتل ہے۔

جناب امان اللہ نے کہیں بھی اپنے مقالے میں شاہ تراب تر ناملی کی شعری صلاحیتوں کا مکمل جائزہ نہیں لیا ہے۔ اس میں ان کا قصور بھی نہیں ہے کیونکہ ایک عہد ساز شاعر کی شعری آفاقیت سے نکل کر ان گنت سمتوں میں بٹنے والی کرنوں کا جائزہ لینے کے لئے ایک اچھے اور باشعور شاعر کا ہونا ضروری ہے۔ ان میں ان صلاحیتوں کا فقدان ہے۔ جہاں تک راقم کے مطالعہ اور معلومات کی رسائی ہے وہ اتنا ضرور کہے گا کہ حضرت شاہ تراب تر ناملی نے ''درسنی'' کی بحر میں اپنی بہترین صلاحیتوں کا اظہار کیا ہے۔ راقم نے مضمون کے ابتدائی حصہ میں لکھا ہے کہ ''درسنی'' کی بحر دراصل مثنوی کی ایک مرغوب بحر ہے جس میں پانچ مصرعے ہم قافیہ ہوتے ہیں پھر مزید دو مصرعوں میں دوسرے قافیوں کا التزام ہوتا ہے، مثلاً شاہ تراب کی ''درسنی'' کا یہ بند غور فرمائیں :

رنگ رانی جگ گلفام ہوی — مدماتی می آشام ہوی

گل نرگس رنگیں جام ہوی — من جیون کو آرام ہوی

یک درسن میں کئی کام ہوی

'' درسنی ''، کو دکن میں ' برہنی ' بھی کہتے ہیں اس صف کی ایجاد کا سہرا حضرت قربی ویلوری کے سر جاتا ہے اس صنف میں

حضرت شاہ تراب بہت نکھرتے نظر آتے ہیں، بالخصوص ''گیان سروپ'' میں شاہ حضرت قربی کے ایک مصرعے کی تضمین '' درسنی '' میں کی ہے جو حضرت قربؔی ویلوری سے لا انتہا عقیدتوں اور بیکراں محبتوں کا آئینہ دار ہے۔ بہر کیف یہاں اس بات کا اظہار ضروری ہے کہ راقم نے حضرت قربؔی ویلوری، حضرت ولؔی ویلوری، حضرت ذوقؔی ویلوری، حضرت شاہ ترابؔ ترنا ملی، حضرت باقر آگاہؔ ویلوری پر لکھے گئے طویل اور تفصیلی مضامین میں ان حضرات کی علمی اور ادبی رفتار کے ساتھ ساتھ ان کے شعری کارناموں پر بھرپور روشنی ڈالی تھی۔ برسبیل تذکرہ جب ''درسنی'' اور ''برہنی'' کی بات نکلی ہے تو یہاں حضرت قربؔی ویلوری کی چند غیر مطبوعہ ''برہنی'' ڈاکٹر محمد علی اثر کے تحقیق شدہ مسودہ سے پیش کی گئی ہیں جن کا ذکر راقم نے بھی اپنی تحقیقی کتاب ''ٹمل ناڈو کے مشاہیر ادب'' مطبوعہ ۱۹۹۱ء میں تفصیلی طور پر کیا ہے۔

برہنی

(۱)
میں پیو میں اپس کوں فنا کری — میں مرنے کے آگیچ مری
میں پیو سوں نہیں تھی جُدا ذری — تحقیق کری تو سمجھ پری
ہر ذرے میں تب گیان دھری — پیو آپ کیا تھا جلوہ گری

خورشید منے جیو مشتری

(۲)
میں پیو میں اپس کوں فنا کری — میں مرنے کے آگیچ مری
ہوں پیا پیا' ہوں پیا پیا — من وحدت کا ہے پیا پیا
جیو پیو میں اپس کوں دیا دیا — پیو جیو کوں آپی کیا کیا

جیو پیو ہوا ہور جیو پیا

سرزمین جنوبی ہند کو ابتدا ہی سے یہ امتیاز و اختصاص حاصل ہے یہ علاقہ نہ صرف قدیم زمانے سے اصحاب رسول، صوفیاء علماء کے نقوش قدم سے منور رہا ہے۔ رسول اکرم کی تعلیمات کو ہندوستان کے چپے چپے میں پھیلانے کے سلسلے میں انہیں صوفیاء اور سجادہ نشینوں نے دینی درس گاہیں اور اسلامی مدراس، خانقاہیں اور مسجدیں بنوائیں۔ جہاں تک شہر ویلور میں اللہ کی وحدانیت کا آواز بلند کر کے عوام الناس میں اسلامی تعلیمات کی تبلیغ و اشاعت کا تعلق ہے اس سلسلے میں اقطاب ویلور اور دارالعلوم لطیفیہ نے قابل فراموش خدمات انجام دی ہیں۔ یہ دینی درسگاہ کو نہ صرف ویلور اور ٹمل ناڈو میں امتیازی حیثیت رکھتی ہے بلکہ ہندوستان بھر میں اسے ایک منفرد مقام حاصل ہے۔

ڈاکٹر ذاکرہ اُمِّ شہلا کا شناخت نامہ

علیم صبا نویدی

ڈاکٹر ذاکرہ اُمِّ شہلا بنت محمد یوسف صاحب (مرحوم) بمقام مدراس ۵ فروری ۱۹۵۷ء کو پیدا ہوئے آپ کا یہ مبارک نام پروفیسر سید عظمت اللہ سرمدی کا عطا کردہ ہے آپ کے والد محترم کو فارسی اور اردو دونوں زبانوں پر بڑی مہارت حاصل تھی وہ اس لئے کہ موصوف کی رہائش گاہ اس دور میں علما ادباء شعراء کی آماجگاہ ہوتی تھی اور ہر شام ایک نئی بہار اور نئی دینی ادبی اور علمی بحث کا آئینہ لئے ان کی چھت پر اترتی تھی جن علماء ادباء وشعراء کی نشستوں سے اس گھر کے درودیوار منور ہوتے تھے ان میں مولانا ابوالجلال ندوی پروفیسر سید عظمت اللہ سرمدی، پروفیسر سروش داؤدی جیسی عظیم المرتب ہستیوں کے نام قابل ذکر ہیں ظاہر ہے کہ ان عظیم الشان اردو اور فارسی زبان اکابرین کے درمیان محمد یوسف صاحب کا علمی وادبی ذوق پروان چڑھا تھا لیکن موصوف نے کبھی بھی اپنی صلاحیتوں کا مظاہرہ نہیں کیا راقم الحروف دیکھتا آیا ہے کہ یہی اوصاف موصوف کے تمام لڑکوں مثلاً محمد صلاح الدین برق، محمد معین الدین شکیل نائطی اور محمد اقبال اور لڑکیوں میں ڈاکٹر رضیہ بیگم، شاکر بیگم اور ڈاکٹر ذاکرہ ام شہلا میں بدرجہ اتم موجود ہیں محمد صلاح الدین جو یہاں کے اردو دان طبقہ سے بالکل الگ تھلگ اپنی ایک علحیدہ کائنات میں مگن ہیں، لیکن ان کے اندر کی تخلیقی ہنرمندی سے بہت کم لوگ واقف ہیں اسی طرح ڈاکٹر معین الدین زندگی کے سدا بہار جزیرہ میں بیٹھے اردو شاعری کے وہ دل آویز نقوش چھوڑ رہے ہیں جن کی کشش انگیز کیفیات سے صرف ان کا اپنا خاندان محفوظ ہو رہا ہے حضرت محمد یوسف صاحب مرحوم نے راقم السطور سے کئی بار کہا تھا معین کی شاعری سنیں، لیکن حضرت معین الدین شکیل نائطی نے کبھی اس حقیر فقیر کو اس قابل نہیں سمجھا۔ آج بھی صلاح الدین برق اور ذاکرہ کے زبانی ان کی شاعری کے چرچے سنے ہیں لگے ہاتھ محمد یوسف مرحوم کے دولت کدے کے دور دوم کا ذکر راقم ضروری تصور کرتا ہے یہ وہ دور ہے جو محمد صلاح الدین برق کی اردو ادب سے والہانہ محبتوں سے مزین اور آراستہ ہے جسمیں حلقہ ارباب ذوق کا قیام اور اسکی علمی وادبی ہنگامہ آرائیاں تاریخ ادب اردو میں ایک ناقابل فراموش کارنامہ ہیں۔ حضرت عبؔد مدراسی، حضرت آثمؔ کرنولی، حضرت گلابؔ مدراسی، حضرت رازؔ امتیاز، حضرت کاوشؔ بدری، حضرت ادیبؔ بھارتی، نورسؔ خیائی، لیس، یم حیات، انورؔ ربانی، فرحتؔ کیفی، علیم صباؔ نویدی، کاظمؔ نائطی، اڈوکیٹ محمد فیاض حسین، فخرؔ اعجاز، امیرؔ حسن، محمد اعظم، محمد فضل الدین، وہاب نازش کی موجودگی میں اس بزم کو شعر وادب کا سرچشمہ بنا دیا تھا۔ ہر ہفتہ افسانوی، شعری اور اردو ادب کی مختلف موضوعات پر نثری محفلیں وقوع پذیر ہوتیں ان نشستوں کی نوعیت نشستاً و برخواستاً کے مصداق نہیں تھی بلکہ ہر افسانہ اور مقالہ کے اختتام کے بعد چاروں طرف سے سوالات کا گہرا سمندر امنڈ تا تھا اور طوفانی ہواؤں سے ٹکرا جاتا تو گھر کے درودیوار کہہ اٹھتے

ایک ہنگامہ پہ موقوف ہے گھر کی رونق

لیکن یہاں راقم صرف یہ شعر کہہ کر

یادِ ماضی عذاب ہے یارب چھین لے مجھ سے حافظہ میرا

آگے بڑھنا مناسب سمجھتا ہے.............

گویا ذاکرہ ام شہلا نے شعر وادب کے اس ہنگامی ماحول میں ہوش سنبھالا ہے بچپن ہی سے علمی وادبی ذوق کی لہریں ان کے رگ و پے میں رواں دواں تھیں یہی وجہ ہے کہ ذاکرہ کو ہمیشہ یوسف صاحب ادیبہ کے نام سے پکارتے تھے انہوں نے ابتدائی تعلیم حسب روایت اپنے ابا اور امی سے حاصل کی۔ ۱۹۷۲ء میں ایس ایس یل سی ۱۹۷۳ء میں پی یوسی، اور ۱۹۷۷ء میں بی، ایس، سی۔ ہوم سائنس میں امتیازی درجہ سے کامیابی حاصل کی ہوم سائنس کرنے کے بعد اکثر طلباء اسی (Subject) کو اعلیٰ تعلیم کے لئے ترجیح دیتے ہیں۔لیکن ذاکرہ نے یہاں روایات سے بغاوت کرتے ہوئے یم۔اے۔ اردو میں داخلہ لے لیا یم اے۔ میں کامیابی کے بعد اچانک حالات اور وقت نے عجیب کروٹ لی اور ذاکرہ ۱۹۷۹ء میں ڈاکٹر معین الدین بی، ڈی، یس (التوفی مارچ ۲۰۰۴) کے ہمراہ ایک نئی زندگی کے سفر پر گامزن ہوگئیں۔تقریباً دو سال ۱۹۸۰ء تا ۱۹۸۲ء نئی منزل کے دو مسافروں نے لبیا شہر کی پر بہار دل نشیں اور مسرت آگیں فضاؤں میں طمانیت کی سانس لی غالباً ۱۹۸۲ء کے اواخر میں لبیا کو دونوں نے خیر آباد کہا۔اور مدراس میں مستقل سکونت اختیار کرلی ۱۹۸۳ء تا ۱۹۸۴ء تک انہوں نے (Fathima Matriculation School) میں بحیثیت معلمہ تدریسی فرائض انجام دئے۔

۱۹۸۴ء میں اس اسکول سے مستعفی ہوکر ہمہ وقتی ریسرچ اسکالر کی حیثیت سے مدراس یونیورسٹی میں داخلہ لیا اور ڈاکٹر نجم الہدیٰ کی نگرانی میں ''خانوادۂ قربی ویلوریؒ کی اردو خدمات'' کے موضوع پر تحقیقی مقالہ پیش کرکے ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی ...جس وقت یہ مقالہ تکمیلی مراحل کو پہنچا تھا، اس مقالے کی ایک ایک سطر اور ایک ایک حرف پر پروفیسر نجم الہدیٰ صاحب کی نظر پڑ چکی تھی(۱) جس وقت ذاکرہ ام شہلا اس مقالے کی تحقیق میں منہمک ہوئی تھیں، اس وقت مدراس اور بیرون مدراس ایسی عظیم ترین ہستیاں موجود تھیں جن کے زیر سایہ اور جن کی نظر عاطفت سے ام شہلا کو کوئی وقت پیش نہیں آرہی تھی۔ مثلاً مدراس میں مولانا یوسف کوکن کی موجودگی، دیوان صاحب باغ کی منتظمین کی ایک جماعت ڈاکٹر ذاکرہ غوث صاحبہ، جناب ڈاکٹر وحید اشرف اور ڈاکٹر نجم الہدیٰ جیسے بزرگوں کے علاوہ ویلور میں دار العلوم لطیفیہ کے علماء میں مولانا مولوی بشیر الحق قریشی اور سجادہ گانِ حضرت مکان ویلور، وغیرہ سے براہ راست تعلقات اور مراسم موصوفہ کو حاصل تھے۔ پھر انہیں ایسی کتابیں دستیاب تھیں جن میں خانوادۂ قربیؒ کے ایک ایک فرد کی تاریخ موجود تھی۔ خصوصاً دیوان صاحب باغ کے کتب خانہ محمدی اور امانتی کتب خانہ اور حضرت مکان کے کتب خانے اس عظیم کام کے لئے کافی اور مطمئن کن تھے۔ حضرت مکان میں رہ کر جن بزرگوں نے کام کیا ان میں مولانا باقر آگاہ ویلوری، عبدالحی واعظ بنگلوری، حضرت مولانا طیب الدین اشرفی، ڈاکٹر حمید اشرف کچھوچھوی، مولانا شاہ محمد قادری، مولانا عبدالرحیم ضیا، مولانا مولوی سید مصطفیٰ حسین بخاری، مولانا بشیر الحق قریشی کی تحریریں اور تحقیقات کے صفحات آئینہ کی طرح موجود تھے۔

ڈاکٹر ذاکرہ ام شہلا کو تحقیقی مقالے کے لئے تنظیم وتدوین کے اصولوں پر کارگر ہونا تھا اس لئے بھی موصوفہ کو ان کتابیات اور اشخاص کی طرف رجوع ہونا تھا جو حضرت قربیؒ ویلوری کے ضمن میں یا اس خانوادہ کے سلسلے میں کچھ نہ کچھ تاریخی ثبوت پیش کرنے کے قابل تھا۔ بالخصوص آپ نے ڈاکٹر جمیل جالبی، مولوی نصیر الدین ہاشمی، علامہ شاکر نائطی، حکیم شمس اللہ قادری، کاوش بدری، ڈاکٹر ذاکرہ

غوث، شیخ عبدالرحیم کامی ویلوری، ڈاکٹر نسیم الدین فریس، ڈاکٹر راہی فدائی، ڈاکٹر سید صفی اللہ، ڈاکٹر سید قدرت اللہ باقوی اور ڈاکٹر محمد علی اثر اور ڈاکٹر افضل الدین اقبال جیسی شخصیات کی تحریروں کی طرف اس لئے رجوع کیا کہ انہیں حضرت قربیؒ ویلوری کے تعلق سے شاعری، تصوف، معاشرت، نثر نگاری اور اس کے اصول، طریقت و ہدایت کے اسلوب و شعائر پر تمہیدی کلمات کے لئے استفادہ کرنا تھا۔ حضرت قربیؒ ویلوری کی شاعری سے متعلق تو موصوفہ کو بہت کچھ کہنا تھا کیونکہ اس شاعری میں جو مستحسن باتیں تھیں اُن کو اجاگر کرنے میں موصوفہ کو شاعری کی تمام لوازمات پر گہری نظر رکھنی تھی۔

قصیدے اور مثنوی کی اصناف پر توجہ دینا ضروری تھا، صنعت تضاد، مراعاۃ النظیر، تشبیہ، استعارہ، کنایہ کے واسطے سے حضرت قربیؒ کے کلام کا فنی جائزہ لیا جاسکتا تھا۔ پھر حضرت قربیؒ کی منظوم تصانیف پر انتقادی نظر بھی ڈالنی تھی ان تمام مشکل مرحلوں سے ام شہلا صرف اسی وجہ سے بخوبی گذری ہیں کہ مذکورہ بالا عظیم شخصیات نے اور خصوصاً ڈاکٹر نجم الہدیٰ نے ان کی بھرپور رہبری کی ہے۔ حضرت قربیؒ پر مقالہ لکھنا کوئی معمول کارنامہ نہ تھا۔ اس ایک شخصیت کے توسط سے پورے خانوادۂ قربیؒ کو احاطہ میں لانا تھا۔ اور خانوادۂ قربی پورے ڈھائی سو سال کے وسیع دور پر محیط تھا۔ حضرت سید شاہ ابوالحسن قربیؒ سے بیشتر کے بزرگ جو دیگر خانوادوں سے تعلق رکھتے تھے۔ اور جن سے حضرت قربیؒ کے خانوادہ کا تعلق تھا ان میں حضرت سید شاہ رحمت اللہ شاہ قادری نائب رسول (جو حضرت قربیؒ کے پیر و مرشد بھی تھے) حضرت سید علوی بری بیجاپوری، حضرت سید اشرف مکی، حضرت سید شاہ سید عبدالقادر میراں ولی اللہ، حضرت عبدالحق مخدوم ساوی (عرف دستگیر صاحب) شاہ تراب چشتی ترناملی، حضرت قربی ویلوری، حکیم عثمان سرورؔ، امین الدین خان، اسمٰعیل خان ابجدیؔ کے علاوہ اس دور کے مشہور معروف شعراء وغیرہ پر ضمناً ہی سہی اپنے مقالہ میں تذکرہ کرنا لازمی تھا تاکہ کہیں کسی طرح کا خلا نہ پیدا ہو جائے اور اس کام سے آسانی سے گذرنا بھی اسی لئے ممکن ہوا جس کا ذکر اوپر کیا جا چکا ہے۔

نسب نامۂ قربی کو بڑے اچھے ڈھنگ سے موصوفہ نے پیش کر دیا ہے۔ اس ضمن میں انہوں نے مولانا یوسف کوکن، مولوی باقر آگاہ ویلوری، مولانا سید شاہ محمد قادری اور مولانا رحیم ضیاؔ کی تحریروں سے رسم جوڑا ہے۔ خصوصاً حضرت مولانا طیب الدین اشرفی مونگیری کے ایک فارسی رسالے کے اردو ترجمہ کو سامنے رکھ کر تصدیق کی ہے جو نسب نامہ وہ پیش کر رہی ہیں، بالکل صحیح اور قابل اعتبار ہے۔ ملفوضات قربی ویلوری سے متعل بھی کافی مواد حاصل کیا گیا۔ مولانا باقر آگاہ ویلوری کی تصنیف ''تحفۂ احسن'' کے ذریعہ سلسلہ کی بعض شخصیات کا صحیح تعین کیا گیا ہے۔

خود مولانا باقر آگاہ ویلوریؒ کی شخصیت کا احاطہ کرنا بھی ضروری تھا اس لئے ذاکرہ ام شہلا نے مولوی نصیر الدین ہاشمی، مولانا یوسف کوکن، نواب محمد منور حسین گوہر، ڈاکٹر افضل الدین اقبال وغیرہ کی تحریروں کے علاوہ مدراس کی (Oriental Manuscript Library) کے مخطوطات کی نقلیں حاصل کر کے مواد اکٹھا کیا ہے۔ حضرت قربی ویلوری کی تصنیفات کا ایک الگ باب باندھا ہے اور بر سبیل تذکرہ انہوں نے حضرت قربی ویلوری کی تصنیفات کا بھی جائزہ لیا ہے۔

خانوادۂ قربی کے تعارف اور اس کی خدمات کا اس مقالے میں بھرپور جائزہ لیا گیا ہے۔ کہیں کہیں کسی رسالے یا کتاب پر

اور صاحبِ کتاب کی علمیت اور اسلوب پر اور مضامین کی نوعیت پر ام شہلا کا قلم اپنی جولانیاں دکھاتا نظر آتا ہے۔ یہ کام بہت بڑا تھا اور بہت اہم بھی اس کے لئے ام شہلا کو جتنی بھی داد دی جائے وہ کم ہے۔ مقالے اور ادبیات سے دلچسپی رکھنے والوں کے لئے یہ کتاب ایک عظیم تحفہ ہے۔ اتنا بڑا کام موصوفہ نے اپنے سر لے کر اپنی ہمت اور بلند حوصلہ کی داد حاصل کی ہے۔ راقم الحروف کو اس مقالے کے مطالعے کے دوران تھوڑی دیر کے لئے یہ احساس ہوا کہ یہ کام کسی ایک فرد کا نہیں بلکہ ایک انجمن کا تھا اور یقیناً پی ایچ ڈی کے مقالات پیش کرنے والوں میں سے کوئی بھی یہ زعم نہیں کر سکتا کہ تنِ تنہا وہی اس میدان کا شہ سوار ہے۔

آج کے دور میں کسی معمولی سے شاعر پر بھی لوگ مقالے پیش کر کے سندیں حاصل کرتے نظر آتے ہیں۔ خانوادۂ قربی پر قلم اٹھانا گویا اپنے آرام، اپنی دیگر مصروفیات، مشاغل اور رسم و مراسم کو خیر باد کہکر ایک ہی دھن میں ڈٹ جانا ہے۔ موصوفہ نے یقیناً ایسا ہی کیا ہے یا پھر گھر بیٹھے بزرگوں نے انہیں مواد فراہم کر دیا یا کسی سے قیمتاً حاصل کر لیا۔ یہ گمان ضرور ابھرتا ہوگا، مگر ایسا ہرگز نہیں ہوا اور راقم الحروف کو اس بات کا علم ہے کہ خود موصوفہ نے بڑی دوڑ دھوپ کی ہے اور بڑے لمبے لمبے سفر کر کے اور متعدد اشخاص سے مل کر منت سماجت کر کے مواد حاصل کیا اور بڑی ایمان داری سے اپنے تحقیقی مقالے کو پایۂ تکمیل تک پہنچایا ہے۔ حضرت قربی کے بعد ذوقی ویلوری، مولانا باقر آگاہ اور مولانا محوی ویلوری تک پہنچتے پہنچتے زبان و بیان میں جو تغیر و تبدل پیدا ہوا جس کا عکس ہمیں شمالی آرکاٹ کے ممتاز شعراء مثلاً حضرت شاطر مدراسی، شہاب الدین شہابؔ ویلوری، نواب ایمانؔ گوپاموی، مولانا حبیب اللہ ندوی قاسمی، ضو ویلوری، لطیف آرکاٹی، مولانا امانی پلی گونڈوی، فہیم آمبوری، حکیم آسی ترپاتوری، اور غوثی چنگل پیٹی کے کلام میں ملتا ہے۔ ان تمام موخر الذکر شعراء کا تعلق حضرت مکان قطب ویلور سے پوری طرح جڑا ہوا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اس خانوادہ کی برکتیں آج بھی ایک عالم کو مستفیض کرتی دکھائی دیتی ہیں۔ اس خانوادے سے عقیدت کی حدوں میں بھی جو تعلق رکھتا ہے وہ سرُخرو ضرور ہوتا ہے۔ شائد یہ اس خانوادے کے بزرگوں کی دعا ہے اور یہ دعا ام شہلا نے بھی لی ہے۔ خدا انہیں اس نیک کام اور نیک تصنیف کا آئندہ بھی اجر دے۔ اس کا اجر تو انہیں بطورِ سند حاصل ہو چکا ہے اور وہ ڈاکٹر کہلانے لگی ہیں۔

حوالہ

(۱) محترمہ ڈاکٹر ام شہلا نے راقم کی ایک شخصی ملاقات میں اپنے سوانحی اشارے دیتے ہوئے یہ وعدہ فرمایا کہ بہت جلد وہ اپنا غیر مطبوعہ تحقیقی مقالہ ''خانوادہ قربی ویلوری'' سے نوازیں گی۔ لیکن تا حال انہوں نے اپنا وعدہ وفا نہیں کیا۔ مقالہ سے متعلق معلومات تشنہ ہی رہ جاتیں اگر مولانا مولوی ڈاکٹر سید عثمان پاشاہ قادری (ناظم، دار العلوم لطیفیہ، ویلور) اور مولانا بشیر الحق قریشی صاحب بروقت از راہِ عنایت مذکورۂ بالا مقالہ بھیجنے کی زحمت نہ فرماتے۔ راقم ان دونوں حضرات کا تہِ دل سے مشکور ہے۔

ڈاکٹر راھی فدائی ..... شخص اور عکس

علیم صبا نویدی

مولانا راہیؔ فدائی کی شخصیت گونا گوں ہے۔ آپ ایک جید عالم وفاضل ہیں۔ سادگی، اخلاص، انسان دوستی، بے ریائی کی حامل ان کی شخصیت باہر سے جتنی سادہ ہے اندر سے اتنی ہی عظیم اور شان دار ہے۔ جنوب کے موجودہ شعراء میں چند ایک شعراء ہی نے ہندو پاک میں اپنی تخلیقات سے خود کو منوایا ہے۔ ان میں راہیؔ فدائی بھی ایک ہیں۔ شب خون، اوراق، تحریک وغیرہ رسائل میں راہی کی تخلیقات کی پذیرائی جب ہوئی تھی تو وہ بہت ہی کمسن تھے۔ انہوں نے جدید لب ولہجہ، فکری توانائی اور نت نئے مضامین کے ساتھ جو تخلیقی جوہر دکھائے ہیں ان سے بلند قامت ناقدینِ وقت چونک پڑے ہیں۔ شمس الرحمٰن فاروقی جیسے قد آور نقاد راہی کی شعری صلاحیتوں کے معترف ہیں۔ بانی جیسا شاعر ان کے لئے توصیفی کلمات استعمال کرتا ہے تو راہیؔ بہت کچھ ہیں۔ چہرہ ہو کہ کلام دونوں سے فراست ٹپکتی ہے۔ شعراء عموماً کسی نہفتہ خواہش سے مجبور ہو کر خود کو مشتہر کرنے کرانے پر آمادہ رہتے ہیں۔ ''من ترا حاجی بگویم تو مرا حاجی بگو'' والی بات ہر جگہ پائی جاتی ہے۔ یونیورسٹیوں کے پروفیسروں کو کسی کے بارے میں لکھنے میں ان کی اپنی غرض ہوتی ہے، نقادانِ وقت کا بھی یہی حال ہے۔ پورا ادبی معاشرہ کسی نہ کسی ڈھنگ سے اپنا الو سیدھا کرتا ہے۔ شاذ و نادر ہی خلوص اور ایمانداری سے اپنا کردار نبھاتے ہیں، راہیؔ سے متعلق آراء لکھنے والوں میں ایسے لوگ نہیں ہیں اس لئے کہ راہی جھوٹی تعریفیں کرنے والوں سے گریز کرتے ہیں۔ وہ اپنی تخلیقات کی پذیرائی انہی سے پسند فرماتے ہیں جن کا دامن صاف ہو۔ جوہر اعتبار سے قد آور ہوں۔ اس کی کتابوں کے پیش لفظ لکھنے والوں میں، تعارف کرنے والوں اور آراء ظاہر کرنے والوں میں سبھی صحیح معنوں میں مناسب شخصیات ہیں۔ راہی فدائی صاحب نے اپنے استادِ محترم علامہ فدوی باقوی سے بھی کسی طرح کی رائے نہیں طلب کی۔ اس لئے کہ لوگ یہ نہ سمجھیں کہ استاد نے اپنے شاگرد کی خوامخواہ تعریف کی ہے۔

راہیؔ فدائی جدیدیت کی طرف کس طرح مائل ہوئے ہوں گے اس سوال کا جواب آسان بھی ہے اور مشکل بھی۔ آسانی اس لئے کہ ممکن ہے راہیؔ صاحب مزاجاً ہی جدت پسند رہے ہوں۔ ان کے ابتدائی مطالعہ میں ایسی ہی چیزیں اتفاقاً آئی ہیں جو جدیدیت سے تعلق رکھتی ہیں۔ عموماً نوجوانوں میں تحرک اور بغاوت کا جذبہ ہوتا ہے۔ راہیؔ میں یہ جذبہ ضرورت سے زیادہ ہی رہا ہے۔ جاہلیت کے دور کی عربی شاعری کا مطالعہ کردہ نوجوان اردو میں اردو کی جاہلیت کے دور کو ناپسند کرنے لگا۔ ''اردو کی جاہلیت کا دور'' کہنا ایک سخت لفظ ہی ہے مگر یہ جہالت، جہالتِ کا فرانہ نہیں بلکہ اس سے ''خود کو نہ بدلنے کی قسم کھائے ہوؤں کا دور مراد لیجئے۔ روایتی طرز کی شاعری ہی میں ایک دور کے بعد تقلیدی ڈگر ہی پر قائم رہنے والوں کا دور آیا تھا۔ ہر طرف اظہار واسلوب، فکر ونظر میں مماثلت اور یکسانیت کی فراوانی تھی۔ لفظیات ٹکسال بند تھیں۔ مضامین کا بار بار اعادہ تھا۔ طرحی غزلیں کہنے کو فخر اور شان کی بات سمجھا جاتا تھا۔ راہیؔ فدائی نے ان تمام باتوں کو بغور دیکھا ہوگا پھر اپنے روبرو ایک خاص زمرے کے لوگوں کی بغاوت کو بھی دیکھا ہوگا۔ انہوں نے یہی

باغیانہ راستہ پسند کیا۔ پھر بہت جلد اس راستے پر بھی یکسانیت کے شکار لوگوں کا انبوہ دکھائی دینے لگا۔ راہی نے اس جدیدیت میں بھی مزید جدت کی تلاش کی نتیجتاً ان کا ایک اسلوب بنتا گیا۔ یہ اسلوب ان کی لفظیات سے ہوتا ہوا موضوعات اور فکر کے زاویوں کا احاطہ کرکے آگے بڑھ گیا۔ آج ان کی طرح کی لفظیات برتنے والا ایک شاعر بھی ہندو پاک میں نہیں ملتا۔ راہی کی زبان نہ صرف علمیت کی شان لئے ہوئے ہے بلکہ ان کی زبان کا ملبوس فاخرانہ ہے۔ راہی کے ہاں چونکا دینے والے مضامین بہت زیادہ ہیں۔ طنزیہ نشترزنی راہی کے ہاں تین چوتھائی ہے۔ راہی اپنی ذات ہی سے پوری طرح مطمئن نہیں ہیں۔ ان کے مشاہدات انہیں معکوس شبہیں دکھاتے ہیں۔ تجربات انہیں فریب نظر لگتے ہیں۔ وہ سیدھی بات پر چپ رہتے ہیں اور اپنی فکر میں اس سیدھی بات سے کئی ماخوذات برآمد کرکے انعطاف کے عمل پر انہیں لگا دیتے ہیں۔ بات زاوئے بدل کر نکلتی ہے تو بڑی معنی خیز بن جاتی ہے۔ راہی کا یہی اسلوب شمس الرحمٰن فاروقی کو بھایا تھا اسی لئے انہوں نے کہا تھا کہ ''شاعر سنجیدہ ہے بھی اور نہیں بھی''۔ باقی نے اسی لئے انہیں فن کار مانا ہے کہ وہ غزل کو خوب فنی ڈھنگ سے نبھاتے ہیں۔ بشر نواز نے انہیں اس لئے پسند کے کہ وہ ''اظہار کے لئے اپنا میڈیم'' چنتے ہیں۔ محمد علوی کو ''اچھوتے'' دکھائی دیتے ہیں۔ مختلف انوکھی بحروں میں غیر متوقع ردیف و قافیہ کو برتنے والا یہ شاعر پنپنے کے قابل ہے۔ راہی کی شاعری پنپنے کی شاعری ہے۔ اردو میں اضافے کی شاعری ہے۔ نئی راہیں کھوجنے والی شاعری ہے۔ شفاف و آب دار نگینے کی طرح چمکنے والی شاعری کے ساتھ ساتھ طرح دار بھی اور قوس قزح کو بکھیرنے والی بھی۔ فکر و جذبہ کے متوازن امتزاج نے زبان کو قابو میں رکھا ہے مگر راہی کا اسلوب بے قابو ہے۔ راہی اب جیسا بھی کہیں ان کا اسلوب اس پر قابو پالے گا یہ تمام باتیں ایک حقیقی شاعر کی علامات ہیں۔ غالب نے کہا تھا:

کچھ اور چاہئے وسعت مرے بیاں کے لئے

اور راہی غالب کی اس تمنا کو پورا کر رہے ہیں۔

شاعری میں راہی کے ہاں صرف تین صنفیں ملتی ہیں۔ غزل، نعت اور آزاد نظم۔ آپ کی آج تک کسی نے نہ حمد سنی ہے نہ رباعی۔ نہ خماسی۔ نہ مسدس نہ پابند نظم۔

سوال یہ ہے کہ کیا راہی فدائی کو ایسی صنفیں کہنے کا موقع نہیں ملا؟ یا ملا تو انہیں اشاعت کے لئے پیش نہیں کیا ہے؟ تجربے کرنے والے شعراء کی ایک بڑی کھیپ ہندو پاک میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی فکر میں ہے۔ راہی اس گروہ سے خود کو شاید الگ رکھنا چاہتے ہوں یا وہ محض غزل ہی کو پسند کرتے ہوں۔ انہوں نے شاید آزاد نظم کو اس لئے پسند نہیں کیا کہ وہ اپنے اندر کی بھڑاس کو نکال سکے۔ نظموں کے موضوعات ایسے چنندہ ہیں جو راہی کی طنز پسند طبیعت کے مطابق معلوم ہوتے ہیں۔ جنوب کے شعراء میں راہی نے اپنا ایک الگ مقام بنایا تھا اب وہ اردو دنیا میں اپنا منفرد مقام بنانے میں سرگرداں ہیں۔

راہی ایک قدآور محقق بھی ہیں۔ ان کے ہاں تحقیق کے لئے اشخاص کی ایک کثیر آبادی موجود ہے۔ سینکڑوں اشخاص کے ادبی خاکے سپرد قرطاس کر چکے ہیں۔ یہ اشخاص جن اداروں سے تعلق رکھتے ہیں ان اداروں کا خاکہ بھی اچھوتے انداز میں کھینچا ہے جس شہر

سے تعلق رکھتے ہیں اس شہر کا بھر پور نقشہ بنا دیا جاتا ہے۔ جس دور سے تعلق رکھتے ہیں اس دور کی پوری تفصیل پیش کر دی ہے۔ جس سماج سے تعلق رکھتے ہیں اس کے اندر اتر کر اس کی چھان بین کی ہے۔ غلط بیانیوں کو آئینہ دکھایا ہے۔ راست لوگوں کی حمایت کی ہے۔ شکوک و شبہات کے مقام پر چپ سادھ لی ہے۔ گویا تحقیق کے اصول وضوابط کا پاس ولحاظ رکھا ہے۔ اشخاص کی قدر ومنزلت کو ان کی حدود ہی میں رکھا ہے۔ چھوٹے دائروں کو پھیلایا نہیں اور بڑے دائروں کو سکیڑنے کی کوشش بھی نہیں کی ہے۔

راہیؔ کی نثر نگاری ان کے اپنے اسلوب کی دین ہے۔ صاف اور شستہ اظہار قاری کی دلچسپی کو برقرار رکھتا ہے۔ گنجلک اور پیچیدہ عبارتوں سے یا مسجع ومقفی عبارتوں سے جدید نثر نگار ذرا دور ہی رہتا ہے۔ یہ نثر نگاری نہ ہی مولانا ابوالکلام آزاد کی نثر نگاری ہے نہ نیاز فتح پوری یا خواجہ حسن نظامی کی سی ہے۔ رشید احمد صدیقی، خواجہ احمد فاروقی جیسے نثر نگاروں نے سادہ اور شستہ جملوں ہی میں اپنا کمال کا مظاہرہ کیا ہے۔ یہ زبان تحقیق وتنقید کی زبان ہے۔ تاریخ وخاکہ نگاری کی زبان ہے۔ صحافت اور ثقافت کی زبان ہے۔

راہیؔ کی نثر نگاری حسبِ ضرورت ہے۔ کسی بات کے لئے جیسا اسلوب اپنانا ضروری تھا اپنایا۔ محض اپنی نثر کی دھاک بٹھانے کی کبھی کوشش نہیں کی ہے۔

''اکتسابِ نظر'' [1] میں راہیؔ کی نثر کا جو پیرایہ اظہار ہے وہ ''جوئے شیر'' [2] میں نہیں۔ کڈپہ میں اردو'' [3] میں نثر کا جو اسلوب ہے وہ ''باقیاتِ ایک جہاں'' [4] میں نہیں۔ گویا راہیؔ کی نثر موضوعات کے مطابق ڈھلتی ہے۔ ''مسلکِ باقیات'' میں ان کے تیکھے جملے ان کی نظموں کی یاد دلاتے ہیں۔ گویا راہیؔ فدائی نے طنز کے لئے ایک زبان، تعریف وتوصیف کے ایک زبان، احترام واکرام کے لئے ایک زبان برتنے میں اپنا ایک شعار بنا رکھا ہے۔ اپنے اساتذہ کرام کے ذکر کے لئے انہوں نے نثر کو بہت شائستہ اور مہذب بنایا ہے۔ تاریخی واقعات کے اظہار کے لئے تاریخ کی زبان ہی کا استعمال ہوا ہے۔ جس طرح راہیؔ کی غزل اور ان کی نظم کی زبانوں میں فرق ہے ویسا ہی فرق ان کی مختلف النوع نثری تحریروں میں بھی نمایاں ہے۔

راہیؔ فدائی کی شخصیت کا ایک اہم ترین پہلو جو ان کی نظم ونثر دونوں پر حاوی ہے وہ عشقِ رسولؐ ہے۔ مولانا راہیؔ کی دینی و علمی شخصیت اگر اس پہلو کو نہ ابھارتی تو ان کی ادبی شخصیت میں مقناطیسیت نہ پیدا ہوتی۔ راہیؔ صاحب کی نعتوں میں والہانہ پن ہے۔ عقیدت واحترام ہے۔ التجا وتمنا ہے۔ قبولیتِ دعا کی تڑپ ہے۔ نظرِ کرم کی امید ہے۔ بخشش ومغفرت کی التجا ہے۔ سلام ہو، درود ہو، اذکار ہو بہر طور وہ نعت گوئی میں بہت محتاط نظر آتے ہیں۔ اسی احتیاط کی بنا پر ان کا قلم بہت ٹھہر ٹھہر کر چلتا ہے۔ جہاں ان کی غزل متمول نظر آتی ہے وہیں دوسری طرف راہیؔ صاحب کے دامن میں نعتوں کے آبدار گہر بھی منور ہیں۔ انہوں نے جتنی نعتیں کہی ہیں اسی پر اکتفا بھی کر لیں تو یہ نجاتِ اُخروی کا باعث ہوں گی۔ یہ نعتیں انہوں نے نام ونمود کے لئے نہیں کہی ہیں بلکہ بطورِ عبادت کہی ہیں۔ اپنے جذبات کی پاکیزگی کے لئے کہی ہیں۔ اپنے ذہن وفکر کو نورانی بنانے کے لئے کہی ہیں۔ کسی گناہ کے کفارے کے لئے کہی ہیں۔ کاش ہر شاعر راہیؔ جیسا ہو تو اردو زبان پھلنے پھولنے لگ جائے گی راہیؔ اگرچہ کہ محفل پسند ہیں پھر بھی وہ عامیانہ ماحول سے دور رہنا چاہتے ہیں۔

راہیؔ فدائی بطورِ مرتّب بھی اپنے فریضہ کو خوب نبھاتے ہیں۔ مرتّب صرف یہ سمجھتے ہیں کہ کسی کی تصنیف یا تالیف کے مسوّدوں کو قرینے سے جوڑیں اور اشاعت کی منزلوں سے گذار دیں۔ یہ عمل تو ضروری ہی ہے اس کے علاوہ بطور عرض مرتّب پیش کردہ کتاب کی ماہیت، اہمیت اور ضرورت کو بھی قاری کے ذہن نشین کرے۔ راہیؔ نے ''اوراق جاوداں'' کے مرتّب کی جب ذمہ داری لی تو انہوں نے ''عرض مرتّب'' میں خطوط نگاری پر ایک اچھا خاصہ مضمون لکھ ڈالا۔ یہ مضمون راہیؔ فدائی کی انشاء پردازی کا بہترین نمونہ ہے۔ مشاہیر ذاتی خطوط کی اشاعت پسند نہیں فرماتے اس لئے وہ شخصی دستاویز ہوتی ہے جن سے دوسروں کا کوئی سروکار نہیں ہوتا۔ اس سے بعض لوگوں کو خوشی ہوتی ہے تو بعض لوگوں کو دکھ پہنچنے کا اندیشہ بھی ہوتا ہے راہی فدائی کا خیال ہے کہ خطوط میں ''مکتوب نگار کی زندگی کے خفیہ گوشے اور فکر وعمل کے پوشیدہ زاوئے روشن اور معطر ہو اٹھتے ہیں۔ خطوط میں استفسار و جوابات کے باعث کسی موضوع کی تشریح ہوتی ہے۔ کسی مطالبہ کا احساس ہوتا ہے۔ کسی احتجاج کی نوعیت سمجھ میں آتی ہے۔ کسی احتجاج کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔

راہیؔ فدائی نے ''اوراقِ جاوداں'' میں تذکرۂ جاوید'' کے نام سے مضمون لکھا ہے وہ شخصی خاکہ نگاری کی بہترین مثال ہے۔ خاکہ نگاری میں رشید احمد صدیقی کے بعد کوئی معتبر نام نہیں ملتا البتہ کہیں کہیں رشید احمد صدیقی کی تقلید کی جھلکیاں مل جاتی ہیں۔ شوکت تھانوی کے ہاں بعض پیراگراف بھرپور خاکے ہوتے ہیں اگر چہ کہ وہ ان کے فسانوں کے ٹکڑے ہوتے ہیں۔ اس فن کو آگے بڑھانے میں مستعدی ضروری ہے اور یہ فن بھی از حد ضروری ہے۔ دیگر زبانوں میں خاکہ نگاری کی بہترین مثالیں بھری پڑی ہیں۔ اگر راہیؔ فدائی اس صنف کی طرف توجہ دیں تو یقیناً وہ اس میں پنپ سکتے ہیں اس لئے کہ ان کا مزاج اس کے لئے بہت موزوں ہے۔

مولانا راہیؔ نے ادبی صحافت کے میدان میں بھی اپنے روشن نقوش چھوڑے ہیں۔ ''صفیر کے مدیر مسئول کی حیثیت سے انہوں نے اپنا فریضہ تقریباً دودہوں تک نبھایا ہے۔ ''صفیر'' باقیات الصالحات ویلور کا سالنامہ ہے۔ اس میں راہیؔ نے نہ صرف اپنی غزلیں پیش کیں بلکہ دوسروں کے لئے اس کے سارے صفحات وقف کردئے تھے۔ اگر وہ چاہتے تو ''صفیر'' کو اپنی کثیر تخلیقات کی اشاعت کا ذریعہ بناسکتے تھے۔ مگر انہوں نے ہر سال خود کو ایک ہی صفحے پر اداریہ لکھ کر محدود کرلیا تھا۔ یہ ان کی وسیع النظری اور فراخ دلی کا بین ثبوت ہے۔ ''صفیر'' میں معیاری مذہبی، ادبی اور تاریخی مضامین، شخصی خاکے اور منظومات جگہ پاتی تھیں۔ اس کی ترتیب میں انہیں اساتذۂ مدرسہ کا بھرپور تعاون حاصل تھا۔ بلکہ یہ کہنا درست ہوگا کہ اول تا آخر اس کی ساری ذمہ داری ان کے سر تھی۔ اس سے اس بات کا اندازہ ہوتا ہے کہ راہیؔ کے سپرد جو کام ہوتا ہے، وہ اس میں کاہلی سے کام نہیں لیتے اور انجام پذیری تک اپنے آرام کو بھی خیر باد کہہ دیتے تھے۔ بقول مرزا غالب آدمی کو بھی میسر نہیں انساں ہونا

میرے نزدیک ایک اچھے شاعر ادیب کو اچھا انسان ہونا بے حد ضروری ہے۔ راہیؔ بحیثیت مجموعی بہت اچھے انسان ہیں ان کی انسانی خوشبوؤں سے معطر ہونے والوں کی فہرست بہت لمبی ہے۔ ویسے یہ بھی ایک سچائی ہے کہ راہی کی شاعری کی تعریف کرنے والوں کی فہرست بھی بڑی طویل ہے مگر ان پر یا ان کی شاعری پہ انتقادی نظر ڈالنے والا دور دور تک کوئی بھی نظر نہیں آتا۔ ایسا کیوں؟

مولانا مولوی سید عثمان قادری کا تعارفی آئینہ

علیم صبا نویدی

مولانا مولوی سید عثمان قادری (فرزند الحاج سید احمد حسینی صاحب مرحوم) ۸، اکتوبر ۱۹۵۶ء کو حیدرآباد آندھراپردیش) میں پیدا ہوئے۔ آپ حیدرآباد کی ایک قدیم خانوادۂ سادات کی چشم و چراغ ہیں۔ نجیب الطرفین سے ہیں۔ سید احمد حسینی صاحب اے پی آفیس سے ریٹائرڈ ہونے کے بعد ترپ بازار کی مسجد میں خطیب و امام کے فرائض انجام دے چکے تھے۔ حضرت موصوف نے سید عثمان قادری کی تربیت میں خاص توجہ اور انہماک سے کام لیا تھا۔ اسکول کی تعلیم کے بعد آپ نے کاچی گڈہ جونیر کالج سے بی کام پاس کیا۔ بی کام میں کامیابی کے بعد خوش قسمتی سے آپ کا رشتہ خانوادہ حضرت قربی ویلوری سے طے ہوا۔ حضرت ابوالحسن کی بڑی صاحبزادی ان کے نکاح میں آئیں۔ حضرت ابوالحسن کی کوئی نرینہ اولاد نہیں تھی جس کے باعث آپ کو ویلور ہی میں مستقل سکونت اختیار کرنی پڑی۔ ابتدا میں آپ نے حیدرآباد کی ایک مسجد میں عربی تعلیم حاصل کی جو تسلی بخش نہیں تھی تو حضرت ابوالحسن نے آپ کے دینی تعلیم کا بندوبست کیا اور دارالعلوم لطیفیہ کے استاذ حضرت مولانا محمد حسین سابق پرنسپل اسلامیہ کالج کرنول نے آپ کو نہ صرف عربی اور فارسی بنیادی تعلیم دی بلکہ اس زبان و ادب کی کتابوں مطالعہ کی طرف مائل کیا آپ نے بڑی قلیل مدت میں مطالعہ و محنت کے ذریعے عربی زبان میں بڑی مہارت حاصل کر لی اور مدراس یونیورسٹی سے افضل العلماء کی سند سے فیض یاب ہوئے۔ حضرت مولانا ابوالنصر قطب الدین سید محمد باقر قادری صاحب کی نگرانی اور سرپرستی میں آپ نے ترقی کی منزلیں طے کیں اور حضرت موصوف کے وصال کے بعد مدرسہ لطیفیہ کی نظامت بھی آپ کے ذمہ ہوگئی۔ سب سے زیادہ مسرت کی بات ہے کہ آپ نے ویلور کے دینی و علمی و ادبی ماحول میں اپنے آپ کو اس قدر اونچا اٹھایا کہ اہل ویلور ان کے شیدائی اور دل دادہ ہو گئے۔ تعجب اس بات کا بھی ہے کہ آپ نے ٹمل ناڈو میں بود و باش اختیار کرنے کے بعد نہ صرف ٹمل ناڈو کی مقامی زبان بھی سیکھی بلکہ اس زبان میں لکھنے پڑھنے اور بولنے کی خاص استعداد پیدا کر لی پھر موصوف نے اردو زبان و ادب میں ایم اے اور ڈاکٹریٹ کی سندیں بھی مدراس یونیورسٹی سے حاصل کیں۔ ڈاکٹریٹ کے لئے آپ نے جو مقالہ ''اقطابِ ویلور کے خلفاء کے دینی اور علمی کارنامے'' لکھا وہ یقیناً اردو ادب میں ایک اضافہ کی حیثیت رکھتا ہے۔

آپ کا اہم ترین کارنامہ یہ ہے کہ آپ کی نگرانی میں دارالعلوم لطیفیہ کا ترجمان ''اللطیف'' جو تقریباً نصف صدی سے شائع ہو رہا ہے وہ نئی سمتوں اور نئی جہتوں کی نشاندہی کے ساتھ ساتھ صوری اور معنوی خوبیوں کا آئینہ دار ہے۔

خانقاہ کی آخری صلبی سجادہ نشینی حضرت مولانا سید باقر قادری کی وفات کے بعد آپ کے حصہ میں آئی تو آپ نے پیری مریدی کا نظام بھی بحسن و خوبی برقرار رکھا آپ کے مریدین کا ایک بڑا حلقہ موجود ہے جو سلسلۂ اقطاب ویلور کی روشنی مدراس سے باہر کرناٹک اور کیرلا میں پھیلا رہا ہے۔ آپ کے اخلاق و عادات بہر اعتبار نور علی نور کی حیثیت سے مسلم ہے۔ یونیورسٹی کے سطح پر بھی آپ کی خدمات کا سلسلہ جاری ہے۔ جو یقیناً ناقابل فراموش ہے۔

مولانا ڈاکٹر بشیر الحق قریشی کا تعارف نامہ

علیم صبا نویدی

عادل شاہی دور کا تاریخی شہر امتیاز گڈھ آج ادھونی کے نام سے مشہور و معروف ہے۔ سرزمین ادھونی میں بے شمار علماء و فضلاء پیدا ہوئے ہیں۔ جن کی علمیت و فضلیت نے چشمِ عالم کو چندھیا دیا ہے۔ انہی میں سے ایک صاحبِ علم و فضیلت ڈاکٹر بشیر الحق قریشی ہیں۔ جو شہر ادھونی کے ایک قدیم علمی و دینی خانوادے کے چشم و چراغ ہیں۔ یہ خانوادہ پشتہا پشت سے ادھونی ہی نہیں بلکہ دور دور تک اپنا نام روشن کئے ہوئے ہے عموماً لوگ اسے پیش اماموں، منشیوں اور قریشیوں کے خاندان کی حیثیت سے جانتے رپہچانتے ہیں۔ قضاوت امامت، خطابت، درس و تدریس اس خاندان کا امتیاز ہے۔ نبی کریم ﷺ کے خاندان سے نسبت و تعلق کی بنا پر اس خاندان کو قریشی کہا گیا ہے۔ اسی طرح عرصۂ دراز سے اس خاندان کے افراد سرکاری، نیم سرکاری اور غیر سرکاری امور کے لئے تحریر اور انشا پردازی کو بطورِ پیشہ اپنانے کے باعث یہ منشی بھی کہلانے لگے۔ اس خاندان پر پسر نمونۂ پدر است کی کہاوت راس آتی ہے۔ یعنی مولوی کا بیٹا مولوی، قریشی کا بیٹا قریشی اور منشی کا بیٹا منشی، امام کا بیٹا امام، چنانچہ پردادا امام، دادا امام، باپ امام۔ ڈاکٹر بشیر الحق کی شخصیت بھی اس سے مستثنیٰ نہیں۔ موصوف کے والد بزرگوار کا نام گرامی مولانا مولوی محمد نور قریشی اشرفی ہے ان کے دادا کا نام مولانا مولوی منشی عبدالصمد قریشی اور پردادا کا نام مولانا مولوی منشی شمس الدین قریشی ہے، کریم ابن کریم کے نبویؐ الفاظ کے مصداق اور مظہر ہیں۔ ایں سلسلہ طلاء ناب است۔

مولانا بشیر الحق قریشی کے والد ماجد مولانا مولوی محمد نور قریشی کی شخصیت نہ صرف علمی و مذہبی تھی بلکہ آپ ایک صاحب سلسلہ بزرگ بھی تھی۔ آپ نے تقریباً نصف صدی ادھونی کی جامع مسجد میں نہ صرف امامت و خطابت میں گذار دی بلکہ اسی سے منسلک مدرسۂ حفاظ کے بے شمار طلباء کو قرآن سے مستفیض بھی فرمایا۔ نیز امور قضاوت بھی ساتھ ساتھ سرانجام دیتے رہے۔ صاحب سلسلہ بزرگ ہونے کے باعث اصلاح و تزکیہ کا کام بھی ان کے سپرد تھا۔ موصوف کو حضرت العلام سید محمد المعروف بہ حضور محدث اعظم کچھوچھوی علیہ الرحمہ سے بیعت و خلافت کا شرف حاصل تھا مذکورہ شیخ بزرگوار خانوادۂ حضرت سید مخدوم اشرف جہانگیر سمنانی سے تھے۔ نیز موصوف نے حضرت مولانا سید شاہ محمد مخدوم حسینی المعروف بہ خواجہ میر حسینی نظامی خدا نما حیدر آبادی سے بھی اکتساب فیوض و برکات کیا تھا۔ آپ کو صلاصل صوفیاء میں چشتیہ، نظامیہ، ہشتیہ، مخدومیہ اور قادریہ میں بیعت و خلافت حاصل تھی۔ ۱۹۵۹ میں آپ حج بیت اللہ اور زیارت سرور کونین ﷺ سے مشرف ہوئے۔ آپ کی رحلت ۲۲، صفر المظفر ۱۴۱۴ھ مطابق ۱۱، اگست ۱۹۹۳ء بروز چہارشنبہ بوقت نماز عصر ہوئی۔ آپ کے وصال کے دو گھنٹے بعد آپ کی شریک حیات معصوم بی صاحبہ بھی وفات فرمائیں۔ مولانا بشیر الحق قریشی نے بیک وقت اپنے والدین کو کھو دیا آپ نے والد بزرگوار اور والدہ محترمہ کی نماز جنازہ دوسرے دن یعنی جمعرات کو بعد نماز ظہر پڑھائی۔ ان دونوں کی تدفین حضرت شاکر علیہ الرحمہ کی آرام گاہ کے قریب عمل میں آئی۔ قرآن کریم کے ان مقدس الفاظ ''اَجۡرٌ غَيۡرُ مَمۡنُونٍ'' سے دونوں کی تاریخ وفات برآمد ہوتی ہے۔ برتر مدراسی اور حیات مدراسی کے درج ذیل قطعات سے شمسی اور قمری مادہ تاریخ وفات

یہ ہے

تیری رحمت کی بارش اس طرف بھی پیش و کم برسا | مگر ہر لحظۂ وقت شام برسا، صبح دم برسا
دعا کرتے ہوئے برتؔر نے یہ تاریخ لکھی ہے | تو اے مالک ''مزار'' نور پرنور کرم برسا

صاحب اوصاف کے اخلاق ہوں کیسے بیان | اے نکیرو، ان پہ ہے اللہ کی رحمت، لکھو
حرف منقوطہ میں ہاتف سے صدا آئی حیات | حکم رب منشی محمد نور اب رخصت لکھو

ڈاکٹر بشیرالحق قریشی کے دادا حضرت گرامی مولانا مولوی منشی عبدالصمد قریشی بھی اپنے طور پر ایک جیّد عالم وفاضل تھے۔ جن کی تعلیم وتدریس و پند ونصائح سے ایک عالم مستفیض ہوا تھا۔ آپ کی تحریری خدمات میں چند قلمی مخطوطات اور خطبات جمعہ کی دو جلدیں ہیں۔ یہ خطبات موصوف نے اپنے سب سے چھوٹے فرزند منشی شمس الحق قریشی کے استفادہ کے لئے تحریر کئے تھے۔ ایں کتاب برائے منشی شمس الحق قریشی نوشتہ شد بتاریخ ہست وپنجم ماہ ذی قعدہ روز شنبہ ۱۳۵۳ھ بوقت چاشت درادونی بہ اتمام رسید خطبات کا یہ قلمی مخطوطہ ۱۳۵۳ھ بمقام ادونی اختتام پذیر ہوا ہے جو ہنوز غیر مطبوعہ ہے۔ خطبات کے علاوہ ان کے ہاتھ سے لکھے ہوئے بعض نسخے ہیں جو ان کی تالیفات ہیں اور بعض نادر کتابوں کی نقل ہے۔ خطبات جمعہ کا یہ مجموعہ نظر عام پر آجائے تو مبتدی اور متوسط قابلیت رکھنے والے ائمہ اور خطباء کو جمعہ کا خطبہ دینے میں بڑی سہولت ہوگی۔ موصوف کی وفات ۱۳۵۷ھ م ۱۹۳۸ء میں ہوئی۔

مادۂ تاریخ انتقال ''تنویرامامت'' نکلتا ہے۔ آپ کی وفات حسرت آیات پر آپ کے شاگردوں میں مولانا عبدالکریم قابل ادھونی، حضرت عبدالحق بسیم ادھونی، مولانا حافظ عبدالجلیل صدیقی بلھاری، جناب ین نوراحمد ادھونی اور جناب شیخ احمد نیرؔ ادھونی وغیرہ نے پر سوز مراثی اور قطعات کہا ہے جن سے آپ کی علمی شخصیت اور دینی واخلاقی سیرت نمایاں ہوتی ہے۔

دُر دریائے تاب علم وفن عبدِ صمد | مہ تابندۂ چرخ سخن عبدِ صمد
گفت نوؔر بود با کمال فگن عبدِ صمد | وصل شد بیار ذوالمنن عبدِ صمد

عالم با عمل و حامی دیں | ہوئے داخل بظلِ رحمتِ رب
آہ نیرؔ جدا ہوئے ہم سے | تھے جو نورِ چراغ علم و ادب

خواجہ اعظم کی مسجد کے امام ذی شرف | مولویؔ باکمال وذی عتد، رخصت ہوئے
ہے مزین سال رحلت لوح مرقد پر بسیؔم | رہنمائے اہل دین عبدصمد، رخصت ہوئے

مولوی عالی منشی عبد الصمد | رفت دنیا بہ سوئے خلد علا
سال تاریخ حق جلیؔل بگو | ہادئ گنج علم کرد قضا

ڈاکٹر بشیر الحق قریشی کی پیدائش دسمبر ۱۹۵۳ء کو ادھونی میں ہوئی۔ حسبِ دستور زمانہ آپ کی ابتدائی تعلیم گھر ہی پر ہوئی۔ آپ کے ابتدائی معلم خود آپ کے والد بزرگوار تھے۔ پرائمری تعلیم مقامی اسکولوں میں ہوئی آپ نے میونسپل ہائر سکنڈری اسکول سے ساتویں جماعت تک تعلیم حاصل کی آپ کے والد بزرگوار نے آپ کی انگریزی تعلیم منقطع کرادی اور قرآنِ کریم حفظ کرنے کے لئے اپنے نونہال فرزند کو مولانا حافظ قاری ریاست علی خان صاحب کامل جامعہ نظامیہ حیدرآباد کے تحویل کردیا۔ آپ کے والد بزرگوار نے یہ اقدام اس لئے کیا کہ آپ کو خواب میں اپنے مرحوم والد بزرگوار کی جانب سے اسی کا حکم ہوا تھا۔ بشیر الحق صاحب بڑے ذہین اور ہونہار طالب العلم تھے چار ساڑھے چار سال کی مدت میں آپ نے قرآن کریم حفظ کر کے اپنے دل و دماغ کو روشن و معطّر کرلیا۔ پھر آپ نے خاندانِ اشرفیہ کے بزرگ حضرت مولانا سید محمد المعروف بہ حضور محدث اعظم کچھوچھوی علیہ الرحمہ کے دستِ حق پر بیعت کرنے کا شرف حاصل کیا۔ حصول برکات کے اعتراف میں موصوف نے اپنی تصنیف ''توسلِ نبویؐ کی شرعی حیثیت'' کا انتساب اپنے شیخ بزرگوار کے نام کیا ہے۔ حفظ قرآن کے بعد آپ نے دارالعلوم کاروم پیٹ، جڑ چرلہ، محبوب نگر میں داخلہ لے لیا گیا مگر یہاں آپ اپنی تعلیم مکمل نہیں کرسکے۔ آپ کے والد ماجد آپ کو دارالعلوم لطیفیہ ویلور لے آئے اور ۱۹۶۸ء میں آپ کو دارالعلوم لطیفیہ میں داخلہ مل گیا۔ آپ نے ۱۹۷۴ء میں یہاں سے مولوی عالم کی سند حاصل کی اور مزید دو سال آپ نے اسی دارالعلوم میں مطول میں داخلہ لے لیا۔ ۱۹۷۶ء میں آپ کی دستار بندی ہوئی اور آپ سنداً مولوی فاضل کے خطاب سے سرفراز ہوگئے۔ دارالعلوم لطیفیہ میں آپ نے جن اساتذہ سے استفادہ کیا ان کے اسمائے گرامی (واسباق درقوسین) درج ذیل ہیں۔

۱۔ مولانا مولوی ابوالمعالی علوی صاحب (تفسیر) (علم معانی و بدیع)

۲۔ مولانا مولوی سید برہان الدین عنطری باقوی صاحب (حدیث)

۳۔ مولانا مولوی عبدالعزیز رضوی فاضل اشرفیہ مبارک پوری صاحب (حدیث اور اصول حدیث)

۴۔ مولانا مولوی محمد حاتم اشرفی رضوی مبارک پوری صاحب (منطق)

۵۔ مولانا مولوی عبدالواحد قاسمی دیوبندی صاحب (نحو)

۶۔ مولانا مولوی شاہ محمد انوار اللہ لطیفی صاحب (فقہ و اصول فقہ، علم میراث)

۷۔ مولانا مولوی سید مصطفیٰ حسین بخاری لطیفی صاحب (عربی ادب)

۸۔ مولانا مولوی شبیر احمد اکرمی لطیفی صاحب اور

۹۔ مولانا مولوی پی۔ محمد ابوبکر ملیباری لطیفی صاحب (فارسی ادب) نیز آپ نے مولانا مولوی سید حمید اشرف کچھوچھوی سے بھی اردو ادب میں استفادہ کیا۔

دورانِ تعلیم دارالعلوم لطیفیہ ڈاکٹر بشیر الحق قریشی نے مدراس یونیورسٹی سے عربی میں افضل العلماء فارسی میں منشی فاضل اور اردو میں ادیب فاضل کی ڈگریاں حاصل کیں اور ان تمام میں آپ نے امتیازی حیثیت کو ہاتھ سے جانے نہیں دیا۔ آگے چل کر

آپ نے عثمانیہ یونیورسٹی سے بی اوایل کے اور میسور یونیورسٹی سے اردوایم اے کی سند حاصل کی اور ڈاکٹر راہی فدائی اور راقم (علیم صبا نویدی) کی ترغیب پر آپ نے شری شنکرا چاریہ یونیورسٹی آف سنسکرت کیرالا سے پروفیسر سید قدرت اللہ باقوی کی رہنمائی میں ڈاکٹریٹ آف فلاسفی کا امتیاز حاصل کیا۔

جس وقت آپ نے مدراس یونیورسٹی کی سندیں حاصل کیں تو پنڈت ٹریننگ کر کے ہائی اسکول میں سرکاری ملازمت حاصل کرنے کی جانب متوجہ ہوئے مگر قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا سابق ناظم لطیفیہ حضرت مولانا مولوی ابوالحسن صدرالدین سید شاہ محمد طاہر قادریؒ نے آپ کی توجہ دارالعلوم لطیفیہ ہی میں خدمات سرانجام دینے کی جانب مبذول کی۔ ناظم موصوف کا حکم ٹالنے کی ڈاکٹر بشیر الحق قریشی میں نہ جرأت تھی اور نہ وہ ایسا کر سکتے تھے۔ سرتسلیم خم کیا اور اپنے مادر علمی ہی کی گود میں باقی عمر گذار دینے کا فیصلہ کرلیا۔ آپ اپنے چہیتے موضوع تفسیر، حدیث، عربی وفارسی ادب کے درس وتدریس کی ذمہ داری تین دہائی سے بخوبی نبھاتے آتے رہے ہیں۔

انشاء پردازی سے ڈاکٹر بشیر الحق قریشی کو طالب العلم ہی کے دور سے دلچسپی رہی ہے۔ دارالعلوم لطیفیہ کے سالنامہ ''اللطیف'' میں آپ نے اپنی قلمی کاوشوں کی اشاعت کا آغاز کیا۔ ۱۹۷۶ء میں آپ نے ''اللطیف'' کی ادارت سنبھال لی اور آپ کی کوششوں سے یہ جریدہ برابر ترقی پذیر ہوتا گیا اور آج اس کی حیثیت دستاویزی سمجھی جاتی ہے اس میں آپ خصوصی طور پر قلمی مخطوطاتِ فارسی کو اردو جامہ پہنا کر پیش کرنے کی طرف بہت زیادہ توجہ دی۔

ان مخطوطات میں حضرت ذوقی حضرت قطب ویلور کی تصنیفات خصوصی طور پر قابل ذکر ہیں۔ ڈاکٹر بشیر الحق قریشی کی ان مساعی جمیلہ کا علمی اور عمومی فائدہ یہ ہوا کہ فارسی زبان میں موجود علمی وادبی ودینی سرمایہ کو زندگی ملی اور اردو دان طبقہ کے لئے استفادہ کی راہ ہموار ہوئی۔ انہوں نے حضرت قطب ویلور کی مطبوعہ فارسی تصنیف فصل الخطاب کا اردو ترجمہ قسط وار اللطیف میں شائع کیا۔ اس ترجمہ کو کتاب کی صورت میں شائع کرنے کی سخت ضرورت ہے۔ کیونکہ وہ اہل سنت وجماعت کے اختلافی اور فروعی مسائل میں عدم تشدد وتعصب اور توازن واعتدال کی فکر پر حاوی ہے۔

ڈاکٹر بشیر الحق کا اردو دنیا کے لئے تصوف کا بہترین عطیہ، غایۃ التحقیق کا ترجمہ ہے۔ یہ حضرت قطب ویلور کی فارسی تصنیف ہے جو وحدت الوجود کو کتاب سنت اور اہل سنت کے موقف سے مربوط اور منسلک قرار دیا گیا ہے۔

حضرت قطب ویلور نے عربی فارسی اور اردو میں مختلف اہل علم اور ارباب سلطنت اور عوام کے نام مکتوبات تحریر فرمایا ہے اور اپنے مریدین وخلفاء کے نام ہدایات اور تعلیمات پر مشتمل کئی ایک خطوط لکھے ہیں۔ یہ گوناگوں جو قلموں علمی، فقہی اور تحقیقی خطوط کا ذخیرہ ہنوز قلمی ہے جسکو حضرت مولانا سید محمد قادری علیہ الرحمہ نے جمع وتدوین اور تحریر فرمایا ہے۔ ان خطوط کے اکثر حصہ کا ترجمہ ڈاکٹر بشیر الحق کے قلم سے ہو چکا ہے اور یہ مکاتیب اللطیف میں شائع ہو چکے ہیں۔ مکتوبات کا دفتر کتابی صورت میں شائع ہو جائے تو حضرت قطب ویلور کا علمی وروحانی فیضان جاری ہو جائیگا۔

حضرت ذوقیؔ کا ایک ضخیم قلمی فارسی مخطوطہ ’’انشائے لطف الٰہی‘‘ ہے جو رقعات اور مکتوبات کے پیرایہ میں ہے ڈاکٹر بشیر الحق نے بعض مکتوبات ورقعات کا ترجمہ گہرہائے صدف کے نام سے کتابی صورت میں شائع کے ہے۔

یہ تمام اتنی کثیر اور اہم تصنیفات ہیں جن کے احاطے میں عمر کا ایک کثیر حصہ لگ سکتا ہے مگر ڈاکٹر بشیر الحق قریشی سالوں کو مہینوں میں اور مہینوں کو دنوں میں اور دنوں کو لمحوں میں مختصر کر کے کام کی رفتار کو بڑھانے کے عادی ہیں اور انہوں نے اپنی تصنیف و تالیف کا کام اتنا تیز کر دیا ہے کہ کم مدت میں بہت بڑا سرمایہ ناظرین کو تحفے میں دینے میں وہ کامیاب دکھائی دیتے ہیں۔ ڈاکٹر بشیر الحق قریشی صاحب کی ایما پر ـــــــ ء میں ’’اللطیف‘‘ کی سلور جوبلی منائی گئی اور اس کے لئے اس جریدے کا ایک خصوصی شمارہ شائع کیا گیا۔ اس میں خانوادہ اقطاب ویلور کی دینی و علمی خدمات کا بھر پور جائزہ لیا گیا۔ خود بشیر الحق صاحب نے طویل مقالہ تقریباً ڈیڑھ سو صفحات پر مشتمل تحریر کیا ہے جس کا مقدمہ مولانا ابوالحسن علی ندوی نے تحریر فرمایا۔ اس مقالہ کو کتابی صورت میں پیش کرنے کی ضرورت ہے۔ مولانا ندوی کی رائے اس سلسلہ میں یہ ہے۔

دارالعلوم لطیفیہ ویلور کا سالنامہ مجلّہ اللطیف مفید علمی و دینی مضامین پر مشتمل ہوتا ہے۔ اس میں تذکرۂ اقطاب ویلور کے عنوان سے دارالعلوم لطیفیہ کے لائق استاذ جناب مولوی حافظ ڈاکٹر بشیر الحق قریشی صاحب نے ایک طویل معلوماتی مضمون لکھا ہے۔ جسے اب وہ مستقل کتابی شکل دے رہے ہیں انہوں نے اپنی کتاب میں بڑی لیاقت اور جامعیت کے ساتھ خانوادہ کے بزرگوں کے حالات جمع کر دئے ہیں۔ جو جنوبی ہند کی علمی و دینی تحریکات اور شخصیات پر کام کرنے والوں کے لئے ایک نعمت ثابت ہوں گے۔ خدا کرے کہ مصنف موصوف کی یہ محنت شرف قبولیت حاصل کرے۔

اس خانوادہ کی سب سے بڑی خصوصیت اسکی جامعیت ہے جسکے تحت اس نے شریعت و طریقت دونوں کا توازن برقرار رکھنے کی بہت اچھی کوشش کی ہے۔ اور ہر دور میں علم و دین اور عقل و دل کا خوش گوار امتزاج پیدا کیا ہے۔ معتدل و متوازن صوفی سلسلوں کی طرح اس صوفی خانوادے نے بھی اسلام کی عطا کردہ جامعیت و توازن کو برقرار رکھنے کی کوشش کی ہے اور اپنی زمانہ شناسی کا ثبوت دیا ہے۔ جس زمانے میں انگریزی تعلیم کے بارے میں علماء میں اختلاف رائے تھا۔ اس سلسلہ کے علماء نے انگریزی تعلیم حاصل کی۔ اور اس میں دعوتی کام انجام دیا شاہ محی الدین نقوی ثانی نے (حضرت قطب ویلور) ۱۲۸۹ھ میں ملکہ وکٹوریہ کو اپنے مفصل مکتوب میں دعوت اسلام دی۔

ڈاکٹر بشیر الحق قریشی ایک اچھے مقرر اور جاذب خطیب بھی ہیں۔ یہ خصوصیات آپ میں کسی کم اور وہبی زیادہ ہیں۔ موروثی خصوصیت میں اکتساب سے زیادہ وہبی قدر غالب ہوتی ہے۔ آپ کے والد بزرگوار، آپ کے جد امجد وغیرہ اچھے مقرر اور خطیب تھے۔ جس وقت بشیر الحق قریشی مولوی عالم کے کورس میں زمرۂ سادسہ میں تھے۔ اسی وقت مسجد حضرت علی سلطان چشتی، گاندھی روڈ ویلور کی انتظامیہ کمیٹی نے کسی امام وخطیب کے مقرر کرنے کی درخواست ناظم دارالعلوم لطیفیہ سے کی۔ اس وقت ناظم حضرت مولانا ابوالحسن صدرالدین سید شاہ محمد طاہر قادریؒ تھے۔ آپ نے یہ کہہ کر مولانا بشیر الحق قریشی کا نام پیش کیا کہ ’’فی الحال ہمارے پاس کوئی ایسا عالم دین

نہیں ہے، چند دنوں کے لئے ایک طالب علم کو بھیج دیتا ہوں۔'' مولانا بشیر الحق قریشی صاحب کا وہاں تقرر مشیت الٰہی ہی تھا جو دائمی تقرر ثابت ہوا۔ اور اسی مسجد میں آج ان کی امامت وخطابت پر تیس سال مکمل ہو چکے ہیں۔ آپ کے خطبات جمعہ سننے کے لئے دور دور سے نمازی مسجد حضرت علی سلطان چشتی کا رخ کرتے ہیں اور مستفیض ہوتے ہیں۔ ڈاکٹر بشیر الحق قریشی کی تقاریر نہ صرف ویلور تک محدود ہیں بلکہ ٹمل ناڈو اور کرناٹک کی ریاستوں کے بڑے بڑے شہروں میں آپ مدعو ہوتے ہیں اور چاہے کوئی بھی موضوع ہو آپ پوری روشنی ڈالتے ہیں اور موضوع سے بھر پور انصاف کرتے ہیں ویلور کی مسجد کلاں میں ہفتہ وار قرآن کریم کی تفسیر کا سلسلہ بارہ سال تک جاری رہا اور اس مدۃ میں انہوں نے مکمل قرآن کریم کی تفسیر بیان فرمائی۔ آغاز تفسیر میں تفسیر کے موضوع پر مقدمہ کے طور پر جو بیانات انہوں نے دئے تھے وہ کتابی صورت میں ۲۰۰۱ء میں شائع ہو چکے ہیں۔ اسکے علاوہ فلورنس شو کمپنی کے زیر نگران مسجد ملی پالم میں بھی بیس سال سے تفسیر کا سلسلہ جاری ہے۔ اور لوگ قرآن کریم کی تفسیر سننے کے لئے جوق در جوق شریک ہو رہے ہیں۔

آج کل موصوف کے تعلقات بیرونی ممالک کی عظیم شخصیتوں سے بھی استوار ہوتے چلے ہیں۔ جامعۃ الملک فہد ظہران کے ایک یمنی پروفیسر مولانا کی عربی انشا پردازی کی تعریف اپنے ایک مکتوب میں اس طرح کی ہے۔

ان تعبیر کم و خطکم یفوق الکثیر من ابناء اللغۃ العربیۃ بل اننی فخور جدا ثقا فتکم باللغۃ العربیۃ وکلمایصلنی جواب منکم اعرضہ علی الصدقاء واسئا لھم رأیھم فی الخط والتعبیر ۔ فینال اعجا بھم واستحسا نھم۔ ولما اقول لھم انہ من صدیق ھندی یزید ذلک من دھشتھم ویقولون انہ یفوق علی الکثیر منا فھذا شھادۃ لک یا اخ بشیر الحق منی ومن جمیع زملائی : التاریخ ۱۸ شوال ۱۴۰۴ھ

ڈاکٹر بشیر الحق قریشی کی شخصیت کے ایک اور رخ کی طرف اشارہ کر دینا لازمی ہے۔ علوم ظاہری میں تو مولانا موصوف نے اپنی ذات کو روز روشن کی طرح اجاگر کر ہی لیا ہے مگر علوم باطنی کی طرف آپ کا دھیان عہد طفولیت ہی میں چلا گیا تھا۔ ابھی کمسن ہی تھے جب آپ نے حضور محدث اعظمؒ کے دستِ مبارک پر بیعت کرنے کا شرف حاصل کر لیا تھا۔ دورانِ تعلیم آپ نے خصوصی طور پر تصوف کی کتابوں کی طرف گہری توجہ کی آپ نے جواہر الحقائق، جواہر السلوک، فصوص الحکم اور تحفۂ مرسلہ وغیرہ کا گہرا درس لیا۔ پہلے تو ان کتابوں کو بطور فن آپ نے پڑھا مگر بعد کو انہیں تزکیہ نفس کی خاطر اپنایا اور کامیاب بھی ہوئے ویلور میں آپ کو خانوادۂ اقطاب سے گہرا تعلق پیدا ہو گیا۔ آپ ذی الحجہ ۱۴۰۵ھ میں اعلیٰ حضرت ابو النصر قطب الدین سید باقر قادری سجادہ نشین خانقاہ حضرت قطب ویلور سے بیعت وخلافت سے مشرف بہ نور ہوئے۔ اعلیٰ حضرت نے آپ کو بیعت وخلافت کے علاوہ سند مصافحت سے بھی سرفراز فرمایا اس سند کی ابتداء اس طرح ہو رہی ہے۔ چوں کہ مولوی حافظ بشیر الحق قریشی ابن مولانا الحاج منشی محمد نور قریشی، از فقیر ابو النصر قطب الدین سید شاہ محمد طاہر قادری التماس نمود کہ مصافحہ کردہ اجازت مصافحہ بطریق از آباء کرام خود بفقیر رسیدہ است باو عطا کنم

سند مصافحہ صوفیہ کے حلقہ میں تو معروف چیز ہے لیکن عام مسلمانوں میں غیر معروف ہے اسکی برکت اور افادیت یہ ہے کہ

جس شخص نے نبی کریم ﷺ سے مصافحہ کیا ہو، اور یہ مصافحہ بالواسطہ ہو۔ یا بلا واسطہ اسکے گناہوں کے مٹ جانے اور جنت میں داخل ہونے کا ذریعہ ہے۔

مولانا شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے الانتباہ میں یہ حدیث نقل کی ہے من صافحنی و صافح من فحنی الی یوم القیامة دخل الجنة ۔۱۹۹۹ء میں آپ کو زیارت حرمین شریف کی سعادت حاصل ہوئی اور ایک سفرنامۂ حرمین شریفین بھی مرتب کیا۔ یہ صرف نامۂ سفر ہی نہیں ایک حج نامہ بھی ہے جو زائرین حرمین شریفین کے لئے مناسک کی ادائیگی میں معاون ہوگا۔ ڈاکٹر بشیر الحق قریشی کی شہرت مقبولیت میں ویلور اور ویلور کے مضافات کا بڑا دخل ہے۔ آپ مزاجاً آپ بہت سادہ ہیں پھر بھی آپ میں ایک گونہ شوخی اور لطافت کا عنصر بھی موجود ہے۔ آپ اپنی گفتگو ہی سے محفل کو گرما دیتے ہیں کے خاص کے عام ہر ایک آپ کی طرف کشاں کشاں چلا آتا ہے۔ موصوف کی مطبوعہ اہم تصانیف کا ذکر کرنا گزیر ہے ان میں سے بعض ذیل میں درج ہے۔

۱۔ شراب اور اس کا اسلامی موقف : آپ نے واضح کیا ہے کہ شراب اسلام ہی میں نہیں بلکہ مسیحی مذہب میں بھی حرام ہے۔ شراب کو بطور دوا استعمال کرنے یا نہ کرنے کے سلسلہ میں وضاحت بھی کی ہے۔

۲۔ توسل نبوی ﷺ کی شرعی حیثیت : (توسل کی مختلف صورتوں پر بحث کی ہے اور خواص اور عوام دونوں کے لئے جواز کی نوعیت کی طرف بھی اشارہ کیا ہے)

۳۔ الروح فی الاسلام : (تاریخ کے ہر دور میں روح بحث و تحقیق کا موضوع رہی ہے۔ ظہور اسلام کے بعد بھی وہ مختلف و متنوع آواء وافکار کی زد میں رہی۔ یہ ڈاکٹر موصوف کی بحث کا موضوع بھی بنی ہے۔) انہوں نے وضاحت کی ہے انسان کی زندگی کا ایک تسلسل ہے پیدائش سے پہلے وہ عالم ارواح میں رہا پھر عالم دنیا میں آیا، موت کے بعد عالم برزخ میں رھیگا۔ پھر عالم حشر میں پہنچے گا پھر عالم جنت یا عالم دوزخ میں پہنچے گا جہاں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیگا۔

۴۔ اصحابی کالنجوم : (صحابۂ کرام کی عظمت وفضیلت اور ان کی شخصیات کے مختلف پہلوؤں کو واضح کرتے ہوئے دین میں ان کی قائدانہ حیثیت کو نمایاں کیا ہے۔)

۵۔ رحمۃ للعلمین ﷺ : (ذات رسالت مآبؐ کے فضائل و کمالات اور خصائص پر مفصل اور مدلل تصنیف ہے۔)

۶۔ بیعت کی شرعی حیثیت : یہ کتاب درج ذیل موضوعات پر پھیلی ہوئی ہے۔ ۱۔ بیعت کا لغوی اور شرعی مفہوم، ۲۔ خلفائے اسلام اور سلاطین اسلام کی بیعت، ۳۔ صوفیہ کی بیعت، ۴۔ کتاب وسنت سے بیعت کا ثبوت، ۵۔ بیعت کی اقسام، ۶۔ بیعت کے احکام ومسائل)

۷۔ بسم اللہ خانی کی شرعی حیثیت : مسلم سماج میں ایک رسم چلی آرہی ہے جب بچہ چار سال چار ماہ اور چار دن کا ہوجاتا ہے تو اس کی تعلیم کا آغاز بسم اللہ خانی سے کیا جاتا ہے۔ اس موقع پر بچے کو سورۂ اقراء کی ابتدائی پانچ آیات پڑھائی جاتی ہیں

اوراس کے حق میں علم کی نعمت اور دولت حاصل ہونے کے لئے دعا کی جاتی ہے.......شرعی نقطۂ نظر سے اس عمل پر بحث کی گئی ہے۔

۸۔حضرت مسیحؑ : اسلامیات کی روشنی میں ۔کتاب و سنت کی روشنی میں حضرت مسیح کی سیرت وسوانح اور شخصیت کا جائزہ لیا گیا ہے۔

۹۔آثارالرسول ﷺ : یہ کتاب نبی کریم ﷺ کے آثار وتبرکات کی تفصیل ،اور حضرت صحابہ کے یہاں ان کی موجودگی، حضرت صحابہ کا آثار سے برکت حاصل کرنے کے واقعات کا جائزہ لیا گیا ہے

۱۰۔بیانات تفسیر : شہر ویلور محلّہ قصبہ قدیم ومعروف مسجد کلاں میں ہر اتوار کی شام بعدِ نمازِ مغرب تا عشاء قرآن کریم کی تفسیر کا سلسلہ بارہ سال مولانا بشیر الحق صاحب سے جاری رہا۔یہ کتاب اسی تفسیر پر مشتمل ہے۔

۱۱۔نامۂ اسفار : اس کتاب میں ڈاکٹر موصوف کے اسفار کی تفصیل موجود ہے۔

۱۲۔نمازِ جنازہ احادیث اور فقہ کی روشنی میں: نمازِ جنازہ کے احکام کے علاوہ شخص متوفی کے لئے مالی وبدنی عبادات اور صدقات وخیرات اوران کے مختلف شکلوں پر فقہی زاویۂ نظر سے بحث کی گئی ہے۔

۱۳۔تعبیرات خواب : ڈاکٹر موصوف کے جد امجد حضرت مولانا الحاج منشی عبد الصمد قریشی کے ہاتھوں لکھا ہوا ایک قلمی نسخہ ہے جس پر ڈاکٹر بشیر الحق قریشی کا وقیع اور پر از معلومات مقدمہ تحریر ہے۔

۱۴۔صحیفۂ افکار : سالنامۂ اللطیف کے چند اداریوں پر مشتمل ہے جو وقت اور حالات کے تحت لکھے گئے ہیں۔

۱۵۔جمعہ ملت اسلامی کا شعار : مختلف اقوام کے لئے ایک مخصوص اور مقدس دن دیا گیا ہے۔اس طرح مسلمانوں کے لئے جمعہ کا دن مقرر کیا گیا ہے۔اس کتابچے میں جمعہ کے احکامات اور خطبہ کی اہمیت وافادیت اور غیر عربی زبان میں خطبہ کے مسئلہ پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

۱۶۔حضرت قطب ویلور کے علمی وادبی کارنامے: حضرت قطب ویلور اوران کے خانوادہ پر مولانا بشیر الحق کی تحریریں اہلِ علم وارباب تحقیق کے لئے ایک حوالہ اور سند کی حیثیت رکھتی ہیں ۔مولانا اس خانوادے کے قلمی مخطوطات کے مطالعہ وتحقیق میں اور اس خاندان کے افراد کے فارسی مطبوعات اور غیر مطبوعہ تصانیف کے ترجمہ وترتیب اور تدوین میں ایک عمر گذار چکے ہیں۔یہ کتاب ٹملناڈو اسٹیٹ اردو اکاڈمی چنئی کے جزوی مالی تعاون سے شائع ہوی ہے۔

۱۷۔گہر ھائے صدف : حضرت ذوقی علیہ ارحمہ کی فارسی تصنیف ’’انشائے لطف اللہی‘‘ سے بعض مباحث کو اردو قالب میں پیش کیا ہے۔

۱۸۔عقائد اھل سنت وجماعت : اسلام میں بہتر (۷۲) فرقے وجود میں آچکے ہیں ان میں سے اس فرقے کو صحیح اور برحق قرار دیا گیا ہے جو سنت رسولؐ اور جماعت صحابہ کی پیروی کرنے والا ہے۔اس کتاب میں اہل سنت کے عقائد کیا ہیں ان

کا تفصیل کے ساتھ جائزہ لیا گیا ہے۔

شہر حیدرآباد کا ورم پیٹ جامعہ نظامیہ حیدرآباد کے طلبائے ابنائے قدیم کی انجمن کی طرف سے یوم امام اعظم بتاریخ ۔۔ ء منایا گیا جس میں ڈاکٹر بشیر الحق قریشی مہمان خصوصی تھے اس موقعہ پر انہوں نے فقہ اسلامی کی تاریخ کے عنوان سے خطاب کیا تھا، یہ کتاب اس تقریر پر مشتمل ہے۔ اسکے علاوہ کا ورم پیٹ جڑچرلہ ضلع محبوب نگر کے سالانہ جلسۂ تقسیم اسناد میں ڈاکٹر بشیر الحق کا کلیدی خطاب رہا۔ یہ خطاب بھی اس کتاب کی زینت ہے۔

۱۹۔ فصل الخطاب : یہ حضرت قطب ویلور کی معرکۃ الآراء علمی فقہی فارسی تصنیف ہے جس میں چالیس موضوعات کو زیر بحث لایا گیاہیہ۔

۲۰۔ اسلامی قانون سازی کا تاریخی جائزہ: ازھر یونیورسٹی کے پروفیسر ڈاکٹر عبد الوہاب خلاف کی عربی تصنیف ''خلاصہ تاریخ التشریع الاسلامی'' کا مفہوم خیز اردو ترجمہ ہے۔

۲۱۔ ام القران : سورۃ الفاتحہ کا خلاصہ اور انسانی زندگی سے اس کے گہرے تعلق کا جائزہ لیا گیا ہے۔ ڈاکٹر بشیر الحق کی اردو زبان میں تقریری اور تحریری خدمات اعتناء کے لائق ہی ہیں اور یہ خدمات بھی لائق ذکر ہیں کہ آپ تین ٹرمس میں ٹمل ناڈو اسٹیٹ اردو اکاڈمی چنئی کے گورننگ کونسل اور اسٹانڈنگ کمیٹی کے ممبر رہے۔ اور مدراس یونیورسٹی کے شعبۂ اردو عربی و فارسی کے بورڈ آف اسٹڈیز کے ممبر ہیں۔

۲۲۔ حضرت قطب ویلور اور انکے خلفاء کا علمی و ادبی کارنامہ :ڈاکٹر بشیر الحق کی پی، ایچ، ڈی کا مقالہ ہے جس پر سری شنکر اچاریہ یونیورسٹی آف سنسکرت کیرالا نے موصوف کو ڈاکٹیریٹ کی ڈگری تفویض فرمائی۔ یہ مقالہ انہوں نے پروفیسر سید قدرت اللہ باقوی کی نگارنی میں تحریر کیا ہے۔

موصوف کی تحریری و تقریری خدمات آج بھی جاری و ساری ہیں اور مستقبل قریب میں آپ کی بہت ساری چونکا دینے والی تصنیفات کا اہلِ علم کو انتظار ہے اور کیوں نہ ہو موصوف کی شخصیت ارہ صفت اور ہمہ وقت متحرک رہی ہے اور رہے گی۔ موصوف کی ان خدمات کا اعتراف نہ کرنا کفرانِ نعمت کے مترادف ہے۔

یم، بی، امان اللہ سے جان پہچان

علیم صبا نویدی

یم بی امان اللہ ابن اے محمد باشاہ صاحب ۳۰ اپریل ۱۹۸۳ء بمقام چنجی پیدا ہوئے انہوں نے ابتدائی تعلیم چنجی کی یلمنٹری اسکول اور اعلیٰ تعلیم ویلور کے گورنمنٹ مسلم ہائر سکنڈری اسکول میں حاصل کی پھر مدراس یونیورسٹی سے ادیب فاضل کے امتحانات میں کامیابی حاصل کرنے کے بعد ایم اے اردو اور ایم فل اردو کے اسناد سے مشرف ہوئے۔آپ کا اہم کارنامہ یہ ہے کہ آپ نے حضرت قربی ویلوری کے خلفاء کی علمی وادبی خدمات پر بھرپور روشنی ڈالتے ہوئے یم فل، کے لئے مقالہ لکھا۔اس مقالہ کے مطالعہ سے اتنا ضرور فائدہ ہوا کہ ان کی شخصیت اور ان کی اردو زبان وادب سے لگاؤ کا احساس ہوا۔ارباب علم وادب کا ہمیشہ سے یہ خیال رہا ہے کہ ہندوستانی دانش گاہوں سے اردو زبان وادب کا فائدہ کم اور اردو کی وراثتی اسناد رکھنے والوں کی قسمتوں کا ستارا زیادہ روشن رہا ہے۔

ڈاکٹر سید منیر محی الدین سے ادھوری ملاقات

علیم صبا نویدی

آپ کا تعارف یہی ہے کہ آپ نے بار ہا ہمارے مطالبے کے باوجود اپنے سوانحی حالات آج تک نہیں بھیجے۔ایک اچھے ادیب اور شاعر کا رویہ یقیناً قابل توجہ ہے ہوسکتا ہے موصوف ایک تحقیقی مقالہ کی اشاعت کے بعد اپنے آپ کو آفاقی لوگوں میں شمار کرنے لگے ہوں۔ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں نیک ہدایت دے۔

اقطابِ ویلور کے تذکروں میں مرقع نگاری کی جھلکیاں!

از ڈاکٹر سید منیر الدین قادری
شعبہ اردو سری وینکٹیسورا یونیورسٹی، تروپتی۔

اردو ادب کا بغور مطالعہ کرنے کے بعد حقائق کی پردہ کشائی ہوتی ہے جن کے ذریعہ ہمیں معلومات کا ایک ذخیرہ حاصل ہوتا ہے۔ ان حقائق کی روشنی میں ہمیں ''اردوادب'' میں موجود جملہ اصناف کے نہ صرف ابتدائی حالات کا پتہ ملتا ہے بلکہ اس کے فروغ و ارتقاء کا بھی علم ہوتا ہے۔ جیسا کہ اردوادب کی مختلف اصناف میں تقریباً اکثر اصناف کی ابتدائی شکلیں ''نقشِ اوّل'' کی طرح ملتی ہیں۔ بعد میں اُن اصناف کا باقاعدہ طور پر آغاز ہوتا ہے۔ اور رفتار زمانہ کے ساتھ ساتھ اس فن کو پھلنے پھولنے اور اسے ارتقائی منازل طے کرنے کا موقع ملتا ہے۔ مثال کے طور پر ناول، افسانہ، ڈراما، تنقید، خاکہ نگاری وغیرہ۔

خاکہ نگاری یا مرقع نگاری

اردو میں خاکہ نگاری کی ابتدائی شکلیں ہمیں قدیم تذکروں میں دکھائی دیتی ہیں۔ مثلاً قدیم شعراء کے حالات زندگی میں اس کی ہلکی سی جھلکیاں ملتی ہیں۔ کیونکہ تذکرہ نگار شاعر کی شخصیت پر تفصیل کے ساتھ قلم نہیں اٹھاتا بلکہ شاعر کی شخصیت کے بجائے انتخاب کلام پر زیادہ توجہ دینے لگتا ہے جس کے نتیجہ میں شخصیت کے تمام پہلوؤں پر روشنی نہیں پڑتی۔

اردو خاکہ نگاری کا آغاز باقاعدہ طور پر محمد حسین آزاد کی ''آبِ حیات'' سے ہوتا ہے۔ بقول یحیٰ امجد :

''مگر ان تعریفی جملوں اور ان واقعات سے مجموعی طور پر کوئی واحد تاثر قائم نہیں ہوتا۔ شخصیت زندہ ہوکر ہمارے سامنے نہیں آتی اور مختلف شاعروں کی انفرادیت واضح نہیں ہوتی اور سب سے زیادہ کوتاہی یہ ہے کہ اکثر تذکرہ نگار صاف جانداری کرتے ہیں۔ اس لئے خاکہ نگاری کی ہلکی سی جھلکیاں تو یہاں دیکھی جاسکتی ہیں۔ لیکن خاکہ لکھنے کی شعوری کوشش پہلی بار ''آبِ حیات'' میں کی گئی ہے۔ [۱]

آزاد کے بعد ۱۹۲۷ء میں فرحت اللہ بیگ کی تصنیف ''نذیر احمد کی کہانی کچھ اُن کی کچھ میری زبانی'' سے اس کا سلسلہ آگے بڑھتا ہے۔ جولائی ۱۹۴۱ء میں ڈاکٹر سید عابد حسین کے آل انڈیا ریڈیو میں پڑھے گئے گیارہ خاکوں کا مجموعہ ''کیا خوب آدمی تھا'' سے ارتقاء کی طرف اس کا رجحان بڑھنے لگا ہے[۲] آخر اس فن کو نئے رنگ ڈھنگ سے روشناس کروانے والے بشیر احمد ہاشمی ہیں جنھوں نے اپنی تصنیف ''گفت شنید'' سنہ ۱۹۴۳ء سے اس فن کو نئی راہ دکھائی ہے[۳]۔ میدانِ خاکہ نگاری کے شہسوار رشید احمد صدیقی

۱۔ نثر کا فنی ارتقاء ص: ۳۶۳، مطبوعہ ۱۹۹۷ء ۲۔ نثر کا فنی ارتقاء ص: ۳۶۵، مطبوعہ ۱۹۹۷ء ۳۔ نثر کا فنی ارتقاء ص: ۳۷۰ مطبوعہ ۱۹۹۷ء

ہیں۔ جن کے نوک قلم سے اس فن کو نہ صرف ارتقائی منزل ملی بلکہ اردو ادب کے حلقوں میں مقبولیت کا درجہ بھی حاصل ہوا۔ بقول یحیٰ امجد : ''رشید احمد صاحب پہلے شخص ہیں جنھوں نے اس فن کو رفعتوں سے آشنا کیا۔ اور شخصیتوں کی ذاتی اہمیت سے قطع نظر خاکوں کو بذاتِ خود مقبول بنایا۔'' ؎۴

خاکہ نگاری یا مرقع نگاری کا فن دن بدن ترقی کی راہ پر گامزن کرنے والوں میں ایوب عباس اور عصمت چغتائی کا نام بڑی اہمیت رکھتا ہے۔

مذکورہ بالا حقائق کی روشنی میں یہ بات واضح ہوتی ہے کہ کسی بھی صنف کے وجود سے پہلے اس کے اولین نقوش ملتے ہیں اور بعد میں باقاعدہ طور پر اس کا آغاز اور پھر ارتقاء عمل میں آتا ہے۔ اسی طرح اردو مرقع نگاری کے ابتدائی نمونوں کو ہم نے بیسویں صدی میں دیکھا ہے۔ لیکن راقم الحروف نے یہاں اٹھارویں صدی کے مرقع نگاری کے چند نمونوں کو اقطابؒ ویلور کے تذکروں میں تلاش کرنے کی کوشش کی ہے۔ امید کہ قارئین کرام کی معلومات میں اضافہ ہوگا۔

اقطابؒ ویلور کی تاریخ تقریباً تین سو سال پر محیط ہے۔ راقم الحروف نے ان بزرگان دین کے حالات کو تفصیل کے ساتھ پڑھا اور قدیم تذکرہ نگاروں کے تذکروں کی روشنی میں معلومات حاصل کر کے قارئین تک پہنچانے کی کوشش کی ہے۔ آج سے تقریباً ایک صدی پہلے ان بزرگوں کے حالات فارسی زبان میں مختلف تذکرہ نگاروں نے بیان کی ہیں جن کو دارالعلوم لطیفیہ کے سابق ناظم سید شاہ محمد طاہر قادری علیہ الرحمہ نے اپنے دورِ نظامت میں اساتذہ کرام کی خدمات سے بزرگانِ سلف کے تذکروں کو فارسی زبان سے اردو زبان میں منتقل فرمایا۔ اس سلسلہ کی پہلی تصنیف ۲۷ ستمبر ۱۹۵۸ء کو ''خانوادۂ اقطابؒ ویلور'' کے نام سے شائع ہوئی جس کے مصنف حافظ محمد ذکریا خاؔور رانچوٹی ہیں۔ اس تصنیف میں اقطابؒ ویلور کے حالات کو نہایت اختصار کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ بعد میں ایک اور تصنیف ''انوار اقطابؒ ویلور'' کے نام سے تصنیف کی گئی جس کے مصنف مولانا طبیب الدین اشرفی مونگیری ہیں جو ان دنوں وہاں مسندِ درس و تدریس پر فائز تھے۔ ان دونوں تصانیف کے علاوہ موجودہ دور کے نثر نگار مولانا ڈاکٹر بشیر الحق قریشی سالنامہ ''اللطیف'' میں مفصل طور پر ان بزرگوں کا تذکرہ کیا ہے جو اقطابؒ ویلور نمبر کے نام سے سلور جوبلی کے موقع پر شائع کیا گیا ہے۔

''اقطابؒ ویلور'' کا سلسلہ نو سجادگان پر مشتمل ہے۔ ان بزرگوں نے خانقاہ اور مدرسہ کی نہ صرف حفاظت فرمائی بلکہ اپنے زیر سایہ علم و ادب کی اشاعت میں دن رات کوشاں رہے۔ اس گہوارہ علم و ادب کے پہلے سر پرست حضرت سید شاہ عبداللطیف قادری بیجاپوریؒ ۱۰۶۷ھ ـ ۱۱۴۹ھ ہیں، آپ کے حالاتِ زندگی نہایت اختصار کے ساتھ پیش کیا ہے آپکے فرزند سید شاہ ابوالحسن قرؔبی کی شخصیت کا مولانا طبیب الدین اشرفی نے اس طرح احاطہ کیا ہے:

''آپ بلند قامت چھریرے بدن کے تھے۔ سینہ چوڑا، پیشانی کشادہ تھی۔ داڑھی گھنی اور کسی قدر لمبی تھی اور رنگ گندمی مائل تھا۔ آپ کے اندر استغنا و توکل بدرجۂ اتم پایا جاتا تھا۔ تازیست امراء کے

؎۴ نثر کا فنی ارتقاء ص: ۲۷۰ مطبوعہ ۱۹۹۷ء

کے دروازوں پر تشریف نہیں لے گئے۔ اس سلسلہ میں انہوں نے ذوقیؔ کی تصنیف انشاعقائد ذوقی اور مولانا باقر آگاہ کی تحفۂ احسن اور مولانا سید محمد قادریؒ کی ضمیمہ جواھر السلوک کے حوالہ جات دئے ہیں۔ مولانا باقر آگاہ کے حوالہ سے لکھتے ہیں :

''آپ کی سخاوت اس درجہ تھی کہ کوئی سائل آپ کی بارگاہ سے محروم نہیں جاتا۔ بردبار حلیم الطبع ایسے کہ کبھی کسی ام سوائے خلافِ شرع اُمور کرنے والوں کو اظہار غضب نہ فرمایا۔ آپ کے اندر عجز و انکساری اس قدر پائی جاتی ہے کہ کوئی آپ کی خدمتِ اقدس میں آیا ہر ممکن دلجوئی اُس کی فرماتے۔ ہمیشہ اس طرح کلام فرماتے جس سے سامع بہت خوش ہوتا۔ کبھی آپ نے کسی کے عیوب خلوت یا جلوت میں اظہار نہ فرمایا۔ بلکہ کسی کے کوئی عیوب نظروں کے سامنے آگئے تو ہمیشہ آپ نے اغماض چشم سے کام لیا اور اس کی عیوب پوشی فرماتے رہے۔ جو کوئی معتقدین اہل دل میں سے آپ کی خدمت میں نذرانہ پیش کرتے انہیں آپ امر بالمعروف و نہی عن المنکر پر عامل رہنے کی نصیحت فرماتے۔'' ۱؎

مولانا ڈاکٹر بشیر الحق قریشی نے حضرت قربیؔ علیہ الرحمہ میں موجود ''حلم و بردباری'' کا اظہار کرتے ہوئے ایک تاریخی واقعہ کو نقل کیا ہے جس میں حضرت قربیؔ علیہ الرحمہ کی شخصیت میں موجود اعلیٰ اخلاقی نمونہ کا اظہار ہوتا ہے جس سے مرقع نگاری کی ایک جھلک قاری کے سامنے آجاتی ہے۔ وہ لکھتے ہیں۔

''سید مصطفیٰ اور سید اسماعیل کی روایت ہے کہ ۱۱۸۰ھ میں حضرت قربیؔ شیخ ساویؒ کے مقبرے کے قریب مقیم تھے۔ ایک روز حضرت ساوی کے صاحبزادے غلام احمد آپ کے پاس آتے ہیں اور تلخ لہجہ میں کہا کہ تم نے اپنی تصنیف میں شریعت اصل اور حقیقت کو فروع لکھا ہے۔ اس عبارت کو کاٹ دیجئے۔ آپ نے جواب دیا میں نے جو کچھ لکھا ہے اسے حضرت ساویؒ نے ملاحظہ کیا اور پسند فرمایا۔ اور کہا کہ اگر میں لکھتا تو یہی لکھتا۔ لیکن مرشد زادے نے نہ سنی اور آپ کی شان میں گستاخانہ الفاظ کہتے ہوئے عبارت کو کاٹنے کے کام میں مشغول ہوگئے۔ آپ نے حرمتِ مرشد کا لحاظ کرتے ہوئے کچھ تعارض نہیں کہا اور حلم بردباری کا ثبوت دیا۔'' ۲؎

مولانا طبیب الدین اشرفی نے حضرت ذوقیؔ علیہ الرحمہ کی شخصیت کا مولانا باقر آگاہ کے حوالہ سے اس طرح نقشہ کھینچا ہے جس سے مرقع نگاری کی جھلک ہمیں نظر آنے لگتی ہے۔

''آپ میانہ قد تھے۔ رنگ گندمی تھا، سینہ چوڑا اور پیشانی وسیع تھی۔ حسن خلق میں بالکل اپنے والد بزرگوار کے پرتو تھے۔ ہزار غم و آلام ہونے کے باوجود کبھی آپ کی پیشانی پر شکن نہیں آیا اور نہ اس قسم کے الفاظ زبان سے

۱؎ انوار اقطابؒ ویلور: ص: ۲۶، ۲۷ مطبوعہ قومی یلکٹرک پریس بنگلور ۱۹۶۵ء۔ ۲؎ اللطیف (سالنامہ) : ص: ۳۸ مطبوعہ قومی یلکٹرک پریس بنگلور ۱۹۸۴ء۔

نکلے جس سے کسی کے شکوہ کا تصور کیا جاسکے۔ ہمیشہ ہر ایک کے ساتھ خندہ پیشانی سے پیش آتے اور ہمیشہ لوگوں سے اس طرح کلام فرماتے کہ لوگوں کو آپ کے نزدیک سے جانے کا جی نہیں چاہتا۔ حُسن خلق کے ساتھ ساتھ توکل و استغنا بھی آپ کے اندر بدرجۂ اتم پایا ہے۔ کبھی آپ نے امراء و اغنیاء کے دروازوں پر نہیں تشریف لے گئے اور نہ کبھی ان کی پرواہ کی ان سے اتنا ہی تعلق رکھا کہ جب آپ کے پاس نیاز مندانہ حاضر ہوتے تو آپ ہمیشہ انہیں حقوق اللہ اور حقوق العباد کی اہمیت بتاتے اور ان پر عمل کی تلقین فرماتے۔ آپ کی بے نیازی اور توکل علی اللہ کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ ایک مرتبہ نواب والا جاہ آپ کے پاس جاگر کا پروانہ لئے حاضر ہوا رات کا وقت تھا چراغ سامنے جل رہا تھا آپ اس میں لگا کر پروانہ جلا دیا۔ نواب موصوف کو یہ دیکھکر حیرت ہوئی اور نواب موصوف نے عرض کیا حضرت یہ جاگیر آپ کی اولاد کے لئے بطورِ نظرانہ پیش کیا ہے۔ آپ نے جواب دیا پروانہ کو تو میں نے شمع کے حوالہ کیا۔ میری اولاد کے لئے میرا اللہ بس ہے۔ ؎۱

مولانا طبیب الدین اشرفی نے حضرت قطبِ ویلور کی شخصیت کا اس طرح احاطہ کیا ہے۔ جس سے ان کی قد آور شخصیت کی صاف جھلکیاں ہمیں نظر آتی ہیں۔

''قد میانہ، سبز رنگ، وسیع پیشانی، عریض سینہ، نحیف الجثہ تھے۔ آپ کی شخصیت عظمٰی کے اندر وہ سب کچھ تھا جو ایک انسانِ کامل کے اندر ہوسکتا ہے۔ حقیقی معنوں میں قدرت نے آپ کو وارث انبیاء بنایا تھا۔ آپ کی ہر ادا سنّنِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے تحت تھی، کوئی لحہ ایسا نہیں گذرا جس میں آپ سنتِ نبویؐ سے سرموہٹ کر ہوں، خواہ خلوت میں یا جلوت میں ہر حال میں پیارے مصطفیٰ ﷺ کی پیاری ادا پیشِ نظر رہی دل خوفِ الٰہی کا نشیمن بنا ہوا تھا تازیست کبھی ایسا لباس زیب تن نہیں فرمایا جو حضورؐ سے ثابت نہ ہو، صاحب ''مطلع النور'' فرماتے ہیں کہ کبھی آپ کے دل میں یہ خیال تک نہیں گذرا کہ شاہی کروفر سے آراستہ رہیں۔ تواضع وانکساری کا یہ عالم کہ کبھی آپ نے کسی مومن سے اپنے قولاً وفعلاً فضیلت نہ دی۔ بلکہ ہمیشہ یہی فرماتے رہے کہ میں مسلمانوں کی خاکِ پا ہوں۔ وہ آگے چل کر فرماتے ہیں کہ آپ کی نقل کو عقل سے تطبیق اس درجہ بلند تھی کہ اگر سقراط، جالینوس، وایکیموس بھی ہوتے تو ایمان لانے پر مجبور ہوجاتے جس کے دلائل قاہرہ، باہرہ کے سامنے معقولات کے دلیلوں کی عمارتیں کھوکھلی اور بے معنی نظر آتی ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ قطبؒ ویلور کے بھیس میں کوئی غزالیؒ ہے جو اہل علم کو درسِ انسانیت دے رہا ہے۔

۱ (انوار اقطابؒ ویلور: ص ۶۹ مطبوعہ یلکٹرک پریس ۱۹۶۵ء)

مذکورۂ بالا حقائق کی روشنی میں مختلف تذکرہ نگاروں نے مختلف انداز میں اقطابؒ ویلور کی مرقع نگاری کی جو جھلکیاں پیش کی ہیں ان کا تعلق مرقع نگاری کے Attachment کا پہلو نمایاں دکھائی دیتا ہے۔ اس سے قاری کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ

؎۱ انوار اقطابؒ ویلور: ص: ۵۰ مطبوعہ قومی یلکٹرک پریس بنگلور ۱۹۶۵ء۔

کیاان بزرگوں میں De attachment کا بھی کوئی پہلو موجود تھا جس کا ذکر کیا جاسکے جواب یہی ملتا ہے کہ ان نفوس قدسیہ کی تعلیم وتربیت کچھ اس طرح پاکیزہ ماحول میں کی گئی تھی کہ ''مخراب الاخلاق'' تو گجا اسی کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ان کے بچپن کا ماحول اور تعلیم وتربیت کا انداز بہت ہی نرالہ تھا کہ تصوفانہ ماحول کا دور دورہ تھا اور یہ سلسلہ تاحیات جاری رہا۔لہٰذا ان تمام حضرات کی شخصیتوں کا احاطہ اگر چہ کہ نہایت اختصار کے ساتھ کیا گیا ہے لیکن اس کا تعلق ''مرقع نگاری'' کی جھلکیوں سے جُڑا ہوا نظر آتا ہے جس سے قاری کے ذہن میں ان قدآور شخصیتوں کے مرقع کی جھلکیوں میں ان کے اعلیٰ وارفع ہونے کا ثبوت ملتا ہے اوران سے متاثر ہوکر عوام کی ایک کثیر تعداد پاکیزہ اخلاق اور ایک پاکیزہ ماحول کا انقلاب برپا ہونے لگا جس سے پوری قوم متاثر ہوئے بغیر نہ رہی۔اوران کی شخصیتوں میں موجود Attachment سے وہ سارے پہلو نمایاں ہوجاتے ہیں۔جوان کی شخصیت کی صحیح اور واضح تصویر قاری کے سامنے آجاتی ہے۔

مدرسۂ لطیفیہ

مولانا عبدالسلام کمالی ویلوری

ہے شان ہند کہ فخر دکن لطیفیہ
درّ عدن ہے لعل سمن لطیفیہ
مقامِ عظمت دورِ کہن لطیفیہ
نشانِ منزل قطب زمن لطیفیہ
کہاں نہیں رواں تیرے فیض کا دریا
کہ تو ہے غیرت گنگ وجمن لطیفیہ
مدارس و دبستاں ہیں اور بھی لیکن
ہیں سب شروح تیرے تو متن لطیفیہ
شمار حلقہ بگوشوں میں ہے کمالؔی کا
اِدھر بھی ایک دیا کی کرن لطیفیہ

(سالنامہ اللطیف ص۳۳ مطبوعہ قومی الکٹرک پریس، بنگلور ۱۳۹۸ھ)

اقطاب ویلور کے کشف و کرامات

مولانا محمد طبیب الدین اشرفی

سابق استاذ دار العلوم لطیفیہ، ویلور۔

1. حضرت قربی کے کشف و کرامات
2. حضرت ذوقی کے کشف و کرامات
3. حضرت محوی کے کشف و کرامات
4. حضرت قطبِ ویلور کے کشف و کرامات
5. حضرت رکن الدین کے کشف و کرامات
6. حضرت عبد اللطیف مکی کے کشف و کرامات
7. حضرت ابوالفتح سلطان محی الدین کے کشف و کرامات

1. حضرت قربی کے کشف و کرامات

آپ کی ذات بابرکات سے بیشمار کرامتوں کا ظہور ہوا۔ اولیاء اللہ سے کرامتوں کا صدور خالق کائنات کی قادریت مطلقہ اور اسکے وجود پر دلیل ہے اور ساتھ ہی ساتھ یہ مسئلہ بھی واضح ہوجاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے برگزیدہ بندوں کو کائنات کا تصرف کی طاقت وقدرت عطا فرمائی ہے جو کچھ ان سے خرق عادات کا صدور ہوتا ہے۔ یہ کوئی شعبدہ نہیں بلکہ منجانب اللہ عطا کردہ ایک حقیقت ہے جو صاحبِ کرامات کی بزرگی اور مقبولیت عنداللہ کی دلیل ہیں۔ یہ امتِ خیر الانام ﷺ کے علماء وصلحا کا اتفاق ہے اور عقائد کا مسئلہ ہے کہ کرامات اولیاء حق، چنانچہ علامہ سعدالدّین تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ کرامات اولیاء حق کے تحت فرماتے ہیں والدلیل علیٰ حقیقة الكرامة ماتواترمن كثير الصحابة ومن بعدهم بحيث لا يمكن انكاره خصوصاً الا مرالمشترك وصيلـه وان كانت التفاصيل احاداوايضاً الكتاب ناطق بظهورها من صاحب سليمان عليه السلام ومن مريم وبعد ثبوت الوقوع لا حاجة الىٰ اثبات الجواز۔

اللہ تعالیٰ نے ان حضرات کو اتنی قدرت عطا فرمائی ہے کہ وہ کسی مصیبت زدہ کی فریاد کو پہنچیں اور اس کی مدد فرمائیں۔ اس کے ثبوت میں سینکڑوں تاریخی شواھد ہیں جس کے لئے تاریخ وسیر کی جانب رجوع فرمائیں۔ حضرت قربی کی شخصیت بھی انہیں میں سے ایک ہے، جن سے مختلف وقفوں میں خرق وعادات کا ظہور ہوا،، چناں چہ حضرت ذوقی اپنی کتاب انشاء عقائد ذوقی کے اندر فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ایک دن سید فضل اللہ نامی ایک آدمی جو ادھر اُدھر پھر رہا تھا، پکڑ کر حضرت کی خدمت میں لایا گیا، میں نے حضرت سے کہا کہ یہ شخص نماز نہیں پڑھتا اور نازیبا حرکتیں کرتا رہتا ہے، حضرت شیخ نے فرمایا۔ دوسری مرتبہ ایسا نہ کرنا اور بہت سمجھایا۔ اس پر اس نے بہت زیادہ گستاخانہ کلمات استعمال کیا۔ حضرت نے فرمایا اس مردود کو باہر کردو، وہ شخص وہاں سے نکلتے ہی اسی دن دق میں مبتلا ہوگیا اور ریح وخون اس کے سینے سے نکلنے لگا۔ یہاں تک کہ وہ چند روز میں ختم ہوگیا۔

ایک دوسرا واقعہ مذکور ہے کہ ایک مرتبہ حضرت شیخ ایک لڑکے کو ایک آم کے درخت جو صحنِ مسجد میں واقع ہے، بکریوں کے لئے پتہ توڑنے کو چڑھایا، اور خود حضرت درخت کے نیچے کھڑے رہے۔ قضارہ وہ لڑکا درخت کی بلندی سے سقف مسجد پر گرا اور پھر وہاں سے صحنِ مسجد میں آگرا۔ اس وقت آپ کی زبان سے نکلا۔ خدا حافظ پھر آگے بڑھ کر اٹھایا تو بحمد اللہ وہ محفوظ تھا اور اسے کسی قسم کی ضرب نہ پہنچی۔

ایک مرتبہ کا واقعہ کہ اہلِ نائط سے ایک عورت بہت زیادہ بیمار ہوگئی۔ کثرت علاج کے باوجود صحت یاب نہ ہوسکی تو حضرت قربی کی خدمت میں لائی گئی۔ عورت مذکور نے حضرت قربی سے کہا کہ اگر میں اچھی ہوگئی تو عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کے نام پر اتنا صدقہ کروں گی، شیخ نے دعا فرمائی اور فرمایا کہ اگر تم نے نذر نہ پوری کی تو زبردست نقصان اٹھاوے گی۔ بفضل تعالیٰ وہ اچھی ہوگئی مگر منت پوری نہ کی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ چند ہی دنوں بعد ایک روز اس کے کپڑوں میں آگ لگی اور جل کر مرگئی۔

حضرت ذوقی عقائد ذوقی کے اندر باب مناقب قربی میں ایک واقعہ کا ذکر کرتے ہیں جن کے راوی سیّد مصطفےٰ وسید اسمٰعیل ہیں. ان دونوں حضرات نے نور اللہ شاہ وسید لطف وسید عمرو سید یاسین سے روایت کی ہے۔ یہ لوگ فرماتے ہیں کہ ۱۱۸۰ھ میں حضرت شیخ عبدالحق محمد مخدوم ساوی رضی اللہ عنہ کے مقبرے کے قریب قیام پذیر تھے اور ہم لوگ آپ کی خدمت میں حاضر تھے کہ ایک دن صاحبزادہ غلام احمد نہایت عتاب میں آپ کے سامنے آئے اور بیٹھ گئے۔ اور کہا کہ آپ نے اپنی کتاب میں شریعت اصل اور حقیقت فرع لکھا ہے۔ بہتر یہی ہے کہ آپ لکھی ہوئی عبارت کو مٹا دیں۔ شیخ نے جواب دیا کہ میں نے جو کچھ لکھا ہے۔ حضرت مخدوم کے سامنے لکھا ہے اور حضرت نے اس کا مطالعہ فرمایا ہے لیکن کچھ نہ بولے، بلکہ یہی فرمایا کہ اگر ع میں لکھتا تو یہی لکھتا۔ اس بات پر صاحبزادے نے کان نہ دیا اور عبارت مٹانے میں مشغول ہوگئے۔ ہمارے شیخ استادزادے ہونے کی وجہ سے حُرمت مرشد کا لحاظ کرتے ہوئے خاموش رہے، مزید صاحبزادے نے نازیبا باتیں اور گُستاخیاں کیں، پھر بھی حضرت خاموش رہے۔ اس شب حضرت مخدوم کو خواب میں دیکھا کہ آپ کے ساتھ نہایت شفقتِ کلامی سے پیش آئے اور ان کی نازیبا حرکتوں کو تسلیم فرمایا، ابھی دو تین روز بھی نہیں گذرے تھے کہ صاحبزادے کے ہاتھ میں رعشہ پیدا ہوگیا۔ اسی سراسیمگی کے عالم میں حضرت کی خدمت میں آکر پاؤں پر گر گئے اور رونے لگے تو حضرت نے خطائیں درگزر فرمائیں اور صاحبزادے کو شفاء ہوگئی۔

ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ حسن امام خان اور مرتضیٰ نامی دو شخص جو بہت کٹر رافضی تھے، ان دونوں نے حضرت قربی کو قتل کرنے کیلئے چار آدمیوں کو متعین کیا، وہ... چاروں گھات میں تھے تا کہ شیخ کو شہید کر ڈالیں، ابھی دو تین دن بھی نہیں گذرے تھے کہ ان چاروں میں سے ایک مر گیا اور تین بالکل دیوانے ہوگئے جن کا بعد میں بہت ہی برا حشر ہوا۔

اس زمانے میں جبکہ نواب سعادت اللہ خان کی اولاد حکومت کر رہی تھی نواب رضا خان ویلور کا قلعہ دار تھا، وہ بہت بڑا ظالم تھا، اس نے بہت سے غریبوں کے گھر اجڑوا دئے تھے۔ حضرت قربی کو معلوم ہوا تو آپ نے فرمایا کہ: غریباں فقیراں کا توڑیا ہے سایہ، رضا خان کی دولت کا ٹٹا ہے پایہ، چند دن بھی نہیں گذرے تھے کہ اس کے بھائی مرتضیٰ خان نے ویلور کے قلعہ پر قبضہ کر لیا۔

باقر آگاہ نے حضرت ذوقی کے حوالے سے اور اپنی آنکھوں دیکھا حال بیان کیا ہے، کہ حضرت قربی نے بہت سے بیماروں کو اچھے کئے۔ ان کی دعاؤں میں اللہ تعالیٰ نے وہ اثر عطا فرمایا تھا کہ کسی قسم کی تکلیف خواہ درد پا اور کوئی چیز ہو، فوراً دور ہو جاتے تھے چناں چہ جمال محمد نامی ایک آدمی آپ کے مریدین میں سے تھے، جن کو فالج اور لقوے کی شکایت ہوگئی۔ مختلف حکیموں کا علاج کرایا۔ لیکن علاج دفع نہ ہوا۔ انہوں نے حضرت قربی سے دعا کی درخواست کی تو حضرت نے کچھ پڑھ کر ان کے بدن پر پھونک دیا۔ لوگوں کے حیرت کی انتہا نہ رہی کہ مرض اسی وقت دیکھتے ہی دیکھتے ختم ہوگیا اور وہ چند دنوں میں بالکل تندرست ہوگئے۔ نیز سید لطف اللہ صاحب فرماتے ہیں کہ اسی طرح حضرت کی وفات کے بعد ۱۱۸۵ھ میں محمد جعفر نامی ایک بچہ پانی کے حوض میں گر کر ڈوب گیا، ہر چند میں نے تلاش کیا، نہ ملا حاضرین میں سے ایک شخص نے غوطہ لگا کر تلاش کیا تو اچانک بچہ ان کے ہاتھ میں آ گیا لیکن اس میں زندگی کی ایک رمق بھی بالکل باقی نہ تھی، آخر بچے کو حضرت قربی کی مزار مقدس پر لِٹا دیا گیا، تھوڑی دیر بعد وہ اٹھ بیٹھا اور روتے ہوئے اپنی ماں کو تلاش کرنے لگا۔

2. حضرت ذوقی کے کشف و کرامات

مجاہدات وریاضیات شاقہ کی کثرت سے آپ کا کشف اتنا بلند ہو چکا تھا کہ مجابات ناسوتی کی بعد اس کے کوئی حقیقت نہیں رہ گئی تھی۔ آپ کو جب کبھی کسی حال میں کوئی دشواری پیش آئی یا کوئی اور لا نیخل مسئلہ پیش آتا فوراً بذریعہ مراقبہ اپنے بزرگوں کی جانب رجوع فرما کر حل فرما لیتے، مطالعۂ کتب یا کسی کے سوال میں جب کوئی توقف ہوا فوراً آپنے صاحب کتاب سے اس کا حل فرما لیا۔ چناں چہ حضرت قطب ویلور قدس سرہ العزیز اپنے ایک مکتوب میں آپکا ذکر فرماتے ہوئے لکھتے ہیں کہ وجدی محی الملت والدین حضرت سید عبداللطیف قادری ویلوری چوں از ابیات مثنوی وغیرہ مسئول شدی سر بہ جیب رفتی وفرمودی کہ مصنف یعنی آں چنیں فرمود۔ آپ کی ذات اقدس سے بہت زیادہ کرامتوں کا صدور ہوا، یہاں چند کرامتوں کا ذکر مطالعۂ ناظرین کی غرض سے پیش کر رہا ہوں۔

صاحب مطلع النور اپنی کتاب مطلع النور میں فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت ذوقی وصال سے چند روز پہلے حاضرین مجلس سے فرمایا کہ اے لوگو! ایک بہت کہہ رہا ہوں اس کو یاد رکھنا کہ آج کے تیرھویں دن یہاں کا قطب دنیا سے اُٹھ جائے گا اور اس کے تین دن کے بعد قلعۂ ویلور پر گولی چلیگی۔ چناں چہ رجب کے مہینے میں تیرھویں تاریخ کو جب آپ کا وصال ہوا اور اس کے تین دن بعد قلعۂ پر گولی چلی تو لوگوں نے یقین کر لیا کہ آپ ہی کی مقدس شخصیت تھی جن کو اللہ تعالیٰ نے اس زمانے کا قطب بنایا تھا، جن کے وصال کے بعد حاکم قلعہ پر زوال آیا۔

اسی طرح ایک اور واقعہ صاحب مطلو النور تحریر فرماتے ہیں کہ نواب والا جاہ نے آپ کے پاس عریضہ روانہ کیا اور اس میں یہ درخواست کی کہ یا شیخ! اگر آپ کی اجازت ہو تو قلعۂ تنجاور پہ فوج کشی کروں، حضرت نے ان کو اجازت عطا فرمائی۔ حاضرین اس پر متعجب ہوئے اور عرض کیا کہ یا حضرت! تنجاور کا راجہ نہایت بہادر لڑنے والی فوج اس کے پاس ہے اتنے بڑے زبردست راجہ سے مقابلہ ممکن نہیں، حضرت ذوقی نے جواب دیا کیا تنجاور میں ایک بہت بڑے ولی قطب وقت کا مزار ہے، موصوف رات کو تشریف لائے، فرمایا کہ بہ حکم رب العالمین ولایت تنجاور اس کے قلعۂ کی کنجی آپ کے سپرد کر رہا ہوں اور کنجی دے کر وہ پھر بہ خوشی واپس تشریف لے گئے، میرے رب نے مجھے یہ اختیار دیا ہے جس کو چاہوں وہ قلعہ عطا کر دوں لہٰذا میں نے نواب موصوف کو وہ قلعہ عطا کیا اور اس پر چڑھائی کی اجازت بخشی۔ حسبِ اجازت نواب والا جاہ نے چڑھائی کی اور قلعہ فتح کر لیا۔ ناظرین قطبِ وقت کو منجانب اللہ یہ تصرف عطا کیا جاتا ہے کہ وہ اپنے حدود ولایت میں نظام ظاہری جسے چاہے سُپرد کر دے۔

ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ ایک عورت اپنی لڑکی کو آپ کے پاس لائی جس پر ایک جن تھا۔ اور اس کو بہت ایذا دیا کرتا تھا۔ وہ لڑکی جب آپ کے سامنے آئی تو جن خوف زدہ ہو کر بولنے لگا۔ یا حضرت! ہماری خطائیں معاف فرمائی جائیں۔ آپ نے فرمایا تو کون ہے؟ اور کہاں سے کیوں اس پر آیا۔ اس نے جواب دیا کہ یا شیخ! میرا نام محمد یوسف ہے، میں اس کے گھر کے بغل والے درخت پہ تھا۔ اس وقت یہ لڑکی استنجاء کے لئے آئی، یہ مجھ کو بھا گئی اور میں اس پر آ گیا۔ اب میں خطاؤں کی معافی چاہتا ہوں اور وعدہ کرتا ہوں کہ آئندہ سے ہرگز ایسی

حرکت نہ کروں گا۔اس کے اس وعدہ پر آپ نے درگذر فرما دیا اور وہ جن فوراً لڑکی کو چھوڑ کر کہیں اور چلا گیا۔

3. حضرت محویؒ کے کشف و کرامات

بہت سے کرامات آپ سے صدور ہوئے ، چند واقعات استفادہ ناظرین کی غرض پیش کر رہا ہوں ایک مرتبہ والی میسور ٹیپو سلطان شہیدؒ نے آپ کی خدمت میں کثیر رقم نذرانے کی روانہ کی اور میسور آنے کے لئے درخواست کی رقم آپ نے شکریہ کے ساتھ واپس کرتے ہوئے آئے ہوئے قاصد سے کہا کہ سلطان سے کہہ دینا کہ سلطنت خداداد کو چھ ماہ کے بعد زوال آنے والا ہے، لہٰذا فقیر جانے سے مجبور ہے کیوں کہ خلق خدا کہیگی کہ حضرت ابوالحسن محویؒ کے آنے کی وجہ سے اس سلطنت کو زوال آیا، قاصد واپس چلا گیا۔اس کے چھ ماہ بعد ہی حضرت ٹیپو سلطان، شہید ہوئے۔اور ایسٹ انڈیا کمپنی کا وہاں قبضہ ہوا۔

اس طرح ایک اور واقعہ ہے ایک مرتبہ ایک مرید صادق آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یا حضرت! لوگ حضور کے مسجد نہ تشریف لیجانے پر معترض ہیں، عجیب عجیب خیالات کے شکار ہوگئے ہیں وہ کہتے رہے اور آپ خاموش سنتے رہے تھوڑی دیر کے بعد سر مبارک اٹھایا اور فرمایا کہ آنکھ بند کرو، مرید نے آنکھ بند کرلی، پھر فرمایا کہ آنکھ کھولو جب آنکھ کھولی تو دیکھا۔دونوں صحن مسجدِ حرم میں بیٹھے ہیں مؤذن اذان عصر دے رہا ہے۔دونوں حضرات نے نماز باجماعت ادا کی، بعد فراغت کے پھر حضرت نے فرمایا کہ آنکھیں بند کرو، مرید نے حسب الحکم بند کرلیا، پھر فرمایا کھولو، جب کھولی تو دیکھا، کہ جہاں سے چلے تھے وہیں دونوں حضرات بیٹھے ہیں، مرید بہت ہی متحیّر ہوئے، پھر حضرت نے انہیں تاکید فرمائی کہ کسی سے میری زندگی میں کسی سے نہ کہنا۔۔

4. حضرت قطبِ ویلور کے کشف و کرامات

شیخ کے ایک مرید جو عابد حاجی ہونے کے ساتھ نہایت ہی خلیق واقع ہوئے تھے، فرماتے ہیں کہ جب میرے شباب کا عالم تھا، اسی زمانے میں ایک مرتبہ اپنے اہل وعیال سے دور ہوا اسی جدائی کے دوران میرے اندر زنا کے خطرات پیدا ہوئے اور خواہش بڑھتی گئی کہ رات میں شیخ خواب میں تشریف لائے اور انتہائی غضب کے عالم میں فرماتے ہیں کہ کیا تو زنا کا ارادہ رکھتا ہے؟ جا آج سے تیری رجولیت سلب کرتا ہوں، مرید مذکور فرماتے ہیں کہ جب میں بیدار ہوا تو واقعی میں نے اپنے کو نامرد پایا، بہت علاج کیا لیکن کوئی حاصل نہ نکلا، اور تین سال تک اسی حال میں رہا، آخر اس کے بعد جب ویلور آیا اور شیخ کے بہنوائی مولانا حاجی محی الدین صاحب جو بہت بڑے صوفی و عالم ہونے کے ساتھ ساتھ زبردست حکیم بھی تھے، ان کے پاس گیا، انہوں نے دیکھکر فرمایا کہ آپ مریض نہیں بلکہ پیر کا تصرف ہے لہٰذا بہتر یہی ہے کہ اپنے پیر کی بارگاہ میں رُجوع لائیں اور معذرت پیش کریں۔بالآخر شیخ کی خدمت میں آیا، لیکن لب کشائی کی ہمت نہ ہوئی تو مجبوراً ایک کاغذ میں لکھ کر آپ کے حجرۂ اقدس میں رکھ دیا، جب شیخ مسجد میں تشریف لائے تو فرمایا کہ کیا تو نے یہ کاغذ رکھا ہے، میں نے اثبات میں جواب دیا تو شیخ نے فرمایا کہ آئندہ ہوشیار رہنا کبھی ایسی حرکت نہ ہونے پائے، سرّ و جہر خدائے قہار سے خوف کھاتے رہو، پھر اسی شب شیخ دوبارہ نصیحت کے بعد فرمایا کہ جا تیری رجولیت کو واپس کیا، بیدار ہوا تو اپنے کو اصل حال میں پایا اسی طرح آپکے انتقال کے بعد کا ایک واقعہ

ہے کہ ایک مرتبہ ایک قندھاری سید ذاکر نامی شخص حضرت مکان میں تشریف لائے ایک شب وہ نوجوان بالکل بھوکا سوگیا اور کسی کو خبر نہیں، اسی رات شیخ نے اپنی خادمہ کی بہت زیادہ زجر و توبیخ کی کہ ایک مسافر بھوکا سوگیا اور اس کو کھانا نہیں پہنچایا گیا۔ خادمہ نے عرض کیا۔

یا حضرت! وہ کون ہے؟ کہاں ہے؟ تو حضرت نے بتایا کہ سید ذاکر حسین قندھاری فلاں جگہ ہے، پھر خادمہ نے عرض کیا کہ کھانا تو ہے لیکن سالن نہیں ہے تو شیخ نے فرمایا کہ سالن نہ ہو تو کم از کم چٹنی ڈالکر کھانا پہنچاؤ فوراً خادمہ بیدار ہوئی اور اسی وقت طشت میں کھانا رکھ کر وہاں پہنچایا، وہ قندھاری حیران ہیں کہ میں نے کسی کو اطلاع نہ دیا اور کھانا کیسے آگیا۔ خادمہ سے پوچھنے پر اُس نے واقعہ کی حقیقت کا اظہار کیا۔

ایک مرتبہ چند اشخاص نواحی کولار سے آئے اور شیخ کے رباط میں ٹھہرے۔ دو تین دن رہنے کے بعد، بعد نماز عشاء شیخ سے اجازت رخصت لیکر اپنے قیام گاہ پر آگئے کہ صبح سویرے روانہ ہوں گے، بارہ بجے شب میں شیخ نے رباط میں آکر فرمایا، ابھی روانہ ہو جاؤ لیکن پھر بھی غلبۂ خواب کی وجہ سے سوگئے۔ تھوڑی دیر بعد پھر شیخ نے آکر فرمایا، فوراً جاؤ حسبِ فرمان تیار ہو کر وہ لوگ ویلور سے روانہ ہوئے۔ دوسرے دن ان لوگوں کا ایک جنگل سے گذر ہوا، اس جنگل میں ایک نالہ جاری تھا جس کے کنارے چند ملاح تھے، جو لوگوں کو اس کنارے سے اس کنارے لے جایا کرتے تھے، اہل نواحی کولار کہتے ہیں کہ ہم لوگ بھی پہنچ کر پار ہو گئے اور اپنی ضرورتوں سے فارغ ہو کر جب کھانے بیٹھے تو دوسرے چند لوگ آئے، جن کو ملاح سوار کر کے دوسرے کنارے لے جا رہے تھے کہ اچانک نیا پانی آیا اور اس میں ایسی طغیانی آئی کہ کشتی اُلٹ گئی اور جملہ سوار ڈوب گئے، اسی وقت ہم لوگوں کو معلوم ہوا، کہ شیخ کا بار بار جگا کر جانے کیلئے فرمانے کی کیا وجہ تھی، اگر تھوڑی دیر ہوتی تو اسی وقت قافلے کے ساتھ ہمارا حشر بھی ہوتا۔

شیخ چندر نامی ایک صاحب بیان کرتے ہیں کہ جب میں ویلور آیا اور مکان میں قیام کیا، اسی قیام کے دوران ایک روز روح کی بحث چھڑ گئی کہ روح مخلوق ہے یا غیر مخلوق ہے بہت زیادہ بحث ہوتی رہی لیکن فیصلہ نہ ہو سکا، بالآخر شیخ کی خدمت میں آیا۔ شیخ اس وقت مسجد میں معتکف تھے، جب خدمت میں بیٹھا تو شیخ ہی بے شان و گمان گفتگو میں پہل فرمائی اور فرمایا کہ پوچھو کیا پوچھنا چاہتے ہیں کیا رُوح کے بارے میں کچھ کہنا ہے۔ موصوف فرماتے ہیں کہ اس وقت مجھ پر لرزہ طاری ہو گیا، جب قدرے سکون ہوا تو شیخ نے فرمایا کہ روح حادث ہے پھر اس کے دقائق و نکات پر سیر حاصل بحث فرمائی (کما قال صاحب مطلع النور)

ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ جب شیخ حج ثانی کے لئے نکلے اور کڈپہ پہنچے اور وہاں نزول فرمایا آپ کی ایک مجلس میں ایک پیر مرد بھی آیا، شیخ نے اس کو بٹھا کر پُوچھا کہ کیا نام ہے، پیر مرد نے اپنا نام بتایا، پھر شیخ نے اس کی عمر دریافت کی تو اس نے جواب دیا ۸۲ بیاسی سال کی عمر ہے جواباً شیخ نے فرمایا کہ روح تن سے جُدا ہونا چاہتی ہے، پیر مرد نے نہیں سمجھا تو دوبارہ آپ نے یہی فرمایا اختتام مجلس کے بعد لوگ اپنے اپنے گھر کو چلے گئے، دوسرے دن بلا مہلت وہ پیر مرد دنیا سے رخصت ہو گیا، تب لوگوں کو پورا یقین ہوا کہ قطب زمان نے صحیح فرمایا کہ روح تن سے جدا ہو کر اپنے وطن کو جانا چاہتی ہے۔

5. حضرت رکن الدین کے کشف و کرامات

آپ کی ذات اقدس سے بھی کرامتوں کا صدور ہوا، ایک واقعہ مطالعۂ ناظرین کے لئے درج کیا جارہا ہے۔ایک شخص جو بہت نحوست میں مشہور زمانہ ہوگیا تھا اور لوگوں نے اسے خصوصی لقب آتش قدم سے معروف کررکھا تھا جس راہ سے گذرتا لوگ اس سے کتراتے، بالآخر اس غریب کے لئے جب اتنی وسیع کائنات تنگ ہوگئی تو وہ اپنی زندگی سے بیزار ہوگیا اور خودکشی کے بارے میں سوچ رہا تھا کہ ایک روز اسکا گذر مکان سے ہوا۔حضرت کے مریدین دیکھ کر گھبرا گئے اور حضرت کو آتش قدم کے آنے کی اطلاع دی اطلاع ہونے پر حضرت نے اسکو بلایا اور نزدیک بٹھا کر خیریت دریافت فرمائی حضرت اس کی روداد غم سُن کر بیتاب ہوگئے، اسے اپنے ساتھ بٹھا کر کھانا کھلایا اور فوراً اپنے ایک مرید کے نام جو آمبور کے رئیس تھے، ایک خط دیا، جس میں آپ نے شخص مذکور کو کمپنی میں جگہ دینے کو فرمایا۔جب وہ رقعہ لیکر ان کے گھر پہنچا اور رئیس مذکور نے اس سفارش نامہ کو ملاحظہ کیا تو بہت پریشان ہوئے کہ پیرومرشد نے اسے کہاں بھیجدیا۔وہ مرید بغیر جواب دئے اندر چلے گئے۔اتفاقاً ان کی بیوی کو درد زہ شروع ہوا اور اس قدر شدید ہوا کہ صورت نازک تر ہوگئی، رئیس موصوف کے دل میں معاً خیال پیدا ہوا کہ شاید پیر برحق کے عدول حکم کا نتیجہ ہے فوراً باہر آئے دیکھا تو بیچارہ غریب جواب کے لئے سراپا منتظر ہے۔مرید نے کہا کہ بھائی آج سے تم میرے نوکر ہوجاؤ اور میرے فرم میں کام کرو کرشمۂ قدرت ملاحظہ فرمایئے کہ ادھر اس کو منظوری دی اُدھر خوشخبری سننے میں آئی کہ اللہ تعالیٰ نے تمھیں چاند سا لڑکا عطا کیا، اس کے بعد اللہ نے انہیں اپنی رحمتوں سے ایسا نوازا کہ آجتک وہ خوشحال ہیں۔

6. حضرت عبداللطیف مکی کے کشف و کرامات

آپکی شخصیت مستجاب الدعوات تھی جب کبھی آپ نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھایا اور جو کچھ آپکی زبان مبارک سے صادر ہوا، اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت کاملہ سے اُسے شرف قبولیت بخشا۔اسی طرح آپ سے کرامتوں کا بھی صُدور ہوا، ایک واقعہ آپکے کشف کے تحت پیش کیا جارہا ہے، وہ یہ ہے کہ ایک شخص سکندر خان نامی شمالی ہند کے مشہور تاجروں سے تھا انہوں نے یہ عہد کیا کہ میں ایسے پیر کے ہاتھ پر بیعت کروں گا جو مجھے میرا نام لیکر پکارے شرط یہ کہ کبھی نہ دیکھا ہو، غرضیکہ شخص مذکور مختلف مقامات پر ہوتے ہوئے جب مدراس آئے تو کسی نے کہا کہ ویلور کو جایئے، جب وہ ویلور کو آئے تھے، وہ عصر کا وقت تھا آپ صحن مسجد میں ٹہل رہے تھے کہ وہ داخل مکان ہوئے اور آپ کو سلام کیا، حضرت نے سلام کا جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ آیئے سکندر خان صاحب تشریف لایئے۔کہئے کیسے ہیں، سکندر خان سنکر حیران و ششدر رہ گئے فوراً توبہ کی اور آپکے دستِ حق پرست پر بیعت کی۔

ایک اور واقعہ اگرچہ آپ سے اس کا تعلق نہیں ہے لیکن چونکہ آپ کے وقت میں ہوا، اس لئے بہ غرض استفادۂ ناظرین پیش کررہا ہوں، جس سے تصرفاتِ اولیاء اللہ کا اچھی طرح اندازہ کیا جاسکتا ہے۔مولوی سکندر صاحب میسوری حضرت مکان سے اور مولوی محی الدین صاحب چیدہ سے تعارف کے بعد مسجد میں آپس میں گفتگو کرتے رہے، اسی اثناء میں ایک اجنبی چائے لئے ہوئے آیا، دونوں حضرات نے چائے پی، اس کے تھوڑی ہی دیر بعد دونوں کی حالت ابتر ہوگئی۔مولوی چیدہ صاحب تو گھر چلے گئے اور یہ مسجد ہی میں رہے۔

موصوف بیقراری کے عالم میں رات کو بار بار حوض کے پاس جاتے اور چاہتے کہ اس میں کود جائیں، لیکن فوراً وہ بزرگ گنبد سے باہر تشریف لاتے اور آپ کو پکڑ کر مسجد میں لٹادیتے، بارہا ایسا ہی ہوا، بالآخر جب ہوش ہوا اور صبح بھی ہوئی تو آپ نے دوران تقریر میں اس واقعہ کو بیان فرمایا اور کہا کہ اگر یہ بزرگ نہ ہوتے تو میں یقیناً نہیں بچتا۔

7. حضرت ابو الفتح سلطان محی الدین سید شاہ عبد القادری قدس سرہ العزیز کے کرامات

آپ کی شخصیتِ عظمیٰ کا اندازہ واقعہ ذیل سے لگا سکتے ہیں کہ آپ کیا تھے۔ وہ یہ ہے کہ جناب غلام محی الدین صاحب مرحوم جودھرم پوری کے مٹھے دار تھے، ان کو ایک ایسے پیر کی تلاش تھی، جو صاحبِ ولایت ہو، دن رات یہی جذبہ موجزن تھا کہ کوئی مرد باخدا مل جائے تا کہ ہاتھ میں ہاتھ دے کر اپنی عاقبت سنوار لوں، چناں چہ وہ پھرتے پھراتے شاہ گنج سوائی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار اقدس پہ حاضری دی اور عرض کیا۔ یا شیخ ! مجھے شیخ کامل دکھادیجئے۔ صاحب مزار نے ان کو خواب میں حلیۂ مرشد اور حضرت مکان دیکھادیا اور فرمایا کہ یہ تیرا شیخ میرا ہم نام ہے۔ میں بھی عبدالقادر ہوں اور یہ بھی ہیں اور قادریت میں پختہ ہیں اور قطب وقت ہیں، موصوف اشارۂ غیبی پاتے ہی فرماں وخنداں صاحب مکان حضرت قطب ویلور کی بارگاہ پُر انوار میں نیاز مندانہ حاضر ہوئے اور گنبد میں تھوڑی دیر مراقب ہونے کے بعد اعلحضرت عظیم البرکت قدس سرہ العزیز کی زیارت کے سراپا منتظر ہو رہے۔ تھوڑی دیر کے بعد اعلحضرت خانقاہ سے نکلے، موصوف نے دیکھتے ہی پہچان لیا اور بعد ملاقات دھرم پوری واپس جا کر مع اہل وعیال حاضر بارگاہ پُر انوار ہوئے اور اس مرد باخدا کے دستِ حق پر بیعت کر لی، علاوہ ازیں اور بہت سے شواہد آپ کی ذاتِ گرامی کے تحت ہیں۔

آپ کے انتقال کے چند دنوں پہلے آپ کے درمیانی بھائی حضرت ابوالصالح عمادالدین سید شاہ ناصر قادری نے خواب میں دیکھا کہ گنبد کے اندر مغربی گوشے میں ایک قبر کھودی جارہی ہے اور اندر باہر بہت سے بزرگانِ دین کھڑے ہوئے ہیں ان بزرگوں میں حضرت شاہ حمید الدین ناگوری رحمۃ اللہ علیہ بھی ہیں آپ نے شیخ مذکور سے دریافت فرمایا کہ یہ قبر کس کیلئے کھودی جارہی ہے تو انہوں نے جواب دیا کہ ایک قطبِ وقت دنیا سے اٹھنے والا ہے، خواب سے بیدار ہوتے ہی آپ کے دل میں یہ بات کھٹکتی رہی کہ یوماً فیوماً الجھن بڑھتی گئی۔ آخر اس خواب کے تعبیر کی حقیقت اس وقت کھلی جب اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ مختصری علالت کے تحت برائے علاج مشن ہسپتال کے مشہور معالج کے زیر نگر ہسپتال میں داخل کیا گیا، لیکن مرض بڑھتا گیا، جوں جوں دوا دوا کی باوجود اس کے ڈاکٹر آپ کے اطمینان کو دیکھ کر متحیر و دم بخود تھے، جیسے جیسے وقت قریب آتا گیا۔ آپ سے نادر لا وجود واقعات کا ظہور ہوتا رہا، ایک مرتبہ جب آپکی عزیز ہمشیرہ صاحبہ آپ کو دیکھنے گئیں تو آپ نے مسکراتے ہوئے فرمایا کہ ابھی جو کچھ ہم سے لینا ہے لے لو، آٹھویں روز پھر رونا ہے، جب چار تاریخ گذر کر بارہ کا دن آیا تو اس روز عجیب منظر تھا۔ فضا بالکل ساکت تھی، ہر طرف ہو کا عالم تھا، معلوم ہو رہا تھا کہ کائنات پر ایک لرزہ طاری تھا ہے۔ ؎

نکلا سورج پھر تھر تھراتا ہوا منظر غم میں تلملاتا ہوا۔

اہل عالم اس خدا کے محبوب کی جدائی میں دھاڑیں مار مار کر رو رہے تھے، کیوں نہ ہو گلشن دہر سے اجل نے ایسے پھول کو منتخب کیا، جس کے فیض کرم سے ساری کائنات مہک رہی تھی، نزع کا وقت تھا۔ آپ نے از خود ہاتھ پاؤں سیدھا فرما کر ذکر شروع فرما دیا اس وقت آپ کی صورت قابل دید تھی، چہرہ انور معلوم ہو رہا تھا کہ ماہ کامل اپنی پوری، تابانیوں کے ساتھ دمک رہا ہے۔ چہرۂ اتنا بشاش کے جیسے کسی گوھر نایاب کے پانے میں ہو، حضار رو رہیں اور آپ دعائیں مانگتے رہے۔ ؎

قسمت نگر کہ کشتہ عشق یافت مرگے کہ زاہداں بہ آرزو کنند

بالکل یہی حال آپ کا تھا، بالآخر وہ طائر لاہوتی سجن عالم سے یہ کہتے ہوئے پرواز کر گئی

از
افضل العلماء
الحاج یوسف کوکن عمری
سابق صدر
شعبہ اردو، عربی اور فارسی
مدراس یونیورسٹی۔

گذشتہ ایک سو سال میں علمی تحقیقات و تدقیقات میں جو غیر معمولی ترقی ہوی ہے۔اس کا ہر ایک کو اندازہ ہے۔علم تصوف پر بہت کچھ لکھا جا چکا ہے اور لکھا جا رہا ہے۔مگر علمی تصوف باقی نہیں رہا۔جب ہم ان علمی تحقیقات کے بلند مینار پر کھڑے ہو کر ماضی کی تاریخ پر ایک نظر ڈالتے ہیں تو صوفیائے کرام کی جماعت میں حضرت قطب ویلور کی حیثیت اب بھی بہت جگمگاتی نظر آتی ہے۔آپ کا علمی مرتبہ بہت نمایاں ہے۔ایسا محسوس ہونے لگتا ہے کہ کم از کم جنوبی ہند میں قطبیت آپ پر ختم ہوگئی ہے۔آپ کے بعد کوئی ایسا نظر نہیں آتا جس میں علمی اور عملی تصوف مجتمع پایا جاتا ہو۔

آپ ایک ایسے زمانے میں پیدا ہوے جبکہ شہر ویلور اپنا علمی وقار کھو چکا تھا، علما و فضلاء کھینچ کر مدراس پہنچ چکے تھے، ویلور کی بجائے اب شہر مدراس ایک بہت بڑا علمی مرکز بن گیا تھا۔اُس وقت مدراس میں حضرت مولانا باقر آگاہؒ ویلوری کا طوطی بول رہا تھا۔اسی سال شیعہ سنی بحث جاری ہوی تھی جو پورے نو سال تک چلی نہ صرف شہر مدراس میں بلکہ ویلور میں بھی ایک ہیجان بڑپا تھا۔

جب ۱۲۱۶ھ میں نواب عظیم الدولہ فرزند نواب امیر الامراء گدی نشین ہوے تو سنیوں اور شیعوں کی یہ چپقلش یکلخت بند ہوگئی۔

اگر چہ قطب ویلور کا یہ بچپن کا زمانہ تھا، تاہم قیاس کہتا ہے کہ حضرت آگاہ کے ان علمی چرچوں اور بحثوں کا قطب ویلور پر ضرور اثر ہوا ہوگا۔

آگاہ کے علاوہ شہر مدراس میں ایک عظیم الشان شخصیت حضرت ملا عبد العلی بحر العلومؒ کی تھی۔آپ ۱۲۰۶ھ میں نواب محمد علی والا جاہ کی درخواست پر بوھر بہار سے مدراس تشریف لائے تھے اور پھر یہاں مسلسل اکیس سال تک علم دین کی خدمت کی اور ۱۳ رجب ۱۲۲۵ھ کو آگاہ کی وفات کے پانچ سال بعد انتقال کیا۔مولوی محمد غوث شرف الملک بہادر المتوفی ۱۲۳۸ھ دیوان نواب عظیم الدولہ انہی کے ایک نامور شاگرد تھے۔بحر العلوم ایک منطقی اور اصولی کی حیثیت سے مشہور اور معروف ہو چکے تھے۔علم تصوف سے بھی انہیں بڑی گہری دلچسپی تھی۔مثنوی مولانا روم کی فارسی میں شرح لکھی تھی اس کے علاوہ وحدت الوجود اور تنزلات ستہ پر ان کے دو مشہور رسالے تھے۔اکثر لوگ انہیں علمی استفادہ کر رہے تھے۔

قطب ویلور نے ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد اور دوسرے اساتذہ سے حاصل کی اور پھر صرف ونحو، فقہ وعقائد وانشاء، ھیئت و ہندسہ حساب و مساحت، علم اصول فرائض، حقائق و سلوک اور علم طبابت کی متداول کتابیں پڑھیں۔جب ۱۲۲۶ھ میں ان سے فراغت حاصل کی تو دو سال تک قرآن مجید حفظ کیا۔اس کے ساتھ تفسیر وحدیث، سیر رجال، ملفوظات بزرگان، وتواریخ گزشتگان کا مطالعہ جاری رکھا۔نیز فرق باطلہ اور اہل کتاب کی تردید میں جو کتابیں لکھی گئی تھیں ان کا بھی مطالعہ کرنا شروع کیا۔اور جب ان سے بھی علمی پیاس انکی بجھ

نہ سکی تو ۱۲۳۴ھ میں مدراس آکر ملک العلماء مولانا علاؤالدین احمد شارح فصول اکبری وداماد عبدالعلی بحرالعلوم اور مدرسۂ کلاں مدراس کے دوسرے اساتذہ سے مختلف علوم وفنون کی تعلیم حاصل کرنی شروع کی۔ وہ آٹھ سال تک مختلف کتابیں پڑھتے ہے۔ یہاں تک کہ ۵، شعبان ۱۲۴۳ھ کوفراغت کی سند حاصل کی۔

دوران تعلیم آپ کے دل میں یہ خواہش پیدا ہوگئی تھی کہ دہلی جاکر حضرت شاہ عبدالعزیز دہلی المتوفی ۱۲۴۸ھ سے بھی استفادہ کریں ۔ان کی مشہور کتاب تحفۂ اثناعشریہ ۱۲۶۲ھ سے پہلے مدراس پہنچ چکی تھی اور سراج العلماء مولوی محمد سعید اسلمی نے الصولة الحیدریہ کے نام سے اس کا عربی میں ترجمہ کردیا تھا، یہ ترجمہ ۵ شعبان، ۱۲۲۷ھ کوختم ہوا تھا، اسکی وجہ سے فطری طور پر بعض طلبہ کو یہ شوق پیدا ہوا تھا کہ دہلی جاکران سے تعلیم حاصل کریں۔ حضرت قطب ویلور کی والدۂ ماجدہ بی بی امۃ المجید نے نصیحت کی اور کہا پہلے یہاں تمام علوم کی تکمیل کرلو اور پھر مزید تعلیم کے لئے دہلی کا قصد کرو، لیکن جب فراغیت علوم کے بعد دلی جانے کی ٹھانی تو اس درمیان میں ۲۶ جمادی الاخری ۱۲۴۳ھ کو آپ کے والد ماجد حضرت سید شاہ ابوالحسن قادری محویؔ کا وصال ہوگیا۔ رشد وہدایت وتربیت کی ذمہ داری حضرت قطب ویلور پر عائد ہوگئی اس طرح آپ کا یہ ارادہ پورا نہ ہوسکا۔

شہر مدراس میں آپ کے معاصرین کئی ایک عالم ایسے تھے جو تصنیف وتالیف کے لحاظ سے بہت ممتاز تھے، افضل العلماء قاضی ارتضا علیخان صفوی کی مایۂ ناز عربی وفارسی تصانیف ہر جگہ پھیل چکی تھیں۔ مولوی عبدالوہاب۔ مدارالامراء بہادر امام العلماء قاضی بدرالدولہ بہادر اور حافظ احمد خان بہادر کی سی جلیل القدر شخصیتیں تھیں جن سے مدراس کا آسمان علم جگمگا رہا تھا۔ مگر علم تصوف پر حضرت سید شاہ عبدالقادر مہربان فخری میلاپوری المتوفی ۱۲۰۴ھ کی کتاب اصل الاصول، اور مفتاح العارف کے بعد کوئی ایسی تصنیف نظر نہیں آرہی تھی جس میں علم تصوف پر کافی وضاحت کے ساتھ بحثیں کی گئی ہوں۔ ویلور میں ۱۱۳۲ھ سے رشد وہدایت کا سلسلہ جاری تھا، لیکن تصنیف وتالیف کا سلسلہ حضرت ذوقیؔ رحمۃ اللہ علیہ کی وفات ۱۱۹۴ھ کے بعد کچھ ماند پڑھ گیا تھا۔ حضرت قطب ویلور نے تصنیف وتالیف کے سلسلہ میں ایک نئی روح پھونکی اور احیاء السنہ، احیاء التوحید تنبیہ الجاھلین، صراط المومنین، اصل العلوم اور غایۃ التحقیق کے نام سے کئی مفید کتابیں لکھیں۔ عوام اور خواص سب کو ان سے بڑا فائدہ پہنچا۔ مگر آپ کی علمی منزلت آپ کی مایۂ ناز تصنیفات جواہر الحقائق، فصل الخطاب فی الفرق بین الخطا والصواب اور جواہر السلوک کی وجہ سے ہے۔ جو بترتیب ۱۲۷۳ھ سے ۱۲۷۷ھ اور ۱۲۸۱ھ میں لکھی گئیں۔ محققین علم وادب شہادت دے سکتے ہیں، کہ حقائق علمی، قوت دلائل، وضاحت بیان اور نفاست ترتیب میں آج بھی ان کتابوں کا کوئی جواب نہیں ہے۔

جب احیاء توحید وسنت پر آپ کی زوردار تقریریں ہونے لگیں تو بعض شریر النفس لوگوں نے ۱۲۵۵ھ میں برطانوی کے حکام کے سامنے یہ رپورٹ پیش کی کہ حضرت قطب ویلور عام لوگوں کو حکومت کے خلاف جہاد پر برانگیختہ کررہے ہیں۔ حکام وقت نے ان پر مقدمہ چلایا اور کچھ دن حوالات میں رکھا۔ تقریباً ایک سال یہ ہنگامہ جاری رہا۔ مگر جب الزامات جھوٹے ثابت ہوئے تو آپ کو عزت وحرمت کے ساتھ رہا کردیا گیا۔ آپ نے گنجائش ہونے کے باوجود کسی کے خلاف ہتک عزت کا دعویٰ دائر نہیں کیا اور سب کو معاف کردیا۔

حضرت قطب ویلور کے خلاف حکام وقت کو اسلئے بھی شبہ ہوا تھا کہ انہوں نے ملکہ انگلستان وکٹوریہ کو عربی زبان میں ایک خط بھیجا تھا جس میں ملکۂ وکٹوریہ اور دوسرے تمام عیسائیوں کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دی تھی کسی ہندی عالم نے اسطرح کی کوئی جرأت نہیں کی تھی۔ ملکہ

وکٹوریہ نے اس خط کا جواب دیا اور لکھا کہ مذہب اسلام ایک دین برحق ہے مگر چند وجوہ کی بناء پر وہ اس دین کے قبول کرنے سے قاصر ہے۔

حضرت قطب ویلور نے دو حج کئے۔ پہلا حج ۱۲۶۰ھ میں ہوا تھا اور دوسرا حج ۱۲۸۸ھ میں۔ وہ ۲ شعبان ۱۲۶۰ھ کو قیلقر سے روانہ ہوئے تھے۔ اس وقت آپ کافی مشہور ہو چکے تھے۔ ہر جگہ عقیدتمند ان سے آکر ملتے تھے اور ان کے دست مبارک پر بیعت کرتے تھے۔ وہ ہر ایک کے سوالات کے جوابات دیتے تھے اور انکی رہبری کیا کرتے تھے مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ میں بھی بہت سے لوگوں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی حج سے فارغ ہو کر وطن لوٹے تو بھی رشد و ہدایت اور بیعت و خلافت کا یہ سلسلہ جاری رہا۔ آخر وہ بخیر و عافیت ۹ ذی الحجہ ۱۲۶۲ھ ویلور واپس ہوئے۔ اس مبارک سفر سے جہاں دوسرے لوگوں کو آپ کی ذات اقدس سے فائدہ پہنچا، آپ کو حرمین کے دوران قیام میں بھی بہت سے علمی و روحانی فیوض حاصل ہوئے۔

حضرت قطب ویلور کا پورا خاندان حنفی اور مشرب قادری تھا۔ علم روحانی آپ کے بزرگوں کا بہترین ترکہ اور سرمایہ تھا۔ آپ کو اس کی علمی تعلیم و تربیت بھی ملی تھی۔ صوفیانہ حقائق و عقائد و واردات کی افادیت سے متعلق پہلے سے اختلاف چلا آرہا تھا۔ مگر مختلف حضرات کے پُرجوش مباحثوں اور مجادلوں کی بدولت اختلاف کی یہ خلیج اور وسیع ہو چکی تھی۔ وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود کے مسئلوں پر بڑی گرما گرم بحثیں ہو رہی تھیں۔ زیارت قبور، نذر اموات، فاتحہ، دسواں، بیسواں، چہلم، میلاد النبی، گیارھویں، سجدۂ تحیت، ندائے رسول، استمداد بالقبور، علم غیب، تبرک وغیرہ۔ کے سے بیسوں مسئلے کھڑے ہو گئے تھے۔ جن کے جواز اور عدم جواز پر رسالہ بازی ہو رہی تھی۔ وحدۃ الوجود کے ماننے والوں کو کافر کہا جانے لگا تھا۔ شیخ محی الدین ابن عربی کو شیخ اکبر کی بجائے شیخ اکفر یا شیخ ابتر لکھنے لگے تھے۔ وحدۃ الوجود کے ماننداوالے صوفیہ کے خلاف عام الزام یہ تھا کہ وہ نماز روزہ کی پابندی کرنا ضروری نہیں سمجھتے اور محرمات کے درمیان کوئی تمیز نہیں کرتے تھے۔ جاہل اور اولیائے عظام بھی مطعون ہو رہے تھے۔ حالانکہ وہ ان کے قابل نہیں تھے۔ چند بے فکرے نام نہاد متصوفین کی بدچلن زندگی پر ان کی زندگیوں کو قیاس کرنا ہرگز روا نہیں تھا، ان کی مثال ایسی ہی تھی جیسی کہ کسی لکڑیوں کے چیرنے کے لے تیشہ دیا گیا تو اس نے اس کو مسجد ہی کے منہدم کرنے کے لئے استعمال کرنا شروع کر دیا۔

ترا تیشہ دادم کہ ہیزم شکن   نگفتم کہ دیوارِ مسجد اجن

قطب ویلور نے صاف لکھا ہے کہ جو شخص اپنے بزرگوں کا نام عزت و حرمت کے ساتھ نہیں لیتا، وہ بزرگ نہیں سمجھا جا سکتا۔

بزرگش نخوانند اہلِ خرد   کہ نامِ بزرگاں بزشتی برد

قطب ویلور کی تحریروں سے پتہ چلتا ہے کہ اس زمانہ میں مولانا باقر آگاہ ویلوری اور ملا بحر العلوم بھی اسی قسم کے اعتراضات سے نہیں بچ سکے تھے۔ بعض لوگ آگاہ کو اس بنا پر کافر اور مشرک کہتے تھے کہ وہ دوگانۂ قادریہ میں یا شیخ عبدالقادر شیئاللہ پڑھتے تھے اور دوسروں کو بھی اس کے پڑھنے کی تاکید کیا کرتے تھے۔ انہوں نے اپنی کتاب تحفۃ الاحسن فی مناقب السید ابی الحسن میں اپنے شیخ سید شاہ ابوالحسن قربی کو قبلہ و کعبہ لکھا تھا. ملا بحر العلوم کو بھی پکا بدعتی سمجھتے تھے۔ اس لئے کہ وہ تمبا کو استعمال کرتے تھے اور حقہ پیتے تھے۔ دسواں، بیسواں

چالیسواں، برسی، سہ منی اور جب وغیرہ کے فاتحہ کا کھانا کھایا کرتے تھے۔ میلاد کی محفل میں شریک ہوتے تھے اور ، موئے مبارک کی زیارت کیا کرتے تھے۔ بحرالعلوم وعظ نہیں کرتے تھے، اس لئے کہ ان پر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے تارک ہونے کا الزام دھرتے تھے۔ ان دونوں نے حج بھی نہیں کیا تھا۔

اگر محض ان باتوں کی بنا پر کسی کو کافر یا مشرک قرار دیا جاسکتا ہے تو پھر لوگ بھی اس الزام سے بچ نہیں سکتے، جن کو خود یہ طعنہ کرنے والے اپنا مقتدا سمجھتے ہیں۔ قطبِ ویلور نے اس کی کئی مثالیں دی ہیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ امام ربانی نذر قبول کیا کرتے تھے حالانکہ طعنہ کرنے والوں کے نزدیک غیر اللہ کے لئے نذر حرام ہے۔ شاہ ولی اللہ دہلوی اور ان کے صاحبزادے شاہ عبدالعزیز خود بھی فاتحہ کرتے تھے۔ امام ربانی، شاہ ولی اللہ دہلوی اور سید احمد بریلوی کبھی وعظ نہیں کیا کرتے تھے۔ امام ربانی اور شاہ عبدالعزیز دہلوی نے حج بھی نہیں کیا تھا۔ شاہ ولی اللہ دہلوی تمبا کو استعمال کرتے تھے۔ اور ناس بہت لیتے تھے۔ اگر اس طرح طعنہ کرنے والے سوچیں تو معلوم ہوگا کہ دنیا کا کوئی عالم بھی اس قسم کے الزامات سے کبھی بَری نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ ہر ایک کے خلاف کچھ نہ کچھ الزامات لگائے گئے ہیں۔ حضرت سعدی شیرازی نے صحیح لکھا ہے:-

اگر در جہاں از جہاں رستہ است	دراز خلق بر خویشتن بستہ است
کس ازدست جورزبانہانہ رست	اگر خود نمایست وو گر حق پرست
اگر برپری چوں ملک زآسمان	بدامن درآویزدت بد گمان
بکوشش تواں دجلہرا پیش بست	نشاید زبانِ بداندیش رست

حضرتؒ قطبِ ویلور نے پہلے جواہر الحقائق کے نام سے ایک عمدہ کتاب لکھی جس میں علم وتصوف، اس کے موضوع، اور مبادی و مسائل، وجود اور اس کے اقسام، تنزلات ستہ اور اسکے سات مراتب، روح اور اس کے اقسام، عالم اجسام، حقیقت وحدۃ الوجود و وحدۃ الشہود، عقلِ کُل، نفسِ کل، یعنی لوح محفوظ، جوھر ھبا، جسم کل، شکل کل، عرش، فلک اطلس، فلک المنازل، ساتوں آسمان، کرۂ ایثر، کرۂ ہوا، کرۂ آب، کرۂ راز، پھر جمادات، نباتات، حیوانات اور انسان کے متعلق عقلی ونقلی ذلائل کی روشنی میں بحث کی ہے۔ اور ہر ایک ایک صفتِ الہیٰ کا مظہر بتایا ہے۔ آخر میں حقیقت دنیا وآخرت سے بحث کی ہے۔ یہ پوری کتاب باریک قلم سے فلسکیپ سائز کے ۱۸۱ صفحوں پر آئی ہے۔ ہر صفحہ پر اکیس سطریں ہیں۔ ۱۱ رجب ۱۲۷۳ھ کو اس کی تسوید سے فارغ ہوئے تھے، یہ کتاب ۱۲۷۴ھ میں مطبع مظہر العجائب مدراس سے شائع ہوئی تھی۔

اس کتاب کے آخر میں ایک ضمیمہ ہے جس میں مختلف انگریزی کتابوں کی مدد سے زمین کے کئی نقشے دئے ہیں اور نیز بتایا ہے کہ کس کس علاقہ میں کون کون سے حکام ہیں، ان میں مسلمان کون ہیں اور غیر مسلم کون، گیارھویں جدول میں ہندوستان کے ان علاقوں کا ذکر ہے جن پر انگریزوں نے گزشتہ دوسو چند سال کے عرصہ میں اپنا قبضہ جمالیا تھا۔ اس پر ایک نوٹ لکھتے ہیں فرماے ہیں۔

دریں جا. ترقی و دانش
وعلو ہمت و اخلاق مردم
انگلش باوجود قلت قوم و
مسافرت و مغائرت زبان و
ملت درتسخیر بلدان دیدنی
است و انحطاف و غفلت
و دون ھمتی و نااتفاقی مردم
ہند باوجود کثرت و توطن
واتحاد زبان و ملت تماشا
کردنی، احکم الحاکمین فرماید
تؤتی الملک من تشاء و
تنزع الملک ممن تشاء ط

اس جگہ انگریز لوگوں کی ترقی
ودانش وعلوہمت اور اتفاق
قوم کی قلت اور زبان و ملت
کی مغائرت اور مسافرت
کے باوجود شہروں کو مسخر
کرنے میں دیکھنے کی چیز ہے۔
اور کثرت اور توطن و اتحاد
زبان وملت کے باوجود ہندوستان
کے لوگوں کو انحطاف اور ان کی
غفلت اور کم ہمتی اور نااتفاقی تماشا
کرنے کی چیز ہے احکم الحاکمین فرماتا ہے
تو جس کو چاہتا ہے ملک عطا کرتا ہے
اور جس سے چاہتا ہے چھین لیتا ہے

جب ان مسائل سے متعلق خودسنی فرقوں کے درمیان اختلاف بڑھنے لگے تو آپ نے فصل الخطاب بین الخطاء والصّواب کے نام سے ۱۲۷۷ھ میں ایک زبردست کتاب لکھی، ابتدا میں بطور تمہید بیس مقدمات لکھے ہیں جن میں ادلۂ شرعیہ، ماھیت فقہ، واجتہاد فقہاء وعرفاء و حکم الہام سرورانام واولیاء کرام، ونواع علوم دینیہ کو بیان کرنے کے بعد یہ بتایا ہے کہ مقلد کے لئے کتاب وسنت سے احکام کا مجتہدانہ استنباط نہیں کرنا چاہئے۔ اسی طرح مقلد کو بعض فقہا کے مذہب کو دوسروں پر ترجیح دینے کے حق حاصل نہیں ہے۔ شریعت کے ظاہری اور باطنی احکام سے متعلق اہل سنت جماعت کے آپس کے اختلافات کی بنا پر کسی کی تضلیل وتکفیر نہیں کرنی چاہئے۔ آنحضرتؐ کے زمانہ میں شارع کے موجود ہونے کی وجہ سے کسی قسم کا اختلاف نہیں ہوسکتا تھا۔ اس دور کے تمام احکام یقین پر مبنی تھے، ان پر اعتقاد رکھنا اوران پر عمل کرنا واجب تھا، مگر بعد کے ادوار میں جب کہ مسائل میں مجتہدین کی رائیں مختلف ہوگئیں کسی مقلد کو صاحب مذہب کی رائے کے خلاف کرنا جائز نہیں ہے۔

پھر قرآن مجید کی تفسیر وتاویل اور بدعات سے متعلق اختلافات کو واضح کیا ہے۔ پھر علم تصوف اوراس کے دقیق ترین مسائل سے متعلق جو نقد وتنقید ہورہی تھی اس کو بیان کرکے لکھا ہے کہ صوفیوں کے کلمات کو سمجھے بغیر ان پر لعن طعن نہیں کرنا چاہئے۔ وہ لکھتے ہیں کہ جب حیاکت وحجامت جیسے ظاہری علوم کسی استاد کی مدد کے بغیر حاصل نہیں کئے جاسکتے تو علم باطن کسی شیخ کی امداد واعانت کے بغیر کیونکر حاصل کیا

جاسکتا ہے۔مولانا روم نے ٹھیک فرمایا۔

ہیچ چیزے خود بخود چیزے نہ شد　　ہیچ آہن خود بخود تیزی نہ شد
مولوی ہرگز نہ شد ملائے روم　　تا غلامِ شمس تبریزی نہ شد

قطب ویلور نے لکھا ہے کہ اگر مشائخ سے کوئی ایسی چیزیں منقول ہیں جو بظاہر مخالف شریعت معلوم ہوتی ہیں تو ان کی تاویل کی جاسکتی ہے۔محض ان کے ظاہری معنی کی بناء پر ان کے اقوال کا انکار کرنا اور ان پر لعن طعن کرنا ٹھیک نہیں ہے۔

اس زمانہ میں ایک عام الزام یہ لگایا جاتا تھا کہ صوفیائے کرام کے مختلف نظریے دوسری قوموں سے ماخوذ ہیں۔قرآن وحدیث سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ مثلاً ہمہ اوست کا نظریہ انہوں نے ہندوستان کے آتش پرستوں سے لیا ہے، اسی طرح ہندو بھی مسلمانوں کی طرح احرام کا کپڑا پہنتے ہیں۔اور زیارت کے مراسم کی ادائیگی کے بعد سر منڈھاتے ہیں، اس کی بناء پر یہ نہیں کہا جاسکتا کہ مسلمانوں نے حج کے مراسم ہندوؤں سے لئے ہیں۔

حضرت قطب ویلور کو احساس تھا کہ مختلف کتابوں میں ضعیف روایات سے استدلال کیا گیا ہے۔انہوں نے لکھا ہے کہ ان ضعیف اور مرجوع روایتوں کے نقل کرنے سے یہ نہ سمجھا جائے کہ وہ لوگوں کو قول ضعیف پر عمل کرنے کی ترغیب دیے ہیں چنانچہ وہ لکھتے ہیں۔

''ازیں نقل تو ہم نکنند کہ فقیر ترغیب بر عمل قول ضعیف می نماید و نقل مرجوع مبنی بر مذہب اوست حاشا وکلا''۔ فصل الخطاب صفحہ ۲۴

اس نقل سے یہ گمان نہ کیا جائے کہ فقیر قول ضعیف پر عمل کرنے کی ترغیب دے رہا ہے اور مرجوع روایات کا نقل کرنا اس کے مذہب پر مبنی ہے، حاشا وکلا ایسا نہیں ہے۔

بلکہ آپ کا مقصد یہ ہے کہ جب مسائل میں علماء کا اختلاف ہے تو جزم اور اصرار کے ساتھ یہ کہنا کہ یہی قول اور رائے درست ہے، ٹھیک نہیں ہے۔قطبِ ویلور نے تمہیدی باتوں کے بعد چالیس عنوانات پر قلم اٹھایا ہے اور ہر ایک عنوان پر مختلف کتابوں سے دلیلیں پیش کی ہیں جن سے ان کے وسعتِ مطالعہ کا بھی بہترین اظہار ہوتا ہے۔انہوں نے پوری کمال سنجیدگی کے ساتھ دلائل پیش کئے ہیں۔حتیٰ یہ کہ مخالفین کے خلاف بھی کوئی سخت کلمہ استعمال نہیں کیا ہے، پہلے ہم ان عنوانات کو نقل کرتے ہیں اور اس کے بعد اس پر مختصر تبصرہ کرنے کی جرأت کرتے ہیں وہ چالیس عنوانات یہ ہیں۔

۱۔در ادلۂ اربعہ شرعیہ ۲۔در فعل مکلف ۳۔در تکالیف شرعیہ ۴۔در حکم حج ۵۔در حکم طواف غیر کعبہ ۶۔در اقسام ضیافت ۷۔در حکم دعا وصدقہ برائے موتٰی ۸۔در حکم تعین صدقات ۹۔در حکم نذر ۱۰۔در حکم سور آدمی وذبیحۂ مشرک وکتابی حکم طعام ہر دو ۱۱۔در حکم تمباکو ۱۲۔در حکم میلاد ۱۳۔در زیارت موئے شریف

۱۴۔ در تذکرۂ مناقب وفضائل صلحا واتقیاء ۱۵۔در تذکرۂ حسن وجمال خوبردیاں ۱۶۔در مراتب دعوت وداعیانِ حق ۱۷۔ در حکم تعمیر قبہ و قبر ۱۸۔در حکم تکفیر اہل قبلہ ۱۹۔ در حکم سجدۂ تحیت ۲۰۔ در آداب مصاحبت ومخالطت ۲۱۔ در سلام سنت ۲۲۔ در بیان تصوف

۲۳۔ شاہ ولی اللہ باسائر صوفیہ ۲۴۔ دراحکام وخواص طور نبوت وطور ولایت ۲۵۔ درحکم رقی واوراد ۲۶۔ درخوبی تواضع وپستی ۲۷۔ درعشق ۲۸۔ درمراقبہ ربط قلب باشیخ ۲۹۔ درعلم غیب ۳۰۔ درعلامات انبیاء واولیاء ۳۱۔ درزیارت قبور وسفر زیارت ۳۲۔ درتبرک ۳۳۔ دراقسام ندا ۳۴۔ دربیان توسل واستمداد ۳۵۔ درنداء ارباب حاجات ازاعزۂ احیاواموات ۳۶۔ دردوگانۂ قادریہ ۳۷۔ درفرق بین النداء والدعا ۳۸۔ دروحدت الوجود ۳۹۔ دراختلاف معنی وجود ووحدت الوجود ووحدت الشہود ۴۰۔ دراسانید وحدۃ الوجود از چند علمائے قرآن سیز دہم۔

حضرت قطب ویلور نے ہر مسئلہ پر مختلف علماء کرام کے اتنے واضح بیانات نقل کئے ہیں کہ ان کے انکار کی کوئی گنجائش نہیں معلوم ہوتی۔ ان میں سے اکثر مسائل ایسے ہیں، جن پر صوفیہ کا عملی تجربہ ہو چکا ہے۔ یہ ماننا پڑتا ہے کہ باقاعدہ اوراد و وظائف کا بہت بڑا اثر ہوتا ہے۔ اگر کوئی ان صوفیہ کی اجازت سے ان کے طریقوں کے مطابق اوراد و وظائف کی پابندی کرے تو ان کا اثر ضرور ظاہر ہوتا ہے۔ بیماروں کو شفا حاصل ہو جاتی ہے۔ سانپ اور بچھو وغیرہ جیسے زہریلے جانوروں کا زہر ایک دم میں اتر جاتا ہے، بیہوش انسان فوراً اُٹھ بیٹھتا ہے۔ بُرے خوابوں میں مبتلا عورتیں اچھی ہو جاتی ہیں۔ اور ان کا جنون سنجیدگی میں بدل جاتا ہے۔ باکمال صوفیہ آئندہ ہونے والے واقعات کا پتہ دے دیتے ہیں۔ قرآن مجید میں بھی ان کی طرف اشارات ہیں مگر اہل ظاہر، یہ کہہ کر ٹال دیتے ہیں کہ یہ سب آنحضرت کی شریعت کے آنے سے پہلے کی باتیں ہیں۔ ہمارے لئے ان کی پیروی جائز نہیں ہے۔ مگر سوچنے والے اس دلیل کو ماننے کے لئے تیار نہیں ہوتے۔ اگر ہماری زندگی میں ان کی زندگیوں سے مثال لینے کی ضرورت نہیں ہے تو پھر ہمارے سامنے ان کا بیان بیکار ہے۔ اللہ تعالیٰ نے گزشتہ لوگوں کے حالات کس لئے ہمارے سامنے بیان کئے؟ حضرت ابراہیمؑ پر آگ ٹھنڈی ہوگئی۔ حضرت یوسفؑ نے خوابوں کی صحیح تعبیر بتادی۔ حضرت یوسفؑ نے اپنا پیراہن بھیجا اور حضرت یعقوبؑ کی آنکھوں پر ڈالا گیا تو ان کی بصارت لوٹ آئی۔ بنی اسرائیل کے پاس تابوت آیا تو ان کو فتح نصیب ہوگئی۔ حضرت موسیٰ تیس دن کے لئے پہاڑ پر گئے تھے، اللہ تعالیٰ نے دس دن بڑھا کر چالیس دن پورے کر لئے۔ حضرت خضرؑ نے پہلے ہی سے جان لیا تھا کہ کشتی پر بادشاہ قبضہ کرلیگا۔ اسلئے اس کو پھاڑ دیا۔ نوجوان بے راہ روی اختیار کریگا۔ اس لئے اس کی جان لے لی، دیوار کے نیچے صالح شخص کا رکھا ہوا خزانہ تھا اس لئے گرتی ہوئی دیوار سیدھی کردی۔ اسی طرح حضرت سُلیمانؑ کے درباری عالم نے طرفۃ العین میں بلقیس کا تخت لاکر سامنے پیش کردیا۔ خود آنحضرت صلعم نے غارِ حرا میں مراقبہ کیا۔ مختلف مصیبتوں میں مختلف اوراد و وظائف اور نمازوں کی تعلیم دی۔

کعب بن زہیر نے قصیدہ لکھا تو آنحضرتؐ نے ان پر اپنی چادر اڑھادی جو بڑی برکت کی چیز سمجھی گئی۔ حضرت معاویہ نے تیس ہزار درہم دیکر ان کی اولاد سے یہ چادر خریدی۔ اور ان کے بعد خلفا میں منتقل ہوتی رہی۔ آنحضرتؐ کے بعض ساتھیوں نے آپ کے سر کے بال بطور برکت اپنے پاس رکھ لئے۔ جو بعد میں ان کی اولاد میں منتقل ہوتے چلے آئے۔ اب یہ نہیں کہا جاسکتا کہ اس قسم کے معجزانہ کرامات انہی کی ذات پر ختم ہوگئی۔ اب بھی خدا کے ایسے بندے ہوسکے ہیں جو اپنی غیر معمولی روحانی طاقت کے زور سے اس طرح کے کارنامے انجام دے سکتے ہیں۔

ایک زبردست اختلافی مسئلہ توسل اور استمداد بالقبور کا مسئلہ ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس سے انتہائی عقیدت ومحبت تمام مومنین ومسلمین کا خاصہ ہے۔ علماء تو علماء بے عمل شعراء نے بھی اپنے اشعار میں عقیدتمندی کے وہ بے پناہ جذبات پیش کئے ہیں، جن کو سن کر یا پڑھ کر لوگ جھوم جاتے ہیں۔ جب بے عمل شعراء نے بھی اپنے اشعار میں عقیدتمندی کے وہ بے پناہ جذبات پیش کئے ہیں، جن کو سن کر یا پڑھ کر لوگ جھوم جاتے ہیں۔ جب بے عمل قوال بھی ان کو اپنے ساز پر گانے لگتا ہے تو اس کی دلکش آواز دل کے پردوں میں پار ہو کر بدن کے ریشہ ریشہ میں سمو جاتی ہے۔ حضرت سید عبدالقادر جیلانی کا یہ شعر نہیں معلوم کتنے دلوں کو گرما چکا ہے۔

یا حبیب الالٰہ خذ بیدی مالعجزی سواک مستندی

اے اللہ کے دوست میری دستگیری کیجئے۔ میری عاجزی کے لئے آپ کے سوا کون دوسرا ٹیکا نہیں ہے۔

حضرت بوصری فرماتے ہیں: - یا اکرم الخلق مالی من الوذ بہ سواک عند حلول الحادث العمم

اے مخلوق میں سب سے زیادہ کریم آپ کے سوا کون ہے جس سے عام حادثوں کے اترنے کے وقت پناہ مانگوں

حضرت ملا نورالدین عبدالرحمٰن جامی فرماتے ہیں۔

زمجہوری برآمد جان عالم ترحّم یا نبی اللہ ترحّم!

حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی نے ایک قصیدۂ ھمزیہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب فرماتے ہوئے لکھتے ہیں۔

اذا ماحل خطب مدلھم فانت الحصن من کل البلاء

جب کوئی تاریک ترین حادثہ آپڑے تو آپ ہی ہر بلا سے بچانیوالے قلعہ ہیں۔

الیک توجھی وبک استنادی وفیک مطامعی و بک ارتجائی

آپ ہی کی طرف میری توجہ لگی ہوی ہے اور آپ ہی پر میرا ٹیکا ہے۔ آپ ہی میں میری ساری آرزوئیں منحصر ہیں اور آپ ہی کی بدولت میری خواہشیں ہیں۔ اس قسم کے توسل عربی اور فارسی ادب میں اتنے ہیں کہ ان کی تفصیل کی یہاں گنجائش نہیں ہے۔

جب احادیث میں توسل کا یہ طریقہ بتایا گیا ہے کہ:-

اللھم انی اسالک واتوجہ الیک بجنبیک محمد نبی الرحمۃ انی توجھت بک الی ربی لیقضی لی فی حاجتی ھذہ اللھم فشفعہ فی۔

اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور تیرے نبی محمد جو نبی رحمت ہیں ان کے وسیلے سے تیری طرف متوجہ ہوتا ہوں۔ میں آپ ہی سے اپنے پروردگار کی طرف متوجہ ہوتا ہوں تاکہ میری یہ حاجت پوری کردے اے اللہ تو آپ کو میرا سفارش کرنے والا بنا۔

تو کیونکر جزم کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ توسل ناجائز ہے؟ اسی طرح استمداد بالقبور کا مسئلہ ہے۔ ہمارا عقیدہ ہے کہ روح باقی رہتی ہے۔ اگر کوئی محبوب طریقہ ایسا ہے جس سے ان روحوں سے اتصال پیدا کیا جاسکتا ہے اور ان سے استمداد کی جاسکتی ہے تو اس کو کفر وشرک کے مترادف قرار دینا کسی حال میں بھی درست نہیں ہوسکتا۔

حضرت قطب ویلور نے خود اس کا تجربہ کیا ہے اور اس کے اثرات محسوس کیے ہیں وہ لکھتے ہیں ''وہ چوں ایں فقیر بارواح مشائخ صوفیہ متوجہ شد اثر آں توجہ درخود بچند وجہ یافت'' (فصل الخطاب صفحہ ۱۲۲)

اس مختصر سے مضمون میں زیادہ تفصیل کی گنجائش نہیں ہے اگر کوئی کسی تعصب کے بغیر خالی الذہن ہو کر اس کتاب کا مطالعہ کرے تو حضرت قطب ویلور کے دلائل کی صداقت واضح ہو جائے گی۔

یہ قابل قدر کتاب فلسکیپ سائز کے ۱۵۰ صفحوں پر پھیلی ہوی ہے، ہر صفحہ پر ۲۳ سطریں ہیں۔ یہ کتاب ۱۸۸۴ء میں ویلور ہی میں حاجی سید عبدالقادر قادری کے مطبع قادری میں چھپی ہے۔ مولوی سید شہاب الدین صاحب قادری عرف حسن پادشاہ صاحب شہاب، مولوی حاجی محمود حسین صاحب غلام۔ مولوی محمد عبدالقادر صاحب صدیقی معمور نے بڑے دلچسپ اور معنی خیز تاریخی قطعات لکھے ہیں۔

آپ کی سب سے زیادہ اہم اور مشہور تالیف جواھر السلوک ہے جو ۱۲۸۱ھ میں لکھی گئی تھی۔ فصل الخطاب میں کئی جگہ اس کا نام لیا گیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے کئی سال اس کی تالیف پر صَرف کئے ہیں۔

عام طور پر علم تصوف کو ایک باطنی علم تصور کیا جاتا ہے جو سینہ بسینہ چلا آتا ہے۔ مختلف مسائل پر تفصیلی طور پر کچھ لکھنے کی کوشش نہیں کی جاتی اور جب کوئی سمجھنے کی غرض سے تفصیل چاہتا ہے تو یہ کہدیا جاتا ہے کہ پہلے بیعت کرو۔ اس کے بعد ان مسائل کے راز خود بخود منکشف ہوتے چلے جائیں گے۔ اس لئے وہ لوگ بھی جو صدق دل سے ان مسائل کو سمجھنا چاہتے ہیں بیعت کے نام سے کتراتے ہیں اور بسا اوقات مخالف ہو کر صوفیوں پر لعن طعن شروع کر دیتے ہیں۔ حضرت قطب ویلور نے ان تمام مسائل کا احاطہ کیا ہے جو علم تصوف کے دائرہ میں زیر حیثیت آتے رہتے ہیں۔ اس کتاب میں بالکل چالیس فوائد ہیں جن کی تفصیل ذیل میں درج کی جاتی ہے۔

(۱) درمراتب طبقات مردم علیٰ اختلاف درجاتہم (۲) معرفت نفس کلید معرفت حق است
(۳) درانواع سفر (۴) مسافران راہ حق بر دو قسم اند یکی حکماء وعلماء دوئم عرفاء واولیا
(۵) درسفر الحق وسفر العبد (۶) درقوس نزولی وقوس عروجی وجود
(۷) درقوس عروجی ونزولی سفر العبد (۸) دراحکام وخواص طور ولایت وطور نبوت
(۹) درحب عشقی ای راہ ولایت ودرحب ایمانی ای راہ نبوت (۱۰) دراسفار اربعہ دائرۃ الوجود وما یتعلق بہا
(۱۱) درسلوک سفر اول وطریق اکتساب ولایت (۱۲) درمرتبہ نفس ومرتبہ قلب ومرتبہ روح
(۱۳) درترقیات سالک (۱۴) دربیان انسان وقرب نوافل وقرب فرائض
(۱۵) درتصور توحید وجودی ودفع شبہات سالکان (۱۶) تجلیات حق بر چہار گونہ است
(۱۷) دراقسام توحید متضمن فوائد عجیبہ (۱۸) درانواع تجلی افعال
(۱۹) درانواع تجلی اسماء (۲۰) درانواع تجلیات صفات
(۲۱) درتجلی ذات (۲۲) دربیان جہت معیت وجہت سلسلہ ترتیب

(۲۳) ارباب صلاح وسلوک چہاراند (۲۴) دربیان راہ جذب وراہ سلوک
(۲۵) دربیان جذبہ وسلوک وغیرہما (۲۶) دربیان ولایت اولیاء
(۲۷) دراقسام ولایت ودیگر فوائد معیت وتجدد وحدۃ وجود واندراج (۲۸) درعقائد
(۲۹) درامور ضروری سلوک مع جواہر متعلقہ (۳۰) درآداب ذکر ہنگام مشغولی وقبل آں وبعد آں
(۳۱) دربیان تجلی (۳۲) درطریق سلوک مع فوائد متعلقہ تفصیلاً
(۳۳) درسلوک مقام عشرہ (۳۴) درسلوک دائرۃ الوجود
(۳۵) درنصیحت سالک (۳۶) درمعمور داشتن اوقات باذکار وتلاوت وصلوۃ وغیرہا
(۳۷) درصلوۃ وصوم وصدقہ وتلاوت وغیرہ (۳۸) درکیفیت ذکر وغیرہ
(۳۹) درمراقبہ (۴۰) درمعارضات راہ ومعالجات آں۔

یہ کتاب امیر الدولہ کی فرمائش پر لکھی تھی۔ اس میں مختلف مستند تصنیفات کے حوالے سے تصوف مسائل پر عالمانہ بحث کی ہے جس سے آپ کا علمی مرتبہ بہت نمایاں اور واضح ہوتا ہے۔

ان مسائل مذکورہ پر تفصیلی بحث کی یہاں گنجائش نہیں ہے، لیکن ایک بات واضح ہونی چاہئے کہ صوفیاء کرام نے شریعت اور طریقت کو یکساں اہمیت دی ہے۔ کوئی یہ نہیں کہتا کہ طریقت میں شریعت اور اس کے احکام کی پابندی کی اتنی زیادہ ضرورت نہیں ہے۔ بلکہ شریعت کا علم بھی بیحد ضروری ہے۔

حضرت قطبِ ویلور نے سلوک کے طریقہ کے متعلق بتیسویں فائدے میں حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کے مشہور رسالہ القول الجمیل کا ترجمہ مولوی خرم علی ملہوری کی زبان سے پیش کیا ہے۔ خرم علی نے شفاء العلیل کے نام سے اس رسالہ کا ترجمہ کیا تھا۔ مترجم نے جابجا حواشی لکھے ہیں۔ شاہ ولی اللہ دہلوی نے تحریر فرمایا تھا کہ مرشد کے لئے علم شرط ہے۔ کیونکہ بیعت کی غرض نیک کاموں کا حکم دینا اور برے کاموں سے روکنا اور مریدوں کو باطنی تسکین کا حاصل کرنا، رذایل سے پاک کرانا اور محامد کا کسب کرانا ہوتا ہے۔ اگر مرشد عالم نہ ہو تو یہ غرض کیونکر پوری ہوسکتی ہے۔ اس پر خورم علی حاشیہ لکھتے ہیں اور کہتے ہیں۔

مترجم کہتا ہے سبحان اللہ کیا معاملہ بالعکس ہوگیا ہے۔ فقرائے جہال کو اس وقت یہ خبط سمایا ہے کہ پیری مریدی میں علم کا ہونا کچھ ضروری نہیں۔ بلکہ علم درویش کو مضر ہے۔ اس واسطے کہ شریعت کچھ اور ہے اور طریقت کچھ اور۔ حالانکہ صوفیان قدیم کے کتب اور ملفوضات میں مثل قوت القلوب اور عوارف اور احیاء العلوم اور کیمیائے سعادت، اور فتوح الغیب اور غنیۃ الطالبین حضرت عبدالقادر جیلانی میں صاف مصرح ہے کہ علم شریعت شرط ہے طریقت اور تصوف کی۔ یہ بھی جہالت کی شامت ہے کہ جن مرشدوں کا نام صبح وشام مثل قرآن اور درود کے ذکر کیا کرتے ہیں ان کے کلام سے بھی غافل ہیں کہ وہ کیا فرما گئے ہیں"۔ (جواہر السلوک ۱۲۱-۱۲۲)

خود حضرت شاہ ولی اللہ نے لکھا ہے: وقد اتفق کلمۃ المشائخ علی ان لا یتکلم علی الناس الا من

کتب الحدیث و قرأ قرآن۔ اللھم الا ان یکون رجل صحب العلماء الا تقیاء دھرا طویلا و تادب علیھم وکان متفحصا عن الحلال والحرام وقافا عند کتاب اللہ وسنۃ رسولہ فعسی ان یکفیہ ذلک واللہ اعلم۔ (جواہرالسلوک ١٦٢)

مشائخ کا قول اس پر متفق ہے کہ کوئی لوگوں کے سامنے وعظ نہ کرے مگر جس نے حدیث کی کتابت کی ہو اور قرآن پڑھا ہو۔ ہاں اگر وہ علماء واتقیاء کے ساتھ ایک طویل زمانہ گذار چکا ہو اوران سے ادب حاصل کیا ہو وہ حلال وحرام کو جانچا ہوا ہو اور کتاب سنت پر ٹھہر جانے والا ہو، بہت ممکن ہے کہ اس کے لئے اتنی ترتیب کافی ہو جائے۔ خدا زیادہ بہتر جانتا ہے۔

جاہل صوفیہ کی مثالوں کو سامنے رکھ کر پاک باطن صوفیوں پر تنقید کبھی درست نہیں ہوسکتی۔ ایسے معترضین کو حضرت شاہ ولی اللہ کا یہ رسالہ پڑھنا چاہئے۔ کیونکہ صوفیہ کی تربیت قرآن وحدیث ہی پر مبنی ہے۔ ان دونوں سے الگ نہیں ہے۔ ہر ہر سانس میں صوفی کو ارشادات الٰہی وہدایات پیغمبری کا پورا پورا لحاظ رکھنا ہوتا ہے۔ معترضین کی اتباع شریعت فرائض کی پابندی سے آگے نہیں بڑھتی۔ مگر صوفی کے لئے سنن ونوافل ومستحبات تک کی پابندی کا محاسبہ کرنا ہوتا ہے۔ ایسی حالت میں ان صوفیائے کرام کے علوم ومعارف اوران کے اعمال وافعال سلوک پر بلاوجہ اعتراضات کرنا بھی درست نہیں سمجھا جاسکتا۔ شاہ ولی اللہ کا یہ رسالہ ہماری آنکھیں کھولنے کے لئے کافی ہے۔ اس رسالہ میں قادریہ، چشتیہ، سہروردیہ نقشبندیہ وغیرہ کے تمام سلسلوں کے طرف سلوک پیش کئے گئے ہیں۔ چلہ کشی، کشف قبور، طریقہ مراقب، طریقہ ذکر جلی وذکر خفی، حبس دم، کشف ونتائج آئندہ اشتغال مجددیہ وغیرہ پر جو کچھ بھی لکھا گیا ہے ان میں سے کوئی بات بھی خلاف شریعت نہیں ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی نے ھمعات میں صاف لکھا ہے۔

نخست چیزی کہ سالک را باید تصحیح عقاید است بر نہج عقائد صحابہ وتابعین وسائر سلف صالحین واداء ارکان اسلام واجتناب از کبائر ودر مظالم وسائر آنچہ شریعت غرا بیاں فرمودہ کہ ایں ہمہ اصل کار است بغیر وی سلوک صحیح بنا شد۔ (جواہرالسلوک ٢٣٦) پہلی چیز جو سالک کے لئے ضروری ہے وہ صحابہ وتابعین تمام سلف صالحین کے نہج پر عقائد کی تصحیح ہے اور ارکان اسلام کا ادا کرنا اور کبائر سے بچنا اور مظالم سے روکنا ہے، اور وہ تمام چیزیں کرنا ہے جن کا شریعت غرا نے حکم دیا ہے، کیونکہ یہی تمام کاموں کی اصل ہے، اس کے بغیر سلوک صحیح اور درست نہیں ہوسکتا۔

حضرت قطب ویلور کا ہم پر بہت بڑا احسان ہے کہ پوری تلاش وجستجو کے بعد صوفیائے کبار کی تعلیمات وارشادات کے تمام جواہر پاروں کو ایک نفیس اور پاکیزہ کتاب کی صورت میں جمع کر کے ہمارے سامنے رکھ دیا۔ اس جلیل القدر موضوع پر اتنا مواد ہمیں کسی اور کتاب میں دستیاب نہیں ہوتا ہمیں یہ دیکھ کر بڑی حیرت ہوتی ہے کہ اتنی کتابیں آپ کے پاس کہاں سے جمع ہوگئی تھیں کہ آپ نے ان کے ضروری اقتباسات پیش کردئے۔ حضرت شاہ عبدالعزیز کا جن سے آپ خود براہ راست تعلیم حاصل کرنا چاہتے تھے۔ ١٢٤٨ھ میں انتقال ہوا تھا۔ اس کتاب کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی تمام تصنیفات بلکہ حضرت شاہ رفیع الدین اور حضرت شاہ عبدالقادر دہلوی اور حضرت شاہ اسمٰعیل شہید کی تمام کتابیں بھی ویلور پہنچ گئی تھیں۔ ہر جگہ ان کی کتابوں کے موزوں ومناسب اقتباسات پائے جاتے ہیں۔

تفسیر لطیفی پر ایک نظر

از: پروفیسر وحید اشرف کچھوچھوی

سابق صدر شعبۂ عربی، فارسی اور اردو

دانشگاہ مدراس

حضرت محی الدین سید شاہ عبداللطیف ذوقیؔ ۱۱۰۱ھ میں ویلور (تامل ناڈو) میں پیدا ہوئے اور ۱۱۹۲ھ میں وفات پائی۔ ان کے حالات ان کے ہم سبق باقر آگاہ نے "تحفہ احسن" کتاب میں لکھے ہیں۔ جس کا ایک نسخہ کتبخانۂ دارالعلوم لطیفیہ میں اب بھی موجود ہے۔ ابتدا میں اپنے والد حضرت مولانا سید شاہ ابوالحسن قربی قادری علیہ الرحمہ سے کچھ پڑھنا شروع کیا لیکن یہی سلسلہ قائم نہ رہ سکا اور عمر کے پندرہ سال گزر گئے اس کے بعد شہسواری، تیراندازی، پیراکی کا شوق ہوا۔ ایک سال میں ان تینوں میں مہارت حاصل کرنے کے بعد عربی سیکھنے کی طرف مائل ہوئے لیکن جلد ہی اسے چھوڑ کر فارسی سیکھنا شروع کیا اور دو سال میں اتنی استعداد پیدا کرلی، کہ دو سو سے زیادہ اشعار پر مشتمل ایک قصیدہ فارسی زبان میں لکھ ڈالا۔ تحصیل علم کے دوران شعر گوئی بھی جاری رہی، روزانہ نظامی کے ایک سو اشعار حفظ کر لیتے تھے۔ عربی زبان، فقہ، معانی و بیان، حدیث و تفسیر وغیرہ کی تکمیل کے بعد ریاضت و مجاہدہ شروع کیا اور صوفیہ کی اصطلاح میں مقام قطبیت پر فائز ہوے۔

اس زمانے میں کتابوں کا حاصل کرنا نہایت دشوار کام تھا۔ حضرت ذوقی کتابیں خریدتے اور کبھی مستعار لیکر خود نقل کر لیتے۔ ایک دفعہ ایک شب میں پوری گلستان، نقل کر ڈالا، درس و تدریس، ریاضت و مجاہدہ، شعر و شاعری، فتویٰ نویسی، خطوط کے جواب دینا، تصنیف و تالیف، کتابوں کا نقل کرنا، ان کے روزانہ کے مشاغل تھے۔ انہوں نے بہت سی کتابیں نقل کیں اور ان کے بہت سے مسوّدے اب بھی موجود ہیں بہت سے ضائع ہوگئے۔ انہوں نے تالیفات و تصنیفات کے ایک گراں قدر ذخیرہ چھوڑا ہے۔ اشعار کی تعداد لاکھ کے ہندسوں میں بتائی جاتی ہے۔ جن میں بیشتر ناپید ہو چکے ہیں۔ اتنی قلیل عمر میں متنوع موضوعات پر اس قدر کثیر تصانیف ایک غیر معمولی واقعہ ہے جس کی مثال دنیا میں بہت نادر ہوگی۔ حضرت ذوقی بیک وقت وفور گو، عظیم شاعر، ادیب، مصنف، صوفی، فقیہ، مفسّر اور مفتی تھے۔ اس مضمون میں پہلی بار ان کی تفسیر کا تعارف کرایا جا رہا ہے۔

حضرت ذوقیؔ کے ہاتھ کا لکھا ہوا ترجمہ اور تفسیر قرآن کا مسودہ موجود ہے۔ مسودے میں ان کے ابتدائی الفاظ سے اندازہ ہوتا ہے کہ انہوں نے پورے قرآن کا ترجمہ مختصر تفسیر کے ساتھ کیا تھا۔ لیکن اس وقت صرف ایک جلد موجود ہے جس میں صرف آٹھ پارے ہیں۔ جس کے آخر میں ترقیمہ ہے کہ جز اول ربیع الاول ۱۱۹۰ھ میں تمام ہوا۔ اس کے بعد جز ثانی کے کچھ اوراق اسی جلد میں ہیں جن میں سورۂ انعام کا ترجمہ ہے، یہ سب اوراق منتشر تھے۔ ان اوراق کو حضرت مولانا ابوالحسن صدرالدین سید شاہ محمد طاہرؒ قادری سابق ناظم دارالعلوم لطیفیہ الملقب بہ حضرت پیر علیہ الرحمہ نے یکجا کر کے ایک ہی جلد میں مجلد کروایا۔ جس کی وجہ سے یہ آٹھ پارے بھی محفوظ ہو گئے اور تفسیر لطیفی کا یہاں تعارف کرانا ممکن ہو گیا۔ ابتدائی ۲۶ اوراق بہت کرم خوردہ ہیں۔ جزء اول جو آٹھ پاروں پر مشتمل ہے۔ اس میں کل ۳۸۸ اوراق ہیں اور اس کے بعد سورۂ انعام کا ترجمہ ۴۶ اوراق میں ہے جو مکمل نہیں ہے۔

اس تفسیر کا نام مفسّر نے تفسیر لطیفی رکھا ہے اور ابتدا میں لکھا ہے کہ بعض اعزہ قرآن کی تفسیر جاننے کا شوق رکھتے ہیں لیکن انہیں دستیاب نہیں اس لئے ایک موجز تفسیر بنام تفسیر لطیفی لکھی۔ خود یہ بیان بتاتا ہے کہ انہوں نے صرف آٹھ پاروں کی تفسیر نہیں لکھی ہوگی بلکہ پورے قرآن کی تفسیر لکھی ہوگی۔ اس وقت کل ۴۳۴ اوراق یعنی تقریباً ۸۶۸ صفحات ہی موجود ہیں۔

ذیل میں اس تفسیر کا تعارف ایک سرسری مطالعہ پر مبنی ہے۔ اتنا وقت نہ تھا کہ شروع سے آخر تک ایک ایک لفظ کو پڑھا جا سکتا۔ یہ بھی ممکن نہ تھا۔ کہ بہت سی تفسیروں کو سامنے رکھ کر اس تفسیر سے مقابلہ کیا جا سکتا اور اس تفسیر کی خوبیوں کو اس دعوی کے ساتھ پیش کیا جاتا کہ یہ ہیں اس کی امتیازی خصوصیات اس لئے راقم نے یہ کہا کہ سرسری مطالعہ سے جو نکات کو سامنے رکھ کر دوسری تفسیروں سے مقابلہ کر سکتے ہیں۔ لیکن کچھ بھی ہو، اس تفسیر کی اپنی اہمیت ہے کیونکہ یہ ایک ایسے عالی مرتبت عالم، اور صاحبِ دل صوفی کے قلم سے نکلی ہے جو اپنے زمانے میں صوفیہ کی اصلاح میں مقامِ قطبیت پر فائز تھے۔

اگرچہ حضرت ذوقیؔ صوفی کامل تھے لیکن تفسیر میں انہوں نے صوفیانہ انداز اختیار نہیں کیا ہے، مجھے صرف ایک آیت ایسی ملی جس کا ترجمہ میری نظر میں خاص صوفی مشرب کے مطابق ہے جس کا ذکر اس مضمون میں کیا گیا ہے۔

یہ تفسیر عبدالکریم ابوالقاسم قریشی کی تفسیر لطائف الاشارات کی مانند ہے۔ لیکن دونوں کے طرز میں فرق بھی ہے۔ لطائف الاشارات عربی میں ہے اور تفسیر لطیفی فارسی میں ہے۔ لطائف الاشارات نہ ترجمہ ہے نہ تفسیر بلکہ اس میں ہر آیت کے بارے میں ایسے نکات ہیں جس سے آیت کی معنویت یا حکمت کی طرف کوئی اشارہ ملتا ہے۔ اس لئے اگرچہ لطائف حضرت ذوقیؔ نے ترجمہ کیا ہے اور ترجمہ کے تقاضوں کو ملحوظ رکھا ہے۔ اس ترجمہ میں الفاظ حشو وزواید سے پاک ہیں۔ ترجمہ سلیس اور بامحاورہ ہے اگرچہ ترجمہ تقریباً تحت اللفظ ہے، لیکن عبارت کو آسانی سے پڑھا اور سمجھا جا سکتا ہے۔ کہیں کہیں آیتوں کی ضروری تفسیر بیان کی ہے۔

ترجمہ کے الفاظ ایسے جچے تلے ہیں اور اکثر معنویت سے بھرپور ہیں کہ ان سے تشریح و تفصیل کی طرف اشارے مل جاتے ہیں۔ لیکن ان اشاروں کو سمجھنا عام آدمی کا کام نہیں۔ عام آدمی کے لئے اس کے ظاہری بیان کو سمجھ لینا ہی کافی ہے۔

اس تمہید کے بعد ذیل میں تفسیر لطیفی سے چند آیتیں اور ان کا ترجمہ اور تفسیر نقل کرتے ہیں اور اس کے بعد قارئین کو اس کی

بعض خصوصیات کی طرف متوجہ کریں گے۔

(۱) سورۂ بقر میں مال خرچ کرنے کا حکم آیا ہے کہ اسے قرابت داروں، یتیموں، مسکینوں وغیرہ پر خرچ کرو۔ اردو کے اکثر مترجمین نے لفظِ مسکین کی اس طرح تعریف نہیں کی ہے، جو تفسیر لطیفی میں ملتی ہے، حضرت ذوقیؔ نے سورۂ بقر کی دو آیات میں لفظ مسکین کی تعریف کی ہے۔

ایک آیت یہ ہے :-

واٰتی المال علیٰ حبہٖ ذوی القربیٰ والیتمیٰ والمساکین وابن السبیل والسائلین وفی الرّقاب

اس میں مساکین کا ترجمہ یوں کیا ہے: "محتاجان سوال ناکنندہ" یعنی ایسے محتاج جو دوسروں سے سوال نہیں کرتے۔

دوسری آیت یہ ہے :-

یسئلونک ماذا ینفقون ، قل ما انفقتم من خیر فللوالدین والاقربین والیتمیٰ والمساکین وابن السبیل۔

اس میں مساکین کا ترجمہ لکھتے ہیں :-

"درویشاں کے چارۂ معیشت خود ندارند" یعنی ایسے محتاج جو اپنے معاش کا کوئی مستقل ذریعہ نہیں رکھتے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ذوقیؔ کے نزدیک مسکین کی تعریف یہ ہے کہ وہ محتاج جو کوئی مستقل ذریعۂ معاش نہیں رکھتا اور سوال بھی نہیں کرتا۔

اس آیت میں لفظ اقربین بھی ہے، اقربین کا ترجمہ حضرت ذوقی نے یوں کہا ہے:-

"خویشان نزدیک کہ وارث نباشد چہ آں صلۂ رحم است۔"

یعنی ایسے نزدیکی رشتہ دار جو وارث نہ ہوں کہ اُن پر خرچ کرنا صلہ رحم ہے۔ اور وارث میں کوئی احسان نہیں، کیونکہ وراثت کا حکم الگ سے ہے اور وارث کا حق خدا کی طرف سے مقرر ہے، یہاں حکم اس کے علاوہ ہے۔ یہاں حضرت ذوقی سے اتفاق کرنا ضروری نہیں ہے۔ ممکن ہے انہیں اشتباہ ہوا ہو۔ کیونکہ ایسی حدیثیں ملتی ہیں کہ اگر وارثین محتاج ہوں تو انہیں صدقہ دینا زیادہ ثواب ہے۔

(۳) سورۂ بقر میں (آیت ۲۷۵) سود خوار کی حالت قیامت کے دن بیان کی گئی ہے۔

اس میں شیطان کے مس کرنے کا بیان ہے۔ شیطان کے مس کرنے کے معنی میں مفسرین کے مختلف اقوال ہیں اور بعض کے قول کے مطابق شیطان کی وجہ سے کوئی آسیب زدہ نہیں ہوتا، یعنی شیطان صرف بہکاتا اور گمراہ کرتا ہے مگر انسان سے لپٹ کر اس کو جنون میں مبتلا نہیں کر سکتا۔ دوسرا قول یہ ہے کہ شیطان کے چھونے یا لپٹنے سے انسان آسیب زدہ، بدحواس اور پاگل ہو جاتا ہے، حضرت ذوقی نے بھی اسی دوسرے قول کی تائید کی ہے۔

اصل عبارت و ترجمہ یہ ہے۔ :-

الذین یاکلون الربا لایقومون الاکما یقوم الذی یتخبطه الشیطٰن من المسّ۔

ترجمہ لطیفی : آنانکہ میخورند مال راز بار ابرنخیزند از قبرہای خود در روز بعث ونشور مگر آنچنانکہ می خیز د آنکس کہ بزند وبفکند اورا دیواز سودن۔

یعنی جولوگ سود کا مال کھاتے ہیں وہ روز حشر قبر سے اس طرح اٹھیں گے کہ جیسے کوئی اٹھتا ہے اس حال میں کہ شیطان اس کو مارتا ہے اور گراتا پڑاتا ہے اس کو مس کر کے یا اُس سے لپٹکر۔ پھر حضرت ذوقی وضاحت کرتے ہیں :-

''حاصلش آنست کہ رباخوران بشکل مجانیں باشند واہل محشر ایشان رابدیں نشانی بشناسند۔''

یعنی حاصل کلام یہ ہے کہ سود خواران پاگلوں کی طرح ہوں گے اور اہل محشر انہیں اسی نشانی سے پہچان لیں گے۔

(۴) سورۂ بقر کی ایک آیت میں لفظ کسب اور اکتساب کے صیغے استعمال ہوئے ہیں، اردو میں اس آیت کے مفہوم کو واضح کرنے کے لئے مترجمین ومفسرین نے اپنے اپنے طریقے اختیار کئے ہیں مفہوم میں کوئی اختلاف نہیں ہے لیکن حضرت ذوقی نے فارسی ترجمہ میں جو الفاظ استعمال کئے ہیں ان سے الفاظ کسب اور اکتساب کی معنویت خود بخود واضح ہو جاتی ہے اس کے علاوہ حضرت ذوقی نے لفظ کسب اور اکتساب کی خاصیت کو بتا کر مفہوم کی مذید وضاحت کر دی ہے۔

آیت اور اس کا ترجمہ یہ ہے۔

لھا ماکسبت وعلیھا مااکتسبت : ترجمہ لطیفی: آں نفس راست آنچہ کسب کردہ است از نیکوئی ھا وبروی باشد آنچہ بجای آرد از بدیہا، یعنی اسی نفس کے لئے ہے اس کا ثواب جس نے نیکی کمائی اور اسی پر پڑے گی جو اس نے بدی کی۔ اس ترجمہ کے بعد حضرت ذوقی ذیل میں لکھتے ہیں۔ تخصیص خیر بکسب وشر با اکتساب بجہت آنست کہ افتعال برای انکماش است یعنی شتافتن ونفس می شتابد در شر وتکلیف دادہ شود بخیر۔''

اردو ترجمہ : خیر کی تخصیص کسب کے ساتھ اور شر کی تخصیص اکتساب کے ساتھ اس لئے ہے کہ باب افتعال میں انکماش کے معنی پائے جاتے ہیں یعنی کسی چیز کی طرف پہلے ہی اشتغال یا اس کی طرف بہت جلد مائل ہونا اور نفس برائی کی طرف تیزی سے مائل ہوتا ہے اور اسے مکلّف کیا گیا ہے خیر کے لئے۔

ہمیں نفس کی اس خصوصیت کی طرف اشارہ قرآن میں ملتا ہے مثلاً سورۂ یوسف میں ہے، جب کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے کہا : ان النفس لامارة بالسوءِ الا مارحم ربی

ترجمہ : بیشک نفس کا تو کام ہی برائی کا حکم دینا ہے البتہ اس کی برائی سے وہی نفس بچ سکتا ہے جس پر میرا رب رحم کرے۔

سورۂ بقر میں اس آیت کے بعد دعائیہ آیات ہیں اس کے بارے میں حضرت ذوقیؒ لکھتے ہیں۔ ''حضرت ﷺ درین محل بالہام الٰہی آغاز دعا کرد۔'' یعنی حضرت ﷺ پر اس موقع پر الہام ہوا دعائیہ آیات کا اور آپ نے آغاز دعا کیا۔

عام طور اردو تراجیم وتفاسیر میں یہ قول نہیں ملتا ممکن ہے کسی نے نقل کیا ہو لفظ الہام سے یہ ارشاد مقصود ہے کہ یہ دعائیہ آیات بذریعہ حضرت جبرئیل نہیں نازل ہوئیں بلکہ بلاواسطہ آنحضرت ﷺ کے قلب پر القا ہوئیں۔

ایک قول یہ ملتا ہے کہ شب معراج میں جو نعمتیں آنحضرت ﷺ کو براہِ راست اللہ جل شانہ سے ملیں ان میں سے ایک سورۂ بقر کی آخری دو آیات ہیں (مجموعہ خیر البیان) (از مولانا زید ابوالحسن فاروقی ص ۹۷ مطبوعہ ابوالخیر اکاڈمی دھلی)

(۵) سورۂ آلعمران کی آیت یہ ہے۔ ومکروا ومکر للہ واللہ خیر الماکرین اس آیت کے ترجمہ میں حضرت ذوقیؔ نے بہت احتیاط کے ساتھ کام لیا ہے اور لفظ مکر کی تاویل خوبصورتی کے ساتھ کر کے ادب کے دامن کو ہاتھ سے جانے نہیں دیا۔

مکر اللہ کا ترجمہ یوں کیا ہے! ''خدا تعالیٰ جزای ذکر ایلشان بایلشان رسانید'' یعنی خدائے تعالیٰ نے ان کے مکر کی جزا ان تک پہنچا دی اور واللہ خیر الماکرین کا ترجمہ یوں کیا ہے ''خدائے تعالیٰ اہل مکر کو مکافاتِ عمل (عمل کا بدلہ) دینے میں سب سے زیادہ بہتر (قادر) ہے۔

(۶) سورۂ آل عمران کی ایک آیت کا ترجمہ اور تفسیر اس طرح ہے۔ ان اللہ یخفی علیہ شیئٌ فی الارض ولا فی السماء ترجمہ وتفسیر لطیفی: ''بدرستیکہ خدائے تعالیٰ پوشیدہ نما برائی چیزی از کائنات نہ درز میں از آسماں بلکہ علم او لحیط بہمہ معمولات است بخلاف علم عیسیٰ علیہ السلام کہ او از بعضی مغیبات خبر داشت وآں نیز از تعلیم دی پس بحسن علم ناقص استدلال ربوبیت او نمیتوان کرو۔''

اردو ترجمہ: بیشک خدائے تعالیٰ سے کائنات کی کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہے نہ زمین کی نہ آسماں کی، بلکہ اس کا علم تمام معلومات کو محیط ہے بخلاف عیسیٰ علیہ السلام کے وہ بعض علوم غیب پر مطلع تھے اور وہ بھی ان کو خدا کی عطا سے حاصل تھے۔ پس علم ناقص سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ربوبیت پر استدلال کرنا درست نہیں ہے۔''

اس سے پہلے ان منکرین توحید کا بیان ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی الوہیت کے قائل تھے۔ اس لئے آیت کے سیاق و سباق کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے حضرت ذوقی نے تفسیر میں وضاحت کر دی ہے جس سے یہ بتانا مقصود ہے کہ بندہ کا علمِ غیب ذاتی نہیں ہوتا بلکہ خدا کی عطا سے ہوتا ہے۔ عالم الغیب ہونا صرف خدا کی صفت ہے اور عطائی علم غیب ہونا خود بندہ ہونے کی دلیل ہے۔ اس لئے عطائے علم غیب سے کسی بندہ کی ربوبیت ثابت نہیں ہوتی بلکہ اس کا بندہ ہونا ہی ثابت ہوتا ہے۔ اس لئے اس آیت میں ایک مناظرہ کے ذریعہ اہلِ باطل کی تردید کی گئی ہے۔ حضرت ذوقی کی اس تفسیر سے قرآن میں جو بلاغت کا پہلو ہے وہ ظاہر ہو جاتا ہے کہ بیان تو واضح ہے مگر بیان کے موقع ومحل نے کلام کو بلیغ بنا دیا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے عالم الغیب ہونے کا بیان اور یہ بیان کہ ساری کائنات کو اس کا علم محیط ہے یہاں اس سبب سے ہے کہ منکرین توحید کے استدلال کو رد کیا جائے جو حضرت عیسیٰ کی الوھیت کے قائل ان کے بعض عُلومِ غیب کی بنیاد پر تھے۔

(۷) سورۂ آل عمران ہی میں ایک جگہ شہید کی حیات کا ذکر ہے۔ حضرت ذوقی نے ترجمہ کے ساتھ اس حیات کی بھی وضاحت کی ہے آیت اور ترجمہ وتفسیر یہ ہے۔ ولا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللہ امواتاً ط بل احیاءٌ

عند ربھم یُرزقون ۔ ترجمہ وتفسیر لطیفی: بلکہ ایشان زندگانند نزد پروردگار خود باعتبار آنکہ ہر سال ثواب غزوہ بدلیشان میرسد آنکہ خاک ایشانرا نمخوادیا روسلام زایران میکنند یابد ستور زندگان روزی وادہ میشوند از میوہ ھای بہشت"

اردو ترجمہ: یہ زندہ ہیں اپنے پروردگار کے پاس اس اعتبار سے کے ہر سال ان کے جہاد کا ثواب ان کو پہنچتا ہے یا یہ کہ زمین ان کے جسم کو نہیں کھاتی یا یہ کہ وہ زائرین کے سلام کا جواب دیتے ہیں یا زندوں کی طرح بہشت سے ان کو میوے دئے جاتے ہیں کھانے کے لئے۔"

ان امور کے بیان کرنے کا مطلب یہ ہے کہ یہ تمام باتیں زندہ ہونے کے علامات ہیں اور یہ تمام علامات شہیدوں میں پائی جاتی ہیں۔

سورۂ آل عمران کی ایک آیت "انہ مسیح عیسیٰ ابن مریم" میں لفظ مسیح کی تشریح اس طرح کی ہے۔

"مسیح است وآن از القاب است عیسیٰ مسیح در عبرانی شیخ است ومعنی آن مبارک چنانکہ اوسبحانہ تعالیٰ فرمودہ وجعلنی مبارکا اینما کنت وگفتہ اند مسیح اورا از آن میگفتند کہ ہر مریضی راکہ مسیح میکروز میں رابسیاحت ومتوطن جای نمیشد وبہ نسبت او بجانب مریم اشارہ است بہ آنکہ او مجر داست از پدر،" ترجمہ وہ مسیح ہیں اور مسیح لقب ہے عیسیٰ ان کا نام ہے اور نام سے پہلے لقب لانا ان کی عظمت کو ظاہر کرنے کے لئے ہے اور عبرانی میں یہ لفظ مشیخ اس کے معنی مبارک ہے جیسا کہ اللہ سبحانہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وجعلنی مبارکاً اینما کنت اور کہا گیا ہے کہ ان کو مسیح اس لئے کہتے تھے کہ جس مریض کو وہ مسح کر دیتے تھے وہ شفا پاتا تھا اور کسی جگہ متوطن نہیں ہوتے تھے۔ اور مریم کی طرف اس لئے اشارہ کیا گیا کہ وہ بغیر باپ کے پیدا کئے گئے،

(۹) سورہ بقر میں حضرت ابراھیم علیہ السلام کا واقعہ ہے کہ جب انہوں نے پوچھا تھا کہ اے رب تو کس طرح مردوں کو زندہ کریگا، مجھے دکھادے بعض صوفیا نے اس کی صوفیانہ تفصیل کی ہے مثلاً حضرت سید محمد گیسو دراز (متوفی ۸۲۵ھ) کی تفسیر الملتقط (خطی) میں صوفیانہ انداز دکھایا جاسکتا ہے لیکن حضرت ذوقی نے یہاں بھی ظاہری معنی ہی مراد لئے ہیں لیکن اس بات کا لحاظ رکھا گیا ہے کہ نبی کی شان نبوت پر حرف نا آنے پائے اور قرآن کے معنی ومراد میں بھی کوئی فرق نہ ہو۔ ملاحظہ ہو۔

ترجمہ وتفسیر لطیفی : یاد کن آن راکہ گفت ابراھیم علیہ السلام ای پروردگار من بنمای رابدیدۂ سر چگونہ زندہ میگرانی مردگانرا گفت آیا تو ایمان نیاوردۂ بدآنکہ من مردہ زندہ میکنم؟ گفت بلیٰ ایمان آوردہ ام (بلی ایجاب بعد نفی است واگر استفہام بمعنی ایجاب گیرند در قولہ تعالیٰ اولہ تومن یعنی تو ایمانداری بقدرتِ من براحیاء واماتت چنانکہ بانمرود گفتی کہ ربی الذی یحیے ویمیت بلی رابمعنی نعم اعتبار باید کرد) ولیکن سوال کردم از نمودن احیاء اموات تا مطمئن وساکن گردد دلِ من بدیدن کیفیت آن۔

آوردہ اند کہ ابلیس بر کنارۂ دریابی میگذشت نظرش بر مرداری افتاد کہ مرغان ودد گان ھریکی از او پارہ می ربایدِ، ابلیس گفت خوش دامی یافتم کہ بدان کوتہ نظران کم خرد راصید متوان نمود چہ ایں اجزای متفرقہ را از حوصلہ ھای مرغان وشکمہای نہنگان وماھیان ودرندگان جمع کردن مستعد ھست، پس ایشان درایں ارلغزش تمام بیابند واحیای موتی راخلافِ عقل دانند وبانکار حشر پردازند پس حق سبحانہٗ

ابراهیم علیه السلام وحی فرستاد که بر کنارهٔ فلان دریا برد که دشمن من دام فریب گسترده میخواهد که جمعی را در گرداب ضلالت افگند ابراهیم علیه السلام در آنجا آمد، ابلیس آں شبه را بروی القا نمود۔ ابراهیم علیه السلام در جواب او فرمود که محل عجیب نیست آنکه اجزاء را از عدم بوجود آورده است قادر است که آن را جمع نماید اگر در مواضع متحده متفرق شده باشد، پس ابراهیم علیه السلام دعا کرد که ای پروردگار من کیفیت احیای موتی بمن بنمای تا ایں طاغی ملزم گردد و دل من بالزام اطمینان پذیرد۔"

اردو ترجمہ: اسے یاد کرو جبکہ ابراہیم علیہ السلال نے کہا کہ اے میرے پروردگار مجھے ان ظاہری آنکھوں سے دکھا کہ تو کس طرح مردوں کو زندہ کرے گا۔ خدا نے کہا کہ کیا تمہارا ایمان اس پر نہیں ہے۔ کہ میں مردوں کو زندہ کرونگا؟ ابراہیم علیہ السلام نے کہا کہ ہاں ایماں ہے (بلیٰ نفی کے بعد ایجاب ہے اور اگر استفہام کو ایجاب کے معنی میں لیں بقولِ تعالیٰ اولم تومن یعنی تمہیں میری اس قدرت پر ایمان ہے کہ میں مردوں کو زندہ کرونگا جیسا کہ تم نے نمرود سے کہا تھا کہ میرا رب وہ ہے جو جلاتا ہے اور مارتا ہے بلیٰ کو بمعنی نعم اعتبار کرنا چاہئے) لیکن میں نے سوال کیا کہ مردوں کو زندہ کر کے دکھاوے تا کہ اس کی کیفیت کو دیکھکر میرا دل مطمئن ہوجائے اور قرار پکڑے۔

کہتے ہیں کہ ابلیس ایک دریا کے کنارے سے گذر رہا تھا۔ اُس کی نظر کسی مردار پر پڑی کہ چڑیاں اور درندے اس کا گوشت کاٹ کر کھاتے تھے۔ ابلیس نے کہا اچھا جال ہاتھ آیا ہے اس جال میں کم عقلوں کو پھنسا سکتا ہوں کیونکہ چڑیوں کے حوصلوں اور جانوروں اور مچھلیوں کے پیٹ سے ان اجزاء کو جمع کر کے پھر سے زندہ کرنا ان کی عقل سے مستبعد نظر آئیگا ۵۱ اس امر میں ان کو پوری طرح بہکایا جاسکتا ہے تا کہ وہ احیاء موتیٰ کو خلافِ عقل مان لیں اور حشر و نشر کا انکار کر دیں پس حق سبحانہٗ نے ابراہیم علیہ السلام پر وحی کی کہ فلاں دریا کنارے جاؤ کہ وہاں میرے دشمن نے فریب کا جال بچھایا ہے اور چاہتا ہے کہ انہیں گمراھی کے بھنور میں ڈال دے ابراہیمؑ وہاں آئے ابلیس نے یہ اشتباہ ابراہیم علیہ السلام کے دل میں ڈالنا چاہا انہوں نے جواب دیا کہ اس میں کوئی تعجب نہیں ہے کہ جو ان اجزاء کو عدم سے وجود میں لایا ہے وہ اس پر قادر ہے کہ ان کو جمع کر دے اگر چہ یہ اجزاء مختلف مقامات میں متفرق ہو گئے ہوں۔

پس ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی کہ اے پروردگار احیاءِ موتیٰ کی کیفیت مجھ پر ظاہر کر دے تا کہ یہ گمراہ و باغی ملزم ٹھرے اور میرا دل الزام سے بری ہونے پر مطمئن ہوجائے (یعنی میں نے جو بروز حشر احیاء موتیٰ کا دعویٰ کیا ہے وہ سامنے آجائے گا تو عملی ثبوت دیکھکر ایک طرف شیطان ملزم قرار پائے گا اور دوسری طرف میرے دل کو چین نصیب ہوگا اور مجھ پر یہ الزام عائد نہ کرسکیگا۔)

اس تفسیر میں چند نکات قابل توجہ ہیں،

(۱) بعض اردو مترجمین نے یہ لکھ دیا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام بہ تقاضائے بشری شبہ میں پڑ گئے تھے اور اپنے شبہ کو دور کرنے کے لئے خدا سے احیاء موتیٰ کا تقاضا کیا تھا اور حضرت ذوقی نے اس اشکال کا ازالہ اس طرح کیا ہے کہ قرآن ہی سے حضرت ابراھیم علیہ السلام کا یہ قول پیش کر دیا کہ انہوں نے نمرود سے کہا تھا کہ میرا رب وہ ہے جو جلاتا ہے اور مارتا ہے یہ اس بات ثبوت ہے کہ آپ کا ایمان مستحکم تھا اور نبی کی شان کے یہ خلاف ہے کہ وہ ایمان کے معاملہ میں شبہ میں پڑ جائے۔

(۲) دوسرے یہ کہ کیف تحی الموتی کا ترجمہ انہوں نے اس طرح کیا ہے "بنمای مرا بدیدهٔ سر چگونه زنده میگردانی مردگانه

یعنی مجھے مردوں کوزندہ کرنے کی کیفیت کوان ظاہری آنکھوں سے دکھادے سوال کے الفاظ یہ نہیں ظاہر کرتے کہ آپ کوایمان نہ تھا بلکہ وہ اس کیفیت کوآنکھوں سے دیکھنا چاہتے تھے۔اس کا ثبوت ہمیں خدائے تعالیٰ کے اس سوال سے ملتا ہے اولم تومن ۔کیا تمہارا اس پر ایمان نہیں ہے کہ میں مردہ زندہ کرسکتا ہوں؟ اس پر ابراھیم علیہ السلام کا یہ جواب ہے کہ بیشک میں اس پر ایمان رکھتا ہوں۔دراصل باری تعالیٰ کے سوال کا مقصد اس بات کوواضح کردیتا ہے کہ کوئی یہ نہ سمجھے کہ ابراھیم علیہ السلام سے پوچھنے کی ضرورت نہ تھی کیونکہ وہ علام الغیوب ہے اور دلوں کے حال سے واقف ہے۔

اب رہا دل کے اطمینان کا مسئلہ تو یہ اس شانِ نزول سے ظاہر ہوتا ہے جو حضرت ذوقی نے بیان کی ہے یہ نہیں بتایا کہ یہ روایت انہوں نے کہاں سے لی ہے اس واقعہ سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ یہ دیکھ کرکہ ابراھیم علیہ السلام کے سبب مردہ زندہ ہوگیا کوئی یہ نہ سمجھے کہ کوئی نبی خود سے مردہ زندہ کرسکتا ہے بلکہ یہ کام درحقیقت مالکِ حقیقی کا ہے اور اسی کے حکم سے مردوں کوابراھیم علیہ السلام کے ذریعہ زندہ کیا گیا تاکہ ابراھیم علیہ السلام کی نبوت پر ایک دلیل بن جائے۔

اب اس سلسلہ کی آخری آیت نقل کی جاتی ہے جس کے ترجمہ میں صوفیانہ طرز بھی شامل ہے یہ سورۂ فاتحہ کی آیت ذیل ہے

ایاک وترا نعبد عبادت میکنم

وایاک نستعین وخاص ازتو مدد می جوئیم درعبادت

اردو ترجمہ :''اور ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور خاص تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں عبادت میں''

اس ترجمہ میں جوخاص لفظ قابل توجہ ہے وہ ہے''عبادت میں'' قرآن کی اس آیت میں یہ لفظ نہیں ہے۔سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت ذوقی نے اس عبادت کے ساتھ خاص کردیا۔یہ اعتراض علماء ظاہر کی طرف سے ہوسکتا ہے۔لیکن حضرت ذوقی نے جو ترجمہ کیا ہے اس میں زیادہ گہرائی ہے اور اس میں ذوق بندگی شامل ہے جوقرآن کے اس منشاء کے مطابق ہے جس کا تعلق توحید کے رموز سے ہے جوعبادت وبندگی کے مفہوم کواس طرح ظاہر کرتا ہے جس سے بندہ پر مقام بندگی کی کیفیت کھلتی ہے۔

قرآن کی تعلیم یہ ہے کہ بندہ ہرنیک عمل کا فاعل حقیقی خدا کو سمجھے اور اسے اپنی طرف منسوب نہ کرے یعنی وہ معبود کے سامنے اپنے احساس انا بلکہ اپنے احساس وجود کوبھی ختم کردے۔لیکن برائی کوخود اپنی ذات سے منسوب کرے اسی لئے ایک حدیث ہے کہ برائی کرتے وقت دل میں ایمان نہیں رہتا کیونکہ اس وقت اس کی انانیت بیدار ہوتی ہے مومن کی حلال کمائی کوبھی بندے کی ذات سے نہیں منسوب کیا گیا ہے بلکہ کہا گیا ہے ومما رزقنا ھم ینفقون یعنی رزاق حقیقی فرماتا ہے کہ ہم جومومنین کوروزی دیتے ہیں وہ اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔لیکن سورۂ فاتحہ کی اس آیت میں خود مومن کی زبان سے ایک دعوے کا اظہار اس طرح کرایا گیا یعنی''ایاک نعبد''ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں۔(ہم کا صیغۂ جمع اس امر کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ تمام مومنین تیری ہی عبادت کرتے ہیں) یہاں عابد اور معبود میں فرق کا اظہار کرنا لازمی تھا اس لئے بندہ کواپنی انا کا اظہار کرنا اور دعویٰ فعل کرنا پڑا لیکن اس جگہ فوراً بعد یہ کہنا وایاک نستعین یہ ظاہر کرتا ہے کہ اے خدا! تیری توفیق کے بغیر ہم یہ عبادت بھی نہیں کرسکتے اس طرح ان اور فعل کا دعویٰ دونوں ختم

ہوجاتے ہیں جب بندہ مقام بندگی کے اس درجہ کو پہنچ گیا ہو کہ وہ دعویٰ انا اور دعویٰ فعل سے عاری ہو چکا ہو تو وہ کسی بھی امر میں اپنے اختیار وارادہ کا دعویٰ نہ کریگا اور اس کا ہر ارادہ خدا کے ارادہ کے تابع ہو جائیگا اور اس کا یہ یقین ہر وقت اس کے ساتھ رہیگا کہ وہ خدائی کی مدد کے بغیر کچھ بھی نہیں کر سکتا۔ اس طرح اگر ترجمہ میں ''درعبادت'' زاید ہے لیکن اس معنی میں وہ مراد بھی شامل ہے جو علماء ظاہر کا قول ہے اور صوفیہ کا نقطۂ نظر بھی شامل ہے کہ بندہ خدا کے وجود کے سامنے ہیچ ہے یعنی لاموجود الا اللہ۔

زیر بحث آیت کے تحت جو کچھ اوپر لکھا گیا ہے یہ عام فہم انداز میں ان لوگوں کے لئے جو کچھ علم وفہم رکھتے ہیں۔لیکن توحید کے مراتب میں یہ ایک مرتبہ ہے۔جن کو اس موضوع سے دلچسپی ہو وہ راقم کی کتاب تصوف حصہ اول میں زیر عنوان وحدت الوجود ملاحظہ فرمائیں۔اس بحث کا سلسلہ جبر واختیار کے مسئلہ سے جاملتا ہے جو بہت نازک ہے۔ان مسائل کو بھی اساس قرآن میں موجود ہے۔لیکن ان کی معرفت ان لوگوں کو ہوتی ہے جو تزکیۂ نفس اس طرح کر چکے ہوں کہ توحید ان پر چھا جائے اس وقت وہ دیکھتے ہیں کہ درحقیقت بدی کا وجود نہیں ہے۔برائی ہماری یعنی بندہ کی نسبت سے ہے۔اس مسئلہ کو علمی طور پر بھی بیان کیا گیا ہے جو بہت دقیق ہے اور جس کے بیان کرنے کی یہاں ضرورت نہیں ہے۔اشارۃً وہ صوفیا کے اشعار یہاں نقل کئے جاتے ہیں شیخ ابوالوفا خوارزمی (آٹھویں اورنویں صدی ہجری) لکھتے ہیں:

بدکردم واعتذار بدتر زگناہ :ترجمہ، میں نے برائی کی اور پھر برائی کا عذر کیا جو گناہ سے بھی بدتر ہے۔

زیرا کہ دریں ہست دعوای تباہ ؛ دعوای وجود دعویٰ قدرت کا دعوی

کیونکہ عذر پیش کرنے میں تین تباہ کن دعوے ہیں، انا کا دعویٰ قدرت کا دعویٰ اور فعل کا دعویٰ لاحول ولاقوۃ الا باللہ

لاحول ولاقوۃ الا باللہ یعنی ایسے دعووں سے خدا بچائے۔خواجہ حافظ شیرازی (آٹھویں صدی ہجری) لکھتے ہیں: گناہ اگر چہ نبود اختیار کا حافظ یعنی اے حافظ اگر چہ گناہ ہمارے اختیار میں نہ تھا۔ آور طریق ادب باش وگوگناہ من است لیکن تم ادب کا طریقہ اختیار کرو اور کہو کہ گناہ مجھ سے سرزد ہوا لیکن یہ بہت مشکل مسئلہ ہے اس بحث سے بچنا بہتر ہے۔ تفسیر لطیفی کی بعض خصوصیات کی طرف اشارے کئے جا چکے ہیں اور مذکورہ مثالوں سے ان خصوصیات کی وضاحت بھی ہو جاتی ہے۔اگر تفسیر کا مطالعہ بالاستیعاب کیا جائے تو بہت سے نکات نظر میں آسکتے ہیں۔اور اس تفسیر کی معنوی خصوصیات مزید روشنی پڑ سکتی ہے،ہم کہہ چکے ہیں کہ یہ مضمون ایک سرسری مطالعہ پر مبنی ہے شروع میں ہم نے جن خصوصیات کی طرف اشارے کئے ہیں ان کا اعادہ ذیل میں کسی قدر تفصیل سے کیا جاتا ہے۔

(۱) قرآن کی تفسیر لکھنے میں اس بات کا خیال رکھنا نہایت ضروری ہے کہ بیان خواہ کتنا ہی مفصل ہو اس میں غیر ضروری الفاظ وجملے نہ ہوں، بیجا تکرار نہ ہو، انشاء پردازی، پُرشکوہ انداز بیان، خطابت جوشِ بیان، رنگین بیانی سے کام نہ لیا گیا ہو، جو بات ہو واضح ہو، ابہام نہ ہو غرضکہ انداز بیان صاف، سادہ غیر مبہم ہو اور حشو وزواید سے پاک ہو تفسیر لطیفی میں ان تمام باتوں کا لحاظ پایا جاتا ہے۔

(۲) حضرت ذوقی نے ترجمہ تقریباً تحت لفظ کیا ہے لیکن ترجمہ کو پڑھنے اور سمجھنے میں کوئی مشکل نہیں محسوس ہوتی۔یہ ترجمہ کی

خوبی ہے، ترجمہ قرآن کے مفہوم کے مطابق ہے اور زیادہ تر الفاظ اصل کے مطابق یا ان سے بہت قریب ہیں۔

(۳) ترجمہ عام فہم ہے اور عام لوگ اس سے استفادہ کر سکتے ہیں یعنی وہ لوگ جو فارسی سے واقف ہیں۔ لیکن اس میں جو اشارے ان سے خواص ہی فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔

(۴) ترجمہ میں مقام ادب میں ہر جگہ ادب کا لحاظ رکھا گیا ہے اور کیوں نہ ہو جبکہ کہا گیا ہے کہ التصوف کلّہ ادبٌ، تصوف سراسر ادب ہے بلکہ یہ بھی کہا گیا ہے کہ الدین کلّہ ادبٌ، دین سراسر ادب ہے۔

(۵) ترجمہ ظاہر کرتا ہے کہ ترجمہ کرنے والا صرف عالم ہی نہیں بلکہ عارف بھی ہے مگر یہ عارفانہ پہلو عام لوگوں کی فہم سے باہر ہے۔ مترجم اگر عالم ہونے کے ساتھ عارف بھی ہو تو اس سے قرآن فہمی کی زیادہ توقع کی جا سکتی ہے۔ خصوصاً ان مواقع پر جن کا تعلق توحید اور اخلاص کی باریکیوں سے ہو۔

حضرت ذوقی سے یہ ترجمہ وتفسیر اپنے زمانے کی ضرورت کو پورا کرنے کے لئے لکھی تھی۔ زمانے کی ضرورت سے مراد ان کے اپنے ماحول کے تقاضوں سے ہے۔ اور اس کے پیچھے صرف تبلیغ واشاعت دین کا جذبہ ہی کارفرما تھا۔

دارالعلوم لطیفیہ ویلور

حضرت مولانا الحاج نیّرؔ ربانی رحمۃ اللہ

مطلعِ نورِ حق نُما مدرسۂ لطیفیہ — مسکنِ آلِ مصطفٰے مدرسۂ لطیفیہ

کشتیٔ دِل لگے نہ کیوں ساحِل امن سے بھلا — قوم کا جب ہے ناخدا مدرسۂ لطیفیہ

پھیلی ہے جس کی روشنی تا بہ افق صدی صدی — ہے وہ چراغ فیض کا مدرسۂ لطیفیہ

کُھلتا ہے رازِ من عرف فیض سے اس کے ہر نفس — حاصلِ ذوقِ مدّعا مدرسۂ لطیفیہ

اس کا مقام ہے بلند اس کی فضا بسیط ہے — سب میں ہے سب سے ہے جُدا مدرسۂ لطیفیہ

جوہرِ آئینہ ہے کیا آئینہ ساز کے لیے — مظہرِ شانِ کبریا مدرسۂ لطیفیہ

فقر میں شانِ خواجگی کیف میں جوشِ آگہی — یہ ہے جہاں وہی فضا مدرسۂ لطیفیہ

اس کے سلف کا مرتبہ کیا کہیں قطبِ وقت تھے — ان کے ہے فیض کا صلا مدرسۂ لطیفیہ

کیوں نہ ہو بارشِ کرم اس پہ بہ فیضِ مصطفٰےؐ

نیّرؔ مطلعِ وفا مدرسۂ لطیفیہ

اعلیٰ حضرت قربی قدس سرہ کی شاعری کا تنقیدی مطالعہ

از جناب ڈاکٹر سید احتشام ندوی یم اے، یم، ٹی، ہچ، پی، ہچ، ڈی
لکچرر شعبہ عربی، وینکٹیسورا یونیورسٹی تروپتی، آندھرا۔

دکنی شعراء میں زبدۃ العارفین اعلیحضرت سید شاہ ابوالحسن قربی قدس سرہٗ العزیز ویلوری کو ایک اہم مقام حاصل ہے اس عظیم فنکار نے اپنی غزلوں میں حقائق و معارف کی دریا بہائے اور اسرار تصوف کے موتی لٹائے ہیں۔ آپ کی شاعری میں سوز بھی ہے، اور ساز بھی، زبان کی پاکیزگی، الفاظ کی لطافت اور بندش کی چستی آپ کے یہاں پوری طرح موجود ہے اگر چہ زبان میں قدامت بھی پائی جاتی ہے۔

دکنی شعراء نے اردو شاعری کا آغاز کیا اور اس سلسلہ میں علمائے تاریخ ادب اردو کا متفقہ فیصلہ ہے کہ نظم اردو کا ظہور دکن سے ہوا۔ (۱) صوفیائے کرام دکن کے گوشے گوشے میں اسلام کی تبلیغ کے لئے پہنچے اور انہوں نے آسان زبان میں اپنی عارفانہ باتیں لوگوں کو سمجھائیں۔ ان کی شاعری میں توصف اور ذات باری سے تعلق ایک بنیادی عظمت کا حامل نظر آتا ہے۔ حضرت قربی قدس سرہٗ اس طرز کے ایک عظیم و قدیم شاعر ہیں جن کا دکنی کلام چند سال پہلے پروفیسر سید فضل اللہ صاحب نے ایک مقدمہ اور حاشیہ کے ساتھ شائع کیا ہے۔ اس دیوان کو پڑھنے کے بعد مجھے احساس ہونے لگا کہ دکنی کتابوں کو مفصل شرح یا کم از کم حل لغت کے ساتھ شائع کرنا چاہئے ورنہ ان کا نفع محدود سے محدود تر رہ جائیگا۔ حضرت ذوقی قدس سرہ کے کلام میں قدیم دکنی الفاظ، محاورات، طرز تعبیر اور نحوی صرفی کیفیت، پوری طرح نمایاں ہے۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ آپ شاعر قدیم العہد ہیں۔ آپ کا کلام ڈھائی سو برس قبل کا ہے جبکہ اردو غیر ترقی یافتہ زبان تھی۔ (خصوصاً نثر میں)

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حضرت قربی کی شاعری کا جائزہ لینے سے قبل آپ کی زندگی، ماحول، طرز فکر اور سماجی حالات پر ایک اجمالی نظر ڈالی جائے۔ تاکہ اس پس منظر میں آپکی شاعرانہ عظمتوں اور عارفانہ رموز کی نشان دہی کی جاسکے۔

حضرت سید شاہ ابوالحسن قربی قدس سرہٗ ۱۱۱۸ھ میں بیجاپور میں متولد ہوے۔ اپنے والد بزرگوار کے ساتھ مختلف مقامات پر قیام کرتے ہوے ویلور پہنچے۔ ویلور ضلع شمالی آرکاٹ مدراس میں مستقل قیام کے بعد حضرت قربی قدس سرہٗ کو علوم عربیہ کی تکمیل کا موقعہ ملا اس کے ساتھ ہی آپ نے تصوف کے مجاہدے اور منزلیں بھی طے کرنی شروع کر دیں۔ تصوف آپ کی گھٹی میں پڑا تھا۔ آپ کے والد سید شاہ عبداللطیف قادری بیجاپوری قدس سرہٗ ایک باخدا شخص تھے۔ آپ کے مریدوں کا سلسلہ وسیع تھا۔ حضرت قربی قدس سرہٗ نے اسی متصوفانہ ماحول میں آنکھیں کھولیں۔ اپنے والد ماجد کے دست حق پرست پر بیعت کی۔ خلافت سے مشرف ہوئے اور ایکسو اکیانوے سلاسل میں اجازت حاصلکی۔ آپ کو حضرت عبدالحق مخدوم ساوی رضی اللہ عنہ سے والہانہ کیفیت پیدا ہوی اور آپ نے حضرت موصوف سے سلوک کی راہیں طے کیں۔ حضرت مخدوم ساوی کے بارے میں آپ کہتے ہیں۔

کہتا ہے عارفاں کوں ہر نکتہ منتخب او   وحدتِ علم میں ہیں بایزید ثانی

حضرت قربیؔ قدس سرہٗ نے ایک دار التزکیہ بنایا۔ چنانچہ آپ نے ویلور میں ۱۱۷۶ھ میں ایک زبردست خانقاہ بنائی جو آج بھی مدرسہ اور خانقاہ کی وجہ سے مرجع خلائق ہے اور حضرت مکان کے نام سے مشہور و معروف ہے۔

حضرت قربیؔ قدس سرہٗ کا وصال ۲۰ رمضان المبارک ۱۱۸۲ھ کو ویلور میں ہوا اور حضرت مکان ہی میں مدفون ہوئے۔ آپ کا مقبرہ نہایت عالی شان ہے۔

حضرت قربیؔ قدس سرہٗ کی زندگی کا اثر آپ کی شاعری پر پوری طرح عکس فگن ہے۔ آپ نے اپنے اردو دیوان میں اپنے عارفانہ تجربات، ذات باری سے عشق و محبت، وحدت الوجود اس کے لئے سوز دروں اور تڑپ، وصال کی تمنا۔ اسکی رحمتوں کے خزانے، اسکی عظمتوں کے جلوے، اسکی شان جبروت و جلال اسکی محبت و شفقت کے نظارے اور اسکی وحدت کے مشاہدے، آپ کی شاعری کی روح اور کمال فن کا سرمایہ ہے اور اسی سے آپ اپنی شاعری تانہ بانہ تیار کرتے ہیں۔

غالبؔ مسائل تصوف بیان کرتے ہیں مگر رند مشرب میں انکا تصوف نظری ہے۔ بلکہ میرؔ، سوداؔ، غالبؔ اور فانیؔ سارے شعراء کا تصوف عملیت کی عظمت سے خالی ہے۔ اس کے برعکس حضرت قربیؔ قدس سرہٗ نظری و عملی دونوں نقطۂ نظر سے تصوف کے رنگ میں رنگے ہوئے نظر آتے ہیں۔ تصوف کا ایک فائدہ یہ ہے کہ اسکی وجہ سے ماڈی اور جنسی کثافتوں کو شاعری میں جگہ نہیں ملتی، بلکہ شاعری اعلی اقدار حیات کی ترجمان بن جاتی ہے۔ یہ قدریں چونکہ باری تعالیٰ سے متعلق ہیں اور انسانی زندگی سے اپنا رشتہ قومی رکھتی ہیں۔ اس لئے اس سے کیفیت علو و عظمت پیدا ہوتی ہے۔ بعض مادہ پرست ناقدوں نے تصوف جیسی پاکیزہ چیز پر بھی ضرب لگانی شروع کردی ہے، حالانکہ منجملہ اور اسباب کے تصوف کی عدم موجودگی کی وجہ سے لکھنؤ دبستانِ تغزل میں رکاکت پیدا ہوی۔ تصوف ہماری شاعری کا ایک جاندار اور صالح عنصر ہے جس سے شاعری کو توانائی اور رعنائی کی دولت عطا ہوتی ہے۔

حضرت قربیؔ وحدت الوجود کے قائل ہیں۔ آپ کو سارے عالم میں ذات باری تعالیٰ کے علاوہ کوئی چیز نظر نہیں آتی، فرماتے ہیں۔

ہر شئی تجلی دوست کی ساقی و مئے جام وز جاج   تو معرفت کا جام پی تاتج کوں مستی میں دسے

ہے اوعشاق کوں مروح روح   کل شیئ محیط کا سرِ بوج

خاک ہور، آب ہور آتش و باد   ہے ظہور اس کا آسمان وز میں

حضرت قربیؔ کے اشعار کو اگر ذرا الفاظ بدل کر پڑھا جائے تو قدامت زائل ہو جائے اور اشعار دلچسپ ہو جائیں مثلاً آخر الذکر شعر اس طرح کردیا جائے۔ ؎ ہے ظہور اس کا آسمان وز میں   خاک اور آب اور آتش و باد

تصوف سے آپ کا کلام پُر ہے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ آپ ساز و سماع کے قائل نہ تھے بلکہ ذات حق آپ کے لئے ساز و سماع تھی چنانچہ فرماتے ہیں ؎ مجھ رگ رگ سوں چنگ آواز   اللہ اللہ کا نکتا ناد

زندگی کے سدھار اور نفس و قلب میں پاکیزگی کے لئے آپ تصوف اور اسکے لوازمات کو ضروری خیال فرماتے ہیں۔ ؎

تو پیر مکمل کا دامن پکڑ کریگا انا الحق او انشراح
تو مرشد کے آثار پر کر سلوک نہ پہنچائیگا حق کو زہد و صلاح
یوں کشف وکرامات سوں ہونے ہے کیا بجز علم باللہ نہیں ہے نجاح

آپ بار بار پیر، مرید، مرشد اور تصوف کے دوسرے عناصر کی طرف توجہ دے رہے ہیں۔ دیوان کی ابتداء میں حضرت قربیؔ قدس سرہٗ نے خدا کی حمد میں جو اشعار لکھے ہیں وہ اسکی تعریف سے زیادہ تصوف کے فلسفہ کے بیان پر مبنی ہیں۔

اسم مطلق کر ظہور اسما ہوا کر یقین او عین سب اشیاء ہوا
اسم کوں عین مسمیٰ بول توں اور مسمیٰ عین کل اشیاء ہوا
آسماں اور ابر او، اوہی آسماں خاک وآب وآتش دوبارہ ہوا

یہاں بھی وحدت الوجود کی کارفرمائی نظر آتی ہے، حضرت قربیؔ قدس سرہٗ کو ذات باری سے ایک غیر معمولی والہانہ تعلق، اور خدا کی ذات سے ملنے کا ایک لافانی جذبہ اپنے اندر محسوس کرتے ہیں اور اسی کو وہ حاصل زندگی تصور کرتے ہیں، خدا کی راہ میں فنا، حیات جاوداں ہے فرماتے ہیں۔

عاشق صادق اگر ذات کر اپنی فنا ذات میں اللہ کے فوں کو ہر سے تو بھلا
تجھ وحدت کے تئیں نیں ہے کنارہ کہیں عاشق صادق اگر اس میں گرے تو بھلا

ایسا محسوس ہوتا ہے کہ آپ صحیح مسلکِ صوفیہ کے حامل ہیں عقیدۂ جبر پر اعتقاد نہیں رکھتے بلکہ انسان کے حاصل شدہ اختیار میں اطاعتِ الٰہی کی دعوت دیتے ہیں۔

دے اختیار میں اس سب اختیار آپس کا اسکی رضا میں چلنا نت اختیار کرنا
نفسانیت کا دریا، دریائے بے کراں ہے اللہ کی مددسوں کشتی کو پار کرنا
یک کو ہزار کرنا ، کرنا ہزار کو یک مذہب میں عاشقاں کے ہے یوں شمار کرنا

آپ کا دل اور آپ کی زبان ترجمان تصوف ہے، آپ کے دکنی کلام کا ہر ہر شعر معرفت وحقیقت میں ڈوبا ہوا ہے اور چونکہ یہ کیفیات آپکے اپنے تجربات سے عبارت ہیں، اس لئے ان میں تصنع کی جھلک نہیں، اب تصوف کے بارے میں کچھ عام اشعار سنئے ۔

نہیں ہے پست وبالا کچھ سخن میں اس وہی شاید زمیں دستا ہے پستی میں ، بلندی میں فلک دستا
ماہ من شمع نمن دل کے شبستاں میں آ نور دیدہ ہو میری چشم کے ایواں میں آ
من عرف نفسہ کا انجن لگا کو دیکھا، ہر چیز ذات حق بن میں بے ثبات پایا

حضرت قربیؔ قدس سرہٗ کئی دلچسپ انداز سے ایک حقیقت بیان کرتے ہیں۔

عمر اوراق پھرانے میں گنوایا ساری علم نکتہ میں نہاں تھا مجے معلوم نہ تھا
جگ میں نقارۂ انا الحق سن چار اطراف میں رہیا ہے بج

جہاں کہیں حقیقت کے پردے میں آپ نے مجازی کیفیات کا بیان کیا ہے اس میں آپ کی زبان، بیان اور شاعرانہ انداز نظر ابھر کر سامنے آگئے ہیں۔لب کی تعریف سنئے:

یاقوت ترے لب کا ہے لعل بدخشاں دنداں کے جلا اوپر الماس ہے قربانی
تجھ مکھ کی ملاحت سوں تجھ لب کی فصاحت سوں حیرت میں سدا گم ہو صد دلبرِ کنعانی

اردو شاعری میں تصوف کی پاکیزگی اور اس کے اعلیٰ مسائل سے شاعری کو آشنا کرنے میں حضرت قربیؒ قدس سرہٗ کو غیر معمولی اہمیت حاصل ہے۔آپ کے دیوان کو دیکھنے سے محسوس ہوتا ہے کہ اتنے قدیم زمانہ میں انہوں نے کس طرح پوری غزلوں کو عشق خدا اور تصوف کی مختلف واردات وکیفیات میں رنگ کر پیش کیا ہے۔

آپ نے غزلیات میں تصوف کی روح کھینچ کر شاعری کے قالب میں بڑے فن کارانہ انداز میں پیش کیا۔غزلیات کو عشق مجازی کی گندگی سے پاک کیا اور عشق حقیقی کی عظمت سے اس کو آشنا کر کے اردو شاعری میں عمدہ شاعری کا ایک پاکیزہ نمونہ پیش کیا۔

نورِ قربی

علیم صبانویدی

گہوارۂ تصوف، ہے آستانِ قربیؒ
ہیں عاشقانِ احمدؐ وابستگانِ قربیؒ
ہر لمحہ برکتوں کی بارش ہے اس کی چھت پر
آماجگاہِ رحمت حضرت مکانِ قربیؒ
دینی تجلیوں سے معمور ہے ہمیشہ
ان مٹ سدا رہے گا یہ آشیانِ قربیؒ
دشمن فلک گرائے چاہے ہزار بجلی
بے شک نہ مٹ سکے گا یہ گلستانِ قربیؒ
علم وادب کی دنیا ہر سو مہک اٹھی ہے
ہر ایک کی زباں پر ہے داستانِ قربیؒ
حضرت مکاں کی چھت پر نورانی کیفیت ہے
اور اس کی سب فضائیں ہیں نغمہ خوانِ قربیؒ
بعدِ ولیؒ[1] و سلطاںؒ[2] یہ بھید تو کھلا ہے
دکنی کی شان و شوکت اردو زبانِ قربیؒ
دار السرور جن سے جلوہ فشاں ہوا ہے!
ویلور کی زمیں ہے رطب اللسانِ قربیؒ
یہ فضلِ ربِّ عالم فیضانِ شاہِ دیںؐ ہے
اربابِ علم و فن سب ہیں عاشقانِ قربیؒ

[1] میر ولی فیاض ولی ویلوری [2] شاہ سلطان ثانی ارکاٹی

نجیب نامہ

از:- افضل العلماء الحاج محمد یوسف کوکن عمری۔ایم۔اے۔ایم۔لٹ
سابق صدر شعبہ عربی، فارسی و اردو، مدراس یونیورسٹی

حضرت سید شاہ عبداللطیف ذوقی ویلوری المتوفی ۱۱۹۴ھ نے فارسی میں حضرت نظامی گنجوی رحمۃ اللہ علیہ کے رنگ میں کئی ایک چھوٹی بڑی مثنویاں لکھی تھیں، جن میں نجیب نامہ کو ایک امتیازی مقام حاصل ہے۔ یہ ایک تاریخی مثنوی ہے۔اس میں محمد نجیب خان کے حالات بیان کئے گئے ہیں جو نواب انورالدین خان بہادر، گوپاموی الشہید ۱۱۶۲ کے ندیم اور دست راست تھے اور نواب صاحب موصوف کے ساتھ گڈامبور کی جنگ میں شہادت پائی۔

اللھم اغفرہ وارحمہ

محمد نجیب خان شیخ حمیدالدینؒ ناگوری کی اولاد میں سے تھے جو شمس الدین کے زمانہ میں ناگور سے دہلی پہنچے تھے۔چونکہ وہ سماع کے قائل تھے، اس لئے اہل ظاہر کو ان پر سخت اعتراض تھا۔ چنانچہ عصامی نے فتوح السلاطین میں لکھا ہے۔

شنیدم کہ در عہد ِ آں بادشا	کہ صاحب ولایت بُد و پارسا
زِ ناگور صاحبدلے در رسید	نہ خالی کہ با حاصلی در رسید
حمید الدین آں مَرد را بُد لقب	سماعی شنیدے بہ ہر روز وشب
چناں مست گشتی ز دورِ سُرود	کہ کم آمدے از سرش می فرود
وگر بعد دورے شدے ہوشیار	برفتے پئے دیدنِ شہر یار
بہ تعظیم او شاہ بر خاستے	نظر از جمالش بیاراستے

قاضی سعد اور قاضی عماد نے بادشاہ پر اعتراض کیا اور کہا،

دریغ است در عہدِ تو بدعتے	بگیرد دریں تختگہ رفعتے
حمید الدین آں صاحب خانقاہ	کہ آمد زِ ناگور درتخت گاہ
شروعی چناں کرد اندر سماع	کہ خلقش کمر بست در اتباع
ھمہ شہر پُر فتنہ شداز سرور	بجز شہ کہ ایں فتنہ ساز د فرود

چو خسرو ازیشاں شنیدایں سخن بگفتا کہ اے مفتیاں کہن

چہ تدبیر باید درین کار کرد کزیں کار باز آید آں پیر مرد

اہل ظاہر علماء نے عام دربار میں شیخ حمید الدین ناگوری کو نیچا دکھانے کی کوشش کی۔ مگر اس میں وہ کامیاب نہیں ہوسکے، اور جب جواب دینے کا موقعہ آیا تو صاف کہا کہ سماع اہل قال پر حرام ہے۔ مگر اہل حال کے لئے جائز ہے۔

حرام است بر سامع اہل قال مباح است بر سامع اہل حال

پھر انہوں نے بیان کیا کہ آدمی تو آدمی جانور بھی خوش آوازی پر مست ہوجاتے ہیں، ایک بیدل انسان ہی اس سے متاثر نہیں ہوسکتا۔ چنانچہ فرماتے ہیں:-

چو حیوان دشتی زِ آوازِ تر بدیں ساں کہ گفتم شود بے خبر

ندانم چہ دل دارد آں آدمی کہ بے بہرہ باشد زخطے چنی ۱ ا بمعنی چنیں

خود محمد نجیب نے شیخ کے احوال و معارف کے متعلق ۱۲۰۳ھ میں مناقب حمیدی کے نام سے فارسی میں ایک کتاب لکھی ہے، جس کے کل چوہتر ۷۴ ورق ہیں، اور ہر صفحہ پر نو سطریں ہیں۔ اسکا ایک قلمی نسخہ دیوان صاحب باغ مدراس کے کتب خانہ میں ہے۔ اس میں محمد نجیب نے شیخ تک اپنا سلسلۂ نسب اسطرح بیان کیا ہے۔

محمد نجیب شیخ بہادر بن شاہ محمد بن فتح محمد بن شیخ حمید بن ابراہیم بن بوڈھن امان اللہ بن احمد بن ملوک شہ بن بوڈھن بن برہان الدین بن الحق بن حسن بن حسین بن ضیاء الدین بن حسن بن ضیاؤ الدین بن شیخ احمد ظہیر الدین المعروف بہ پیر ظہیر بن قاضی حمید الدین ناگوری بن عطاء اللہ محمود۔

قاضی حمید الدین کا نام شیخ محمد تھا۔ ان کا سلسلۂ نسب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ تک اسطرح جاملتا ہے۔

قاضی حمید الدین شیخ محمد بن سلطان عطا بن سلطان محمد بن سلطان احمد بن سلطان محمد بن شیخ یوسف بن شیخ طیب بن شیخ اسماعیل بن طاہر یعقوب بن الحق اسمٰعیل بن قاسم بن محمد بن محمد بن امیر المومنین ابی بکر صدیقؓ

محمد نجیب کی شہادت کے وقت یعنی ۱۱۶۲ھ میں حضرت ذوقیؔ کی عمر گیارہ سال کی تھی۔ یہ نہیں معلوم کہ انہوں نے نجیب خان کو دیکھا ہے یا ان سے ملاقات کی ہے۔ مگر چونکہ حضرت سید شاہ ابوالحسن قربیؔ رحمۃ اللہ علیہ کا اس زمانہ میں بہت بڑا شہرہ تھا۔ اسلئے قیاس یہ کہتا ہے کہ محمد نجیب نے ان سے آرکاٹ یا ویلور میں ضرور ملاقات کی ہوگی۔ اس طرح ممکن ہے کہ حضرت ذوقیؔ نے ان کو دیکھا ہوگا۔ گڈامبور کی جنگ کے واقعات انہوں نے اپنے والد ماجد اور دوسرے اصحاب سے سنے ہوں گے۔ آگے چل کر محمد نجیب کی اولاد اور خاص کر محمد سعید فرزندِ محمد نجیب سے بڑے گہرے روابط ہوگئے تھے اور انہی کی درخواست پر یہ مشہور مثنوی لکھی تھی چنانچہ فرماتے ہیں:

درایں حالت آں محرمِ رازِ من — بہر پردہ آگاہ از سازِ من
دِلم راچو باغم شدہ آشنا — زبہر خدا کردہ از غم جُدا
پدر ساں بدین محمد سعید — چو نامِ خود اندر دو عالم حمید
بصد مہر پیشِ من آمدز در — بہ بیچارگی شد مراچا رہ گر
چوبنشست یک لحظہ در پیشِ من — تسلی دہ خاطرِ ریشِ من
بگفتِ اے نظامِ سخن پروری — نظامی صفت دادہ درِّ دری
کمالت بشاھی بر آوردہ سر — چو خاقانی از خسروی نامور
بخواھم کہ از خانۂ مشک بیز — سوادِ سخن راکنی مشک خیز
گزارش گرِ قصۂ ما شوی — دلِ دوست را کار فرماشوی
طلبگارِحسنِ مقالات شو — گزارش گرِ بعض حالات شو
چناں آورایں نامہ رادر رقم — کہ بر غم کشد خطِ لوحش قلم
چناں بر کش ایں تاج خورشید را — کہ سلمان اقبالِ جمشید را
بایجاز گوے آنچہ خوشتر بود — کز اطناب ایجاز کشتر بودَ
زطولِ سخن طبع ناخوش بود — کہ ما قلّ و دلّ دلکش بود
زتو آرزو مندِ ایں گوھرم — چہ باشد کہ افس-ں د، برم

حمد نعت ومناجات ومعراج ومنقبت حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی و مدحِ حضرت سید شاہ ابوالحسن قربی ویلوری کے بعد سبب تالیف کا ذکر کیا ہے جس کو ہم اوپر بیان کر چکے ہیں۔ اس کے بعد حضرت قاضی حمید الدین ناگوری کی تعریف کی ہے، اور لکھا ہے کہ سلطان شمس الدین التمش نے انہیں ناگور کا قاضی مقرر کیا تھا اور قضاوت کا یہ عہدہ برابر حضرت ذوقیؔ کے زمانہ تک ان کے خاندان میں جاری رہا، چنانچہ حضرت ذوقیؔ فرماتے ہیں

چو در روضۂ خلد شد جائے او — قضا شد مفوّض با بنائے او
زمینِ عطائے رسولؐ خدا — نہ شد تاکنون ہم ازیشاں جُدا

محمد نجیب قضاوت کا عہدہ اپنے بھائیوں کے حوالے کر کے ناگور سے دہلی روانہ ہوئے۔ محمد شاہ بادشاہ دہلی تک انکی آمد کی خبر پہنچی تو انہیں بلا بھیجا۔ اور پھر دوستی ہوگئی۔ نواب صاحب محمد نجیب کو بیحد چاہتے تھے۔ اس کے باوجود محمد نجیب ان کے درباری آداب کا بڑا لحاظ رکھتے تھے اور ان کو ہمیشہ اپنا مالک ہی کہا کرتے تھے۔ حضرت ذوقیؔ فرماتے ہیں۔

بخلت چناں ہر دو کامل شدند ۔۔۔ کہ یک ذات و یک جان و یک دل شدند
ولی خاں ز نوابِ خورشید جاہ ۔۔۔ ہمی داشت حدِ ادب رانگاہ
زحد گرچہ او لطف می کرد بیش ۔۔۔ نمی خواند لیش جز خدا وندِ کویش
ہمی بود درکارِ او جاں نثار ۔۔۔ تخلّف نمی جست در ہیچ کار

جب دکن میں فتنہ وفساد برپا ہوا تو محمد شاہ نے نواب آصفجاہ کو حکم دیا کہ دکن پہنچکر فتنہ وفساد کو فرو کرنیکی کوشش کریں۔ آصفجاہ نے درخواست کی کہ نواب انوالدین کو بھی ان کے ساتھ دکن جانے کی ہدایت کی جائے۔ محمد شاہ کا حکم پہنچا تو انوارلدین خان نے کہا کہ محمد نجیب کو بھی ساتھ لے لیا جائے۔ حضرت ذوقیؔ لکھتے ہیں۔

چو نواب ۔ مہ یافت زیں گونہ کار ۔۔۔ باَصف بگفت اے جہاں رامدار
مرایں کار کارے بود صعب تر ۔۔۔ دو نیم است ازو عالمی راجگر
محمد نجیب ارشود یارِ ما ۔۔۔ باَسانی آساں شود کارِما
بدیوانی افزودۂ شانِ من ۔۔۔ بباید کہ سازیش دیوانِ من
چو دیوان من گردد آں یارہ مرد ۔۔۔ زدیوان تو انم بر آورد گرد

جب آصفجاہ نے محمد شاہ سے اسکی درخواست کی تو بادشاہ پر محمد نجیب کی جدائی شاق گزری۔ مگر موقع کی نزاکت کالحاظ کرتے ہوئے مجبوراً اس کی اجازت دی۔

شہ از دُوریش گرچہ دل تنگ بُود ۔۔۔ بہر اہی او اشارت نمود

ادھر محمد نجیب چاہتے تھے کہ وہ شمالی ہند ہی میں رہیں تاکہ اپنے اعزّہ و اقربا سے دُور نہ ہوں۔ جب انہیں محمد شاہ کا فرمان ملا تو انہوں نے نواب انورالدین سے درخواست کی کہ کم از کم فتنے کے فرو ہو جانے کے بعد انہیں شمالی ہند واپس آ جانے کی اجازت دے دیجائے، چنانچہ حضرت ذوقیؔ لکھتے ہیں :

بہ نواب مہ گفت کاے کامیاب ۔۔۔ ازیں داوری ھست جانم بتاب
دراطراف ہندوستان بنگہم ۔۔۔ تو سوی دکن می بری ہم رہم
عیالِ من آنجاھمہ درد مند ۔۔۔ من ایں جابہ ھمراھیت سر بلند
دگر اندریں راہ با دارو گیر ۔۔۔ ترابا شداز خد متم ناگزیر
بباید کہ چوں از پسِ اہتمام ۔۔۔ بیابد ھمہ کار ہا انتظام
بلطفِ خودم شادمانہ کنی ۔۔۔ رہی را رواں سوئے خانہ کمی

بہر حال جب وہ دکن آئے اور فتنہ وفساد ختم ہوا تو محمد نجیب نے شمالی ہند واپس جانے کی کوشش شروع کی۔ مگر اس درمیان میں اچانک آرکاٹ کا سیاسی مطلع غبار آلود ہو گیا۔ نواب دوست علیخان کے فرزند نواب صفدر علی قتل ہو گئے اور ہر جگہ قتل وغارت گری شروع ہو گئی۔

خرابی بہر سُوے بر کرده سر | سر آسودگی برده زانجا بدر
نہ فرمونده آنجا است نہ حاکے | بمیرد در اندوه غم عالمے

نواب آصفجاہ نے ۱۱۵۷ھ میں نواب انورالدین خان کو آرکاٹ کا حاکم بنا کر بھیجا۔ جہاں انہوں نے بہت جلد امن وامان قائم کر دیا محمد نجیب کی خفتہ آرزو بیدار ہو کر کروٹیں لینے لگی۔ اور انہوں نے دوبارہ اور سہ بارہ کہا، پھر بھی کوئی جواب نہیں دیا۔ آخر انہوں نے پُر زور الفاظ میں اپنی دیرینہ خواہش ظاہر کی جس کو حضرت ذوقی نے اپنے الفاظ میں اس طرح ظاہر کیا ہے۔

دلم زیں اقامت بتاب آمده است | قیامت مرا در حساب آمده است
نخو اهد دلم کردن ایں جادرنگ | کہ هجرِ عیالم زرخ برده رنگ
زبہر خدا چارهٔ من بساز | کہ تاسویِ مسکن شوم گرم تاز
همہ کارِ ایں ملک رونق گرفت | جگر گاهِ بد خواب تو شق گرفت
گرفت از تو آسائش آفاق نور | بجز من کز آسائشم مانده دور
من اینجا بخدمت سرافراختہ | عیالِ من آنجا بغم ساختہ
درایں جامن ازدولت باتواں | عیالِ من آنجا بغم ناتواں
نخواهم جگر آتش هجر تافت | دریں ماه آئنده خواهم شتافت

نواب انوارلدین نے جب ان کی یہ پُر جوش دلی خواہش سنی تو بھی چپ ہو گئے، کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ محمد نجیب کو الگ کرنا نہیں چاہتے تھے۔ محمد نجیب نے امیر نوائط محمد حسین خان طاہر قلعدار گڈامبور سے سفارش چاہی۔ جب محمد حسین نے نواب صاحب سے اس کا ذکر کیا تو کہا "میں سمجھتا ہوں کہ میری زندگی کے صرف چند دن باقی رہ گئے ہیں۔ جب محمد نجیب نے زندگی بھر میرا ساتھ دیا ہے تو یہ چند دن میرے ساتھ کیوں نہیں رہ جاتے۔ میری وفات کے بعد وہ جہاں چاہیں چلے جائیں۔

چو از عمر من ماند اندک بہ پیش | چراسوزدم سینہ از هجر خویش
چو زیں دامگہ رخت بیروں بَرَم | رود هر کجا خواهد او از بَرَم

جب محمد حسین سے محمد نجیب نے نواب صاحب کی یہ آخری خواہش سنی تو کہا۔

چنانم نماید کہ نواب و من گذاریم باہم سرائے محن
چو بودیم باھم زبانِ حیات بنو شیم باھم ایاغِ وفات

محمد نجیب اپنے گھر لوٹے اور اپنے دونوں فرزندوں محمد سعید اور عبدالرشید یہ واقعہ بیان کیا اور کہا۔

کہ بے شک بما ندیم دور از وطن بگر دابِ غربت شدہ ممتحن
بما ندیم مہجور از دود مان زدَورانِ گر دون بغمِ توامان
چو آید مرا شربتِ مرگ پیش دہم جانِ خود با خدا وندِ خویش
شما بعد مرگِ من اے دید گان بگیرید راہِ پسند ید گان
زنوابِ مہ گر کس ایں جا بود باقبالِ خود مُلک پیرا بُود
تہِ سایۂ لطفِ او جا کنید دراطرافِ ایں ملک ماوا کنید
وگر نہ بتا زید سوئے وطن مما نید ایں جا پس از مرگِ من

جب محمد نجیب کو وطن جانے کی اجازت نہیں ملی تو انہوں نے اپنے دونوں لڑکوں محمد سعید اور عبدالرشید کی شادی ویلور ہی کے ایک معزز قادری اور چشتی گھرانے میں کردی۔ صرف چار سال امن واطمینان کے گزرے۔ اور جب ۱۱۶۱ھ میں نواب آصفجاہ کا انتقال ہوگیا تو دکن کا سیاسی مطلع پھر سے غبار آلود ہوگیا۔ جس کا اثر آرکاٹ پر پڑنا ضروری ہوگیا۔ آصفجاہ کی جگہ ان کے فرزند نظام الدولہ ناصر جنگ تخت نشین ہوئے۔ نواب آصفجاہ کے نواسے ہدایت محی الدین خان نے ادھونی سے علم بغاوت بلند کیا۔ حسین دوست خاں عرف چندا صاحب داماد نواب دوست علیخان نے ہدایت محی الدین خاں کا ساتھ دیا۔ پھر ان دونوں نے مل کر فرانسیسیوں کی امداد اعانت سے نواب انوارلدین خاں سے اپنا کھویا ہوا ملک واپس لینا چاہا۔ شعبان ۱۱۶۲ھ میں گڈامبور کے پہاڑ کے دامن میں ایک زبردست معرکہ پیش آیا۔ محمد حسین خان طاھر قلعدار گڈامبور نے بڑی جوانمردی دکھائی اور خوب دادِ شجاعت دی، مگر آخر میں دشمنوں کے تیروں کا شکار ہوئے۔ نواب انوارالدین کو اس کی خبر پہنچی تو کہا۔ بگفتا چو جاں داد آں یارِ من نز یبد بجز جان دہی کارِ من

یہ کہکر نواب نے بھی اپنا ہاتھی آگے بڑھایا اور بڑی تیز لڑائی شروع کردی۔ آخر وہ بھی تیر کا نشانہ بنے، اور کچھ دیر میں راہیِ اجل ہوگئے۔ مگر محمد نجیب اچھل کر ان کے ہاتھی پر جا بیٹھے اور نواب صاحب کو اپنے دونوں ہاتھوں سے سنبھالا اور انہیں نیچے گرنے نہیں دیا۔ اور سپاہیوں کو للکارا اور کہا دیکھو نواب صاحب ہمارے اندر موجود ہیں۔ آگے بڑھو اور دشمنوں پر حملہ کرو۔ حضرت ذوقیؔ نے اس جنگ کا اس طرح نقشہ کھینچا ہے۔

چو نواب مہ ازقضا شد شہید	زجا جست خان درکنارش کشید
فرو اوفتا دن ندا دش زجائے	ہمی کرد گردن کشاں را ندائے
کہ نواب مہ ھست بر جا ھنوز	اساسِ جہاں مانداز پا ھنوز
تہاون چہ ور زید درکارِ او	بتاز ید بر خصم خون خوارِ او
بہ پیکار در کارِ اوسر زنید	شتابید و شمشیر و خنجر زنید
بمانید برجائے خود مستقیم	کہ باشد عتابش عذاب الیم
بتر سید از قہر جا نکاہِ او	بکا ھید جانہائے بد خواہِ او
چوحق نمک ھست بر جانِ تان	مبادا قصورے بہ جولان تان
بوددررہِ جہل جولان زدن	نمک خوردہ پابرنمکداں زدن
زحقِ نمک سگ نہ پیچیدہ سر	چرابودہ باید زسگ ھم بتر
بباطل مکو شید دربندِ خویش	گزار ید حقِ خداوندِ خویش
چو بر جائے خود ھست آں پہلوان	تہی کرد پہلو ازو چوں توان

لیکن تھوڑی دیر بھی نہیں گزری تھی کہ ایک تیر محمد نجیب خان کے بھی آ لگا اور وہ اور نواب صاحب دونوں ہاتھی کی پیٹھ سے نیچے گر پڑے سپاہیوں نے جب دیکھی تو دل شکستہ ہوگئے اور میدان سے منہ موڑ لیا۔

بداں صدمہ آن خانِ نیکو سرشت	جہاں را بہشت و شد اندر بہشت
زافتا دنِ آں یلِ نامور	درافتاد نوابِ والاگہر
چودید ند شیر افگنان آنچناں	بہ پیچیدہ از جنگ کردن عنان
بماندند یکبارگی از ستیز	فتادند چوں باد اندر گریز

یہ جنگ ۱۱۶۲ھ میں ہوئی تھی۔ نواب انورالدین خان کی شہادت کے بعد جو واقعات پیش آئے ان کو بھی حضرت ذوقی نے بیان کیا ہے۔ یہ مثنوی ۱۱۸۵ھ میں لکھی گئی ہے۔ اس کے بعد تیئیس سال ۲۳ کے اندر اس خاندان سے متعلق جو حالات پیش آئے ان کو بھی حضرت ذوقی نے قلمبند کردیا ہے۔

سیاسی حالات کے ساتھ اجتماعی حالات بھی بیان ہوئے ہیں۔ شادیوں میں جو رسوم ادا ہوتے ہیں، اور جس طرح کی ضیافت ہوتی تھی، ان کا نقشہ اشعار میں کھینچا ہے۔ نواب محمد والا جاہ نے محمد سعید اور عبدالرشید کی مدد سے بہت سی لڑائیاں لڑیں اور بہت سے قلعے فتح کئے۔ چنانچہ ایک جگہ لکھتے ہیں۔

زا قبالِ نواب آں ہر دو مرد | بسا گردناں را فگندہ بگرد
ھماں قلعۂ سانگڈھ بستدہ | بمردی قلاع دگر بستدہ
ہم ایلور شد فتح بردستِ شاں | آلیا نو برو مدرہ شدہ پست شاں
ھماں پھلچری گشتہ تسخیرِ شاں | فراسیس پابندِ زنجیرِ شاں
بتر ناآل آں ہر دو خر غامِ مست | فگندہ بفوجِ مخالف شکست
بنا یک چو شیر غریں بر زدہ | برافروختہ آتشِ عربدہ
چو آمد عدو بر ترچناپلی | نمودہ جوانمردی و پر دلی
چو نواب عازم بکولآر گشت | ھزیمت دہِ خصمِ خونخوار گشت
درآں مدت آں ہر دو مردِ دلیر | بشیری بسا کار کردہ چو شیر
بہ بمراجیاں چست بستہ کمر | بنکشنگیریاں راشکستہ کمر
بما چرلہ آتش برا فروختہ | بداندیش را بال و پر سوختہ
ازیں گونہ شاں بارہا کردہ کار | بر آورد از کیں پرستاں د مار

جب نواب والا جاہ نے ان دونوں کی خیر خواہی وسعادت مندی دیکھی تو ان دونوں کو اپنا معتمد علیہ قرار دیا اور خلوت وجلوت میں ان کو اپنا ہمنشین بنایا، حضرت ذوقی فرماتے ہیں۔

چو دانست کز خدمتِ خود خوش اند | براعدائے خود گرم چوں آتش اند
درِ لطف واحساں برخ شاں کشاد | دل وجانِ غمناک شاں کردشاد
بہرخلوت و جلوتے خواندہ پیش | بفرمود ممنون افضالِ خویش

یہ پوری مثنوی دس دستانوں پر منقسم ہے۔آخری داستان میں محمد نجیب خاں شہید کی اولاد کی امتیازی صفات کا ذکر کیا گیا ہے۔اس سے پتہ چلتا ہے کہ محمد نجیب خان کے تین لڑکے تھے۔(۱) محمد سعیدؔ (۲)، عبدالرشیدؔ (۳)، اور عبدالقدوسؔ اور پھر محمد سعید کے پانچ لڑکے تھے۔ محمد حمید، محمد نجیب، غلام نجف اور ابوسعید۔

عبدالرشید کے تین فرزند تھے۔غلام محی الدین، محمد اکرم، اور عبدالوحید،۔

عبدالقدوس کا ایک لڑکا تھا، جس کا نام عبدالواجد تھا۔

ان سب کی بڑی تعریف کی ہے۔ پھر محمد نجیب خان شہید کے داماد حبیب اللہ خان کی بڑی تعریف کی ہے۔ ان کے فرزند منور علی خان کو حضرت ذوقی کے ساتھ بڑی عقیدت تھی۔ حبیب اللہ خان کے داماد غلام چشتی یار خان اور پھر ان کے فرزند غلام غوث تھے۔ محمد نجیب خان شہید کے برادر زادگان میں خصوصی طور پر فتح محمد خان کی تعریف کی ہے۔

یہ مثنوی ۱۱۸۵ھ میں لکھی تھی اور ایک ھفتے میں تمام ہوی تھی۔

عجب بیں کہ ایں بدرِ عالم فروز　　تمامی پذیرفت درھفت روز

اس مثنوی کے کل ایکھزار پانچ سو چودہ شعر ہیں، خود ہی فرماتے ہیں۔

ہمہ بیتِ اد گر بگیری شمار　　سراسر بود پا نصدو یک ہزار

اس وقت حضرت ذوقی کی عمر صرف پینتیس سال کی تھی چنانچہ فرماتے ہیں۔

دراں دم کہ ایں ماہِ نورخ نمود　　ہمہ عمر من پنج و سی سالہ بود

مولانا باقر آگاہؒ ان کے ہم عصر اور ساتھی تھے۔ عمر میں حضرت ذوقی سے سات آٹھ سال چھوٹے تھے۔ مگر شاعری پر ان کی نظر بہت گہری تھی۔ اس لئے حضرت ذوقی جو بھی لکھتے تھے آگاہ کی نظر سے گزرانتے تھے۔ اگر وہ پسندیدگی ظاہر کرتے تھے تو انہیں بڑی خوشی ہوتی تھی۔ انہوں نے یہ مثنوی بھی باقر آگاہ کی خدمت میں پیش کی تھی، چنانچہ لکھتے ہیں۔

بود کان گل تازہ تر از نگار　　زمن افگند سوی باقر گذار

کہ او مُحرمِ سرِ جانِ من است　　تفرج گر بوستانِ من است

پسند دگر او ایں درِ تابناک　　وگر نا پسندِ جہاں شد چہ باک

چو جان و دلِ من بہ بندِ وی است　　پسندِ من آخر پسندِ وی است

مباد ایں چمن بستۂ دامِ وی　　کہ صد نو بہار است در دام وی

از و چشم احباب پُر نور باد　　زچشمِ بداندیش مستور باد

تماشہ گہِ دولت و جاہ باد　　وزو نام گویندہ بر ماہ باد

بیا ساقیا، شو مرا دستگیر　　ایاغی زخمخانۂ عشق گیر

بدہ تا شوم مست از جامِ غوث
کنم ختم ایں نامہ بر نامِ غوث

حضرت ذوقیؔ کی فارسی شاعری

از ڈاکٹر وحید اشرف صاحب ایم، اے، پی، ایچ، ڈی
سابق صدر شعبہ عربی، فارسی و اردو، مدراس یونیورسٹی۔

حضرت غلام محی الدین سید شاہ عبداللطیف المتخلص بہ ذوقیؔ نہ صرف خانوادہ حضرت مکانؒ کی ممتاز ترین ادبی شخصیت ہیں بلکہ وفور گوئی کے اعتبار سے فارسی ادب کی پوری تاریخ میں ممتاز ترین شعراء کی صف میں آتے ہیں۔ اور اسی لئے حضرت ذوقیؔ کی شاعری کا مطالعہ ایک فارسی کے طالب العلم کے لئے اتنا ہی ضروری ہے جتنا نظامیؔ، خسروؔ یا فیضیؔ کے کلام کا مطالعہ اس مختصر سے مضمون میں حضرت ذوقی کی قدآور شخصیت کا پورا ممکن نہیں اس تحریر کا مقصد آپ کے ادبی شخصیت کی صرف چند جھلکیاں پیش کرنا مقصود ہے قادری سلسلہ کے اس خاندان کے پہلے شخص سید عبداللطیف قادری بیجاپوری ۱۱۳۸ھ ویلور مقیم ہوے اور یہیں ۱۱۴۹ھ میں وفات پائی۔ بارھویں صدی سے لیکر چودھویں صدی تک اس خاندان افراد شریعت اور طریقت حدیث فقہ، اور خدمت خلق کے علاوہ زبان وادب کی بھی گراں بہا خدمات انجام دیتے رہے ہیں اس خاندان کے سب سے پہلے عالم وصوفی جو فارسی شاعری کا بھی ذوق رکھتے تھے وہ سید عبداللطیف قادری کے فرزند سید ابوالحسن قربیؔ ہیں آپ نہایت ذہین اور طباع تھے ساتھ ہی ایک بلند پایہ صوفی بھی تھے آپ کے حالات میں آپ کے ایک نہایت ذہین اور لائق شاگرد باقر آگاہ نے ایک کتاب تالیف کی ہے جو ''تحفۃ احسن'' فی مناقب ابی الحسن کے نام سے موسوم ہے اس کتاب میں اس خاندان کے ابتدا سے لیکر حضرت ذوقی تک کے حالات قلم بند کئے گئے ہیں حضرت ذوقیؔ باقر آگاہ کے معاصر اور دونوں ہی حضرت قربی کے شاگرد ہیں حضرت قربی کا اردو دیوان چھپ چکا ہے فارسی دیوان کا ابھی تک پتہ نہیں چل سکا آپ کی چند غزلیں اور ایک قصیدہ باقر آگاہ نے اپنی کتاب میں نقل کیا ہے ان اشعار سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت قربی کی فارسی شاعری اگرچہ تصوف ہی کے مضامین کی حامل ہے لیکن زبان و بیان کی شگفتگی تغزل کی چاشنی اور قلبی واردات کا برجستہ اظہار ان کے پختہ ادبی ذوق کی گواہی دیتے ہیں یہی وجہ ہے کہ ان کے وہ شاگرد جو شاعرانہ ذوق بھی رکھتے تھے خصوصیت کے ساتھ شعر وشاعری کی طرف متوجہ ہوئے حضرت قربی کی صحبت نے ان کے ذوق کو جلادی اور ان کی شاعرانہ صلاحیت کی پوری نشونما کی اس دیار میں حضرت قربی کی شخصیت شریعت وطریقت اور فارسی ادب کے ایک روشن مینار کی ہے۔ جس سے یہاں اس راہ کے ہر رہرو نے رہبری حاصل کی تصوف کے مضامین کو شاعرانہ بانکپن عطا کرنا آرٹ اور فن ہے جس سے حضرت قربی واقف ہیں ان کے یہاں تصوف سے قطع نظر خالص تغزل بھی پایا جاتا ہے۔ جس سے ان کی طبیعت کی شگفتگی اور فطری ذوق شاعری کا پتہ چلتا ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ محض زاہد خشک نہ تھے فارسی شاعری کے ذریعہ انہوں نے فارسی زبان وادب کو بھی یہاں پر پروان چڑھایا اور تصوف واخلاق کی بھی نگہبانی کی۔ ان کی یہ روش

ان کے اور سلسلہ طریقت کی توسیع میں بھی معاون ہوی معمولی تعلیم یافتہ اوراعلیٰ تعلیم یافتہ ہرایک ان کا حلقہ بگوش ہوگیا۔ان کی غزل کی دلآویزی ہرایک کواپنا گرویدہ کرلیتی تھی یہاں انکے اشعار پیش کرنے کا موقع نہیں صرف ایک غزل کے چند اشعار پیش کئے جاتے ہیں تا کہ ان کے رنگ کا اندازہ ہوسکے۔

بحمد اللہ سعادت دارم امشب — کہ مہماں شدست عیارم امشب
رخش گل چشم نرگس زلف سنبل — زتابِ ایں چمن گلزار امشب
زازلف اوپس از چندیں شبِ تار — بدستِ خویش تاری دارم امشب
شود ازدولت آں بخت بیدار — رفیقم بخت ودولت یارم امشب
زَ ذوق دیدن آں روئے چو گل — سراپاش دیدۂ نرگس دارم امشب
دوعالم بر رُخش قربیؔ حجاب است — حجاب از پیش او بر دارم امشب

حضرت قربیؔ نے فارسی نثر میں بھی متعدد رسالے لکھے ہیں جن کا تعلق شریعت وطریقت کے مختلف مسائل سے ہے۔ان رسالوں سے ان کے روحانی تجربات کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔ان کی زبان بالعموم صاف اور سادہ ہے۔اس دیار میں فارسی شاعری اور ادب کا جب بھی ذکر ہوگا تو قربیؔ کے ذکر کے بغیر وہ ذکر ناقص رہے گا۔

اس خانوادہ کے اکثر بزرگ اہل علم وفضل ہوے ہیں اور ساتھ ہی صاحبانِ تصنیف وتالیف بھی لیکن حضرت قربیؔ کے فرزند حضرت ذوقیؔ نے فارسی شاعری میں جو کمال حاصل کیا۔وہ بعض اعتبار سے اپنی مثال آپ ہے حضرت ذوقیؔ ا۱۱۵ھ میں وفات پائی۔اس عرصہ میں ان کی دیڑھ سو تصنیف کا ذکر ملتا ہے۔یہ شاعری تصوف،تفسیر،عروض فقہ،اور دوسرے موضوعات پر حاوی ہیں۔وہ ایک بلند پایہ صوفی تھے،اور ریاضت شاقہ کے بعد تصوف میں یہ مقام حاصل کیا تھا۔وہ ایک بہترین مدرس مفسّر اور مفتی بھی تھے۔وہ روحانی مرشد بھی تھے۔جن کی ذات سے عوام وخواص سب ہی روزانہ مستفیض ہوتے تھے۔انہوں نے ابتدائی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی اس کے بعد چودہ یا پندرہ سال کی عمر میں کشتی اور تیراندازی کے طرف مائل ہوے اور اس میں مہارت حاصل کرنے کے بعد عربی پڑھنا شروع کیا،اور صرف ونحو عروض معقول ومنقول اور تصوف میں عبور حاصل کیا، پھر سلوک کی تعلیم حاصل کی۔اس کے بعد مسندِ درس و خلافت پر متمکن ہوئے۔اس مختصری عمر میں اتنے کثیر علمی دینی اور روحانی فرائض انجام دینے گئے باوُجود ایک روایت کے مطابق انہوں نے تین لاکھ اشعار کا گراں بہا سرمایہ چھوڑا ہے،ایک ایسی غیر معمولی بات ہے جس کی مثال ملنی مشکل ہے۔حضرت ذوقیؔ نے اپنی خداداد صلاحیت سے وہ علمی ادبی اور روحانی مرتبہ حاصل کیا کہ باقر آگاہ جیسے مردِ آگاہ نے انہیں یگانۂ روزگار کا خطاب دیا۔

حضرت ذوقیؔ کی وفور گوئی قادرالکلامی اور مختلف علوم وفنون میں درک جس کا اظہار ان کی شاعری میں ہوتا ہے۔قدماء کی یاد دلاتے ہیں حضرت ذوقیؔ نے شعر گوئی میں ان تمام شرائط کی پابندی کی ہے۔جن کا ذکر نظامیؔ،عروضی نے اپنی کتاب چہار مقالہ میں کیا

ہے۔جس کی ایک شرط یہ ہے کہ شاعری میں قدم رکھنے کے لیے قدماء کے دس ہزار اشعار زبانی یاد ہونا چاہئے نظامی، گنجوی کا شرف نامہ تو حضرت ذوقیؔ کے نوکِ زبان تھا۔جس کو انہوں نے اس التزام کے ساتھ از بر کیا تھا کہ ایک سو اشعار روزانہ زبانی یاد کرتے تھے۔

حضرت ذوقیؔ کا ایک نادر کارنامہ ان کا شاہنامہ اسلام ہے جو معجز مصطفٰے کے نام سے موسوم ہے۔یہ سوانح رسول اکرم ﷺ اور غزوات وغیرہ کیذکر پر مشتمل ہے اسی طرح کی ایک مثنوی مرزا غالبؔ بھی لکھنا چاہتے تھے۔جس کا نام انہوں نے مثنوی ابرِ گہر بار رکھا تھا۔مگر اس کی تمہید ہی ہو سکی تھی اور یہ مثنوی نہ تمام رہی۔حضرت ذوقیؔ کی یہ مثنوی تقریباً ساڑھے ساتھ ہزار اشعار پر مشتمل ہے ابتداء میں راز یہ انداز بھی ہے۔اور بزمیہ بھی،فلسفیانہ افکار بھی ہیں اور متصوفانہ بھی واقعہ گوئی بھی ہے اور جذبات نگاری بھی اس لئے اس مثنوی سے نا صرف سیرت رسول ﷺ بلکہ شاعر کے مختلف افکارِ اورنظریات پر روشنی پڑتی ہے۔

یہ مثنوی بتیس سال کی عمر میں لکھی گئی اور دیڑھ ماہ مکمل ہوگئی جیسا کے خود بیان کیا ہے۔

متمم شد ایں نامۂ رنجگاہ بتائیدِ حق دریک ونیم ماہ
دراں وقت کایں نامہ رخ برکشود فزوں تر ز سی سال عمرم نبود

ذیل کی مثنوی میں حضرت ذوقیؔ کے صرف بعض افکار اور اندازِ بیان کے صرف چند پہلوؤں کی طرف اشارے کئے گئے ہیں۔

اس مثنوی میں حمد کے اشعار میں زیادہ تر تصوف کے مسائل کا ذکر ہے۔جس میں نظرۂ وحدت الوجود کا اثبات ملتا ہے۔

درآں دیدہ کو بنگرد سوئی تو
بود روی تو پردۂ روی تو

یعنی ہر آنکھ جو تیری طرف دیکھتی ہے اس آنکھ کے لئے تیرا چہرا ہی تیرے چہرے پر پردہ ہے۔یہی آواز بازگشت مرزا غالبؔ کے اردو شعر میں اس طرح سنائی دیتی ہے۔

محرم نہیں ہے تو نواہائے راز کا
یاں ورنہ جو حجاب ہے پردہ ہے ساز کا

پھر کہتے ہیں۔

مرا ایں دیدہ کو خلق را بنگرد
نخستیں فروغ تر ترا بنگرد

یعنی خصوصاً ذوقی کی آنکھ جب مخلوق کی طرف دیکھتی ہے تو سب سے پہلے اسے تیرا ہی نور نظر آتا ہے اس طرح کے بہت سے اشعار مختلف انداز میں کہے گئے ہیں، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر شئے میں خدا کا جلوہ موجود ہے اور اسی کے نور سے ہر شئے مستیز ہے چند اشعار اور ملاحظہ ہوں:

جہاں داور را پادشاہی ترا است ہمہ خادم اندر خدائی ترا است

اے دنیا کے مالک بادشاہی تیری ہے۔ سب خادم ہیں اور تو مالک ہے۔

بدیں خوبی افراحتی نہ سپہر برا فروختی چہرۂ ماہ ومہر

تو نے اس خوبی سے تو آسمان بلند کیا اور اس میں چاند سورج کے چہرے کو روشن کر دیا۔

توئی کافریدی بدیں آب ورنگ لالی بدر یا جواہر بسنگ

وہ تو ہی جس نے کہ اس آب ورنگ کے ساتھ دریا میں موتی اور پتھر میں جواہر پیدا کر دیا۔

طلاپاشی ہر رخشاں زتست گہر ریزی ابرِ نیاں زتست

چمکتے ہوئے سورج کی طلاپاشی تجھ سے ہے ابر نیساں کی گہر ریزی تجھ سے ہے۔

زتوفیقِ تو یافت دروقتِ کار تن ما توان و دلِ ماقرار

کام کے وقت تجھی سے توفیق حاصل ہوتی ہے، میرے تن کو توانی اور دل کو قرار تجھ ہی سے میسّر ہے۔

رہ تنگ و تاریک نوراز تو یافت دلِ دردمنداں سرور از تو یافت

اس تاریک دنیا میں نور تجھ سے پھیلا ہے اور تاریک قلوب میں تجھ سے روشنی پیدا ہوتی ہے۔ دردمندوں کے دل کو تجھ ہی سے سُرور ملتا ہے۔

خرد بر جمالِ تو شیدا بود زہر ذرّہ مہرِ تو پیدا بود

عقل تیرے جمال پر شیدا ہے۔ ہر ذرّہ سے تیرا مہر ہویدا ہے۔

چو عالم ہمہ عکسہای تو شد لقای ہمہ خود لقای تو شد

جب ساری دنیا تیرا ہی عکس ہے تو سب کی دید تیری ہی دید ہے۔

دعائیہ اشعار سے بھی حضرت ذوقیؔ کے صوفیانہ ذوق کا پتہ چلتا ہے۔ اس کے بیشتر اشعار طلبِ معرفت پر مشتمل ھیں، صرف دو شعر ملاحظہ ہوں۔

رہ بادمن درنوردم ہمہ　　　تو من باشی ومن تو گردم ہمہ

اے خدا تیرا ہی کے راستہ کو لپیٹ کر گم کر دے تا کہ مجھے صرف تو ہی نظر آئے یہاں تک کہ مجھے اپنی ذات کے وجود کا بھی احساس نہ رہے۔

اسی بات کو پھر دوسرے انداز میں کہتے ہیں۔

بود تو فانی شود بود من　　　جز ایں نیست مقصود و مطلوب من

اے خدا تیرے وجود میں میرا وجود فنا ہو جائے اس کے سوا میری کوئی خواہش نہیں ہے۔

یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت ذوقیؔ کے کمالات نے ان کے بہت سے حاسدین پیدا کر دئے تھے جنہوں نے انہیں بہت اذیت پہنچائی تھی۔

زسر کوبی خست ناکساں　　　بخاک او فتادم بچر خم رساں

اے خدا کمینوں کو کمینگی اور ایذا رسانی سے میں خاک میں پڑ گیا ہوں تو ہی مجھے بلندی عطا فرما۔

اس کے بعد نعت اور معراج کے بیان میں اشعار ہیں۔ معراج کے بیان میں رات کی روشنی، براق کی برق رفتاری اور دیدارِ الٰہی کے ذکر میں جزئیات نگاری اور ایجاز گوئی کا مظاہرہ کیا ہے۔ دیدارِ خداوندی کے بعد رسولِ اکرمؐ کی معراج سے واپسی کا ذکر کرتے ہوئے صرف ایک شعر پوری شان و شوکت اور کیفیت و کمیت کا اظہار کر دیا ہے، جس سے شعر انتہائی بلیغ ہو گیا ہے، کہتے ہیں۔

فرود آمد از آسماں برزمیں　　　قضا در یسار و قدر در یمیں

آنحضرت آسمان سے زمین پر اس شان سے واپس آئے کہ آپؐ کے بائیں ہاتھ میں قضا اور داہنے ہاتھ میں قدر تھی، یعنی اللہ تعالیٰ نے آپ کو قضا و قدر کا مالک بنا دیا۔

واقعات کے بیان کے درمیان نبوت کے فرائض، باری کی صفات اور دوسرے فضائل اور خود اپنے جذبات دروں کا بھی اظہار کرتے جاتے ہیں۔ اس بات کو کہ جو نبی کی ہدایت کو قبول کر لیتا ہے، وہ غم دو جہاں سے نجات پا یا جاتا ہے۔ ورنہ قہر غم میں ڈوب جاتا ہے۔ اس طرح بیان کرتے ہیں۔

ہر آنکس کہ شد راہ او ربستہ شدہ　　　ہر آں کو نہ شد آں روختہ شدہ

حق تعالیٰ جسے سر بلندی عطا کرتا ہے وہ دوسروں کو بھی سر بلند کرتا ہے اور جسے اپنا منہ پھیر لیتا ہے محرومی اس کا مقدر بن جاتی ہے۔

کسی را کہ حق بر کشد بر کشد　　　ازاں کس کہ رو در کشد در کشد

اس شعر کے ہر مصرعے میں ایک ہی فعل کی تکرار ہے، مگر ہر فعل کا فاعل اور مفعول دونوں الگ الگ ہیں اور مفعول محذوف بالقرینہ ہے اس میں تجنیس تام بھی ہے اور ایجاز بھی ہے یعنی شعر خیر الکلام ماقل ودل کا پورا مصداق ہے۔

شود بر ہم خستہ در خستگی　　　جہاں را بگیرد با ہستگی

وہ خستہ دلوں کے لئے مرہم بن جاتا ہے اور دنیا کو رحمت ورافت سے اپنا لیتا ہے۔

مجھے یہ خیال آیا کہ نظامیؔ نے جس موقعہ پر اپنا ایک بلیغ شعر کہا تھا اسے حضرت ذوقیؔ نے کس طرح ادا کیا ہے۔ نظامیؔ کا شعر یہ ہے۔

چو عنوان گاہ عالمتاب رادید　؛　تو گوئی سگ گزیدہ آب رادید

یعنی جب عالم کے روشن کرنے والے کے خط کے مضمون کو شاہِ ایران نے پڑھا تو اپنی طاقت کے غرور میں وہ غصہ سے پاگل ہوگیا، گویا کسی سگ گزیدہ نے پانی دیکھ لیا ہو۔ اس نے نامۂ مبارک کو چاک کر ڈالا۔

آنحضرت ﷺ نے شاہِ ایران کو اپنے نامۂ مبارک میں اسلام کی دعوت دی تھی پانی کا کام ٹھنڈک پہنچانا ہے۔ پانی دماغ اور قلب وجگر کی تسکین کا سبب ہوتا ہے۔ آنحضرت ﷺ کا پیغام روح کے قرار کا پیغام ہے۔ لیکن جس شخص کو پاگل کتے نے کاٹ کھایا ہو ٹھنڈا پانی دیکھ کر بھی وہ اور زیادہ پاگل ہو جاتا ہے، بس یہی حالت رحمتِ عالم ﷺ کے پیغامِ رحمت کو دیکھ، کر شاہ ایران کی ہوگئی تھی۔ شاہ ایران کی کیفیت کو نظامیؔ نے ایک تشبیہ مرکب کے ذریعے نہایت بلیغ انداز میں پیش کیا ہے۔ حضرت ذوقیؔ نے اس واقعہ کو یوں بیان کیا ہے۔

پس آں نامۂ نامز درادرید　؛　نہ نامہ جگر گاہِ خود راہ درید

یعنی شاہ ایران نے نامۂ مبارک کو کیا پھاڑا کہ اس نے خود اپنے جگر کے ٹکڑے کر دئے۔ انسان جسمانی نظام کو چلانے کے لئے دل اس کے تمام حصوں کو خون سپلائی کرتا ہے، اسی خون کی روانی پر سارا جسمانی نظام منحصر ہے۔ لیکن یہ خون خود کہاں سے آتا ہے جگر یہ خون بناتا ہے جسمانی قوت اور بقا کے لئے جسم کے تمام حصے جگر کے محتاج ہیں۔ شاہ ایران نے خود اپنے جگر کو چاک کر ڈالا یعنی اس نے اپنی سلطنت کے نظام کو خود اپنے ہاتھوں درہم برہم کر ڈالا۔ یہ کام وہی کریگا جو اپنے ہوش وحواس میں نہ ہو، یا غرور سے مدحوش ہو، یا غصہ سے پاگل ہو، غرور غصہ اور پاگل پن کی اس کیفیت کے اظہار کے ساتھ جملہ ''جگر گاہِ خود رادرید'' سے اس تاریخی واقعہ کی طرف بھی اشارہ کر دیا ہے، جو بعد میں ایران میں پیش آیا اور کسریٰ کی حکومت کا خاتمہ ہوگیا۔ حضرت ذوقیؔ کے اس شعر میں ایجاز کا پہلو زیادہ ہے۔ ایک وسیع مضمون کو چند لفظوں میں سمیٹ دیا ہے۔ اس شعر کے بعد شاعر نے اس جملہ ''جگر گاہِ خود رادرید'' کی مزید تشریح یوں

کی ہے۔

چوں بشنید آں شاہِ دنیا و دین — کہ زد چاک آں نامہ کسریٰ زکیں

بفر مود کو نامۂ ما درید — درد ملکِ اورا خدائی مجید

چوں زینگو نہ فرمود شاہ انام — بکسریٰ درافتاد کسرِ تمام

آخری شعر میں الفاظ کسریٰ اور کسر میں تجنیس پیدا ہوجانے سے شعر کا حسن دوبالا ہوگیا ہے۔ غزوات کے ذکر میں شاعر کا رزمیہ انداز نمایاں طور پر ابھر آیا ہے۔ میدان کارزار میں سپاہیوں کا جوش وخروش کمان کی تان اور تیروں کی بارش گھوڑوں کی ٹاپ خنجر و نیزے کی جھنکار اوران سب کے اثر سے میدان جنگ کی ہیبتناک تصویر کا نقشہ کھینچ کرر کھدیا۔ یہاں صرف جنگ بدر کے بیان میں چند اشعار بطور نمونہ پیش کئے جاتے ہیں۔

یکی روز کا ندر سوادِ سپہر — درخشید از تیغ گہ تیغ مہر

ایک روز آسمان کی سیاہی میں تیغ کی جگہ سے سورج کی تیغ نمودار ہوی۔

چناں شعلہ زدآتش از ہر کنار — کہ افتاد در خسرمن شب شرار

ہر طرف آگ کے شعلے اس طرح بھڑ کنے لگے کہ رات کے قرمن میں آگ لگ گئی۔

رسیدند کفار از ہر طرف — دراں قاع صف صف کشیدند صف

ہر طرف سے کفار پہنچے، اوراس میدان میں قطار در قطار صف بستہ ہوے۔

بمیدان دویدند چوں پیل مست — کما نہابہ مشت وسنا نہا بدست

مست ہاتھیوں کی طرح میدان میں دوڑے۔ انکی مٹھیوں میں کماں اور ہاتھوں میں سِنان تھے۔

درآں جنگ آتش بگرداں فگند — تزلزل بگردوں بگرداں فگند

س جنگ میں پہلوانوں میں آگ لگادی، یہاں آگ سے کنایہ، پہلوانوں کے جوش وغضب کی طرف بھی ہے اور یہ بھی ہے کہ آتش خنجر سے پہلوانوں کو موت کے گھاٹ اتارا گیا۔

زبس جوش زدخون گردن کشاں — فرومانده اندر شفق زونشاں

اس جنگ نے آسمانوں میں زلزلہ پیدا کردیا مغروروں کے خون سے زمین اسقدر پُر جوش تھی کہ شفق اس کے آگے بے نشان

ہوگئی تھی۔

یکی گفت ہاں، دیگری گفت ہیں ‏ ‏ ‏ ازیں ہاں ہین وہاں گشتہ لرزاں زمیں

ایک نے ہاں کہا، دوسرے نے کہا ہیں، اس ہین وہاں سے زمین لرزاں تھی۔

زابر کفِ سروراں بے دریغ ‏ ‏ ‏ بباریدِ باران پیکاں و تیغ

سرداروں کے ہاتھ کے ابر سے تیغ و پیکان کی بارش ہو رہی تھی۔

ازآں بارش سخت آشوب ناک ‏ ‏ ‏ ہمی رُست صد فتنہ نوز خاک

اس سخت آشوب ناک بارش سے زمین سے سینکڑوں فتنے اُگ رہے تھے۔

زبس گرد برفاست از ہر طرف ‏ ‏ ‏ زبس آتش کیں برآورد تف

ہر طرف سے بے اندازہ گرد اٹھ رہی تھی۔ جنگ کی آگ سے بے اندازہ تف پیدا ہو رہی تھی۔

چکیدن گرفت آسماں برزمیں ‏ ‏ ‏ زمیں شد بجای سپہر بریں

آسماں زمین پر ٹپکا پڑتا تھا، زمین آسمان پر اٹھ رہی تھی۔ یعنی زمین و آسمان تہ و بالا ہو رہے تھے۔

ہمہ سنگ پارہ ستارہ شدہ ‏ ‏ ‏ ستارہ ہمہ سنگ پارہ شدہ

آسمان پر ستارے کی طرح اٹھ رہے تھے اور آسمان کے ستارے سنگ پارہ بن کر ٹوٹ ٹوٹ کر زمین پر گر رہے تھے۔

کواکب بروی زمیں راہ جو ‏ ‏ ‏ مواکب بچرخِ بریں تزپو

ستارے ٹوٹ کر زمین کی طرف آ رہے تھے اور جنگی گھوڑے آسمان کی طرف گامزن تھے۔

مندرجۂ بالا اشعار میں انداز بیان نے بھرپور رزمیہ کیفیت پیدا کردی ہے۔ ذیل میں اس رزمیہ کیفیت کا تجزیہ نہایت اختصار سے پیش کیا جاتا ہے۔

(۱) اشعار میں تجنیس کی صنعت رزمیہ تصویر کشی میں بہت معاون ہوتی ہے۔ تجنیس کی موسقیت اور آہنگ طبل جنگ یا جنگی ساز کا کام کرتی ہے۔ جیسے اوپر کے شعروں میں گردان گردان، اور گردوں، ہین وہان، کواکب مواکب وغیرہ۔

(۲) ایک ہی کیفیت کو مسلسل کئی شعروں میں مختلف انداز اور مختلف تشبیہ و استعاروں میں بیان کرنے سے رزمیہ اثر بڑھ جاتا ہے۔ یہ انداز جنگ کی یلغار کی تصویر کشی میں معاون ہوتا ہے۔ مثلاً آخری تین شعر ۔

۱ ‏ چکیدن گرفت آسماں برزمیں ‏ ‏ ‏ زمیں شد بجای سپہر بریں

۲ ‏ ہمہ سنگ پارہ ستارہ شدہ ‏ ‏ ‏ ستارہ ہمہ سنگ پارہ شدہ

۳ ‏ کواکب بروی زمیں راہ جو ‏ ‏ ‏ مواکب بچرخ بریں تیزپو

(۳) جنگ کا نقشہ کھینچنے کے لئے شاعر تشبیہ و استعارہ کا استعمال کرتا ہے لیکن یہاں تشبیہات استعمال میں زیادہ شاعرانہ

فنکاری اور طباعی کی ضرورت ہوتی ہے۔اس سے شاعر کا کمال زیادہ ابھرتا ہے۔ مرکب تشبیہات سے ہر طرح کا کام لیا جاسکتا ہے۔لیکن اس موقع پر صرف انہیں تشبیہات کی ضرورت ہوتی ہے۔ جس سے جنگ کی کسی کیفیت کی تصویر کشی ہوتی ہے اور وہ تصویر کشی ایسی ہو کہ قاری یا سامع کی آنکھوں میں پھر جائے۔

(۴) کبھی کبھی صرف ایک لفظ یا ایک مصرعہ سے مختلف کیفیات کی طرف اشارہ کر دیا جاتا ہے، پھر اس کی تفصیلات بیان کی جاتی ہیں۔ گویا ایک مصرعہ یا لفظ بہت سی تفصیلات کا عنوان بن جاتا ہے، یہ عنوان جنگ کی تیاری یا مزید آمادگی کی کیفیت کی نشان دہی کرتا ہے جیسے اوپر شعروں میں یہ مصرعہ ع ہمی رُست صد فتنہ نوز خاک

(۵) رزمیہ انداز میں مبالغہ سے بھی کام لینا پڑتا ہے لیکن یہ مبالغہ استعاراتی ہوتا ہے جس کے بغیر انسان نہ تخئیل کا مکمل اظہار کرسکتا ہے، نہ خود اپنے جذبات کی بھرپور وضاحت کرسکتا ہے۔ گویا یہ مبالغہ شاعرانہ فنکاری ہے، اور جزوِ شاعری ہے، رزمیہ شاعری میں اسکی ضرورت سب سے زیادہ ہوتی ہے۔ یہاں شاعر کی طباعی، جودت ذہن، فنکاری اور اس کی پوری قادرالکلامی کا اظہار ہوتا ہے۔

حضرت ذوقی کے رزمیہ اشعار اس وصف سے معمور ہیں مثلاً اوپر کے شعروں میں کہ افتاد در خرمن شب شرار تزلزل بگردوں گرداں فگند۔

چکیدن گرفت آسماں برزمیں سے لیکر تینوں شعر حضرت ذوقی کی اپنی اس مثنوی کی قدر و قیمت کا پورا اندازہ تھا، چنانچہ وہ لکھتے ہیں :

عبارات او مایۂ انبساط	اشارات او دادہ جاں را نشاط
خضر درسوادِ حروفش چو دید	ازآں ظلمتش آب حیواں چکید
چو او نیست لعل یگان جہاں	جہانی زجان است وجانِ جہاں
نگاہی بکن اندریں بحر ژرف	کہ ہر قطرۂ اوست در شگرف

نظم کو حضرت علیؓ کی مدح پر ختم کیا ہے۔ حضرت ذوقی فرماتے ہیں کہ مجھے تذبذب تھا کہ یہ نظم مکمل ہوسکے گی یا نہیں لیکن حضرت علیؓ کی روحانیت نے میری مدد کی اور میں اس کام کو پورا کرسکا۔

بتاسیس ایں روضۂ دلپذیر	نبود اعتمادی مرا بر ضمیر
بتائید کردار والا نژ ا د	ھمی داشتم روزو شب اعتماد
علی ولی شیر بہ خواہ موز	کہ از رعب اوشد عدو پشت کوز
بمیدان کیں از حسام چہ مہر	تپ لرزہ افگندہ اندر سپہر
ز تقبیل درگاہ او ہر سحر	شہ آسماں را بچرخ است سر
زگردی کہ از راہ او خاستہ	فلک دیدۂ انجم آراستہ

من از جان و از دل بدام دی ام — غلامِ غلامِ غلام دی ام

سرِ ذوقؔی خستہ بر خاک اوست — دل و جان او بند فتراک اوست

اس مثنوی خمسہ کی مثنویوں کے علاوہ حضرت ذوقؔی نے اور بھی کئی مثنویاں لکھی ہیں۔ان میں سے کچھ پائی جاتی ہیں۔حضرت ذوقؔی کے قصائد کے دو مجموعوں کا پتہ چلتا ہے۔ان میں سے ایک دیوان راقم الحروف کو مل سکا ہے۔اس دیوان کے قصائد بیشتر خاقانی، انوری، سلمان ساوجی اور عرفی کے قصائد کے تتبع میں لکھے گئے ہیں۔اس کا پہلا قصیدہ ۳۹۵ اشعار پر مشتمل ہے جیسا کہ قصیدہ کے آخر میں الگ سے اس تعداد کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔لیکن چند اشعار کم ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی ورق یا بعض اوراق اس مجلد مجموعہ سے گم ہو چکے ہیں۔

یہ قصیدہ صرف ۱۹ سال کی عمر میں لکھا گیا ہے۔

بسال یکصد و ہفتاد بر ہزار نمود — بوستانِ جہاں ایں چنیں گل رعنا

یعنی ۱۱۷۰ھ میں یہ قصیدہ لکھا گیا۔اس وقت حضرت ذوقؔی کی عمر ۱۹ سال سے زیادہ نہ تھی۔لیکن اس عمر میں وہ ایک وفور گو مشاق شاعر کی حیثیت سے مشہور ہو چکے تھے۔اس قصیدہ میں وہ لکھتے ہیں

از بسکہ لولوی لالا فشانم از خاطر — سحاب می شود از سورت حیا شتا (شتی)

میں اپنی طبیعت سے بے اندازہ روشن موتی بکھیرتا ہوں جسے دیکھ کر بادل شرم کی شدت سے پراگندہ ہو رہا ہے۔

منم امیر جہان سخن بتاج کمال — چو من اکاز براعت شدن کرا یا یار

میں شاعر کی دنیا کا بادشاہ ہوں اور میرے سر پر کمال کا تاج ہے۔میری طرح فضل و دانش اور فصاحت و بلاغت کے زرو جواہر کی کان بننے کا یارا کسی میں نہیں ہے۔

مرا سزا است سخن گفتن و گہر سفتن — کہ نیست در بر ہر مفلسی مہیں خارا

شعر کہنا لفظ و معنی کی موتی پرونا میرا حصہ ہے، ہر مفلس کو زیب تن کرنے کے لئے قیمتی خارا کپڑا میسر نہیں ہو سکتا۔

بصدر شعر چو شبنم، دبیر مکتب چرخ — چو بندہ راست کند پیش من دو دیدہ لتا

جب میں شعر کی مسند پر بیٹھتا ہوں، تو دبیر فلک ایک غلام کی طرح میرا جوتا سیدھا کرنے کے لئے میری طرف دوڑتا ہے۔

چو پیش سنگ گہری فشانم از خاطر — ز بہر مدحت من سنگ می شود گویا

جب میں پتھر کے سامنے اشعار کے موتی بکھیرتا ہوں، تو پتھر بھی میری طرح مدح کرنے کے لئے گویا ہو جاتا ہے۔

پی شنودن شعرم چناں شود مجمع — کہ روز عید شود در میان شوق منا

میرے شعر سننے کے لئے اتنا مجمع ہو جاتا ہے، جیسے منٰی میں حج کے موقعہ پر عید کے دن۔

اگر نگاہ من از مہر تا بہ اندر دہ — ہمہ جواہر از ہر شوند سنگ وحصا

اگر میری نگاہِ لطف کے راستہ پڑ جائے تو راہ کے سارے پتھر اور سنگریزے روشن و منور جواہر میں تبدیل ہو جائیں یعنی شاعری میں معمولی لفظ میرے استعمال سے آبدار بن جاتے ہیں۔

زبسکہ خاطرِ من نور می دہد ہر دم　　　کسی نہ شد شب تار طالب تارا

میری طبیعت ہر وقت اتنی زیادہ روشنی دیتی رہتی ہے کہ اندھیری رات میں لوگ تاروں کی روشنی کے طالب نہیں ہوتے۔

بخوان دانش من صد چو ہرمس بقراط　　　زراہ گدیہ و دریوزہ پر کنند امعا

میرے عقل کے دسترخوان پر ہرمس و بقراط جیسے سینکڑوں مجھ سے عقل کی بھیک مانگتے ہیں۔

کرا مجال کہ در پیش من سخن گوید　　　کجا گداز د الماس سخت دراحشا

کس کی مجال ہے کہ میرے سامنے کوئی سخن گوئی کرے پیٹ میں سخت ہیرا کہاں پگھلتا ہے۔

انیس سال کی عمر میں حصول علم کے ساتھ ساتھ شاعری میں ایسا ملکہ حاصل ہونا ایک ایسا نادرالوجود واقعہ ہے جس کی مثال ساری دنیا میں کہیں مشکل ہی سے ملیگی۔

حضرت ذوقیؔ نے اس عمر میں شاعرانہ تعلّٰی ہر شاعر کا حق تسلیم کیا گیا ہے بشرطیکہ وہ اس کا مستحق ہو، تعلّٰی کرتے وقت شاعر اپنے کو ایک آزمائش میں مبتلا کرتا ہے، یعنی اگر اس کی تعلّٰی نازیبا ہوئی تو یہی اسکی رسوائی کا سبب بھی بن سکتی ہے، اور اس حق کو اسی لئے تسلیم کیا گیا ہے، کہ کوئی غیور شخص اپنی رسوائی نہ چاہے گا۔ اردو کے شاعر میرؔ نے کہا تھا

سارے عالم پر ہوں میں چھایا ہوا　　　مستند ہے میرا فرمایا ہوا

اور بڑے بڑے اساتذہ نے اسے تسلیم کرلیا۔

نہ ہُوا پر نہ ہوا میرؔ کا انداز نصیب　　　ذوق یاروں نے بہت زور غزل میں مارا

غالبؔ یہ اپنا عقیدہ ہے بقول ناسخؔ　　　آپ بے بہرہ ہے جو معتقد میرؔ نہیں

فردوسیؔ نے کہا تھا ''عجم زندہ کردم بدیں پارسی'' یعنی میں نے اپنی شاعری سے ایران کو زندہ کردیا۔ سبھی بڑے شعراء کے یہاں اس قسم کی تعلیاں ہیں۔ حضرت ذوقیؔ نے بھی بجا طور پر اس شاعرانہ حق کو استعمال کیا ہے۔ لیکن حضرت ذوقیؔ محض شاعر نہ تھے۔ ابتداء سے ان کا دل مالک حقیقی کی یاد کی طرف مائل تھا۔ ان کا زیر بحث قصیدہ بھی طلب معرفت اور دام گہہ آب وگل سے رہائی کے مضامین سے پُر ہے۔ انہوں نے شاعری میں اپنے فضل و کمال اور علم و دانش کا زبردست دعویٰ کیا ہے۔ جو بظاہر ایک صوفی کے شان کے خلاف معلوم ہوتا ہے، لیکن قطع نظر اس کے کہ شاعری میں دعوی کے حق کو تسلیم کیا گیا ہے۔ انہوں نے اس دعوی سے ایک ایسا خاص نکتہ پیدا کیا گیا ہے جس سے ان کے اخلاص اور صفاتِ قلب کا پتہ چلتا ہے۔ اس سے ان کا بیان نہایت بلیغ ہو گیا ہے اور ساتھ ہی یہ نکتہ دوسروں کے لئے درس عبرت بن گیا ہے وہ اس کا اعتراف کرنے کے بعد کہ میں نے علم وفضل میں بڑی شہرت حاصل کی ہے کہتے ہیں

شدہ است لازم عالم چوں لفظ را معنا

یعنی جس طرح سے لفظ معنی کے بغیر نا قابل تصور ہے اسی طرح عالم کے لئے بھی لازم ہے کہ وہ اپنے علم کا معانی بن جائے مثلاً ایک عالم کو علم ہے کہ اگر بندہ مقبول بارگاہِ الٰہی بننا چاہتا ہے تو وہ عبادت اس طرح کرے گویا وہ خدا کو دیکھ رہا ہے یا کم از کم یوں کرے کہ خدا اسے دیکھ رہا ہے لیکن یہ علم اس وقات بمعنی ہوگا جب عالم اس علم پر عمل پیرا ہوگا اس طرح حضرت ذوقیؔ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ میرے علم وفضل نے مجھ پر زیادہ ذمہ داری ڈال دی اسی لئے وہ اس قصیدہ کے بہت سے اشعار میں اپنی کوتاہیوں کا اظہار کرتے ہیں اور خدا سے شرع پر عمل کرنے کی توفیق طلب کرتے ہیں، اس معنی میں اردو کا بھی ایک مشہور شعر ہے۔ جن کے رتبے ہیں سوا ان کو سوا مشکل ہے ایک حدیث قدسی میں کہا گیا ہے اشد الناس عذاب یوم القیمة من لم ینفعه علمه یعنی قیامت کے دن سب سے زیادہ عذاب اس پر نازل ہوگا جس کے علم میں اس کو کچھ نفع نہ دیا یعنی علم دین حاصل کیا لیکن اس پر کچھ بھی عمل نہ کیا ہو۔

یہ قصیدہ حضرت ذوقیؔ کا ابتدائی عمر کا لکھا ہوا ہے جب کہ انہوں سلوک میں قدم نہیں رکھا تھا۔ مثنوی معجز مصطفٰے اور اس قصیدہ میں ایک خاص فرق نظر آتا ہے۔ معجز مصطفٰے ﷺ تیس سال کی عمر میں لکھا تھا۔ اس کے مضامین سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت ذوقیؔ نے سلوک کی منزلیں بہت جلد طے کرلی تھیں۔ اب شریعت پر کامل طور پر عمل کرتے کرتے ان کے دل میں عشقِ الٰہی کا موجزن ہو چکا تھا۔ اب ان کو مطلوب ان کا مقصود ذاتِ مولیٰ تھی۔ اب انکی اطاعت جنت کی طمع اور جہنم کے خوف سے بے نیاز ہو چکی تھی۔ ان پر یہ راز واضح ہو چکا تھا کہ بندہ کا فرض ہی بندگی ہے۔ لیکن ۱۹ سال کی اس کم عمر میں بھی حضرت ذوقیؔ پر زہد وریا اور طاعت وبندگی کے اسرار کا بہت کچھ انکشاف ہو چکا تھا یہ پورا قصیدہ تصوف کے باریک مسائل اور طریقت کے اسرار سے پُر ہے۔ یہ ایک بہترین ہدایت نامہ اور ہر مومن کے لئے نسخۂ کیمیاء ہے اس عمر میں یہ بالغ نظری غیر معمولی بات ہے۔

ایں سعادت بزور باز و نیست　　　　تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

قصائد کے اس مجموعہ میں ایک قصیدہ ہے جو ۱۲۹۷ھ میں ۲۳ سال کی عمر میں لکھا گیا ہے تاریخ تصنیف ''ترکیب باغِ صفا'' سے حاصل کی گئی ہے، اب ان کی زبان اور اندازہ بیان میں زیادہ پختگی آچکی ہے یہ قصیدہ بھی تصوف وعرفان کے مضامین کا حامل ہے۔ جو اس طرح شروع ہوتا ہے۔

دل من گوئی غلطانست حکم شرع چو گانش　　　　انابت شہسوار تیز واستغفار میدانش

اب وہ دل شریعت کے ہاتھوں میں دے چکے ہیں اور اپنی رضا کو رضائے الٰہی کے تابع کر دیا ہے اس لئے کہتے ہیں میرا دل ایک گیند کے مانند ہے ظاہر ہے گیند اپنے ارادے سے حرکت نہیں کرتا اس کا محرک دوسرا ہوتا ہے۔ حضرت ذوقیؔ کہتے ہیں میرے دل کے گیند کا محرک شریعت یا حکم الٰہی ہے ایک سالک کے لئے لازم ہے کہ وہ اپنے ارادے کو ترک کرکے مالک کے ارادے کا تابع بن جائے شارع علیہ السلام سے یہ دعا بھی مروی ہے اللھم خرلی واخترلی ولا تکلنی الا اختیاری، اس قصیدہ میں بھی حضرت ذوقیؔ نے اپنے فن شاعری میں اظہار فخر کیا ہے۔

من آنم کز صہیل ابرش کلک روان من

میں وہ ہوں : دہد عرفی عرق از رشک تا گویند قربانش میں وہ ہوں کہ میرے کلک رواں گھوڑے کی آواز سے عرفی کے چہرہ پر رشک سے پسینہ آجاتا ہے اور لوگ اس سے کہنے لگتے ہیں کہ ذوقیؔ کے اشعار پر قربان ہوجاؤ یا عرفی کہتا ہے کہ قربان ذوقی کے اشعار پر

چوں سوی سادہ شد آوازۂ من بہر نظارہ   در آمد پیش چشم او درود از جان سلمانش

جب میری شہرت سادہ تک پہنچی تو ذوقیؔ کے سامنے سلمان کی جان سے درود کے کلمات جاری ہوگئے۔

چوں شد از فضلِ مناں ایں گہر از لفظ من نیراں   صدف شد آب از رشک در شہوار غلطانش

جب خدا کے فضل سے میرے لفظوں کے موتی جھڑنے لگے تو میرے دُرِ شہوار کو غلطان دیکھ کر صدف شرم سے پانی پانی ہوگیا

حضرت ذوقیؔ کے بیشتر قصائد اگرچہ دوسروں کے تتبع میں لکھے گئے ہیں لیکن ان کے اکثر قصیدوں سے ان کی تخلیقی صلاحیت، مضمون آفرینی، جدتِ طبع اور تخیل کی بلندی آشکار ہے۔ یہاں زیادہ مثالیں پیش کرنا طوالت سے خالی نہیں صرف چند اشعار پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ عرفیؔ کا ایک مشہور قصیدہ نعت شریف میں ہے۔ اسی بحر ردیف قافیہ میں حضرت ذوقیؔ نے بھی نعت لکھی ہے اور اپنی قادر الکلامی اور جدت طبع سے نئے نئے معانی پیدا کئے ہیں یا معانی کو نیا اور دلکش اسلوب عطا کیا ہے۔

از بسکہ دیم یافت زفیضان تو رتبت   ابری نتو اند کہ کشد بار دیم را

بارش سے تمہارے فیض سے یہ مرتبہ ملا ہے کہ بادل میں یہ تاب نہیں ہے کہ بارش کے بار کو اٹھا سکے۔

تا بحر کفت جوش زد از شورشِ سائل   حاجت بسوی آب نہ شد ابر و دیم را

سائل کے طلب نے تمہارے ہتھیلی کے سمندر میں وہ جوش پیدا کر دیا کہ اب بادل اور بارش کو سمندر سے پانی لینے کی حاجت نہ رہی۔

تا شمع دم خنجر تو تافت ز تابش   خونابہ بجز و مع نہ شد چشم دژم را

جب تمہارے دم خنجر کی شمع چمکی تو اس کی تاب سے چشم بد کی آنکھوں سے خون آنسو بن کر گرنے لگے۔

ترسد فلک از ہیبت تو چوں نہراسد؟   کز نصفت تو پوست کشیدند ستم را

آسمان تمہاری ہیبت سے ڈرتا ہے اور کیوں نہ ڈرے کیونکہ تمہارے عدل کا یہ عالم ہے کہ تمہارے انصاف کے سبب ظلم کی کھال کھینچ لی جائے گی، یعنی جہاں تمہارا انصاف ہے وہاں ظلم کا نام ونشان نہیں۔

حضرت ذوقیؔ کے قصائد حمد، نعت یا منقبت میں لکھے گئے ہیں، ان میں تشبیب کی دلکشی اور مدح کے اشعار میں بھی معنی آفرینی ان کے قصیدے کو وہ شاعرانہ حسن عطا کرتی ہے، جس کی وجہ سے ان کے اشعار ادب وفن کا ایسا نمونہ بن گئے ہیں، جو ہر اس شخص کے لئے دعوت قلب ونظر کا سامان مہیا کرتے ہیں۔ جو فارسی ادب کا ذوق رکھتا ہے، اس کا تعلق خواہ کسی مذہب یا عقیدہ سے ہو کبھی کبھی وہ بغیر تشبیب کے بھی مدح سے قصیدے شروع کرتے ہیں۔ لیکن قصیدہ کا معیار باقی رہتا ہے۔ ایک قصیدہ حضرت عمرؓ کی تعریف میں ہے۔

اس میں تشبیب کی جدت و دلکشی ملاحظہ ہو۔

اگر تابد لب لعل تو بر سنگ　　　　بسان تنگ گردد پُر شکر سنگ

معشوق مجازی کو مخاطب کر کے کہتے ہیں کہ اگر تمہارے لب و لعل کا عکس پتھر پر پڑ جائے تو وہ بھی ایسا شکر میں ہو جائے جیسے تنگ گردن صراحی شکر بھری ہوئی ہو۔

دل سخت تو در پہلو خریدہ　　　　فگن از بر یزیدای سیمبر سنگ

تمہارے پہلو میں بڑا سخت دل ہے، اے سیمبر اپنے پہلو سے اس پتھر کو پھینک دے۔

بجای لعل بیروں آرد اخگر　　　　ز آہ ما جز یابد اگر سنگ

اگر پتھر کو میری آہ کی خبر ہو جائے تو اس کے اندر سے لعل کی جگہ چنگاری نکلے۔

ہجر ان تو ای خورشید پیکر　　　　شود اندر کف ما سیم و زر سنگ

اے خورشید پیکر معشوق تیرے ہجر میں میرا یہ حال ہے کہ میرے ہاتھ میں سیم و زر کی حقیقت بھی پتھر سے زیادہ نہیں رہ گئی ہے۔ یعنی تمہارے بغیر ساری دولت ہیچ ہے۔

کنم یاد از دل سخت تو ای بت　　　　چو می آید مرا اندر نظر سنگ

اے بُت اس وقت مجھے تمہارے سخت دل کی یاد آ جاتی ہے۔ جب میری نظر میں کوئی پتھر آتا ہے۔

اگر یا خبر کوہ از دل تو　　　　سرِ خود راز ند فی الحال بر سنگ

اگر پہاڑ کو تمہارے دل کی خبر ہو جائے تو اپنے سر کو فوراً پتھر پر پٹکنے لگ جائے۔

فساں یابد پی تیغ شہنشاہ　　　　سزا باشد ز دل سازی اگر سنگ

بادشاہ کی تیغ کے لئے فساں چاہئے اگر تو اپنے دل کو پتھر بنائے تو مناسب ہے۔　　　　فسان اسے کہتے ہیں جس پر تلوار یا دھار دار چیز کو تیز کرتے ہیں اور فساں بھی پتھر ہی ہوتا ہے۔

معشوق جو عاشق کے اقلیم دل کا بادشاہ ہوتا ہے اور جس کا کام اقالیم دل کو فتح کرنا ہے۔ اس کی تیغ کے لئے فسان کی ضرورت ہے، لیکن یہ تیغ نگہ کی تیغ ہے۔ اس کے لئے اس نے اپنے دل کو فسان بنالیا ہے۔ اسی لئے کہتے ہیں کہ معشوق نے اپنے دل کو سنگ فساں بنالیا ہے تو ٹھیک ہی ہے۔

اور اب گریز کا شعر ملاحظہ ہو:

شہِ عالم عمرؓ کرو فرو سنگش　　　　بلرز د عالمی فرسنگ فرسنگ

دنیا کے بادشاہ حضرت عمرؓ جن کی شان اور جلال سے دنیا کا چپہ چپہ کانپتا ہے، گریز کا شعر جہاں اپنی جگہ پر ایک فن پارہ بن گیا ہے، وہاں اس تشبیب کے ساتھ اور قافیہ کی سختی کے ساتھ یہ مضمون آفرینی ہر شخص کے دامن دل کو کھینچتی ہے۔ طوالت کے خوف سے اب

ہم مزید مثالوں سے احتراز کرتے ہیں۔ یہ مثالیں بطور نمونہ مشتے از خروارے ہیں، جن سے پتہ چلتا کہ قصائد میں بھی ذوقی کو مثنوی میں نظامیؔ کا ہم پلہ قرار دیا ہے، اور بجا کہا ہے۔

ذوقیؔ نے اپنی تصنیف شعری میں اپنی شاعری پر فخر کا اظہار کیا ہے۔ کچھ پیش کی جا چکی ہیں۔ یہاں دو مثالیں اور پیش کی جاتی ہیں۔ ایک مثنوی معجز مصطفیؐ سے اور دوسری تاریخی مثنوی نجیب نامہ سے۔

من آنم کہ شکر زبانی کنم　　بنوکِ قلم دُرفشانی کنم
منم شہر یارِ جہان سخن　　بلنداختر آسمانِ سخن
درافشاں چو داما بد مانِ پند　　بگینی ملقب بجسان پند
ہمہ بہرہ مند از نول من اند　　ہمہ ریزہ چیں مقال من اند
سخن پروراني کی بی ہمسرانہ　　مرا درسخن پروری چاکرانہ

اور نجیب نامہ میں لکھتے ہیں۔ :

منم تاجدارِ جہان سخن　　منم خسرو آگہانِ سخن
بخاک درم سوُد چشمانِ پند　　چو گشتم ملقب بجسانِ پند
زخوانِ تو الم ہم بہرہ ور　　زکانِ کمالم جہاں پر گہر
چو سحر حلالم بر آورد دست　　بروز از شب تار صد نقش بست
بر آب دریا نہ دریا ئَ من　　گہر کیست مولای سولای من
عطارد کشد گردِ من در بصر　　کہ تا در ہنر ہابود دیدہ ور
سوادِ سطورم کہ پر نور شد　　بصارت دہِ دیدۂ کور شد
زفر سخن ہر یکی ناجوست　　ولیکن سخن راز من آبروست

حضرت ذوقیؔ نے ۱۱۹۴ھ میں وفات پائی۔ ان کے معاصر اور ہم سبق اور اپنے زمانے کے زبردست عالم و شاعر باقر آگاہ نے ان کا مرثیہ لکھا اور خراجِ عقیدت پیش کیا۔ یہ اشعار حضرت ذوقیؔ کے کمالات کی طرف اشارہ کرتے ہیں جس کی تشریح اور تفصیل دفتروں میں کی جا سکتی ہے۔ باقر آگاہ نے اسے چند اشعار میں قلمبند کر دیا ہے اس لئے یہاں بھی ان اشعار کو نقل کیا جاتا ہے، تاکہ حضرت ذوقیؔ کے کمالات ایک نظر میں قاری کے سامنے آجائیں :

ذوقی کہ از تراوش فیضِ زبان او	گلزارِ نظم و نثر بہ نشونما رسید
خسرو وشی کہ شود می شکرین او	چوں شہرت دبیر فلک جابجا رسید
افراخت چوں قصائد خودرا بہ اوجِ عرش	خاقانی و ظہیر بہ تحت الثریٰ رسید
چوں لقمہ سنج شعر بغزل طوطیانِ ہند	گفتند ایں نوای غریب از کجا رسید
در مثنوی محیط لبش ریخت چوں گہر	گفتند اہلِ گنجہ کہ رشحی بہ ما رسید
درقطعہ ورباعی وترجیع بند وفرد	فکرش بہ منتہای خیال رسارسید
چوں دید نثر او دل شگفتۂ بہار	گفتہ بہ غنچہ ہای من اکنوں صبا رسید
درمنطق وبیان ومعانی زنطقِ او	آساں شدہ بجای حروفِ ھما رسید
ہر کس کہ بنگر د بہ تصوف تصرفش	گوید بہ پیر جام کہ صدرابو را رسید
درماندہ ام بہ دردِ دل خوردزمن مپرس	ای داغِ ہجرتش کہ بجانم چہار رسید
تاریخ رحلتش چو طلب کردم از سروش	گہ ہمدم حکیم نظامی ندا رسید

ذوقی فارسی نثر میں بھی مختلف علوم وفنون پر کتابیں لکھی ہیں۔نثر بالعموم سادہ ہے۔نثر کے موضوعات بھی بیشتر مذہبی ہیں۔ تفسیر،حدیث،فقہ اورتصوف کے مسائل پر حاوی ہیں۔

ذوقی کے اکلوتے فرزند ابوالحسن محوی نے بھی تصوف کے مسائل پر فارسی زبان میں کئی رسالے لکھے۔ان رسائل سے مصنف کے سالک عارفانہ ہونے کا پتہ چلتا ہے۔ان کا تخلص محوی ہونے سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ شاعر بھی تھے لیکن دیوان شعر کا پتہ چل نہ سکا۔

محوی کے دوصاحبزادے تھے۔ان میں سے سید عبداللطیف مشہور قطبؒ ویلور نے بہت شہرت پائی۔آپ کے بارہ رسالوں اور کتابوں کا ذکر ملتا ہے،یہ سب کے سب فارسی زبان اورتصوف میں ہیں۔یہ رسالے موضوعات اور مباحث کے اعتبار سے بڑے اہم ہیں۔لیکن ان میں جواھر السلوك خاص کتاب ہے اس کا موضوع بھی تصوف اورسلوک ہے اس کی خصوصیت اس کے بیان میں اختصار اور جامعت ہے۔

اس کتاب کے دوحصے ہیں،ایک تصوف دوسرا سلوک،تصوف اورسلوک میں وہی نسبت ہے جواصول فقہ اور فقہ میں ہے۔ چنانچہ تصوف کے موضوع پر اصولی بحث کی گئی ہے۔اورسلوک میں ان طریقوں کا بیان ہے جن پر عمل کر کے ایک سالک مرتبہ وصول تک پہنچتا ہے۔اس کتاب میں تصوف کی بہت سی اہم کتابوں کے حوالے ملتے ہیں۔حضرت قطبؒ ویلور نے ۱۲۰۷ھ میں متولد ہوئے ۱۲۸۹ھ میں وفات پائی۔

حضرت قطبؒ ویلور کے اس خاندان میں،کئی برگزیدہ اورصاحب علم شخصیتیں ہوئیں۔ان میں سے مولانا رکن الدین سید محمد

(۱۲۲۹ھ تا ۱۳۲۵ھ) اوران کے صاحبزادے محی الدین سید عبداللطیف کو وائسرائے ہند کی طرف سے شمس العلماء کا خطاب دیا گیا۔

اس خاندان کی علمی اورادبی خدمات کا تفصیلی جائزہ لینے کے لئے ایک ضخیم کتاب کی ضرورت ہے۔اس مختصر مضمون کا مقصد اہل علم وادب حضرات کوان کے کارناموں کی طرف متوجہ کرانا ہے تاکہ آئندہ ان کارناموں کی صحیح قدر و قیمت کو منصۂ شہود پر لایا جاسکے۔

ان بزرگوں نے علم وادب کی خدمت ویلور میں ان حالات میں کی ہے جبکہ دکن کا علاقہ فتنہ وفساد کی آماجگاہ بنا ہوا تھا۔اورنگ زیب عالمگیر کی وفات کے بعد ہی یہاں مرہٹہ، انگریزی، فرانسیسی اور مقامی نوجوانوں میں فوجی کشمکش شروع ہوگئی تھی اورانگریزوں کا مکمل غلبہ ہونے تک یہاں امن وسکون کی فضا قائم نہ ہوسکی تھی۔انگریزوں کے تسلط کے فوراً بعد یہاں ایک افسوسناک صورت حال یہ پیدا ہوئی کہ شیعہ سنی فسادات رونما ہوئے۔

شیعہ سنی فسادنے بھی علماء کو ذہنی کوفت میں مبتلا کردیا۔حضرت قطبؒ ویلور کے خلاف جعلی مقدمات قائم کئے گئے اورانہیں قید وبند میں بھی رہنا پڑا۔انہوں نے اپنا کوئی وکیل مقرر نہیں کیا۔آخر میں بری ہوگئے۔اس دور میں ان بزرگوں میں سے اکثر نے فن حرب کی تعلیم بھی پائی تھی۔حضرت ذوقیؔ خود بھی تیراکی، تیراندازی، شہسواری کی۔لیکن جیسا کہ ان بزرگوں کی تحریروں سے ظاہر ہوتا ہے، یہ زمانہ جہاں مسلمانوں کی زبوں حالی کا زمانہ تھا علم کے قدردان شاذ تھے، اخلاقی زوال بھی نمایاں تھے۔ان حالات میں ان بزرگوں نے عوام کی تعلیمی اوراخلاقی حالت کو درست کرنے کا بیڑا اٹھایا۔اس سے پہلے انہوں نے خود بھی علم واخلاق کے زیور سے اپنے کو آراستہ کیا اور دوسروں کو بھی راہِ ہدایت دکھانا شروع کیا۔یہ وہ وقت تھا جبکہ عموماً لوگ حصول دنیا کے لئے جائز وناجائز طریقہ کار اختیار کرتے تھے۔دین سے بے بہرہ تھے۔اس لئے ان بزرگوں نے تصوف کو اپنا شعار بنایا تاکہ لوگوں کی روحانیت کا احساس دلایا جاسکے دین میں علم اوراخلاق پرسب سے زیادہ زور دیا گیا ہے۔ہمارے رسولؐ نے خود دعا کی ہے رب زدنی علما لیکن کیا یہ علم وہی ہے، جس کی سند آج کل یونیورسٹیوں میں دی جاتی ہے؟

آجکل بیشتر علوم موضوعات وہ ہیں جو انسان کے خارج میں وجود رکھتے ہیں بعض علوم مثلاً نفسیات وغیرہ ہیں جن کا کچھ تعلق انسان کے صرف بعض داخلی پہلو سے ہے۔دراصل سب سے زیادہ اعلیٰ وارفع علم وہ ہے جو خود انسان کی ذات کا پتہ دیتا ہے جسے ہم خدا کا علم کہتے ہیں، جو سب سے زیادہ اعلیٰ ہے۔

یہ بزرگ وہ ہیں جنہوں نے سب سے زیادہ اعلیٰ علم کے حصول پر اپنی زندگیاں صرف کردیں۔جن کا مقصد مادی منفعت کا حصول نہیں بلکہ علم کے ذریعہ اپنے اخلاق کو بلند کرنا اور دوسروں کو بھی اعلیٰ مقصد کی طرف بلانا ہے۔

یہی وہ لوگ ہیں جو انسانیت کے سچّے خادم ہیں۔

از:- ڈاکٹر افضل الدین اقبال حیدر آباد

حضرت سید شاہ ابوالحسن قادری محوی رحمۃ اللہ علیہ دارالسرور ویلور کے اس مشائخ خاندان سے تعلق رکھتے تھے جس نے جنوبی ہند کی علمی ادبی اور خصوصاً دینی اور عرفانی ترقی میں نمایاں حصہ لیا ہے۔ خصوصاً آپ کے حضرت سید شاہ عبداللطیف قادری ذوقی رحمۃ اللہ علیہ اور آپ کے دادا حضرت سید شاہ ابوالحسن قادری قربی رحمۃ اللہ علیہ اس خاندان کے ایسے جگمگاتے ستارے ہیں، جن کے کارناموں کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔

ولادت : حضرت محویؒ ۲۷ شعبان ۱۱۸۶ھ م ۱۷۷۲ء بروز دوشنبہ بوقت عصر حضرت مکان میں پیدا ہوئے۔ (ضمیمۂ جواہر السلوک)

تعلیم وتربیت : حضرت محویؒ نے ابتداء اپنے والد ماجد حضرت ذوقی سے استفادہ کیا لیکن ۱۱۹۴ھ م ۱۷۸۰ء میں جبکہ آپ کی عمر آٹھ سال کی تھی۔ حضرت ذوقی نے وفات پائی۔ ذوقی کی وفات کے بعد حضرت بی بی سکینہ بنت حضرت عبدالعلی بیجاپوری آپ کو مدراس لے گئیں جو اس وقت علماء وفضلاء کا مسکن بنا ہوا تھا۔ مدراس میں آپ بیس سال تک مقیم رہے، اور مختلف اساتذۂ روزگار سے تفسیر، حدیث فقہ، علم کلام، سیرت، طب اور فلسفہ وغیرہ مختلف علوم کی تحصیل کی، پھر اس کے بعد والدہ ماجدہ کے ساتھ ویلور تشریف لائے۔

بیعت وخلافت

حضرت محویؒ ویلور آنے کے بعد جملہ منازل سلوک طے فرمائے اور حضرت مولانا سید شاہ میر تقی قادریؒ (جو رشتے سے آپ کے دادا تھے) کے دستِ فیض اقدس پر بیعت کی تھی اور خلافت عظمیٰ سے بھی سرفراز ہوئے تھے۔

خدمتِ دین :

حضرت محوی نے اپنے آبا واجداد کی طرح تصوف کے موضوع پر بہت سی معرکۃ الآرا کتابیں تصنیف کیں اور سلسلۂ درس وتدریس کے ذریعہ سے خدمت دین کا کام انجام دیا۔ آپ نے ۱۲۳۵ھ ۱۸۱۹ء میں دارالعلوم لطیفیہ ویلور کے جنوب میں ایک خوبصورت مسجد تعمیر فرمائی۔ نیز ایک مدرسہ وخانقاہ بھی تعمیر کروائی چنانچہ مولانا عبدالحی واعظ ''مطلع النور'' میں لکھتے ہیں۔

مسجد و خانقاہ رباط کلاں مدرسہ وہ بنایا عالی شاں

کیفیتِ جذب :

حضرت محویؒ بڑے صاحب کمال بزرگ تھے۔صاحبِ انوارِ اقطابِ ویلور لکھتے ہیں ''حضرت محویؒ پر ایک ہزار گیارہ مرتبہ جذب طاری ہوا۔کبھی کبھی آپ کی محویت واستغراق کا یہ عالم ہوتا کہ دنیا ومافیہا سے بے خبر ہوجاتے اور قطعی ہوش نہ رہتا۔

ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ آپ ایک دن عشاء کے وقت مسجد تشریف لے گئے۔مصلیوں کے پیہم اصرار پر آپ نے نماز شروع کی جب ''ایاک نعبدوایاک نستعین'' پر پہنچے تو آپ پر محویت طاری ہوگئی۔اس آیت کی تکرار کرنے لگے یہاں تک کہ جب موذن فجر کی اذاں میں ''الصلوٰۃ خیر من النوم'' پر پہنچا تو آپ کو ہوش آیا۔

اخلاق واوصاف :

حضرت محویؒ انتہائی خلیق اور کریم النفس تھے۔حضرت قربیؒ اور حضرت ذوقی کی طرح آپ بھی خدمتِ خلق کے لئے شہرت رکھتے تھے۔کبھی کوئی سائل آپ کے در سے محروم نہیں گیا۔جو بھی جس نیت کے ساتھ آیا اس نے وہی پایا۔امراء ورؤساء وقت خصوصاً والیِ میسور ٹیپو سلطان شہید نے اپنے یہاں بُلانے کی کوشش کی لیکن کبھی آپ کسی کے در پہ نہیں گئے۔مولانا عبدالحیؒ کی مثنوی ''مطلع النور'' سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے سات سو گھوڑے جنکی قیمت ہزار ہا روپئے ہوتی ہے راہِ خدا میں دے دئے۔نیز سائلین کو نقد ایک لاکھ روپئے عطا فرمایا۔ابیات ملاحظہ ہوں :-

راہِ مولا میں جودیا زرو مال	اور مواشی دیا وہ بحرِ نوال
اسکے بعد وفات اس کا حساب	دیکھے دفتر سے جب ان نیک صفات
جبکہ گھوڑوں کا ہے حساب ہوا	سات سو تھے جو راہِ حق میں
کوئی گھوڑوں کی قیمت اے اکرام	نہیں پنجاہ روپیہ سے تھی کم
اور نہیں تھے ہزار سے بھی زیاد	تھے زپنجاہ ، ہزار تک رکھ دیا
جو دیا نقد سائلوں کے تئیں	ہیں روپے لاکھ سے زیادہ یقیں

حضرت محویؒ بلند قامت گندمی رنگ،عریض سینہ،کشادہ پیشانی،مضبوط بدن،صاحب وقار اور پُر جلال شخصیت کے مالک تھے۔

نکاح واولاد :

حضرت محویؒ کا عقد مسعود بی بی امت المجید بنت سید علی قادری سے ہوا جن کے بطن سے دو صاحبزادے اور تین صاحبزادیاں ہوئیں۔حضرت مولانا محی الدین سید شاہ عبداللطیف قادری المعروف بہ حضرت قطبؒ ویلور آپ کے بڑے صاحبزادے تھے۔دوسرے صاحبزادے سید عبدالعلی تھے۔وہ بھی بڑے عالم اور صاحب ولایت بزرگ تھے۔حضرت محویؒ نے اپنے بڑے فرزند حضرت محی الدین سید شاہ عبداللطیف قادریؒ کو بیعت وخلافت سے سرفراز کیا تھا،اور ایک سو اکانوے سلاسل مقدسہ میں اجازت عطا کی اور وہ امانت مقدسہ جو

بزرگوں سے سینہ بہ سینہ چلی آئی تھی ودیعت فرمائی۔ امانتِ مذکورہ سلسلہ بہ سلسلہ منتقل ہوتے ہوئے حضرت ابوالنصر قطب الدین سید شاہ محمد باقر صاحب قبلہ قادری سجادہ نشین مکان حضرت قطبؒ ویلور اور آپ کے دونوں برادران حضرت ابوالحسن صدر الدین سید شاہ محمد طاہر صاحب قادری ناظم دار العلوم لطیفیہ مکان حضرت قطبؒ ویلور اور حضرت ابوصالح عماد الدین سید شاہ محمد ناصر صاحب قادری تک پہنچی ہے۔

راقم الحروف نے حضرت محویؒ کے حالاتِ زندگی کی تحقیق کے سلسلہ میں ان حضرات کرام سے دار العلوم لطیفیہ اور خانقاہ عالیہ ویلور میں شرف نیاز حاصل کیا۔

وصال : حضرت محویؒ کا وصال ستاون سال کی عمر میں ۲۶ جمادی الآخر ۱۲۴۳ھ مطابق ۱۸۲۷ء بروز دوشنبہ صبح صادق کے وقت ہوا اور اپنے خاندانی گنبد میں مدفون ہوے۔ دیوار گنبد پر حسبِ ذیل قطعۂ تاریخ کندہ ہے۔

شداز طاق رخصت رواں ابوالحسن پئے سیر در روضۂ جاوداں
درآمد بہ مغرب سر آفتاب جو گویم سنش غاب قطب الزماں

تصانیف : حضرت محویؒ نے بہت سی کتابیں اپنی یادگار چھوڑی ہیں۔ آپ کو شعر و سخن سے بھی دلچسپی تھی۔ آپ شعر بھی کہتے تھے۔ آپ کا تخلص محوی تھا۔ آپ نے تصوف کے مسائل بیان کرنے کے لئے نظم پر نثر کو ترجیح دی۔ آپ کی نثر میں بڑی عمدگی سے اور عام فہم انداز میں ان مسائل کی تشریح کرتے ہیں۔ آپ کی حسبِ ذیل اردو کتابوں کا پتہ چلتا ہے۔

۱) رسالہ تفصیل المراتب فی الحوار المرتب ۲) رسالہ تنزلات ۳) نفس رحمانی ۴) رسالۂ ذکر
۵) رسالۂ مراتب ۶) رسالۂ معارفت ۷) رسالۂ ذکر وجود ۸) رسالۂ در بیان ربوبی الٰہی
۹) رسالۂ در بیان عالم ارواح اور رسالہ عالم مثال

حضرت محوی کی فارسی تصانیف میں :

رسالۂ شرح حقیقت محمدیؐ اور رسالہ بیعت حاضر وغائب مشہور ہیں۔ اول الذکر رسالہ مقام در حقیقت محمدی صلعم پر مدلل ومحققانہ تالیف ہے۔ آخر الذکر میں سلسلۂ بیعت پر سیر حاصل روشنی ڈالی گئی ہے۔ یہ کتاب دار العلوم لطیفیہ کی جانب سے شائع بھی ہوچکی ہے۔ حضرت محویؒ کے چند اُردو (دکنی) رسالوں کی تفصیل درجِ ذیل ہے۔

۱) رسالہ تفصیل المراتب فی الحوار المراتب :

یہ رسالہ صرف چھ صفحات پر مشتمل ہے، اس میں مراقبہ اور اسکی تفصیلات بیان کی گئی ہیں۔ اس میں سات الحوار مراقبہ بیان کئے گئے ہیں۔ وجہ تصنیف اور رسالہ کے نام کے متعلق خود حضرت محوی لکھتے ہیں۔

فقیر حقیر سید ابوالحسن قادری یہ رسالہ بیچ بیان مراقبہ کے لکھتا ہے تا امی لوگ اور عورتاں کوں کام آوے اور وہ اس سیں ذوق پا کر اس فقیر کوں دعائے خیر سیں یاد کریں اور اس کا نام رکھا تفصیل المراتب فی الحوار المراتب یہ کتاب حسب ذیل سات ''الحوار'' پر مشتمل ہے۔

۱) اسم اللہ (باطن) ۲) اسم اللہ (ظاہر) ۳) اللہ تعالیٰ اس مراتب کو جس چیز کی اطلاع کرتا ہے اس کا وہ مراتب رہتا ہے۔ ۴) معیت بلا حصول واتحاد (۵) مراقبہ اسم اعظم (صفت عظمت الٰہیہ) (۶) مراقبہ عجز انسانی اور (۷) حیثیت اسم ظاہری۔ دوسرے طور اسم اللہ کے چار مراتب بتائے گئے ہیں۔ پہلا فنافی الذات (توحید ذاتی) اور چوتھا فنائے مطلق (توحید مطلق) حضرت محوی کا یہ رسالہ نایاب ہے۔اس کا ایک نسخہ لطیفیہ کی لائبریری ویلور میں اور ایک نسخہ اسٹیٹ لائبریری حیدرآباد (محفوظ نمبر ۱۸۶۶) میں موجود ہے۔

۲) رسالۂ ذکر وجود اور مراتب وجود :

حضرت محویؔ نے اس رسالہ میں تصوف کا معرکۃ الآرا مسئلہ ''اندراج''، یعنی کل شئی کل فی شئی کی تشریح فرمائی ہے اور مراتب وجود پر تحقیقانہ بحث کی ہے۔یہ رسالہ شوال ۱۲۴۲ھ م ۱۸۲۷ء میں تصنیف ہوا۔اس کا مخطوط کتب خانہ لطیفیہ ویلور میں محفوظ ہے۔

۳) رسالۂ ذکر : اس رسالہ میں ذکر اور مراتب ذکر کی تشریح کی گئی ہے اور ذکر کے حسب ذیل چھ اقسام بتلائے گئے ہیں۔ ۱) ذکر لسانی ۲) ذکر قلبی ۳) ذکر روحی ۴) ذکر سری (مقام فنا) ۵) ذکر ذکر اللہ اور ۶) ذکر بقا۔
اس رسالہ میں لوازمات اور شرائط اذکار کی بھی تشریح کی گئی ہے۔اس رسالہ کے مخطوط کتب خانہ لطیفیہ ویلور اور اسٹیٹ لائبریری حیدرآباد میں موجود ہے۔

۴) رسالۂ نفسِ رحمانی :

حضرت محویؔ نے یہ رسالہ دکنی نثر میں مراتب عروج وتنزول پر تحریر فرمایا ہے اور اسکی وجہ تحریر اس طرح لکھی ہے۔ایک روز مجلس خاص میں کب تک باتاں ہور کب تک حکایتاں زباں سو باہر آیاں کہتے مریدان خاص باخلاص خصوصاً شیخ جمال الدین لنگری جو مرید خاص باخلاص تھے۔انو نے عرض کئے ہمنا عربی ہور فارسی کی عبارت بوجنا محال ہے۔اگر دکنی میں ہوگا تو ہمنا ہور پیر بھائیاں کو فائدہ تمام حاصل ہوگا۔

نفس رحمانی ۳۸ صفحات پر مشتمل ہے اور اس میں حضرات خمسہ کا مفصل بیان ہے۔آخر میں حضرت نے دعا کے فائدے پر اس رسالہ کا اختتام کیا ہے۔

اے عزیز' بس ہے دعا کا اتنا فائدہ جو بندہ پکار یا تو خدا جواب دیتا ہے۔نفس رحمانی کے مخطوط کتب خانہ لطیفیہ ویلور کے علاوہ اسٹیٹ لائبریری حیدرآباد میں محفوظ ہے۔

۵) رسالۂ معرفت :

اس رسالہ میں حضرت محویؔ نے معرفت کی حقیقت پر روشنی ڈالی ہے اور حدیث شریف من عرف نفسہ' فقد عرف ربہ کی عارفانہ تشریح فرمائی ہے۔آپ فرماتے ہیں'' جان اے برادر دینی عطا کرے خدائے تعالیٰ معرفت اپنی تیرے تئیں اور میرے تئیں جیسا کہ

او پیدا کیا ہے ہمارے تئیں واسطے معرفت اپنی ' پھر فرماتے ہیں۔ "جو شخص پچھانیاں اپنی ذات کوں پس تحقیق پچھانیاں اپنے رب کوں۔"

آخر رسالہ میں کلمہ توحید کی یوں تشریح فرمائے ہیں۔ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ معنی شریعت = میں ہے معبود بحق مگر اللہ تعالیٰ

معنی طریقت = میں ہے مقصود ہماری عبادت میں مگر اللہ تعالیٰ معنی حقیقت = میں ہے مشہود مگر اللہ تعالیٰ یعنی ہمنا جو چیز دستی ہے

وہ سب تجلیات اللہ تعالیٰ کی ہیں۔ معنی معرفت = میں ہے موجود مگر اللہ تعالیٰ یعنی جو جہاں میں موجود ہے سو سب ذات اللہ تعالیٰ کی ہے۔

رسالۂ معرفت کا مخطوط مدرسۂ لطیفیہ ویلور میں موجود ہے۔

۶) رسالہ عالم ارواح :

اس رسالہ میں حضرت محویؔ نے عالم ارواح کی تفصیل بیان کی ہے اور عالم غیب اور عالم امر، عالم علوی اور عالم ملکوت کی بڑی عمدہ تشریح فرمائی ہے اس کا مخطوط بھی لطیفیہ میں موجود ہے۔

۷) رسالۂ عالم مثال :

اس رسالہ میں حضرت محویؒ نے ناسوت ملکوت جبروت اور لاہوت وغیرہ مقامات کی تشریح کرتے ہوئے طریقۂ سلوک پر اجمالاً بحث کی ہے۔ یہ رسالہ بھی کتب خانۂ لطیفیہ ویلور میں موجود ہے۔

غرض حضرت محویؒ نے اپنے رسالوں میں متصوفانہ مضامین کو آسان اور عام فہم انداز میں بڑی عمدگی سے بیان کیا ہے۔ عام لوگوں کے لئے چونکہ عربی اور فارسی کا سمجھنا مشکل تھا، اس لئے آپ نے تصوف کے نکات اردو (دکنی) زبان میں بیان کیا ہے۔ حضرت محویؒ کی زبان پر قدامت کا اثر نمایاں ہے آپ نے کئی متروک الفاظ جو آپ کے ہم عصر نثر نگار ترک کر چکے تھے استعمال کیا ہے مثلاً سیں۔ کبتک ۔ ہور۔ سوں۔ ہمنا۔ اور دِستی وغیرہ۔

حضرت محویؒ کی تصانیف قدیم اردو ادب کا گراں مایہ سرمایہ ہیں۔ ان کی اشاعت سے قدیم اردو نثر کے ذخیرے میں گراں قدر اضافہ ہوگا۔

۸) رسالہ در اسمائے الٰہی و ربوبیت : اس رسالہ میں حضرت محویؒ نے اسمائے صفاتی میں سے ہر ایک کی مختصر سی تشریح اپنے خاص متصوفانہ انداز میں کی ہے یہ رسالہ چھتیس ۳۶ صفحات پر مشتمل ہے۔ اور لطیفیہ میں موجود ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

من یرد اللہ بہ خیراً یفقہ فی الدین

اللہ تعالیٰ جس کے ساتھ بھلائی کا ارادہ کرتا ہے اسے دین میں سمجھ عطا کرتا ہے۔

ہمارے اساتذہ

از

ادارہ

دنیا کے عظیم ترین پیشہ میں مدرسی ایسا مقدس پیشہ ہے جسکو ہر قوم وملت نے عزت کی نظروں سے دیکھا، جس پر بادشاہون نے رشک کیا اور شاہزادوں نے استاد کی جوتیوں کو اٹھانا عین سعادت مندی جانا۔ خصوصاً مذہب اسلام نے تو اس مقدس پیشہ کو چار چاند لگادئے۔ نماز جیسی اہم عبادت میں بھی استاد کو فراموش نہیں کیا بلکہ والدین اور جمیع امتِ مسلمہ کے ساتھ اس کے حق میں بھی دعائے خیر کرنے کی تلقین کی۔

ایک صالح استاذ کی حیثیت روحانی باپ کی ہوتی ہے جو اپنے تلامذہ کی تعلیم وتربیت میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کرتا۔ اسکی دلی خواہش ہوتی ہے کہ طلباء اس کے سینے میں بھرے ہوئے انمول موتی اپنے دامن ذہن میں سمیٹ لیں لیکن اکتسابِ فیض میں اپنے اپنے ظرف کی بات ہوتی ہے۔

چنداں کہ در لطافت باراں طبعش خلاف نیست در باغ لالہ رُوید و در شور بوم خس (سعدی)

پیش نظر مضمون میں چند باکمال شخصیتوں کا ذکر کیا جا رہا ہے جن کی بے لوث اور پر خلوص خدمات نے **چمنستان لطیفیہ** میں وہ **گل** کھلائے جن کی دلآویز خوشبو سے آج بھی ایک عالم مست و پرکیف ہے۔

اعلیٰحضرت مولانا الحاج رکن الدین سید شاہ محمد قادری سجادہ نشین مکان حضرت قطب ویلور قدس سرہما نے ۱۳۰۲ھ میں (دارالعلوم کی تعمیر وتشکیل نو کے بعد) یہاں کی عظیم الشان روایات کے مطابق شمال وجنوب کے مشہور علمائے کرام کو منصب درس وتدریس پر فائز فرمایا۔ آپ کے دور سرپرستی میں **مولانا مولوی سید شاہ فضل اللہ قادری** (ہمشیر زادہ وخلیفۂ خاص اعلیٰحضرت مولانا مولوی محی الدین سید شاہ عبد اللطیف قادری المعروف حضرت **قطب ویلور** قدس سرہ) مسلسل کئی سال تک منصب نظامت پر فائز رہے۔ آپ علوم ظاہری وباطنی کے متبحر عالم اور عارف کامل بزرگ تھے۔ آپ نے اپنی زندگی کا اکثر و بیشتر حصہ شیخ کی خدمت میں گذارا۔ تا زیست یعنی ۱۳۱۱ھ تک دارالعلوم لطیفیہ کے ناظم رہے۔

حضرت مولانا مولوی فقیہہ محی الدین صاحب قادری، آپ حضرت قطب ویلور کے ممتاز خلفاء میں سے ہیں،

شیخ کی نگاہ پُرجلال نے مادی کثافتوں کو ختم کرتے ہوئے رُوحانی اقدار کو اجاگر کر دیا تھا۔ زہد و تقویٰ کا یہ عالم تھا کہ کبھی آپ نے شریعت مطہرہ سے ہٹ کر قدم نہیں رکھا۔ آپ کی عظیم شخصیت جامع الکمالات واقع ہوی ہے۔ آپ کو مختلف ناموں سے یاد کیا جاتا ہے۔ لیکن دبلے محی الدین صاحب کے نام سے مشہور ہیں۔ آپ کے درس و تدریس کا سلسلہ حضرت قطب ویلور کے دور سے شروع ہو کر دار العلوم کی تعمیر و تشکیل نو کے بعد ۱۳۱۶ھ تک جاری رہا۔ سینکڑوں افراد اور نونہالانِ قوم نے اس سرچشمہ سے اکتساب فیض کیا۔

حضرت مولانا محمد تقی صاحب لکھنوی جن کا شمار جیّد علماء اور با کمال ہستیوں میں کیا جاتا ہے اسی دور میں آپ نے دار العلوم ہٰذا کے استاذ کی حیثیت سے خدمات انجام دی ہیں۔ آپ زہد و تقویٰ میں اسم با مسمّیٰ تھے۔ کہتے ہیں کہ خدا تعالیٰ نے آپ کی زبان میں وہ تاثیر ودیعت فرمائی تھی کہ سننے والا متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتا۔

جناب مولانا مولوی افہام اللہ صاحب لکھنوی آپ بھی اپنے زمانے کی اعلیٰ شخصیتوں میں سے تھے۔ جملہ علوم و فنون میں آپ کو کامل دسترس حاصل تھی۔ دار العلوم ہٰذا کے مدرس کی حیثیت سے آپ نے بیش بہا خدمات انجام دئے ہیں۔

اس دور کی ایک اور بزرگ شخصیت جناب مولانا احمد حسن صاحب کانپوری، آپ علم و فضل کی لازوال نعمت سے مالا مال تھے۔ آپ کو تمام علوم و فنون خصوصاً تفسیر، حدیث، فقہ، منطق و فلسفہ میں کامل عبور حاصل تھا۔ دار العلوم ہٰذا سے متعلق آپ کی معلمانہ خدمات قابل صد تحسین ہے۔

مذکورۃ الصدر اعلیحضرت قدس سرہ العزیز کے دورِ سرپرستی کے ایک اور قابل ذکر استاذ مولانا مولوی حافظ سید عبد الجمیل صاحب پشاوری ہیں۔ آپ نہ صرف میدان علم کے بلکہ میدان حرب و ضرب کے بھی شہسوار تھے۔ آپ کو علوم عقلیہ و نقلیہ پر کامل عبور حاصل تھا۔ آپ کے متعلق یہ واقعہ مشہور ہے کہ ذی الحجہ کے مہینہ میں قربانی کا ایک فربہ بکرا آپ اور آپ کے فرزند (جو علوم دینیہ کی تحصیل کے لئے والد کے ساتھ آئے تھے) دونوں نے بآسانی نوش فرمالیا۔ درمیان میں چند سال کے وقفہ کے بعد حضرت مکی قدس سرہ کے دور سرپرستی میں آپ ۱۳۳۶ھ اور ۱۳۳۷ھ میں دوبارہ دار العلوم کے مدرس رہے ہیں۔

جنوب کی باکمال ہستی مولانا مولوی نینا محمد صاحب کائل پٹنم آپ کا شمار بھی اس دور کے قابل اساتذہ میں کیا جاتا ہے۔ آپ نے دار العلوم ہٰذا کے سلسلۂ درس و تدریس میں ایک مدت تک اپنی خدمات پیش کی ہیں۔

اسی دار العلوم کے خوشہ چین حضرت مولانا مولوی سید ہاشم علیم اللہ صاحب قادری بختیاری۔ آپ بہت ذہین طالب علم تھے۔ متعلمی ہی کے دور سے طلباء کو درس دینے لگے تھے، آپ بھی باقاعدہ درس و تدریس کے فرائض انجام دیتے رہے۔ آپ کی خدمات بھی قابل تحسین و صد آفرین ہیں۔

۱۳۱۱ھ میں حضرت مولانا سید شاہ فضل اللہ قادری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے وصال کے بعد آپ کے لائق و فائق فرزند جناب

مولوی سید شاہ حیدر ولی اللہ قادری رحمۃ اللہ علیہ کو اعلیٰحضرت مولانا مولوی رکن الدین سید شاہ محمد قادری قدس سرہ نے منصب نظامت پر فائز کیا۔ آپ انتہائی خلیق اور نرم دل بزرگ تھے۔ آپ کو زبان عربی، فارسی، اردو پر کامل عبور حاصل تھا۔ آپ کی نظامت مختلف ادوار سے گذرتی ہوی ۱۳۶۴ھ میں پیرانہ سالی کی وجہ اختتام پذیر ہوی۔ گویا آپ نصف صدی سے زائد دارالعلوم کے منصب نظامت پر فائز رہے۔

مذکورہ بالا جید علماء و اساتذۂ روزگار کی تربیت میں رہ کر ۱۳۱۱ھ میں دستارِ فضیلت حاصل کرنے والوں میں سے چند اہم شخصیتیں جناب الحاج مولانا محی الدین حسین صاحب چیدہ رحمۃ اللہ علیہ مولانا عبدالرحیم صاحب قریشی مدراسی رحمۃ اللہ علیہ مولانا الحاج حافظ قاری سید قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ آپ حضرات کا معلمانہ دور ۱۳۱۱ھ سے شروع ہوکر اعلیٰحضرت مولانا مولوی رکن الدین سید شاہ محمد قادری کی زیر سرپرستی سے گذرتا ہوا ۱۳۲۵ھ میں آپ رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال کے بعد آپ کے فرزند نور العین شمس العلماء اعلیٰحضرت مولانا مولوی محی الدین سید شاہ عبداللطیف قادری مکی قدس سرہ کی سرپرستی میں ایک مدت تک جاری رہا۔

مذکورہ حضرات میں سے حضرت الحاج مولانا محی الدین حسین چیدہ علیہ الرحمہ کا تقرر دارالعلوم میں بحیثیت مدرس ہوا۔ آپ کی پرخلوص خدمات اور تجربہ کاری کی وجہ حضرت مکی قدس سرہ کے دور میں صدر مدرس کے عہدہ پر فائز ہوے۔ آپ حکیم حاذق بھی تھے۔ کئی ایک لاعلاج مریض کو آپ کے دستِ شفا سے صحت حاصل ہوی۔ اس زمانے میں آپ کے طبی مضامین رسالوں میں شائع ہوتے تھے۔ اس کے علاوہ آپ نے کئی کتابیں تصنیف کی ہیں۔ ۲۴ رجب المرجب ۱۳۳۶ھ بروز جمعہ انتقال فرمایا۔ مزید تفصیلات کے لئے سالنامہ اللطیف ۱۳۸۷ھ ملاحظہ کرلیں۔

مولانا عبدالرحیم صاحب قریشی مدراسی انتقال سے ۳ ماہ بیشتر تقریباً ۱۳۳۳ھ تک دارالعلوم میں مدرسی کی خدمات انجام دیتے رہے۔ آپکو فتویٰ نویسی میں خاص درک حاصل تھا۔ آپ کی خدمات بھی قابل تحسین وستائش ہیں۔ آپ کو بندگان مکان سے والہانہ محبت تھی۔ آخر وقت تک یہی جذبہ کارفرما رہا۔

مولانا الحاج قاری حافظ سید قاسم صاحب دارالعلوم میں فارسی کے باکمال استاذ کی حیثیت سے خدمات انجام دیتے رہے۔ خداتعالیٰ نے آپ کو لحنِ داؤدی سے سرفراز فرمایا تھا۔ آپ کو سبع قرأت پر کامل عبور حاصل تھا۔ آپ شاعر نازک خیال اور استاذ سخن واقع ہوئے ہیں۔ اور فارسی میں آپ کے اشعار قابل دید ہیں۔ آپ بھی تقریباً ۱۳۳۳ھ تک دارالعلوم میں کام کرتے رہے۔ مسلم ہائی اسکول میں منشی کی جاگیر خالی ہونے پر آپ کو وہاں کام کرنے کی اجازت دیدی گئی۔ اس کے علاوہ کئی سال آپ نے او، ایس کالج میں اردو لکچرار کی حیثیت سے کام کیا۔ آخر وقت تک آپ نے مرُ بیان دارالعلوم کے ساتھ اپنے تعلقات کو قائم رکھا۔ آپ کے

ہر قول وفعل سے عقیدتمندی مترشح تھی۔

جنوب کے مایۂ ناز عالم شہاب الدین ابوالسعادت مولانا **مولوی احمد کویا صاحب الشالیانی ملیباری** (آپ نے اعلیٰحضرت رکن الدین سید شاہ محمد قادری قدس سرہ کے دور میں اسی دارالعلوم سے علوم عقلیہ ونقلیہ کی سند تحصیل حاصل کی۔ آپ ہی کیدستِ حق پرست پر بیعت کرتے ہوئے خلافت سے مشرف ہوئے) ۱۳۳۳ھ سے ۱۳۳۶ھ کے اواخر تک دارالعلوم کی مدرسی کے فرائض انجام دیتے رہے۔ آپ عربی کے زبردست ادیب ہونے کے ساتھ فی البدیہہ شاعر بھی تھے۔ آپ کی قادرالکلامی کا یہ عالم تھا کہ خود اہل عرب نے آپ کی زبان دانی پر اظہارِ تعجب کیا۔ اس کے علاوہ آپ کو تفسیر، حدیث، فقہ، ہیئت، توقیت، معنی بیان، عروض وغیرہ میں کامل عبور حاصل تھا۔

ایک مرتبہ ملیباری میں کسی عالم کے اس اعلان پر کہ ملیبار کی کوئی مسجد صحیح قبلہ کی جانب نہیں ہے، لہٰذا مساجد کو توڑ کر از سرنو تعمیر کیا جائے، ایک فتنۂ عظیم رُونما ہوگیا تھا۔ لیکن آپ نے عربی میں ایک جامع اور مدلل رسالہ تحویل قبلہ سے متعلق لکھ کر دندان شکن جواب دیا جسکو دیکھکر لوگوں میں اطمینان کی لہر دوڑ گئی اور فتنہ کی آگ سرد ہوگئی، مذکورہ رسالہ ۱۳۳۰ھ میں مدراس میں شائع ہوا ہے۔ آج بھی مطبوعہ نسخے دارالعلوم کے کتب خانہ میں محفوظ ہیں۔

۱۱ سال کے بعد دوبارہ آپنے اعلیٰحضرت مولانا مولوی الحاج **ابوالفتح سلطان محی الدین سید شاہ عبدالقادر قادری** نقوی رحمۃ اللہ علیہ کے دورِ سرپرستی یعنی ۱۳۴۹ھ میں بحیثیت صدر مدرس خدمات انجام دی ہیں۔

جناب مولانا مولوی سید محمود پیراں صاحب قادری ۱۳۳۴ھ سے ۱۳۳۶ھ تک مولانا مولوی محمد نصیرالدین صاحب چودھری مینمبوری فاضل لطیفیہ نے ۱۳۳۷ھ سے ۱۳۴۰ھ تک مدرسین کی حیثیت سے خدمات انجام دی ہیں۔

جناب مولانا مولوی عبدالعزیز صاحب ویلوری ۱۳۳۸ھ سے ۱۳۴۰ھ تک دارالعلوم میں مدرس کے عہدہ پر فائز رہے۔ آپ حضرات کو بھی جملہ علوم وفنون میں کامل درک حاصل تھا۔

اسی دارالعلوم کے ایک مایۂ ناز فارغ التحصیل جناب **مولانا مولوی محمد صاحب رامناڈ** ضلع کالی کوٹ کا تذکرہ بھی اہم ہے، جو عظیم صلاحیتوں کے مالک تھے۔ آپ کو نہ صرف فقہ شافعیہ پر بلکہ فقہ حنفیہ میں بھی دسترس حاصل تھی۔۔ اس کے علاوہ تفسیر، حدیث فلسفہ، ہیئت وغیرہ میں آپ کو درک حاصل تھا۔ آپ ۱۳۳۷ھ سے ۱۳۴۴ھ کے اواخر تک مسلسل دارالعلوم میں مدرس کی حیثیت سے خدمات انجام دیتے رہے۔

مولانا سید شاہ شہاب الدین صاحب قادری ترچناپلی، آپ بھی اسی دارالعلوم کے فارغ تحصیل ہیں۔ ۱۳۳۰ھ میں جبکہ آپ کی عمر ۱۵ سال کی تھی، دارالعلوم میں داخل ہوئے، حضرت مکی قدس سرہ کے زیرسایہ اور قابل اساتذہ کی نگرانی میں علم کے

مدارج طے کرتے گئے۔آپ ۱۳۳۸ھ میں دارالعلوم سے فارغ ہوئے اور اسی سال حضرت مکی قدس سرہ کے دست فیض اقدس پر بیعت کی، اور خلافت سے مشرف ہوئے۔ ۱۳۳۸ھ میں آپ کا تقرر بحیثیت مدرس ہوا۔ آگے چل کر آپ نائب ناظم کی حیثیت سے خدمات انجام دیتے رہے۔فتویٰ نویسی میں آپ کو مہارت تامہ حاصل تھی۔ چند اہم فتاوے جنکو آپ نے ترتیب دیا ہے قابل دید ہیں۔۱۳۶۳ھ میں دارالعلوم کی مذکورہ خدمات سے سبکدوش ہوگئے (مزید تفصیلات کے لئے سالنامۂ اللطیف ۱۳۸۶ھ ملاحظہ فرمالیں)

آفتاب شمال مولانا **قاضی غلام نبی صاحب** ساکن گیدڑ پور ضلع ہزارا (آپ مولانا شبیر احمد عثمانی صدر جمیعۃ العلماء کے ہم سبق وساتھی تھے) یہ روایت مشہور ہے کہ آپ کو سلوک کہ ایک اہم مسئلہ میں تشویش تھی جسکے حل کے لئے مختلف مقامات پر گئے۔لیکن کامیابی حاصل نہیں ہوی، جب دارالعلوم میں آپ کا تقرر بحیثیت مدرس ہوا تو ایک دن دارالعلوم کے کتبخانہ میں جواہر السلوک (تصنیف انیف اعلیحضرت مولانا مولوی محی الدین سید شاہ عبداللطیف قادری المشہور بہ حضرت قطب ویلور قدس سرہ العزیز) نظر آئی۔آپ نے بصد اشتیاق اس کتاب کو کھولا جس مسئلہ میں آپ کو تشویش تھی جوں ہی اس کے حل پر نظر پڑی فرطِ مسرت سے جھوم اُٹھے اور سیدھے اعلیحضرت مولانا مولوی الحاج ابوالفتح سلطان محی الدین سید شاہ عبدالقادر قادری نقوی سجادہ نشین مکان حضرت قطب ویلور کی بارگاہ میں تشریف لے گئے اور سارا واقعہ سناتے ہوئے فرمایا کہ اگر میں یہاں نہیں آتا تو زندگی بھر یہ مسئلہ حل نہ ہوتا اور تشنگی ختم نہ ہوتی۔آپ ۱۳۴۲ھ ۱۳۴۳ھ میں یہاں صدر مدرس کے عہدہ پر فائز رہے۔آپ کو تقریر میں زبردست ملکہ حاصل تھا۔کسی ایک موضوع پر گھنٹوں روشنی ڈالتے ،آپ نے **سورۂ انا اعطینٰک** پر مسلسل تین گھنٹے تقریر کی سلسلۂ تقاریر میں آپکو تھکن محسوس ہوتی نہ لوگ بیزار ہوتے اس کے برخلاف ان کی دلچسپیاں اور بڑھ جاتیں۔

جناب مولانا **محمد اسرائیل صاحب** ساکن خاکی ضلع ہزارہ آپ تفسیر، حدیث، فقہ، فلکیات وغیرہ کے ماہر تھے۔ ۱۳۴۵ھ سے ۱۳۴۷ھ تک دارالعلوم کے صدر مدرس کی حیثیت سے اپنے فرائض انجام دیتے تھے۔آپ کو اپنی ذمہ داریوں کا اچھی طرح احساس تھا۔۱۰ شعبان المعظم کی شب کو یہاں سے رخصت ہوکر وطن پہنچے، پھر وہاں سے ہزاروں میل کی طویل مسافت طے کرتے ہوئے ۱۰ شوال المکرم کو دارالعلوم پہنچ جاتے۔وقت کی پابندی آپ کی خصوصیت بن گئی تھی۔آپ طبعاً کم سخن تھے تفہیم مسائل اور زہد و تقویٰ میں آپ اپنی مثال تھے۔

جناب الحاج مولانا **مفتی عبدالرشید خان صاحب فتحپوری** ۱۳۴۹ھ میں بحیثیت صدر مدرس آپ کا تقرر ہوا۔ آپ نہ صرف فقیہہ ومفتی بلکہ ایک صوفی منش بزرگ بھی ہیں۔آپ کی شخصیت جامع الکمالات ہے، فی الوقت آپ جامع عربیہ اسلامیہ ناگپور کے سرپرست ہیں۔ایسے پُرفتن اور تاریک دور میں عزم واستقلال کے ساتھ ایمان کی شمع فروزاں کئے ہوئے سینکڑوں طالبان علوم کی خدمت انجام دے رہے ہیں۔خداتعالیٰ آپ کے عزم وہمت کو توانائی بخشے۔

مولانا ہی کے دور میں صدر مدرس مولانا مولوی سید غلام حیدر صاحب پشاوری ۱۳۴۹ھ اور ۱۳۵۰ھ میں مدرس کی حیثیت

سے خدمت انجام دیتے رہے ہیں۔ دیگر حضرات کی طرح آپ کی شخصیت بھی ممتاز واقع ہوی ہے۔

دکن کی ایک مایۂ ناز شخصیت مولانا احمد کٹی صاحب ساکن کونتور ضلع ملابار، آپ حضرت کی قدس سرہٗ کی زیر سرپرستی دارالعلوم کے نصاب کی تکمیل میں مشغول رہے اور سند تحصیل حاصل کی، آپ کی اعلیٰ صلاحیتوں کے پیش نظر آپ کا تقرر بحثیت مدرس ۱۳۵۰ھ میں ہوا ۱۳۵۵ھ کے اواخر تک آپ اس عہدہ پر فائز رہے۔ آپ کو تفسیر، حدیث، فقہ شافیعہ وحنفیہ۔ تاریخ معانی بیان، منطق و فلسفہ میں کمال حاصل تھا۔

جناب مولانا مولوی سید شاہ حسام الدین صاحب قادری ساکن گڈیاتم ضلع شمالی آرکاٹ، آپ ۱۳۵۲ھ اور ۱۳۵۳ھ میں مدرس کے عہدہ پر فائز رہے۔ درمیان میں ایک طویل وقفہ کے بعد دوبارہ ۱۳۸۰ھ میں آپ کا تقرر ہوا۔ ایک سال تک دارالعلوم میں اپنے فرائض انجام دیتے رہے۔

بعدازاں طبیعت کی ناسازگی کی وجہ وطن چلے گئے۔ اسی سال رمضان المبارک میں آپ کا انتقال ہوگیا۔ آپ کو معقولات و منقولات میں کافی درک حاصل تھا اور آپ کی زندگی کا اکثر حصہ درس وتدریس میں صرف ہوا۔

جناب مولانا مولوی غلام جیلانی صاحب محلہ کریم الدین پورا پوسٹ گھوسی ضلع اعظم گڈھ کا تقرر ۱۳۵۳ھ میں ہوا۔ آپ کی خدمات بھی قابل ستائش ہیں۔ فی الوقت آپ مدرس فیض الرسول ضلع بستی، یو، پی، کے صدر مدرس ہیں۔ خدا تعالیٰ آپ کے حوصلوں کو بلند اور ارادوں کو کامیاب بنائے۔ آمین۔

شمالی ہند کی ایک اور نامور شخصیت جناب مولانا مولوی محمد رضوان الرحمٰن صاحب۔ سہوان ضلع بدایون آپ دارالعلوم میں بحثیت مدرس ۱۳۵۴ھ کے اواخر تک انجام دیتے رہے۔ آپ بھی بلند پایہ عالم، معقولات ومنقولات میں کافی درک رکھتے ہیں۔ فی الوقت جامع مسجد انڈور میں مفتی کی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ دعا ہے کہ خدا تعالیٰ آپ کی خدماتِ صالحہ کو قبول فرمائے۔

اسی دارالعلوم کے مایہ ناز طالب العلم جناب مولانا مولوی ابوالمعالی علوی صاحب آئمنگاڈ ضلع ملابار۔ آپ نے فاضل اساتذۂ وقت کے زیر تربیت علوم عقلیہ ونقلیہ کی تحصیل کی فراغت کے بعد ۱۳۵۸ھ میں بحثیت مدرس آپ کا تقرر ہوا۔ آپ اپنے اساتذۂ کرام کے صحیح جانشین اور علم تفسیر، حدیث، فقہ شافیعہ وحنفیہ کے ماہر ہیں۔ آج بھی آپ دارالعلوم میں درس وتدریس کے علاوہ فتویٰ نویسی کی خدمات انجام رہے ہیں۔ خدائے عزوجل آپ کو آفات ارضی وسماوی سے محفوظ رکھے آمین۔

جناب مولانا مولوی سید شاہ حیدر ولی اللہؒ کے نظامت سے سبکدوش ہونے کے بعد ۱۳۶۴ھ میں عالیجناب اعلیٰحضرت مولانا مولوی الحاج ابوالفتح سلطان محی الدین سید شاہ عبدالقادر قادری قدس سرہٗ نے اپنے منجھلے برادر عالیجناب مولانا مولوی ابوالنصر قطب الدین سید شاہ محمد باقر صاحب قبلہ قادری مدظلہ العالی کو منصبِ نظامت پر فائز فرمایا۔

۱۳۷۷ھ میں جناب مولوی حافظ سید عابد صاحب (آپ نے اعلیٰحضرت رکن الدین سید شاہ محمد قادری قدس سرہٗ کے دورِ سرپرستی میں اسی دارالعلوم میں رہ کر حفظ قرآن اور دیگر علوم حاصل کیا) آپ کا تقرر شعبۂ حفاظ کی تعلیم وتربیت کے لئے ہوا۔ آپ کی زیر تربیت اب تک حفاظ کی کئی ایک جماعتیں فارغ ہو چکی ہیں۔

۱۳۷۸ھ میں عالیجناب اعلیحضرت مولانا مولوی ابوالنصر قطب الدین سید شاہ محمد باقر صاحب قبلہ قادری مدظلہ العالی نے مسند سجادگی پر جلوہ فگن ہونے کے بعد اپنے برادر عزیز عالیجناب مولانا ابوالحسن صدرالدین سید شاہ محمد طاھر صاحب قبلہ قادری، بی، اے، مدظلہ العالی کو منصب نظامت پر فائز فرمایا۔

اسی دور میں جناب مولانا مولوی حافظ محمد زکریا صاحب ادیب خاور راچوٹی (مصنف خانوادۂ اقطاب ویلور قدس سرہم) جناب مولانا مولوی حافظ محمد سلیم احمد صاحب پورنیا ضلع بہار، جناب نصرالدین صاحب بہاری نے مدرس کی حیثیت سے اپنی اپنی خدمات انجام دی ہیں۔ اسی دور کی باکمال شخصیت جناب مولانا مولوی محمد طیب الدین صاحب اشرفی مونگریلی، بہار کا تقرر ۱۳۸۰ھ میں ہوا۔ آپ مسلسل چھ سال تک دارالعلوم میں اپنے فرائض انجام دیتے رہے۔ آپ کو معقولات ومنقولات میں کافی درک حاصل ہونے کے علاوہ علم تصوف میں خاص لگاؤ تھا۔ آپ نے سرپرستانِ دارالعلوم رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی مختلف کتابوں کا ترجمہ کیا، جس میں قابل ذکر، میزان العقائد، بیعت غائب وحاضر، رسائل قربی وغیرہ ہیں۔ اس کے علاوہ آپ نے 'انوار اقطاب ویلور' کے نام سے ایک کتاب تصنیف کی جس میں تمام بزرگان مکان حضرت قطب ویلور قدس اسرارہم کی سہ صد سالہ تاریخ درج ہے۔ کتاب قابل دید اور تاریخ جنوب کا اہم جز ہے۔ مذکورہ کتابیں دارالتصنیف والاشاعت مکان حضرت قطب ویلور قدس سرہٗ سے شائع ہو چکی ہیں۔ ان کے علاوہ آپ کئی سال تک دارالعلوم سے شائع ہونے والا سالنامہ اللطیف کے مدیر بھی رہ چکے ہیں۔ آپ ۱۳۸۶ھ کے اواخر خانگی مجبوریوں کے تحت مذکورہ ذمہ داریوں سے سبکدوش ہو گئے۔

آپ کو کتابوں سے انتہائی شغف تھا جسکو دیکھ کر حضرت ناظم مدظلہ العالی نے آپ پر کتب خانہ کے دروازے کھول دئے۔ آپ یہاں رہ کر اپنی محنت وجانفشانی سے افادہ کے ساتھ استفادہ بہت کیا۔ خدائے تعالیٰ آپ کو دین ودنیا میں کامران فرمائے۔ اور ارادوں میں صالحیت بخشے۔

اسی دور کی ایک اور باکمال شخصیت جناب مولانا مولوی سید حمید اشرف صاحب کچھوچھوی فیض آباد، یو۔ پی۔ کا تقرر ۱۳۸۱ھ میں ہوا۔ اور آپ ایک بزرگ خاندان کے چشم وچراغ ہونے کے علاوہ آپ کا تعلق کچھوچھہ شریف کے مشہور ومعروف بزرگ سیدنا ومولانا مخدوم سید شاہ اشرف جہانگیر سمنانی قدس سرہ سے ہے۔

آپ کو تفسیر، حدیث، فقہ، اصول فقہ، ادب ومنطق میں کامل مہارت حاصل ہے، اسوقت آپ دارالعلوم کے مدرس اور

سالنامہ اللطیف کے مدیر ہیں۔اس کے علاوہ آپ بزرگان مکان کی کتابوں پر ریسرچ کر رہے ہیں۔عقائد ذوقی پر کام ہو رہا ہے۔جس کا پہلا حصہ عنقریب منظر عام پر آئے گا۔

جناب مولانا مولوی عبدالواحد صاحب جونپوری کا تقرر ۱۳۸۴ھ میں ہوا آج بھی آپ دارالعلوم میں اپنے فرائض انجام دے رہے ہیں، آپ کو تفسیر، حدیث، فقہ منطق، معانی بیان، نحو وصرف وغیرہ میں مہارت تامہ حاصل ہے۔آپ ہر پیچیدہ اور کھٹن ،مسئلہ کو اس آسانی کے ساتھ طلبا کے ذہن میں ڈالدیتے ہیں کہ معمولی ذہانت کا طالب العلم بھی بآسانی انگیز کر لیتا ہے۔

جناب مولانا سید احمد قادری صاحب قادری بھی ایک عرصہ دراز سے خدمات انجام دے رہے ہیں ۱۳۸۲ھ میں مولوی سید مصطفیٰ حسین بخاری کڈپوی (فاضل لطیفیہ) کا اور ۱۳۸۷ھ میں جناب مولوی محمد بشیر احمد صاحب اکرمیؔ بھٹکلی (فاضل لطیفیہ) جناب مولوی سید انوار اللہ صاحب تورگلی ضلع بلگام (فاضل لطیفیہ) اور جناب مولوی بشیر احمد صاحب کٹورانچوری کا تقرر رہوا۔

الحمدللہ ہر سال میں طلبائے عزیز اور اساتذہ کرام کا اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔آج بھی اس دارالعلوم میں شمال وجنوب کے علماء کرام منصب درس وتدریس پر فائز ہیں۔یہ اسی دارالعلوم کی خصوصیت ہے کہ صدیوں سے شمال جنوب کے علماء کا سنگم اور اہل علم کا مرکز بنا ہوا ہے۔تشنگان علوم حکمت ہیں اس سرچشمہ ہدایت سے سیراب ہوتے جا رہے ہیں۔خدائے عزوجل دارالعلوم کو تا قیامت قائم رکھے اور مربیانِ دارالعلوم کے جذبات صالحہ میں برکت عطا فرماتے ہوے۔ان کے سایۂ ھمایونی کو تادیر ہم پر جلوہ فگن فرمائے۔آمین

از مولوی سید مصطفیٰ حسین بخاری کڈپوی مدرس دارالعلوم لطیفیہ حضرت قطب ویلور قدس سرہٗ بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم

دارالعلوم لطیفیہ حضرت مکان۔ویلور بقلم: ڈاکٹر راھی فدائی

مخزنِ عرفانِ دیں، حضرت مکان　　معدنِ علم و یقیں، حضرت مکان

شاہِ شاہاں حضرتِ عبداللطیف　　آپ کا قصرِ حسیں حضرت مکان

قربی و ذوقی و محوی، محوِ خواب　　خواب گاہِ کاملیں، حضرت مکان

قطبِ ویلوری کا مولد بھی یہی　　جلوہ گاہِ عارفیں، حضرت مکان

مجمع اقطابِ عالم ہے یہاں　　کیا مقدس سرزمیں، حضرت مکان

تو گلستانِ تصوف، باغِ علم　　سب ہیں تیرے خوشہ چیں، حضرت مکان

آستاں یہ ربِ تعالیٰ زندہ باد　　یہ رہے روشن جبیں، حضرت مکان

ضو فشاں یوں ہی رہے گا تا ابد
علم و عرفاں کا امیں، حضرت مکان

دارالعلوم لطیفیہ ویلور کے مایۂ ناز استاذ

حضرت مولانا سیّد حمید اشرف کچھوچھوی علیہ الرحمہ

ادارہ

مولانا سید حمید اشرف کچھوچھہ شریف میں پیدا ہوے۔ غالباً ۱۹۳۰ء کے آس پاس تاریخ پیدائش ہوگی۔ والد کا نام سید حبیب اشرف ہے۔ سید حبیب اشرف تقویٰ اور کردار کی بلندی میں کچھوچھہ شریف میں ممتاز ترین تھے۔ تحصیل علم وعبادت اور ریاضت سب سے بڑا مشغلہ تھا۔ انھوں نے اپنے سبھی بچوں کو اعلیٰ تعلیم دلائی۔

سید حمید اشرف نے ابتدائی تعلیم مقامی مکتب میں پائی۔ پھر کچھوچھہ شریف میں مدرسۂ جامعہ اشرفیہ میں درسِ نظامی کی تحصیل میں لگ گئے۔ شرح جامی تک پڑھا تھا کہ یہاں سے چھوڑ کر مدرسۂ اشرفیہ مبارک پور چلے گئے۔ وہاں دوبارہ شرح جامی پڑھی۔ پھر وہاں سے بھی نکل کر جونپور آے۔ یہاں کا قدیم شہرت یافتہ مدرسہ حنفیہ اب بھی اپنی دیرینہ روایات پر چل رہا تھا اور یہاں کے مشہور عالمِ دین مولانا عبدالقیوم محمد قائم فرنگی محلی، تنہا استاد تھے۔ یہ مدرسہ نواب جونپور کی سرپرستی میں آ گیا تھا اور وہی اس کے کفیل تھے۔ مولانا حمید اشرف نے یہاں مشکوٰۃ شریف ختم کی۔ مولانا عبدالقیوم محمد قائم کی بینائی بہت کم زور ہوگئی تھی اور عزیز اور ہونہار شاگرد مولانا حمید اشرف کو پڑھانے کے لیے مطالعہ کرنا اور تیاری کرنا ضروری تھا۔ بینائی کی کمزوری کے سبب استاد نے شاگرد سے کہا کہ تمہاری استعداد کسی منتہی طالب علم سے کم نہیں بلکہ زیادہ ہے۔ اس لیے اب تمہاری دستار بندی کردی جاے اور سندِ فضیلت دے دی جاے۔ لیکن مولانا سید حمید اشرف کو یہ منظور نہ ہوا۔ اس لیے مولانا نظام الدین الہ آبادی کی شہرت سُن کر چند ماہ اُن کے آگے بھی زانوے بلند تہہ کیا۔ لیکن چند ماہ بعد وہاں سے بھی واپس آ گئے۔ انھوں نے مولانا ابراھیم اور مولانا اعزاز علی کی شہرت سُن کر رکھی تھی۔ یہ دونوں استاد دیوبند میں تھے۔ ان کی شہرت سُن کر مولانا سید حمید اشرف دیوبند گئے اور آخر کار وہاں سے سندِ فراغت حاصل کی۔

سند فراغت حاصل کرنے کے بعد کئی جگہ درس دیا۔ ناگپور، بہرائچ، گونڈہ وغیرہ آخر میں ویلور پہنچ گئے۔ اور دارالعلوم لطیفیہ، مکانِ حضرت قطب ویلور میں منصب درس وتدریس پر فائز ہوگئے۔ یہ بیسویں صدی عیسوی کا وسطی دور تھا اور اس وقت دارالعلوم لطیفیہ کی زمام نظامت حضرت مولانا ابوالحسن صدرالدین سید شاہ محمد طاہر قادری رحمۃ اللہ علیہ بی، اے، کے ہاتھوں میں تھی۔ جن کی سرپرستی میں شمال وجنوب کے لائق وفائق علماء وفضلاء درس دے رہے تھے۔ جن میں مولانا مولوی عبدالواحد جونپوری اور حضرت مولانا مولوی محمد طیب الدین اشرفی مونگیری، حضرت مولانا مولوی ابوالمعالی علوی ملیباری نمایاں حیثیت رکھتے تھے۔

مولانا سید حمید اشرف کو درسِ نظامیہ کی کتب متداولہ میں مہارتِ تامہ حاصل تھی اور آپ حدیث، فقہ اور عربی وفارسی ادب کا درس دیا کرتے تھے۔ آپ کو فنِ تصوف سے ذاتی شغف اور خاندانی وابستگی تھی۔ اس طرح آپ نے تعلیم وتدریس کے ساتھ ساتھ تزکیۂ اور تطہیر کا کام بھی خوش اسلوبی کے ساتھ انجام دیا۔

مولانا حمید اشرف ایک بہترین مصنف اور مترجم بھی تھے۔آپ نے بزرگانِ مکان کی فارسی کتابوں کو اردو کا جامہ پہنایا۔ جن میں انشائے عقائد ذوقی بھی ہے۔آپ کی نوک قلم سے بے شمار علمی وفقہی اور تحقیقی مضامین نکلے اور ''اللطیف'' کی زینت بنے۔ اگران کی تدوین کی جائے تو مولانا کی ایک بہترین تصنیف قرار پائیں گے۔

مولانا جب تک دار العلوم میں مدرس رہے۔اس وقت تک ''اللطیف'' کی ادارت آپ کے تحویل رہی اور آپ نے ادارت کے فرائض کو بڑی خوبی وعمدگی اور پورے خلوص کے ساتھ انجام دیا۔اور اسی کے ساتھ آپ نے طلباء کے اندر تحریری ذوق اور ان کے اندر انشاء پردازی کی قابلیت پیدا فرمائی۔اور افراد سازی کا عظیم الشان کام انجام دیا۔جس کا فیضان ہے کہ آپ دار العلوم لطیفیہ سے علاحدہ ہونے کے بعد بھی یہاں کی دنیائے تصنیف بارونق اور آباد ہے۔

آپ کے فیض یافتگان اور خوشہ چینوں میں مولانا مولوی ابوالمکارم سید مصطفےٰ حسین بخاری لطیفی اور مولانا مولوی حافظ ابوالنعمان بشیر الحق قریشی لطیفی ایم،اے، کے نام قابل ذکر ہیں۔جن کے ذریعہ دار العلوم لطیفیہ میں علمی وادبی اور تحریری وتصنیفی عمل جاری رہ سکا۔

مولانا کو افتاء میں بھی بصیرت حاصل تھی۔دار العلوم کی جانب سے صادر ہونے والے تمام فتاویٰ آپ کی نظر سے گزرتے تھے اور اصلاح وترمیم فرماتے اور تصدیق وتصویب فرماتے تھے۔چنانچہ فتاویٰ کے دفتروں میں آج بھی آپ کی دستخط موجود ہیں۔

مولانا ایک خلیق اور باکردار شخصیت کے مالک تھے۔تمام اساتذہ کرام کے ساتھ آپ کے تعلقات خوش گوار تھے۔طلباء کے ساتھ بڑی شفقت اور محبت کا برتاؤ تھا۔انتظامیہ بھی آپ کی صلاحیتوں اور آپ کے کردار کی بلندیوں سے بہت متاثر اور بڑا قدردان تھا۔

مدرسی کے زمانہ ہی میں انھوں نے انگریزی زبان بھی سیکھنا شروع کر دیا تھا۔درس نظامیہ کے علاوہ انھوں نے الہ آباد سے درسِ حالیہ کی بھی سندیں حاصل کیں۔جو یہاں یوپی گورنمنٹ اور بعض یونیورسٹیوں سے بھی تسلیم شدہ ہیں۔اس بنیاد پر انھوں نے ہائی اسکول، انٹرمیڈیٹ اور بی،اے، کے انگریزی امتحانات پاس کئے۔ان امتحانات میں انگریزی کا Advanced Course ہوتا ہے۔اس لیے ان کو انگریزی میں اچھی استعداد حاصل کرنی پڑی۔پھر علیگڑھ یونیورسٹی سے عربی میں ایم،اے، اور ایم،فل؛ کیا۔

مولانا نے لوگوں کے اصرار پر تھوڑے دنوں یعنی چند ماہ پیری مریدی بھی کی۔ہمارے گھر میں پیری مریدی تو تھی۔لیکن اسے کبھی بھی ذریعۂ معاش نہیں بنایا گیا۔جگہ جگہ تقریر کرنے کے لئے جلسوں کے انعقاد کا بھی کوئی اہتمام نہیں کیا گیا۔گھر کی حیثیت خانقاہ کی تھی اور خانقاہ ہی زندگی تھی۔چنانچہ اسی گھر میں امیرِ ملت مولانا سید امیر اشرف کی تربیت ہوی جو آگے چل کر بالکل تارک الدنیا ہو گئے۔زبان میں وہ اثر تھا کہ جو منہ سے نکل جائے وہ پتھر کی لکیر تھا۔مولانا حمید اشرف نے چند ماہ پیری مرید کا تجربہ کیا۔مریدوں سے جو کچھ حاصل ہوا وہ وہیں غریبوں میں تقسیم کر دیا اور خود خالی ہاتھ گھر واپس آگئے۔پھر اسے مطلق چھوڑ دیا۔

انگریزی اور عربی زبانوں میں جو انھیں استعداد حاصل تھی، وہ علماء میں بہت کم دیکھنے میں آتی ہے۔ان کی استعداد کو دیکھ کر

کسی نے انھیں سعودی عرب میں جگہ دلادی۔ جہاں انھیں عربی سے انگریزی میں ترجمہ کا کام مل گیا۔ چند سال وہاں رہے۔ وہاں کی آمدنی سے انھوں نے اپنی غریب بہنوں کی مدد کی۔ اس کے بعد واپس آ گئے۔

بمبئی کے پاس ایک جگہ ممبرا ہے۔ وہاں کسی مدرسہ میں عارضی طور پر درسی حدیث کے لیے انھیں بلایا گیا۔ بڑے اصرار کے بعد انھوں نے قبول کرلیا۔ جلسۂ دستار بندی کے وقت انھیں طلباء سے خطاب کرنے کو کہا گیا۔ تقریر وخطابت سے ان کو دلچسپی نہ تھی۔ سینہ بھی کمزور تھا۔ بڑے اصرار پر آمادہ ہوے۔ اور کہا جب مجھے عربی کے طلباء کو خطاب کرنا ہے تو عربی زبان ہی میں خطاب کرنا چاہئے۔ پھر ایک گھنٹہ عربی زبان میں تقریر کی۔ بعد میں اردو میں بھی خلاصہ پیش کردیا۔ وہاں کسی مولوی کو عربی زبان میں تقریر کرتے ہوئے لوگوں نے پہلی بار دیکھا۔ چوں کہ وہ ایم،اے، اور ایم فل؛ بھی تھے۔ اس لیے مہاراشٹرا کالج ممبئی کے لوگوں نے اپنے کالج میں عربی پڑھانے کے لیے مقرر کرنا چاہا۔ لیکن کالجوں میں عربی تعلیم مدارس کی طرح نہیں ہوتی۔ کالجوں میں چند کتابیں کے چند انتخابات ہی پڑھائے جاتے ہیں۔ کالج والوں نے کہا کہ آپ کو گورنمنٹ سے منظور شدہ تنخواہ ملے گی۔ جو کسی مدرسہ میں نہیں مل سکتی۔ لیکن انھوں نے یہ کہہ کر انکار کردیا کہ اب میری زندگی کا مقصد روپیہ کمانا نہیں ہے بلکہ حدیث کی خدمت کرنا ہے اور وہ آپ کے کالج میں رہ کر نہیں ہوسکتی۔

ممبرا کے مدرسہ کے بعض طلباء کا بیان ہے کہ مولانا سید حمید اشرف جب بخاری شریف کا درس دیتے تھے تو طلباء سے کہتے تھے کہ وہ جتنے صفحات چاہیں پڑھیں دوسرے یہ کہ ہر حدیث کی لغات، سلسلۂ روایت راوی کا ثقہ یا غیر ثقہ ہونا۔ نحوی وصرفی مسائل اور اس سے متعلق تمام مسائل پر فی البدیہہ بحث کرتے تھے۔ حدیث پر ایسا ملکہ اس زمانہ میں دیکھا نہیں گیا۔ یہی نہیں بلکہ وہ درسِ نظامی کے ہر مضمون پر ایسی نظر رکھتے تھے کہ سننے والا یہ محسوس کرتا تھا کہ وہ مضمون میں اختصاص رکھتے تھے۔ فلسفہ ومنطق، صرف ونحو، علم حدیث، عربی ادب غرض کہ متداول علوم کا کوئی گوشہ ایسا نہیں تھا جس میں وہ کامل دستگاہ نہ رکھتے ہوں۔

مولانا کے مزاج میں حد سے زیادہ کسرنفسی اور درویشی تھی۔ انھیں اپنے وفورِ علم کا احساس تھا۔ علم کا احساس آدمی میں بڑائی کا احساس پیدا کرتا ہے۔ نفس کی اس علت کو توڑنے کے لیے کچھ دنوں چھوٹے بچوں کو پڑھانے کی نوکری کی۔ ایک درخت کے نیچے بیٹھ کر الف با وغیرہ پڑھاتے تھے۔ لوگ دیکھ کر ہنستے اور مذاق اڑاتے تھے۔ ظاہر ہے زمانہ کا مزاج ایسا ہی ہوتا ہے۔

خاندانی وجاہت کا لباس کبھی نہیں پہنا۔ اکثر کرتے کا بٹن کھلا ہی رہتا۔ گھر میں دوسروں کے کھانے کا اہتمام کرتے اپنے لیے چنے کی روٹی اور چٹنی پسند کرتے۔ سارا رمضان شریف میں بھی اکثر یہی کھاتے تھے۔

مولانا سے میں نے بھی چند کتابیں پڑھیں۔ اُن کے ساتھ رہنے کا اتنا موقعہ نہ ملا کہ میں ان سے پوری تعلیم حاصل کرسکتا۔ علم الصیغہ اور ایک کتابِ فقہ میں پڑھی۔ میں نے درسِ نظامی میں پڑھانے کے طریقہ پر بعض اعتراضات کئے، بحثیں بھی کیں۔ آخر میں انھوں نے یہ جواب دیا کہ اگر اس طرح نہ پڑھائیں تو ہمیں نہ قابل سمجھا جائے۔ درسِ نظامیہ میں تدریس کا یہی اسلوب ہے۔ میں نے کہا کہ اس طرح وقت بہت ضائع ہوتا ہے۔ زمانہ اتنی ترقی کرگیا کہ کم وقت میں آدمی زیادہ حاصل کرسکتا ہے۔

گھر سے ایک روز صبح کو فیض آباد یا لکھنؤ کے لیے نکلے۔ بعض دیکھنے والوں کا بیان ہے کہ انھیں جانے سے منع کیا۔ ایک صاحب نے کہا : چچا! آپ کے جانے سے یہ درخت اداس نظر آرہے ہیں۔ لیکن مشیّت ایزدی کو جو منظور ہوتا ہے وہ ہو کر رہتا ہے۔ غالباً واپسی میں جیپ بے راہ ہوگئی اور کسی درخت سے ٹکرا گئی۔ یہ حادثہ جان لیوا ثابت ہوا۔ شرعی اعتبار سے یہ موت شہادت کا درجہ رکھتی ہے۔

یس. محمد یوسف شماسؔ۔
قاضی پورہ ادھونی

علم و عرفاں کا مکاں حضرت مکاں — دین کا زندہ نشاں حضرت مکاں

ارضِ دکّن کو ہے جس سے روشنی — جس کا ہے رفعت نشاں حضرت مکاں

غنچے عرفاں کے یہاں سے کھِل گئے — مہکا جس سے یہ جہاں حضرت مکاں

طائرانِ قدس منڈلاتے رہے — نورِ حق کا آشیاں حضرت مکاں

معدنِ عرفان سے حاصل ہوئے — علم کے گوہر فشاں حضرت مکاں

دیکھیے پیکر ہے ڈھالے نور کے — قدسیوں کا ہے گماں حضرت مکاں

کیاریاں ہر فن کی ایں جا سج گئیں — لہلہاتے گلستاں حضرت مکاں

منتشر ہو جائے نہ بھٹکے کہیں — تھامے ملت کی عناں حضرت مکاں

غازیانِ حق رواں ہیں صف بہ صف — جن کا میرِ کارواں حضرت مکاں

گرم صحرا میں ابھی شماسؔ یہ
ہے خنک تر سائباں حضرت مکاں

مولانا مولوی سید شاہ مصطفی حسین بخاری لطیفی کشفی

از ڈاکٹر راہی فدائی کڈپوی۔

آپ خاندان سادات بخارا کے چشم و چراغ ہیں، آپ کے والد حضرت سید حسن بخاری عرف سید پیر باشاہ ابن حضرت ابوالحسن سید شاہ عبدالقادر بخاری کا شمار شہر کڈپہ کے باوقار معزز تاجروں میں ہوتا ہے۔ جنھوں نے خاندانی شرافت کے باوصف رزق حلال کے لیے محنت و مشقت سے کبھی جی نہیں چرایا۔ مولانا بخاری صاحب کی ولادت شہر حیدرآباد میں بتاریخ ۲۹ دسمبر ۱۹۳۸ء ہوئی۔ تعلیم کی شروعات گھر پر اپنے والد کی رہنمائی میں اور پھر مدرسہ اسلامیہ جامع مسجد کڈپہ کے ناظر و بانی مشہور عالم دین و مصلح ملت حضرت مولانا مولوی سید شاہ محمد یعقوب صاحب بغدادی باقوی مدظلہ العالی کے زیر سرپرستی ہوئی۔ ابتدائی فارسی و عربی کی تکمیل کے بعد مولانا بخاری صاحب نے ۱۹۵۶ء میں ویلور کا رُخ کیا اور دارالعلوم لطیفیہ حضرت مکان میں مولوی کورس میں داخلہ حاصل کرلیا۔ جہاں آپ نے مولانا محمد طیب الدین اشرفی بہاری، مولانا سید حمید اشرف کچھوچوی اور مولانا مفتی ابوالعالی علوی ملیباری جیسے علماء و فضلاء سے اعلیٰ تعلیم حاصل کی۔ آپ کی فراغت ۱۹۶۳ء میں درجۂ عالمیت سے اور ۱۹۶۵ء میں درجۂ فضیلت سے ہوئی۔ چونکہ آپ ایک ہونہار، محنتی، بااخلاق اور باصلاحیت طالب علم تھے اس لئے فراغت کے فوری بعد ۱۹۶۶ء میں آپ کو اپنے مادر علمی ہی میں خدمت درس و تدریس پر مامور کردیا گیا۔ شہر کڈپہ پر جہاں آپ کا بچپن گزرا شعر و شاعری کے خوش گوار ماحول کے لئے دور دور تک مشہور ہے۔ کڈپہ میں سالانہ تین چار عظیم مشاعرے اور وقتاً فوقتاً ادبی محفلیں منعقد ہوتی رہتی ہیں۔ مولانا بخاری پر ان کا خاصہ اثر پڑا اور آپ جب مدرسہ لطیفیہ پہنچے تو وہاں کا خالص علمی و ادبی ماحول نے سونے پہ سہاگا کا کام دیا، قابل اساتذۂ کرام کی رہنمائی نے آپ کے ذوق کو مہمیز لگائی تو آپ بخاری سے قیصر بن گئے اور میدان شعر و سخن میں شہہ سواری کرنے لگے۔ ان ہی دنوں میں حضرت علامہ شاکر نائطی سے ملاقات ہوئی تھی۔ حضرت شاکر نائطی اپنے بزرگوں سے ملاقات کرنے عمرآباد سے حضرت مکان ویلور کثرت سے آیا جایا کرتے تھے۔ مولانا بخاری نے اس موقعہ کو غنیمت سمجھ کر آپ سے خوب اکتساب فیض کیا جس کی بدولت مولانا بخاری کا ادبی ذوق کافی حد تک جلا یا گیا۔ حضرت شاکر نائطی نے اپنے شاگرد رشید کا تخلص قیصر نکال کر کشفی رکھا۔ بہ قول مولانا بخاری حضرت شاکر نائطی نے فرمایا کہ ''مولوی صاحب! قوم کے خادم قیصر تخلص زیب نہیں دیتا۔ آپ اپنے بزرگوں کے نام پر کشفی رکھ لیجئے۔

مولانا کشفی بخاری کی ایک نعت شریف کے چند اشعار پیش کئے جارہے ہیں جو ۱۹۶۱ء کے آس پاس لکھی گئی تھی۔

یوں ہم بے خودی میں سمائے ہوئے ہیں	مئے عشق میں ڈگ مگائے ہوئے ہیں
تمنائے جنت پھر اس دل میں کیسے	کہ جس میں محمدؐ سمائے ہوئے ہیں
مدینہ کا ہر ذرۂ خاک چو میں	یہ ہی اک تصور بسائے ہوئے ہیں
ملائک ہو یا حور، یا جن و انساں	یہاں سب خودی کو مٹائے ہوئے ہیں
لیے ہم بھی کشفی نیاز عقیدت	محمدؐ کے روزے پہ آئے ہوئے ہیں

حضرت شاکر نائطی نے اپنی علالت کی وجہ سے ویلور آنا جانا ترک کر دیا تو مولانا بخاری نے بھی اپنی شاعری ترک کردی۔ اس بات کو محسوس کرتے ہوئے آپ کے استاذ مولانا طیب الدین اشرفی صاحب نے آپ کی توجہ مضمون نویسی اور نثر نگاری کی طرف مبذول کرادی۔ مولانا طیب الدین اشرفی چونکہ اہلِ زبان تھے۔ اس لیے انھوں نے آپ کے مضامین کی خود اصلاح کی اور زبان و بیان کے اعتبار سے آپ کو پختہ و شستہ کر دیا۔ اس کے بعد آپ نے کئی علمی و ادبی مضامین سپرد قلم کئے جو دارلعلوم کے آرگن سالنامہ ''اللطیف'' کی زینت بنے۔ مولانا بخاری ۱۹۶۹ء سے ۱۹۷۸ء ''اللطیف'' کے مدیر رہے۔ آپ نے طلبۃ العلوم میں ادب وانشا کا اعلیٰ ذوق پیدا کیا، مدرسہ میں ہر ہفتہ یعنی ہر شب جمعہ بیت بازی کی محفلیں سجتی تھیں اور ادبی مذاکرے ہوتے تھے۔ ان سب کے پس پشت آپ کی ادبی شخصیت کارفرما رہتی تھی۔ آپ کا علمی و ادبی قابل ذکر کارنامہ ''جواہر السلوک '' کا ترجمہ ہے۔ بہ قول آپ کے

''اس عظیم الشان کتاب کے ترجمے کی سعادت میرے لیے کسی بھی نعمت غیر مترقبہ سے کم نہ تھی۔ جس وقت یہ ناچیز بزرگانِ مکان حضرت قطب ویلور قدس سرہ کی سرپرستی میں علامہ شاکر نائطی علیہ الرحمہ کے ترجمہ کو متن کے ساتھ ترتیب دے رہا تھا۔ یہ خواہش دامن گیر ہوی کہ کم از کم دس فائدوں کو مکمل کر دیا جائے لہٰذا اللہ کا نام لے کر نویں فائدے کے تقریباً نصف حصہ کی اس عبارت ''نیز باید دانست کے اقوال وافعال الخ سے ترجمہ کرنا شروع کر دیا، الحمد اللہ دس فائدے مکمل ہوگئے۔ مزید ۲۴ فائدوں کا ترجمہ بھی ہوگیا۔ اس وقت بقیہ ٦ فائدوں کے ترجمے کا کام جاری ہے. انشاء اللہ تعالیٰ وہ بھی عن قریب ہو جائیگا۔''(۲)

آپ نے اسی خاندان اقطاب ویلور کے چشم و چراغ اور آستانۂ حضرت قطب ویلور کے سجادہ نشین اعلیٰ حضرت سید شاہ محمد باقر قادری مدظلہ کے دست مبارک پر بیعت کی فرقۂ خلافت سے بہرہ ور ہوئے۔ مولانا بخاری صاحب یکم مارچ ۱۹۷۹ء کو مدراس یونیورسٹی کی سنڈیکیٹ (Syndicate) کے رکن منتخب کئے گئے۔ اس منصب بلند پر چند ماہ فائز رہنے کے بعد بعض ناگزیر حالات کی بنا پر دارالعلوم لطیفیہ کی خدمت تدریس سے ۱۹۷۹ء کے اواخر میں مستعفی ہوگئے اور اپنے وطن مالوف کڑپہ لوٹ آئے۔ یہاں آپ ایک طرف آبائی تجارت ''گھڑی سازی'' کے فروغ دینے میں جٹ گئے ہیں۔ تو دوسری طرف علم وادب کی خدمت بھی پورے انہاک کے ساتھ کر رہے ہیں۔ چنانچہ آپ کا قائم کردہ ادارہ'' بدرئ انگلش میڈیم ہائی اسکول'' جو عن قریب کالج کی شکل اختیار کرنے والا ہے ترقی پر روز افزوں گامزن ہے۔ علاوہ ازیں آپ انجمن ترقی اردو کڈپہ کے ضلعی صدر ہیں۔ آل انڈیا ملی کونسل کے ریاستی رکن بھی۔ آپ سے بہت سارے افراد نے استفادہ کیا جن میں مولوی حافظ بشیر الحق لطیفی ادھونی، مولوی محمد شاکر اللہ شاکر لطیفی مدن پلی، مولوی محمد حنیف غازی لطیفی اور مولوی مصطفیٰ کمال لطیفی میسوری قابل ذکر ہیں۔ مولانا بخاری صاحب اپنے خاندانی آستانہ بخاریہ کے موجودہ سجادہ نشین ہیں۔

حواشی

سال نامہ اللطیف'' پہلا شمارہ ۱۹٦۱ تا ۱۹٦۲ء ص ۳٦

''جواہر السلوک''، ص ۴

پروفیسر قاضی شاہ محمد انوار اللہ یم،اے؛
کی
علمی وقومی خدمات کا تعارف

پروفیسر سیّد صفی اللہ۔ سابق صدر شعبہ عربی، فارسی و اردو۔ مدراس یونیورسٹی

دارالعلوم لطیفیہ کی جو فضیلتیں حاصل ہیں ان میں ایک فضیلت یہ بھی ہے کہ ویلور دارالسرور کے قاضی شہر بھی اسی مدرسہ کے فاضل اساتذہ سے ہیں۔ جو مولوی شاہ محمد انوار اللہ کے نام نامی سے مشہور ہیں۔ پیدائش کے لحاظ سے آپ کا وطن کرناٹک کا صوبہ ہے جس کے ایک مقدس علمی شہر بیجاپور سے متصل ایک گاؤں میں آپ کی ولادت ۔۱۰، جون ۱۹۴۶ء کو ہوی۔ ابوالفصیح محمد انوار اللہ کا خاندان سرقاضی خاندان کہلاتا ہے۔ اور آپ اپنے وطن میں ہی نہیں، ویلور اور مضافات علاقوں میں بھی اسی عرفِ عام سے مشہور ہیں۔

والد ماجد مولانا سید فقیہہ علی سرقاضی نے آپ کو ابتدائی تعلیم تک اپنے ہی گاؤں میں رکھا اور جب اعلیٰ تعلیم دلانے کا موقعہ آیا تو خانقاہِ حضرت مکان کی طرف متوجہ دی۔ اپنے فرزند کو لیے سیدھے ویلور دارالسرور پہنچے اور مادر علمی دارالعلوم لطیفیہ کی گود میں ڈال دیا۔ حالاں کہ ان کی اپنی تعلیم جامعہ نظامیہ حیدرآباد میں ہوی تھی۔

یہ بات ۱۹۵۷ء کی تھی۔ نو سال کی مشق ومزاولت اور تعلیم وتربیت کے بعد ۱۹۶۶ء میں آپ نے یہاں سے فارغ التحصیل ہونے کی سند حاصل کی۔ دورانِ تعلیم آپ برابر اپنی ذہانت کا ثبوت دیتے رہے۔ اور اپنے قابل اساتذہ مولانا مولوی مفتی ابوالمعالی علوی صاحب ملیباری (مرحوم) حضرت مولانا طیب الدین اشرفی مونگیری، حضرت مولانا سید شاہ حسام الدین صاحب گڑیاتمی (مرحوم) حضرت مولانا سید حمید اشرف صاحب کھچوچھوی (مرحوم) اور مولانا عبدالواحد صاحب جونپوری (مرحوم) سے خوب استفادہ کیا۔

دارالعلوم سے سندِ مولوی فاضل حاصل کرنے کے بعد آپ اپنے وطن لوٹ گئے اور چاہتے تھے کہ وہیں رہ کر دینی وعلمی خدمت انجام دیں لیکن خدا آپ سے کہیں اور ہی خدمت لینا چاہتا تھا۔ چناں چہ دارالعلوم لطیفیہ سے بلاوا آ گیا کہ اس خدمت کے لیے ویلور چلے آؤ۔

ان دنوں لطیفیہ کا نظم ونسق مولانا ابوالحسن صدرالدین سید شاہ محمد طاہر قادری علیہ الرحمہ کے ہاتھ میں تھا۔ یہ حیثیتِ ناظم

مدرسہ آپ کی نظر تجربہ کار ہر طالب علم پر رہتی تھی۔ طالب العلموں کو پرکھنے اور ان کی صلاحیتوں کا صحیح اندازہ لگانے میں آپ کو کمال حاصل تھا۔ اور آپ کی نظر انتخاب مولوی انوار اللہ صاحب پر کبھی کی پڑ چکی تھی۔ لہٰذا وقت آنے پر آپ موصوف کو اپنے مدرسہ کے لیے طلب کر لیا۔ ادھر مولوی صاحب نے بھی سوچا کہ اپنے مدرسہ کا حق آپ پر سب سے زیادہ ہے۔ اس لیے طلبی کے فوراً لبیک کہتے ہوئے ویلور پہنچ گئے۔ اس دن کو آج تقریباً تیس سال ہو رہے ہیں۔ ان تیس برسوں میں آپ نے دارالعلوم کی خدمت میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔

دارالعلوم کی تدریسی خدمات کو شروع ہوئے ڈیڑھ سال بھی نہیں گزرا کہ قاضی شہر کے عہدے کے لیے حضرت ابوالحسن صدرالدین سید شاہ محمد طاہر قادری علیہ الرحمہ ناظم دارالعلوم لطیفیہ کی نظر انتخاب بھی آپ ہی پر پڑی۔ اور ۲۰ اپریل ۱۹۶۸ء کو گورنر مدراس کی جانب سے آپ کو قضاوت بھی تفویض ہوگئی۔

۱۹۶۷ء سے ۱۹۷۰ء تک میرا قیام دارالعلوم لطیفیہ کے ایک کمرے میں رہا۔ ان دنوں ہر شام مغرب یا عشاء کے بعد میرا دارالعلوم کے اساتذہ کے ساتھ مل بیٹھنا ہوتا تھا خاص طور پر مولوی محمد انوار اللہ، مولوی محمد مصطفےٰ حسین بخاری، مولوی محمد شبیر اکرمی، مولوی بشیر احمد کٹانجوری اور کبھی کبھی مولوی سید حمید الدین اشرفی کی صحبتیں ہو جاتیں۔ اِدھر اُدھر کی باتیں ہونے لگتیں۔ اور اس دوران دین سے سیاستِ حاضرہ تک کئی موضوعات زیرِ بحث آ جاتے۔ ٹھیک دس بجے بجلی گل ہو جاتی۔ ایسے میں چاندنی رات ہوتی تو ہم صحن میں اٹھ آتے۔ کبھی کبھی یہ محفلیں حضرت میراں پاشا صاحب کے حضور جمنے لگتیں۔ جن کا بستر مدرسہ کی عمارت کی مشرقی راہداری کے شمالی سرے پر لگتا تھا۔ بڑے ہی مرنجان مرنج شخصیت کے مالک تھے۔ اور آپ کی صحبتوں میں بڑا لطف آتا تھا۔ آپ جہاں دیدہ تھے، فہم وفراست بلا کی تھی۔ ہر موضوع پر آپ کی نظر تھی۔ آج وہ لمحے یاد آ جاتے ہیں تو تھوڑی دیر کے لیے ان میں کھو سا جاتا ہوں۔ مولانا انوار اللہ صاحب سے میری قربت انھیں شبینہ محفلوں کی وجہ سے بڑھی تھی۔

رفتہ رفتہ یہ محفل بھی بکھرنے لگی۔ مولوی بشیر احمد کچھ مدت بعد اپنے وطن لوٹ گئے مولوی شبیر اکرمی نے اپنے وطن بھٹکل میں سُنا ہے ایک اچھا مدرسہ کھول لیا ہے۔ اور مزے میں ہیں۔ مولوی سید مصطفےٰ حسین بخاری بھی اپنے وطن کڈپہ لوٹ گئے جہاں پہلے ہی سے گھڑیوں کی تجارت موجود تھی، پھر تاجرانہ ماحول پر علمی ذہنیت غالب آ گئی۔ پہلے ہائی اسکول کی بنیاد رکھی، پھر جونیر کالج کھولا اور اب ایک انجینئرنگ کالج کے مالک ہیں۔ مگر مولوی انوار اللہ صاحب ایک بار جو دارالعلوم کی خدمت کا عہد کر کے اپنے وطن سے نکلے تھے اسے آج تک نبھائے ہوئے ہیں اور بحسن وخوبی نبھائے ہوئے ہیں۔ بلکہ میں کہوں گا کہ دوہری ذمہ داری نبھا رہے ہیں۔ ایک تو تدریسی خدمات اور دوسری قضاوت اور دارالافتاء کی ذمہ داری۔

عوام کے حالات ایسے بھی بڑے پیچیدہ ہوتے ہیں جو شادی بیاہ سے شروع ہو کر آپسی جھگڑوں اور طلاق تک پہنچ جاتے ہیں اور شر پسند عناصر بھی ہوتے ہیں جو اختلافی مسائل پر طرح طرح سے فتوے حاصل کرنے کے لیے کوشاں رہتے ہیں۔ ان معاملات کو نپٹانے کے لئے جس دل گردے، فہم وفراست معاملہ فہمی اور دور اندیشی کی ضرورت ہوتی ہے اللہ نے اس سے بھی موصوف کو پوری فراخ دلی کے ساتھ متصف کیا ہے۔ میں نے سنا ہے کہ لوگ آپ کے فیصلوں اور فتوؤں سے پوری طرح مطمئن ہیں۔

ان کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اور بھی فیوض سے نوازا ہے۔ آپ ان خوش نصیب افراد سے ہیں جنھیں اقطاب ویلور کے آخری چشم و چراغ اعلیٰ حضرت مولانا مولوی ابوالنصر قطب الدین سید شاہ محمد باقر قادری رحمۃ اللہ علیہ سے روحانی فیوض حاصل کرنے کا شرف حاصل ہے۔ ۱۹۷۲ء میں اعلیٰ حضرت نے آپ کو بیعت و خلافت سے سرفراز فرمایا اور ۱۹۷۳ء میں سندِ اجازت مصافحہ بھی عطا ہوی۔

۱۹۷۵ء کے بعد میں مدراس آ گیا تو موصوف سے میری ملاقاتیں کم ہو گئیں، سال چھ مہینہ میں ایک بار مل لئے تو مل لئے اور وہ بھی کوئی سبیل نکل آئے تو۔ ۱۹۸۲ء کی ایک ملاقات میں آپ سے جب یہ مژدہ سنا کہ میسور یونیورسٹی سے اردو میں ایم، اے؛ پاس کر چکے ہیں تو جی خوش ہو گیا۔ افضل العلماء تو پہلے ہی مدراس یونیورسٹی سے کر چکے تھے۔

ادیب فاضل، منشی فاضل اور افضل العلماء کے کورسوں کی وجہ سے دارالعلوم لطیفیہ کا الحاقی تعلق مدراس یونیورسٹی سے بہت پہلے سے تھا۔ مدراس یونیورسٹی کی انتظامی کمیٹیوں مثلاً اکیڈمک کونسل، سینٹ اور سنڈیکیٹ میں (عربی، فارسی اور سنسکرت علوم کے الحاقی کالجوں کے لیے بھی ان انتظامی کمیٹیوں میں نمائندگی موجود ہے۔ اسی نمائندگی کے تحت ۱۹۸۷ء سے ۱۹۹۰ء تک تین سال کے لیے آپ اکیڈمک کونسل کے لیے نامزد ہوے۔ اس دوران ایک فعال کارکن کی حیثیت سے آپ نے جو خدمات انجام دیں وہ اپنی جگہ پر ہیں لیکن یہ اس تجربہ کی دین ہی تھی کہ آپ کا دماغ بعض پہلوؤں پر بڑی تیزی سے کام کرنے لگا۔

دراصل جن الحاقی مدارس کے لیے یہ سیٹیں مختص تھیں ان میں [illegible] مدارس کی تعداد زیادہ تھی اور سنسکرت مدارس کی کم۔ لیکن بعض ہمارے ہی نافہم اندیشوں کی حماقت سے سنڈیکیٹ جیسی سب سے [illegible] کمیٹی میں سنسکرت کالج کے نمائندے منتخب ہو جاتے تھے۔ قاضی صاحب نے اس صورت حال کا تجزیہ کیا اور ایک نتیجہ پر پہنچے، تمام مدارس سے رابطہ پیدا کیا۔ آپسی تعلقات استوار کئے اور اتفاق کی ایسی فضا بنائی کہ سنسکرت والوں کا غلبہ ناممکن ہو گیا۔ آپ کی ان کوششوں کا یہ پھل ملا کہ اس بار تمام مدارس نے مل کر متفقہ طور پر آپ ہی کو سنڈیکیٹ کے لیے نامزد کر دیا۔ اس طرح ۱۹۹۷ء میں آپ سنڈیکیٹ کے ممبر منتخب ہو گئے۔ اسے ایک ہی سال ہوا ہے لیکن اس سال کی مدت میں بھی آپ کے لیے بہت طویل اور بہت اہم ثابت ہوی۔ آپ کی غیر معمولی کارکردگی سے بہت جلد آپ کا شمار سنڈیکیٹ کے اہم ممبروں میں ہونے لگا۔ عام طور پر یہ دیکھا جاتا ہے کہ کسی کو کوئی بڑا سا منصب مل گیا تو وہ عام لوگوں سے کترانے لگتا۔ اس کے دروازے عوام کے نلئے بند ہو جاتے ہیں۔ مبادا کہ لوگ طرح طرح کے کام نہ کرنا پڑیں۔ لیکن سر قاضی صاحب کا معاملہ اور ہی ہے۔ کتراتے رہنا تو اور کی بات ہے آپ اس انتظار میں رہتے ہیں کہ کوئی آئے اور ان سے کام لے۔ چناں چہ کتنے ہی لوگوں کے مسائل جو برسوں سے یونیورسٹی میں لانیحل حالت میں پڑے ہوے تھے آپ کی کوششوں سے دنوں بلکہ گھنٹوں میں طے ہو گئے۔ اپنے اختیارات کا آپ کو پورا علم ہے اور ان اختیارات کے استعمال میں آپ کبھی پیچھے نہیں رہے۔ میں چاہتا ہوں کہ یہاں ان کے دو چار کارناموں پر ذرا تفصیل سے روشنی ڈالتا چلوں۔

وانمباڑی کا خواتین کالج کچھ دیر سے شروع ہوا تھا۔ جس کی وجہ سے ایک مسئلہ پیدا ہو گیا تھا۔ اور یونیورسٹی کی جانب سے

کالج کو مراسلہ مل چکا تھا کہ اس کالج کی طالبات اس سال کے امتحان میں شرکت نہیں کر سکیں گے۔ یہ بات آپ کے علم میں لائی گئی تو پریشان ہوا ٹھے کہ اس طرح تو طالبات کا ایک سال برباد ہو جائے گا چناں چہ آپ نے دوڑ دھوپ شروع کی اور ایک ہفتہ کے اندر اندر یونیورسٹی کی اس رکاوٹ کو منسوخ کرا کے امتحان کی اجازت دلوادی۔

اسلامیہ کالج وانمباڑی میں شعبۂ اردو کو عربی شعبہ سے علاحدہ کر کے ایک آزاد شعبہ کی حیثیت دی گئی تو پتہ نہیں کیوں یہ بات ایک خاص طبقہ کو بری لگی اس نے اس مستحسن اقدام کے خلاف چیخ پکار کی اور اپنے رسوخ سے اس فیصلہ کو یونیورسٹی سے منسوخ کرادیا۔ جب یہ بات آپ کے علم میں لائی گئی تو آپ نے یونیورسٹی کے عملہ کو اس غلط حکم نامہ کے لیے باز پرس کی اور فوراً اردو شعبہ کو آزاد کی حیثیت دلوادی۔

آپ کا اس سے بڑا کارنامہ منشی فاضل، افضل العلماء اور ادیب فاضل کے لیے الگ الگ نصابی کمیٹیوں کی تشکیل ہے۔ اب تک ان کورسوں کے نصابات تیار کرنے کا کام کالجوں کے لیے بنے ہوئے بورڈ آف یونیورسٹی کے تحت تھا۔ اس کی وجہ سے ان کورسوں پر بورڈ کی نشستوں میں مناسب غور و خوص نہیں ہو پاتا تھا۔ مولانا نے اس نزاکت کو محسوس کیا۔ اس نزاکت کو تو دوسرے بھی محسوس کرتے تھے لیکن وہ بے بس تھے۔ اس کا علاج مولانا محمد انوار اللہ ہی کر سکتے تھے اور انھوں نے کیا بھی یوں کہ ان کے لیے دو الگ الگ بورڈ آف اسٹڈیز بنوائے ایک افضل العلماء اور منشی فاضل کے لیے اور دوسرا ادیب فاضل کے لیے یونیورسٹی کی تاریخ میں اس جرأت کی مثال نہیں ملتی۔

آپ کا ایک اور جرأت مندانہ اقدام ان مذکورہ کورسوں کو ڈگری کورسوں کے مساوی قرار دینا ہے۔ جن کی بنیاد پر مذکورہ کورسوں کے پاس کئے ہوئے امیدوار براہ راست ایم اے میں داخلہ لے سکیں گے۔ یہ ایسا کارنامہ ہے جو گذشتہ پچیس برسوں سے ایک خواب بنا رہا ہے جن کی تعبیر بفضلِ خدا مولانا کے ہاتھوں ملی۔ جس کام کو برسوں سے ناممکن سمجھا جا رہا تھا اسے مولانا نے چٹکی بجائے انجام دے دیا۔

مولانا کی دلچسپی اپنی قوم تک ہی محدود نہیں ہے بلکہ آپ کی نظر یونیورسٹی کے دوسرے معاملات پر بھی ہے۔ پچھلے دنوں یونیورسٹی نے ایک بہت ہی سینیئر پروفیسر کو رجسٹرار کا عہدہ سنبھالنے کی دعوت دی مگر اسے ''انچارج'' ہی بنائے رکھا مولانا کو یہ بات بہت بری لگی۔ آپ نے سنڈیکیٹ کی میٹنگ میں یہ آواز اٹھائی کہ ایسے شخص کو جو رجسٹرار بننے کا پوری طرح اہل ہے محض انچارج بنائے رکھنے کا کیا مطلب ہے۔ اور بعض گوشوں کے باوجود سخت مخالفت کے آپ میدان میں کود پڑے زمین سہوار کی اور وائس چانسلر کے لیے حالات کو ایسے سازگار بنایا کہ ان پروفیسر صاحب کو رجسٹرار بنانا آسان ہو گیا۔ جس کے لئے وائس چانسلر اور رجسٹرار دونوں نے ممنونیت کا اظہار کیا ہے۔

قیاس یہی کہتا ہے کہ اس کام نے آپ کے بہت سے دشمن پیدا کر دئے ہوں گے لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس سے آپ کے دوستوں کی فہرست میں اور اضافہ ہو گیا۔ جنہوں نے آپ کے ساتھ زیادہ تو آپ کے دوست تھے ہی، جنھوں نے مخالفت کی وہ بھی آپ

کے دوست بنے رہنے ہی میں اپنی بھلائی سمجھے۔

بات دراصل یہ ہے کہ مولانا یہ نہیں دیکھتے کہ کون سا مسئلہ کس کا ہے بلکہ یہ دیکھتے ہیں کہ کیا صحیح اور کیا غلط۔ آپ ہمیشہ حق کا ساتھ دیتے ہیں اور غلط مطالبہ یا غلط فیصلہ کی مخالفت کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ تمام کے دلوں میں اپنے لیے عزت پیدا کر لیتے ہیں میں نے خود دیکھا کہ ہر شخص کے دل میں چاہے وہ یونیورسٹی کا افسر اعلیٰ ہو یا ادنیٰ ملازم اپنے دل میں آپ کے لیے کتنا احترام اور کتنی محبت رکھتا ہے اور یہی وہ وصف ہے جو آپ کو دوسرے ممبروں میں امتیازی شان عطا کرتا ہے۔

ایک طرف مجھے آپ کے کارناموں پر ناز ہے تو دوسری طرف اپنی قوم کی بدلتی ہوی حالت پر کہ اب وہ اپنے محسن کو پہچاننے لگی ہے۔ ورنہ روایت تو یہی ہے کہ جو کچھ کرنے کا عزم لیکر اٹھتا ہے لوگ اسی کے درپے ہو جاتے ہیں۔ میں نے سنا کہ سینڈیکیٹ کے لئے منتخب ہونے کے بعد کچھ اداروں نے تہنیتی اجلاس منعقد کر کے آپ کو مبارک باد پیش کی تھی اور اب پھر کچھ ادارے تہنیتی اجلاسوں کے ذریعہ آپ کی خدمات کا اعتراف کرنا چاہتے ہے۔ مگر آپ اس کی اجازت نہیں دے رہے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ آپ کو مان جانا چاہئے۔ میں مانتا ہوں کہ یہ بات آپ کی نیاز مندی اور منکسرانہ مزاج کے خلاف ہے۔ لیکن اسی سے قوم میں ایک اچھی عادت پڑے گی۔ ایسے اجلاس مثالی بنیں گے اور وہ تعصب اور مردہ پرستی کے دائرے سے نکل کر اچھے افراد کی عزت کرنا سیکھے گی اور آپ کے معاملہ میں یہ ضروری ہے کیوں کئے ایک سال کے اندر اتنے سارے کارنامے انجام دیتے آج تک میں نے کسی سنڈیکیٹ کے ممبر کو نہیں دیکھا۔ اتنا کچھ کرنے کے باوجود آج بھی آپ تازہ دم ہیں۔ اور ہر لمحہ منتظر کہ کون آئے اور آپ سے کام لے۔

خدا سے دعا ہے کہ آپ کو ایسے عہدوں پر قائم دائم رکھے تا کہ قوم آپ سے استفادہ کرتی رہے۔

مولانا مولوی پی محمد ابو بکر صاحب لطیفی

از مولانا ڈاکٹر سید شاہ عثمان قادری

جناب پی محمد ابوبکر صاحب خلیفہ اعلیٰ حضرت ہیں اور لطیفیہ کی ممتاز شخصیتوں میں آپ کا شمار ہوتا ہے۔اعلیٰ حضرت قبلہ اور حضرت میران پاشاہ اور ناظم صاحب مرحوم تینوں حضرات آپ پر بہت شفیق و مہربان تھے۔خاص کر حضرت میراں پاشاہ صاحب جناب ابوبکر صاحب کو بہت چاہتے تھے اور ''ابوئی'' کے نام سے یاد کرتے تھے۔

ابوبکر کی پیدائش 1951ء میں شہر و یلور میں ہوئی آپ کے والد کا اسمِ گرامی میران کنی تھا۔ابوبکر صاحب کے نانا مولوی تھے اس لئے ابوبکر صاحب کی والدہ نے آپ کو بھی ایک جید عالم بنانا چاہا اور اس غرض سے دار العلوم لطیفیہ میں آپ کو داخل کرا دیا۔ابوبکر صاحب بچپن ہی سے بہت ذہین تھے۔اپنا سبق کلاس میں ہی یاد کر لیا کرتے تھے۔درسی کتابوں کے علاوہ دیگر کتابوں کا بھی مطالعہ کرتے اور رات کا بڑا حصہ پڑھائی میں گذارتے تھے۔

بچپن میں آپ نے جن جید اساتذہ سے تعلیم حاصل کی ان میں جناب محمد عاشق محمد صاحب، جناب زکریا صاحب، مولوی علوی صاحب، وغیرہ قابل ذکر ہیں۔تعلیمی سلسلہ کے آخری ایام میں آپ کے اساتذہ تھے جناب مولوی طبیب الدین اشرفی، مولانا حمید اشرف، مولانا علوی صاحب وغیرہ۔

اگر چہ آپ ملیباری ہیں لیکن آپ کو عربی کے ساتھ ساتھ فارسی اور اردو پر بھی مہارت حاصل ہے۔کسی اسکول میں داخلہ لئے بغیر ہی انگریزی، تمل اور ملیالم زبانوں میں آپ کو تقریری اور تحریری لیاقت حاصل ہوگئی۔مولوی عالم، مولوی فاضل کے علاوہ آپ نے مدراس یونیورسٹی سے افضل العلماء، منشی فاضل اور ادیب فاضل تینوں امتحان پاس کئے۔پھر پنڈت ٹریننگ کا امتحان بھی پاس کر لیا۔سند حاصل کرنے کے ساتھ ہی مدرسہ ہی میں مدرس کے منصب پر فائز ہو چکے تھے۔

نکاح اور اولاد آپ کا نکاح جناب کے، کے ابوبکر صاحب کی دختر مریم صاحبہ سے ہوا۔نکاح اعلیٰ حضرت نے پڑھایا تھا۔آپ کے چار لڑکیاں اور تین لڑکے ہیں۔

خدمات مدرس کی حیثیت سے دار العلوم لطیفیہ میں ۲۵ پچیس سال سے تدریسی خدمات انجام دیتے آرہے ہیں، فارسی عربی اور اردو کی مختلف کتب پڑھاتے ہیں اور بے حد مقبول استاد ہیں۔

آپ ایک شعلہ بیان مقرر ہیں۔اپنی تقریر میں بہت ہی عالمانہ انداز میں احادیث، دلائل پیش کرتے ہیں اور سامعین آپ کے بیان سے بے حد متاثر ہوتے ہیں۔

عملیات میں بھی آپ کو اچھا خاصہ دخل ہے۔عوام کی اصلاح اور خدمت خلق کے لئے آپ نے عملیات کا سہارا لیا ہے۔آپ کئی سال سے سالنامہ ''اللطیف'' کی ادارت کر رہے ہیں۔اس کے علاوہ مقبول و معروف فارسی کتاب ''قوارق حیدریہ'' کا اردو ترجمہ

کرکے ''اللطیف میں قسط وار شائع کرایا۔ اس ترجمہ کی خوبی خود مترجم کے الفاظ میں مفہوم خیز ترجمہ ہے۔

علاقہ کیرلا میں ''استقبال قبلہ'' سے متعلق ایک فتنہ اٹھ کھڑا تھا۔ مولوی احمد کویا صاحب شالیاتی ملیباری جو حضرت سید شاہ عبداللطیف قادریؒ مکی کے مرید وخلیفہ تھے۔ اس فتنہ پر ایک کتاب ''خیرۃ الاول فی ھدی استقبال قبلہ کے نام عربی میں تصنیف کی۔ مولوی ابوبکر صاحب نے اس تصنیف کا نچوڑ مضامین کی صورت اردو میں پیش کیا ہے اور بڑی خوبی سے اصل کتاب کی روح ترجمہ میں منتقل ہوی ہے۔

اس کے علاوہ آپ نے کئی مضامین لکھے جو اللطیف کی زینت بنے رہے۔ مضمون نگاری کا سلسلہ ان کے طالب علمی کے دور سے جاملتا ہے۔ اس دور کے مضامین میں ''دین اور اس کی حقیقت'' مجاہدین اسلام کے کارنامے'' اور سیرت حضرت علی کرم اللہ'' بڑی اہمیت رکھتے ہیں۔

مابعد دور کے مضامین ''خطاب از فصل الخطاب'' کے عنوان سے چند مضامین سپرد قلم کئے ہیں۔ یہ مضامین دراصل حضرت قطب ویلور کی تصنیف فصل الخطاب بین الخط والصواب'' سے ماخوذ ہیں۔ اصل تصنیف فارسی میں ہے، ابوبکر نے کتاب موصوف کے چند اہم گوشوں کو اردو میں پیش کیا ہے۔

ایک مضمون ''انتخاب فصل الخطاب'' بھی 1973ء کے اللطیف میں شائع ہوا ہے جو حضرت قطب ویلور کی مذکورہ تصنیف کے اقتباسات کے ترجمے پر مشتمل ہے لیکن بہ صورت مضمون ہے۔

مولوی ابوبکر کے کچھ اور اہم مضامین کے عنوانات درج ذیل ہیں۔

۱) گفتار کے غازی بن تو گئے کردار کے غازی بن نہ سکے۔ مضمون نگار نے اس مضمون میں ملت کی زبوں حالی کو اس طرح پیش کیا ہے کہ جسم کے رونگٹھے کھڑے ہوجاتے ہیں۔ یہ مضمون اللطیف کے 1971ء کے شمارے میں چھپا ہے۔

۲) ''ایک تاریخی غلط فہمی کا ازالہ'' اس مضمون میں مصنف نے شہنشاہ ہند جلال الدین محمد اکبر کے متعلق ایک غلط فہمی کا ازالہ کرنے کی کوشش کی ہے کہ وہ ان پڑھ نہیں تھا بلکہ ایک علم نواز عالم تھا۔ اپنی بحث کی دلالت میں مصنف نے مختلف واقعات سے مدد لی ہے۔

۳) ''حضرت سید اشرف جہانگیر سمنانی'' یہ مضمون دراصل ایک فارسی قلمی بیاض کا اردو ترجمہ ہے جو حضرت موصوف کے حالات زندگی پر روشنی ڈالتا ہے۔ اس کی اشاعت اللطیف 1983ء میں ہوی تھی۔

مولوی ابوبکر کو زبان پر پورا قابو ہے۔ آپ کے مضامین کی عبارت بڑی جاندار اور حسبِ موضوع ہوتی ہے ادھر کچھ مدت سے آپ کا قلم خاموش ہے۔ دراصل آپ کی دوسری مصروفیات اتنی مہلت دیتی ہی نہیں کہ آپ اس طرف سکوں کے ساتھ متوجہ ہوں۔

جو بادہ کش تھے پرانے وہ اٹھتے جاتے ہیں

حضرت مولانا شبیر احمد اکرمی لطیفی قادریؒ

افضل العلماء مولوی حافظ ڈاکٹر بشیر الحق قریشی لطیفی قادری ایم اے، پی ایچ ڈی؛ استاذ دار العلوم لطیفیہ ویلور

عصرِ حاضر کو یرفع العلم (علم ناپید ہوگا) کا مظہر قرار دیا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ قربِ قیامت کہ یہ وہ نشانی ہے، جس کا مشاہدہ ہم آئے دن کرر ہے ہیں۔ ہندوستان کے افق پر کیسی کیسی ضوفشاں شخصیات نمودار تھیں وہ سب ایک ایک کر کے ایک قلیل وقت میں مخلوق کی نگاہوں سے اوجھل ہوگئیں۔ دار العلوم لطیفیہ اور اس کے ابنائے قدیم کے لئے سالِ رواں ۱۴۲۶ھ کو عام الحزن کہا جائے تو بجا ہوگا۔ کیوں کہ ۲۵، صفر المظفر ۱۴۲۶ھ کو دار العلوم لطیفیہ کی کوکھ سے نکلنے والی عالمانہ وصوفیانہ شخصیت حضرت مولانا شبیر احمد اکرمی لطیفی موت کے آغوش میں چلے گئے۔ جن کی اچانک رحلت نے سب کے دلوں کو ہلا دیا۔

مولانا اکرمی کا تعلق بھٹکل سے تھا جو ساؤتھ کرناٹک کا ایک تاریخی شہر ہے۔ یہ قدیم شہر اپنے دامن میں اسلامی وعربی تہذیب وثقافت اور اسلامی علوم وفنون اور آداب کی زرّین روایت رکھتا ہے۔ اس شہر کا تہذیبی وتمدنی اور ثقافتی ورثہ اور علمی ودینی شعور وفکر تاریخی حیثیت کا حامل ہے۔ مشہور سیاح ابن بطوطہ نے اپنے سفر نامہ میں ''ہنر'' نامی ایک شہر کا ذکر کیا ہے جو آج ''ہناور'' کے نام سے جانا جاتا ہے اور یہ بھٹکل سے قریباً چالیس کلومیٹر کے فاصلہ پر واقع ہے۔ غالباً ہنر سے مراد بھٹکل اور اس کے قرب وجوار کی زمین مراد ہے۔ ابن بطوطہ نے لکھا ہے کہ یہاں کے علاقے میں دو درجن کے قریب مدرسے قائم ہیں۔

آج بھی بھٹکل کی زمین پر متعدد دینی وعصری تعلیم گاہیں منصۂ شہود پر جلوہ نما ہیں۔ مولانا اکرمی وہاں کے ایک تاریخی، علمی دینی اور نائطی خاندان کے چشم وچراغ تھے۔ جس کا سلسلہ مخدوم فقیہ اسماعیل عسکری کے برادرِ بزرگ حضرت مولانا فقیہ احمد سے جا ملتا ہے۔ اس خانوادے کی پشتوں میں کئی دھائیوں سے علم وفضل اور عمل سے برابر تعلق رہا ہے اور اس نے بھٹکل کو کئی علماء وفضلا اور فقہاء عطا کئے ہیں اور آج یہ دودمان عالی شان ''اکرمی خاندان'' کے نام سے معروف ہے۔

مولانا اکرمی کے والد ماجد حضرت مولانا قاضی اسماعیل اکرمی اپنے وقت کے جیّد عالم وفاضل اور فقیہ تھے۔ انھوں نے ساری زندگی امامت وخطابت اور قضاوت میں گزار دی۔ مولانا اکرمی پسر نمونۂ پدر کی تفسیر ثابت ہوئے۔ انھیں کے نقش قدم پر تا حیات چلتے رہے۔

مولانا اکرمی کی ولادت ۱۹۳۹ء میں بھٹکل میں ہوی۔ آپ کی والدہ ماجدہ بھی ایک دیندار اور پرہیزگار خاتون تھیں۔ جن کی تربیت اور پرورش نے سونے پر سہاگہ کا کام کیا اور یہ نو مولود الولد سر لابیہ (بیٹا والدین کی صفات کا حامل ہوتا ہے۔) کا مظہر بنا۔

مولانا اکرمی ابتدائی تعلیم اپنے والد کی زیرنگرانی ہوی۔ آپ اسلامیہ اینگلو اردو اسکول میں آٹھویں جماعت تک تعلیم حاصل کی۔ پھر دارالعلوم لطیفیہ ایک ایسا چشمہ تھا، جس پر شیر اور بکری ایک جگہ سے پانی پی رہے تھے۔ حنفی مسلک میں دو انتہا پسند موقف کے حامل علمائے کرام منصب درس پر فائز تھے۔ استاذی المحترم حضرت مولانا عبدالواحد جونپوریؒ جو دارالعلوم دیوبند کے فارغ تھے، دارالعلوم لطیفیہ میں معقولات اور کتب متداولہ کا درس دے رہے تھے اور آپ بعض جزوی و فروعی اور اختلافی مسائل میں ایک سخت گیر موقف رکھتے تھے۔ اور استاذی المحترم حضرت مولانا سید حمید اشرف کچھوچھوی جو خانوادہ اشرفیہ کے گل سر سبد تھے۔ دارالعلوم لطیفیہ میں منقولات اور کتب تصوف اور متداولہ کتابوں کا درس دے رہے تھے اور آپ بھی ایک سخت گیر موقف رکھتے تھے اور استاذی المحترم حضرت مولانا ابوالمعالی علوی ملیباری دارالعلوم لطیفیہ میں معقولات اور منقولات کی تدریس کا فریضہ انجام دے رہے تھے جو ایک متوازن و معتدل موقف و مسلک اختیار کئے ہوے تھے۔ مولانا اکرمی نے ان حضرات کے آگے زانوئے تلمذ تہ کیا۔ اس طرح آپ کی فکر کی تشکیل اور ذہن کی ساخت میں مختلف عوامل اور عناصر نے اہم کردار ادا کیا۔ مولانا اکرمی مسلکی اعتبار سے اہلِ سنت و جماعت کے مذہب شافعیہ کے پیرو تھے اور احسان و تصوف کی دنیا میں قادری المشرب تھے۔ آپ نے اعلیٰحضرت مولانا مولوی ابوالنصر قطب الدین سید شاہ محمد باقر قادری علیہ الرحمہ کے دستِ حق پرست پر بیعت کی اور خرقۂ خلافت پہنا۔ مرقوم ۱۰ ماہ ربیع الثانی ۱۳۹۳ھ مطابق ۱۴ ماہِ مئی ۱۹۷۳ء بروز دوشنبہ۔

دارالعلوم لطیفیہ میں تعلیم مکمل کرنے کے بعد اپنے مادر علمی میں درس و تدریس کی خدمت انجام دیتے رہے۔ ۱۹۶۷ء میں آپ کے والد ماجد سفر آخرت پر روانہ ہوگئے۔ اس واقعہ کے تین چار سال بعد اپنی جائے ولادت بھٹکل لوٹ گئے۔ وہاں مسلمانوں نے آپ کو ہاتھوں ہاتھ لیا اور آپ کو شہر بھٹکل کی قضاوت اور جامع مسجد کی امامت و خطابت سونپ دی اور آپ جماعت المسلمین کے مرکزی خلیفہ نامزد ہوے۔

مولانا اکرمی درس و تدریس ''تحریر و تصنیف اور تقریر و خطابت میں اچھی خاصی صلاحیت رکھتے تھے۔ دارالعلوم لطیفیہ کے دور میں مضامین لکھتے رہے۔ آپ کے متعدد مضامین سالنامۂ اللطیف کی زینت بنے۔ لیکن بھٹکل جانے کے بعد آپ سے تحریری سلسلہ برقرار نہ رہ سکا۔ البتہ خطابت کا میدان آپ کے ہاتھ رہا۔ ہمیشہ جامع مسجد جمعہ کے خطبات آپ دیتے رہے۔ اور شہر کی مختلف انجمنوں، اداروں اور درس گاہوں اور ہنگامی و وقتی اور قومی و ملی جلسوں میں خطاب کا سلسلہ رہا۔ بھٹکل کی کوئی علمی و دینی مجلس ایسی نہیں ہوتی تھی جس میں آپ کی شرکت نہ ہو یا اس میں آپ کی صدارت اور دعا نہ ہو۔ بھٹکل کا ایک معروف علمی و دینی اور ادبی ادارہ مولانا ابوالحسن علی ندوی اسلامک اکیڈمی کے مختلف جلسوں کی روئداد دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے اس اکیڈمی کے متعدد جلسوں کی صدارت کی ہے اور خطاب کیا ہے۔ اس کے علاوہ شہر کے مختلف مدرسوں اور اسکولوں سے بھی جڑے رہے۔ جامعہ اسلامیہ میں کچھ عرصہ تک درس دیتے

رہے۔ دینی و تدریسی خدمت کے ساتھ ساتھ ہر سماجی و اصلاحی سرگرمیوں میں پیش رہے۔ اپنی شیریں بیانی و اعلیٰ ظرفی، تواضع اور انکساری اور مثبت فکر اور تعمیری ذہن کے باعث بھٹکل کے عوام و خواص میں مقبول شخصیت بنے رہے۔

مولانا اکرمی دارالعلوم لطیفیہ کے دور میں بھی طلبا و اساتذہ کے درمیان ہر دل عزیز تھے۔ کسی شخص سے کسی بات پر جھگڑا اور ردوکد کا معاملہ نہیں رہا۔ شاذ ہی کوئی اس طرح کا واقعہ پیش آیا ہو۔ راقم الحروف کو بھی مولانا اکرمی سے شرف تلمذ حاصل رہا۔ درس کے بعد آپ ہم سے اکثر طلباء کے ساتھ اس طرح کھل مل جاتے تھے کہ آپ کی بے تکلف گفتگو اور لطف و مزاح کے باعث محفل زعفران زار بن جاتی تھی۔

درس کے اوقات کے علاوہ بھی اپنے کمرے میں طلباء کے اشکالات دور کیا کرتے تھے۔ مدراس یونیورسٹی کے امتحانات افضل العلماء، منشی فاضل، کے نصاب کی تیاری میں طلباء کے بڑے معاون رہے۔

سابق ناظم دارالعلوم لطیفیہ حضرت مولانا ابوالحسن صدرالدین سید شاہ محمد طاہر قادریؒ طلباء سے ہمیشہ کہا کرتے تھے۔ آپ لوگ تحصیل علم کے معاملہ میں بڑے خوش نصیب ہو، تمہارے اساتذہ تمہارے ساتھ دارالاقامہ ہی میں رہتے ہیں۔ ان کے کمرے دن رات تمہارے لئے کھلے رہتے ہیں۔ جب بھی چاہو ان کے دروازے پر دستک دو اور علمی استفادہ کرتے رہو۔ اکثر طلباء آپ سے یونیورسٹی کے نصاب کی کتابوں کا درس آدھی آدھی رات تک لیتے رہتے لیکن کبھی مولانا اکرمی کی پیشانی پر کوئی شکن نمودار نہ ہوتی تھی۔

مولانا اکرمی کی شخصیت میں معنوی حُسن کے ساتھ ساتھ صوری حسن کی جلوہ گری بھی تھی۔ چہرہ پُر نور اور معصوم، گول گول موٹی موٹی پرکشش آنکھیں، ریش بھی تھی کسی قدر گھنی اور شرعی۔ خوب صورت گول سڈول جسم، رنگ سفید مائل بہ سرخ، قد میانہ و موزوں، چہرہ پر ہمیشہ مسکراہٹ کبھی کبھی قہقہہ دار ہنسی گفتگو میں ظرافت و مزاح اور سادگی و بے تکلفی لیکن وقار و تمکنت کی شان نمایاں۔

راقم الحروف کو دو مرتبہ بھٹکل جانے کا اتفاق ہوا۔ سال گزشتہ ۱۴۲۵ھ میں جناب محمد مظفر کولہ کی دعوت پر مجھے بھٹکل جانا پڑا۔ تو مولانا اکرمی نے اپنے صاحبزادے کو بس اسٹانڈ بھیج کر اپنے گھر بلوالیا۔ محمد مظفر کولہ صاحب بھی آپہنچے۔ یہ مولانا اکرمی کے والد مکرم سے فیض یافتہ تھے۔ مولانا اور ان کے گھر کے افراد کے ساتھ محبت و احترام کا معاملہ تھا۔ مولانا اکرمی سے کہنے لگے یہ میری دعوت پر بھٹکل تشریف لائے ہیں لہٰذا اپنے گھر لے جانا چاہتا ہوں۔ مولانا اکرمی نے کہا: یہ میرے ہاں قیام کریں گے یہ میرے شاگرد بھی ہیں اور ایک اچھے دوست بھی ہیں۔ آپ اپنے پروگرام کے مطابق جہاں جہاں لے جانا چاہتے ہیں، لے جایئے، اس میں کوئی مزاحمت نہ ہوگی۔

محمد مظفر کولہ بھٹکل کی ایک معروف علم دوست شخصیت ہیں۔ جن کی نگرانی میں نونہال سنٹرا اسکول قائم ہے جس میں لڑکیوں کو دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ عصری تعلیم دی جاتی ہے۔ نونہال سنٹرل اسکول کی مختلف جماعتوں کے طلباء اور طالبات سے مجھے خطاب کی مسرت حاصل ہوی اور ان مختلف جلسوں میں مولانا اکرمی شریک رہے۔ اور بعض اجلاس ایسے بھی رہے، جس میں آپ نے میرا تعارف کروایا۔ مولانا اکرمی کی سادگی و بے نفسی اور علمی تواضع کے مظہر کا عجیب وغریب سماں تھا۔ کہ آپ انتہائی فراخ دلی اور طیب نفسی کے ساتھ اپنے ایک ادنیٰ شاگرد کا تعارف نہایت بلند الفاظ کے ساتھ کرتے جا رہے تھے، جسے سن کر میں شرمندگی کے دلدل میں پھنستا چلا گیا

لیکن ان مجلسوں میں اپنی زبان سے آپ کے لب پر مہر سکوت ثبت کرنے کی جرأت نہ کرسکا۔ ایسے اساتذہ خال خال ہی نظر آئیں گے، جو اپنے شاگردوں کے اعزاز میں مجالس میں تعارفی وتعریفی اور توصیفی کلمات ارشاد فرمائیں۔

مولانا اکرمی شریف النفس، حلیم الطبع، وکریم الفطرت شخصیت کے مالک تھے۔ آپ کی سیرت کا ایک ممتاز پہلو یہ تھا کہ آپ کے اندر حبِ جاہ ومال کی بو باس تک نہ تھی۔ ساری زندگی سادگی اور قناعت سے بسر کی کبھی کسی سے کوئی آس وامید نہ رکھی۔ حالاں کہ آپ کے ملنے جلنے والے اور چاہنے والوں کی اچھی خاصی تعداد خلیجی ممالک میں ہے۔ ان کے لئے صرف ایک اشارہ کافی تھا۔ لیکن کسی سے اپنی پریشان حالی کا اظہار پسند نہیں کیا۔ فرمایا کرتے تھے اپنی تکلیف کو مخلوق کے سامنے بیان کرنا گویا خالق کی شکایت کرنا ہے۔

مولانا اکرمی نے اپنے پیچھے نیک اور ذی علم اولاد چھوڑی ہے جو یقیناً آپ کے حق میں ولد صالح يد عو له کی نعمت ہے۔

۲، یا ۳، اپریل ۲۰۰۵ء کو ناسازئ مزاج کے باعث منگلور کی ایک ہسپتال میں داخل ہوئے۔ اسی ہسپتال میں ۵، اپریل ۲۰۰۵ء صبح کے ساڑھے چھ بجے آپ نے آخری سانس لی۔ انا لله وانا اليه راجعون۔

راقم الحروف کی یہ مختصر اور منتشر تحریر گرچہ کہ حقیقت پر مبنی ہے تاہم مولانا اکرمی کے ساتھ یہ عاجز کا شاگردانہ وعقیدت مندانہ تعلق کی وجہ سے شاید کسی کے ذہن میں یہ سوانحی خاکہ مدلل مداحی قرار پائے۔ اس لیے بہتر ہے کہ مولانا اکرمی کی شخصیت سے متعلق بعض اہلِ علم کی تحریروں کا ایک مختصر جائزہ پیش کیا جائے جو پندرہ روز جریدہ ''ساحل نیوز'' بھٹکل مئی ۲۰۰۵ء کی زینت بنی ہیں۔

مولانا محمد جعفر ندوی استاذ جامعہ اسلامیہ بھٹکل، رقم طراز ہیں :

''مرحوم بڑے ہی خلیق اور بااخلاق تھے۔ عربی ادب سے از حد لگاؤ تھا۔ کسی مکتبۂ فکر سے خدا واسطے کا بیر نہیں تھا۔ دیکھنے میں خلوت کدے آدمی لگتے تھے لیکن تھے چراغِ محفل، بھٹکل کی تمام دینی وسماجی سرگرمیوں میں پیش پیش بلکہ مقدمہ الجیش تھے۔ بھٹکل کے کئی سماجی اور دینی اداروں کے ذمہ داروں میں تھے خصوصاً جامعہ اسلامیہ بھٹکل کے شوریٰ کے رکنِ رکین تھے۔''

بقول عبد المتین منیری۔ دبئی ''اللہ نے آپ میں صلہ رحمی کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھر دیا تھا۔ دُور دُور کے رشتہ داروں سے روابط استوار رکھتے تھے اور مصروفیات اور تکالیف کے باوجود اُن کی خوشی وغم کے موقعہ پر شریک ہوتے۔''

کے۔ ایم۔ منیر ''ٹکراؤ عادت آپ میں بالکل نہ تھی۔ دوسروں کی رائے کا احترام کرتے تھے کوئی محاذ قائم ہونے نہیں دیا۔ عہدہ وکرسی اور واہ واہ وشہرت کی بالکل بھوک نہیں تھی۔ ایک بھاری بھرکم شخصیت پہاڑ کے مانند بھٹکل کی زمین پر پیوست تھی۔''

مولوی محمدالیاس فقیہ احمد اجاکئی ندوی فرماتے ہیں: ''اُن دونوں سلیم الطبع وحلیم الطبع باپ بیٹوں (مولانا اکرمی اور ان کے والد ماجد) نے اپنے جماعتی نظریات وموقف کو عوامی خدمات کے میدان میں کبھی حائل ہونے نہیں دیا۔ ہر ایک کے دکھ درد میں شامل ہونا۔ اپنے گھر کے دروازوں کو چوبیس گھنٹے ہر ایک کی فریاد رسی کے لیے کھلا رکھنا، غریبوں وامیروں سے یکساں تعلق رکھنا، اپنے سے کم عمر کم علم طلباء کو ہمیشہ شفقت بھری نگاہوں سے دیکھنا، ان کی ہمیشہ علمی ودینی معاملات میں ہمت افزائی کرنا ان کا وطیرہ تھا۔''

شاہ بندری اسماعیل چڈوباپا کا بیان ہے: ''عوام الناس کی خدمت آپ کا شیوہ رہا۔اپنی ذات سے کسی کو تکلیف نہیں پہنچائی۔دنیاوی عیش وعشرت کے سامان سے آپ استغنیٰ فرماتے تھے۔قناعت پر گزارا تھا، سادگی،صلہ رحمی،خودداری،مجاہدہ،ریاضت،مہمان،نوازی،خوش اخلاقی اور انکساری وتواضع آپ کی شخصیت کے نمایاں جوہر تھے۔''

سید حسن سقاف فرماتے ہیں : ''حضرت قاضی صاحب اعلیٰ صفات کے مالک تھے۔قوم کے لیے ایک نعمت غیر مترقبہ تھے۔اپنے اسلاف کی نہج پر چلتے رہے۔قائم اللیل اور صائم النہار تھے۔علم وعمل کے پیکر تھے اور ایک غیر متنازعہ شخصیت تھی۔

مولانا اقبال ملّا ندوی فرماتے ہیں : ''قاضی صاحب کے ساتھ مجھے ایک عرصہ دراز تک مستقلاً تعلق رہا ہے۔ زمانۂ طالب علمی ہی میں اکثر جمعرات کے دن نمازِ مغرب اُن کے پیچھے پڑھتا تھا اور مغرب تا عشاء ان سے فیض حاصل کیا کرتا تھا۔

مولانا عبد الباری فرماتے ہیں : ''حضرت قاضی صاحب کی شخصیت تقریباً تمام کے نزدیک بالاتفاق متفق علیہ تھی۔اس قسم کے طبیعت کے آدمی بہت کم ملتے ہیں۔کبھی انھوں نے زندگی نہ ہی روپیہ جمع کیا اور نہ ہی کسی کے روپیوں پر زندہ رہے۔

مولانا خواجہ معین الدین اکرمی مدنی فرماتے ہیں : ''جب مجھے ان کا نائب بنایا گیا اس وقت انھوں نے کہا تھا۔کسی کی جیب پر کبھی نظر نہ رکھی جائے بلکہ اللہ پر نظر رکھی جائے اور اسی پر اعتماد کیا جائے۔ جو روزی ہمارے مقرر ہے وہی ملے گی۔پریشانیاں لوگوں کے سامنے پیش کی جائیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ مخلوق سے خالق کی شکایت کی جائے۔''

ابوالحسن ظہور فرزند مولانا اکرمی فرماتے ہیں : ''جب ہم کسی تکلیف کا تذکرہ والد مرحوم سے کیا کرتے تھے تو کہتے تھے کہ میں نے جو ظلم برداشت کیا ہے اس پر چار سو صفحات پر مشتمل کتاب لکھی جاسکتی ہے ظلم کا تذکرہ انسانوں سے نہ کرو صرف اللہ تعالیٰ سے کیا کرو۔''

مولانا خواجہ معین الدین فرماتے ہیں : ''اپنے مسلک پر عمل کے ساتھ ہر ایک کے ساتھ اچھے کاموں میں اپنا تعاون دیا۔ملّی اتحاد کی علامت بن کر زندگی گزاری۔ہر مسلک کے اکابرین کا احترام کیا۔''

مولانا محمد فضل الرحمن رحمانی جامعہ اسلامیہ فیروزیہ،اکبرپور،پٹنہ،فرماتے ہیں : ''ان کا سب سے اعلیٰ وصف خدمت خلق و دینی فکر و دینی جذبہ ان میں بدرجہ اتم موجود تھا۔ان کی خوش اخلاق اور چھوٹے بڑے،امیر غریب سبھوں کے ساتھ خندہ پیشانی سے ملنا ان کا شعار تھا۔''

کوثر جعفر بھٹکلی نے نظم کے پیرایہ میں مولانا اکرمی کی زندگی اور شخصیت کو اس طرح نمایاں کیا ہے۔

مرکزی خلیفہ جماعت المسلمین بھٹکل کے آپ
آخری دم تک رہے موصوف قاضی و خطیب
ان سے مل کر ان کے گرویدہ بھی ہوجاتے تھے لوگ
کیا کہوں مرحوم کی سادہ مزاجی تھی عجیب

کم سخن تھے پھر بھی اُن کی شخصیت تھی باوقار
معرفت والے تھے ، اہل اللہ میں تھا ان کا شمار
فیض روحانی سے سب ہوتے تھے ان سے فیض یاب
وہ تھے با اخلاق خود ماحول بھی تھا دیندار

اہلِ علم وفضل میں شہرہ تھا انکا ہر جگہ !
اہلِ دین اہلِ شریعت میں تھا ان کا مرتبہ
شہر میں سب کی زبان پر ان کا ذکرِ خیر تھا
ان سے جاری تھا سلوک و معرفت کا سلسلہ

مذکورہ الصدر بیانات عینی شاہد کا درجہ رکھتی ہیں۔ جن کی صحت اپنی جگہ مسلم ہے۔

خدا بخشے بہت سی خوبیاں تھیں مرنے والے میں

امتِ مسلمہ کے لئے یہ عظیم المیہ اور سانحہ ہے کہ ایسی پر خلوص علمی اور روحانی شخصیتیں دُنیا سے اٹھتی چلی جارہی ہیں اور اپنے پیچھے ایسا خلاء چھوڑے جارہی ہیں جس کے پرنور ہونے کی علامت اور نشانیات بہت کم نظر آتی ہیں۔

مولانا اکرمی نے چالیس سال تک امامِ مسجد اور قاضئ شہر، مصلحِ امت کی حیثیت سے جو علمی، دینی اور اصلاحی ودعوتی خدمات انجام دی ہیں، وہ ناقابلِ فراموش اور قابلِ اعتراف کارنامہ ہے۔

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

ڈاکٹر عابد صفی ایک بلند فکر اور باشعور فنکار

پروفیسر سید سجاد حسین
شعبہ اردو مدراس یونیورسٹی

پروفیسر سید صفی اللہ جنہیں مرحوم کہتے ہوئے کلیجہ منہ کو آتا ہے ادبی دنیا میں عابد صفؔی کے قلمی نام سے مشہور ہوئے۔ 1938ء میں ایک علمی و مذہبی گھرانے میں آنکھیں کھولیں۔ آپ نے کالج کی تعلیم گورنمنٹ آرٹس کالج مدراس اور پریسی ڈنسی کالج میں مکمل کی۔ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے پہلے اردو میں اور پھر فارسی میں ایم اے کیا۔ ایم لٹ اور پی ایچ ڈی کی تحقیقی اسناد مدراس یونیورسٹی سے حاصل کیں۔

آپ کے علمی وادبی ذوق کو نکھارنے اور پروان چڑھانے میں آپ کے برادر مکرم پروفیسر سید عظمت اللہ سرمدؔی مرحوم (جو ایک معتبر مورخ، علم دین کے جید عالم، صفِ اول کے شاعر صاحب طرز انشاء پرداز اور صحافت کے مرد میدان بھی تھے) کی رہنمائی اور سرپرستی کو خاصا دخل رہا ہے اس کا اعتراف خود ڈاکٹر عابد صفی نے بیسویں صدی کے ایک سالنامہ میں کیا ہے۔ جو 1974ء میں شائع ہوا تھا۔ وہ لکھتے ہیں۔

> ''میرے برادر مکرم پروفیسر سید عظمت اللہ سرمدؔی کا شمار صوبہ کی مقتدر ہستیوں میں ہوتا ہے۔ آپ ہمہ گیر شخصیت کے مالک ہیں۔ مشرقی و مغربی علوم پر تحقیقی نظر رکھتے ہیں اور ایک جید عالم دین ہونے کے علاوہ اچھے نقاد و کہنہ مشق شاعر بھی ہیں۔ اس لئے گھر پر اہل علم کا آنا جانا رہتا۔ شعر و شاعری کی محفلیں اور علمی وادبی مباحث ہوتے رہتے اس ماحول نے مجھ میں بھی علمی وادبی چسکہ پیدا کیا۔ بچپن ہی سے لکھنے لکھانے کا شوق پروان چڑھنے لگا۔''

ایک طالب علم سے پروفیسر بننے تک ڈاکٹر عابد صفی کی زندگی ایسی کھلی کتاب ہے جس کو پڑھ کر عزم و ہمت، شوق و جستجو، ایثار و قربانی، محنت و لگن اور حرکت و عمل کے نئے سانچے ڈھالے جاسکتے ہیں۔ آپ ایک معمولی اسکول ٹیچر کی حیثیت سے ترقی کرتے ہوئے یونیورسٹی میں پروفیسر کے معزز عہدہ پر فائز ہوئے۔ علاقائی ادب پر آپ کی نہ صرف گہری نظر ہے بلکہ آپ کی گفتگو علاقائی موضوعات پر سند کا درجہ رکھتی ہے۔ ٹمل ناڈو میں اردو کی نثری تاریخ اور صحافت آپ کا خاص میدان ہے۔ مقامی موضوعات پر کام کرنے والا ہر محقق ڈاکٹر عابد صفی سے استفادہ کئے بغیر اپنی تحقیق یا مقالے کو مکمل اور معتبر نہیں سمجھتا۔ اگر میں یہ کہوں کہ ہماری پرانی نسل میں پروفیسر محبوب

پاشاہ کے بعد کوئی شخصیت علاقائی ادب میں ہماری رہنمائی کرسکتی ہے تو وہ صرف ڈاکٹر عابد صفی کی ذات گرامی ہے جو ہمارے علاقائی شعروادب کی آبرو ہی نہیں بلکہ ترجمان بھی ہے۔

ڈاکٹر عابد صفی نے اردو ادب کو بہت اچھے افسانے دیئے 1966ء تک عابد صفی کے کچھ افسانے چھپ کر ان کے نام کو اس میدان سے معروف بنا دیا تھا۔آپ کی فکری بلندی اور فن کارانہ صلاحیتوں سے متعلق میرا یہ نقطہ نظر ہے کہ ''عابد صفی نام ہے ایک بلند فکر اور باشعور فن کار کا جس کا فن خود اس کی اپنی زندگی کا آئینہ ہے'' ڈاکٹر عابد صفی کی کہانیاں دلچسپی اور فنی اعتبار سے بڑی دلکش اور معیاری ہوتی ہیں۔جن کے سبب وہ ہندوستان کے مقتدر رسائل کی زینت بن چکی ہیں۔ 1972ء میں ڈاکٹر عابد صفی ہندوستان کے ان برگزیدہ افسانہ نگاروں کی صف میں شامل ہوگئے جن کی کہانیوں سے اس دور کے معتبر رسالوں کے اوراق مانوس تھے۔اگرچہ ڈاکٹر عابد صفی سرزمین مدراس کے فن کار ہیں لیکن انہیں جو بھی ادبی شہرت نصیب ہوئی اس کا سہرا ان معتبر رسائل و جرائد کے سر ہے جو دہلی اور لکھنؤ سے نکلتے تھے۔

بعض حضرات نے ڈاکٹر عابد صفی کو صرف رومانی افسانہ نگار سمجھ کر انہیں سنجیدگی کے ساتھ لکھنے کا مشورہ دیا ہے جو سراسر غلط اور بے بنیاد ہے میں سمجھتا ہوں اگر ان حضرات نے تعصب اور تنگ نظری کی عینک اپنی آنکھوں سے ہٹا کر ان کے افسانوں کا مطالعہ کرتے تو کبھی اس طرح اپنی رائے پیش نہ کرتے۔

ڈاکٹر عابد صفی کے افسانوں میں رومانی تصورات ملتے ضرور ہیں لیکن رامانی عنصر کی شمولیت کے پیش نظر یہ کہنا کہ ڈاکٹر عابد صفی صرف رامانی افسانہ نگار ہیں۔میرے نزدیک صحیح نہیں کیونکہ ڈاکٹر عابد صفی کے افسانوں کا بغور مطالعہ کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے پلاٹ کردار اور ماحول کے مطابق حسبِ ضرورت اپنے افسانوں کی فضا کو رومانی بنایا ہے۔

ڈاکٹر عابد صفی کی افسانہ نگاری کا جائزہ مختلف اسکالروں نے لیا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ آج تک کسی نے ان کے فن پر صحیح سمت سے روشنی نہیں ڈالی ہے۔کسی نے انہیں روایتی افسانہ نگار کہا ہے تو کسی نے ان کے افسانوں میں جیتی جاگتی زندگی کی جھلک پائی ہے۔کسی نے انہیں رومانی افسانہ نگار بتایا ہے تو کسی نے انہیں ترقی پسند سمجھا ہے، کسی نے افسانہ نگاروں کی فہرست میں ان کا نام ہی نہیں لیا ہے تو کسی نے انہیں ٹمل ناڈو کا نمائندہ افسانہ نگار گردانا ہے۔

حقیقت کی آنکھ سے دیکھا جائے تو ان کے افسانے کسی ایک رجحان کے پابند نہیں ہیں۔انہوں نے کبھی خود کو کسی ازم سے منسلک کرنا پسند نہیں کیا۔خود وہ ایک جگہ لکھتے ہیں۔

''جہاں تک ادبی نظریہ کا تعلق ہے رجعت پسندی، رومان پسندی، ترقی پسندی یا جدیدیت کی کشمکش سے آزاد ہوں اور کلاسیکیت سے لے کر جدیدیت تک ہر اچھی تخلیق کو پسند کرتا ہوں (بیسویں صدی دہلی 1974ء)

یہی وجہ ہے کہ ان کے ہاں سماج کا گھناؤناپن بھی موجود ہے اور تہذیبی اقدار کی پاسداری بھی۔ان کا ایک ابتدائی دور کا افسانہ ''پھندا'' کے نام سے بہت بعد میں چھپا تھا۔اس میں انہوں نے سماج کے اس گھناؤنے پہلو کو نشانہ بنایا ہے جو دولت ہی کو سب

کچھ سمجھتا ہے لیکن اس پورے افسانے میں وہ کہیں بھی سماج کو بذات خود برا نہیں کہتے بلکہ ساری ذمہ داری اسے برا بنانے والوں پر ڈالتے ہیں۔ان کے جملے دیکھئے :

''دوست فطرتاً ظالم نہیں ہے۔سماج برا نہیں ہے اور محبت پاپ نہیں بلکہ سوسائٹی کی آڑ میں ڈرامہ کھیلنے والے ہم ہیں اور صرف ہم۔ستم ظریف ہم ہیں۔برے ہم ہیں اور پاپی ہم ہیں۔انسان خود انسان کا گلا گھونٹتا ہے: ''انسان کی بھلائی چاہنے والے اس سیدھے سادے سماج کو ہمیں نے ایسا بنا دیا ہے......''

عصری مسائل سے بھی ان کے افسانے خالی نہیں ہیں کرپشن جو آج کا سب سے بھیانک مسئلہ ہے دیکھئے کس طرح ان کے افسانے''احساس کے آب گینے'' میں دبے پاؤں داخل ہوتا ہے۔یہ سن کر تمہیں حیرت ہوگی کہ ریزروشن کے معاملے کو جو مشکل ترین مرحلہ تھا میں نے منٹوں میں نپٹا لیا تھا۔پیسہ کی چمک سے کس کی آنکھیں خیرہ نہیں ہو جاتیں۔ٹرین جب پلاٹفارم چھوڑ رہی تھی تو میں نے اپنی برتھ پر براجمان ان مسافروں کی بے بسی پر مسکرا رہا تھا۔جو سفر شروع ہونے کے دس دن پہلے سے کوشش کرنے کے باوجود برتھ نہ حاصل کر پائے تھے اور صرف سیٹ پر سفر کر رہے تھے۔بے چاروں نے پتہ نہیں کیسے اس مہذب دنیا کو اتنی بے وقوف سمجھ لیا کہ ان کی طرح دوسرے لوگ بھی برتھ کے ریزرویشن کے لئے قطار میں کھڑے کھڑے اپنا وقت برباد کرتے پھریں گے۔انہیں شائد خبر نہیں کہ کاؤنٹر کے علاوہ ٹکٹ بابو تک پہنچنے کا ایک دروازہ اور بھی ہے جو پیچھے کی طرف سے کھلتا ہے۔

طنز ظرافت کا یہ انداز ان کے افسانوں کا خاص وصف ہے یہ طنزیہ انداز کہیں کہیں ان کے تیز مشاہدہ کا نتیجہ بن کر ظاہر ہوتا ہے اور ظرافت کی چاشنی لئے ابھرتا ہے۔اسی افسانے کا ایک دوسرا حصہ ملاحظہ کیجئے جس میں ٹرین کے ساتھی مسافروں کی بات چلی تو لکھتے ہیں۔

> ''عورت بہت تیز معلوم ہوتی ہے اور تھوڑی بہت پڑھی لکھی بھی کیونکہ بچوں سے جو کسی کانونٹ میں زیر تعلیم معلوم ہوتے ہیں۔انگریزی میں بات چیت کر لیتی ہے۔مرد دہلی کے سکریٹریٹ میں انڈر سکریٹری ہے لیکن مجھے تو وہ اپنی بیوی ہی کا انڈر سکریٹری معلوم ہوتا ہے۔شائد اس ملازمت پر رہتے رہتے اب اس میں یہ سمجھنے کی تمیز باقی نہ رہ گئی ہو کہ وہ کس کا انڈر سکریٹری ہے اور کس کا نہیں۔''

عورت ہمارے معاشرے میں بے بسی کا دوسرا نام ہے اس کی چاہت اس کے جذبات دوسروں کے پاس کوئی حقیقت نہیں رکھتے اور نہ اس دنیا میں کسی نے اس کی مجبوری کو سمجھا ہے وہ شادی سے پہلے والدین کے کندھوں کا بوجھ ہوتی ہے اور اس بوجھ کو ہلکا کرنے کے ذریعہ بھی۔''صلیب'' میں عورت کی اسی بے بسی کو پیش کیا گیا ہے وہ اپنے باپ کو فکر کے پہاڑ تلے دبے دیکھنا نہیں چاہتی اس لئے اپنی خواہشوں،اپنے پیار اور اپنی ہستی کو صلیب پر چڑھا دیتی ہے۔

آج انسان قدیم تہذیبی اقدار اور سماجی روایات کی شکست و ریخت کو اپنا اولین فرض سمجھ بیٹھا ہے۔اس عمل میں اسے کامیابی

بھی حاصل ہو جاتی ہے لیکن کامیابی اس کے ذہن واحساس میں ایک کسک، ایک کرب اور ایک بے اطمینانی کیفیت ڈال جاتی ہے جو آخر کار مراجعت پر مجبور کرتی ہے ہماری تہذیب اور ہماری روایات ہماری فطرت کا ایک حصہ ہیں جنہیں ہم سے الگ نہیں کیا جاسکتا۔ افسانہ ''آشیرواد'' میں اسی مسئلہ کو پیش کیا گیا ہے۔ ڈاکٹر عابد صفی ترقی کی سمت اُٹھتے ہوئے ہر قدم کا ساتھ دیتے ہیں لیکن انہیں یہ پسند نہیں کہ ہم اس عمل میں اپنی پرانی روایت اور تہذیبی اقتدار سے یکسر منہ موڑ لیں ''آشیرواد'' میں ان کے اس خیل کی اچھی آئینہ داری ملتی ہے۔ یہ بظاہر ایک ہلکا پھلکا افسانہ ہے لیکن اپنے اندر ایک عزم صمیم لئے ہوئے ہے اور ڈنکے کی چوٹ پر یہ اعلان کرتا ہوا ملتا ہے کہ ہم ہندوستانی اپنے ریت رواج سے چاہے کتنی ہی بغاوت کردیں فطری طور پر ان سے الگ ہو کر جی نہیں سکتے۔ کہانی بس اتنی سی ہے کہ پیار کے دو متوالے جب دیکھتے ہیں کہ ان کا بیاہ ان کے والدین کی مرضی سے نہیں ہو سکتا تو چپ چاپ گھر سے نکل پڑتے ہیں۔ اور ایک دوسرے شہر پہنچ کر بیاہ کر لیتے ہیں۔

''وہ سن بلوغت کو پہنچ چکے ہیں اور شادی کے معاملے میں اپنی پسند کو دخل دینے کا انہیں پورا حق حاصل ہے۔ اپنی مرضی کی شادی کر کے انہوں نے کوئی جرم نہیں کیا۔ لیکن یہاں وہ ہر طرح سے آسودہ زندگی گذارنے کے باوجود ایک طرح کی ذہنی الجھن ان کا پیچھا نہیں چھوڑتی۔ ایک کمی، ایک کسک، ایک بے نام سی بے چینی ان کے دماغ سے چپک جاتی ہے اور آخر کار انہیں محسوس ہوتا ہے کہ شادی کے بعد بڑوں سے جو ''آشیرواد'' لی جاتی ہے اس سے وہ محروم رہ گئے ہیں۔''

آشیرواد یہاں علامت ہے ہماری تہذیبی اقدار اور ہمارے ریت رواج کی جس کی جڑیں ہمارے اندر اس قدر مضبوط ہیں کہ ان کے بغیر ہمارا پھولنا پھلنا بے معنی لگتا ہے یہ ہمارے دیش کے باسیوں کی شناخت بن گئی ہے۔

انہوں نے کچھ افسانے تفریحی بھی لکھے ہیں جن میں ''اور کیا'' ''اُجالا'' کے نام لئے جاسکتے ہیں۔ ''اجالا'' ''بیسویں صدی'' کے افسانہ نمبر میں سرفہرست شائع ہوا تھا۔ یہ ایک تفریحی افسانہ ہوتے ہوئے بھی اس میں انہوں نے کچھ عصری مسائل چھیڑ دئے ہیں۔ افسانوں میں جدیدیت کے نام پر جو کھردری تحریریں بے ہنگم عبارتیں اور غیر مربوط قصے شائع ہونے لگے تھے۔ ان پر بڑی خوبصورتی سے تنقید کی گئی ہے۔ قاری ایسی کہانیوں کی یکسانیت سے تنگ آچکے تھے۔ ''اُجالا'' کی ہیروئین شیریں کا دل بھی ان سے اوب جاتا ہے۔ اور وہ کہہ اُٹھتی ہے۔ ''بھلا یہ بھی کوئی تک ہے؟ نہ کوئی تکنیک، نہ کوئی پلاٹ، نہ کوئی انداز.........''

عابد صفی کے ہاں تکنیک کے تجربے بھی ملتے ہیں۔ ''اُجالا'' اور ''احساس کے آبگینے'' خطوط کی تکنیک پر لکھے گئے ہیں۔ لیکن عام روش سے ہٹ کر ''اُجالا'' میں ہیرو کے دخط ہیں جو افسانے کا صرف ایک حصہ ہیں۔ ''احساس کے آبگینے'' میں بھی صرف ہیرو کے خط ہیں مگر یہ خط پیار ومحبت کا مجموعہ نہیں بلکہ افسانے کے کل عناصر اور حالات اپنے دامن میں لئے ہوئے ہیں۔ ''آشیرواد'' مکالموں پر مشتمل افسانہ ہے۔ بالکل ہلکے پھلکے مکالمے جو فضا اور جذبات کے مطابق کہیں دھیمے، کہیں چست، کہیں نہایت مختصر اور کہیں گہرا تاثر لئے ہوئے ہیں۔ ''پھندا'' ان کی ایک اور تخلیق ہے جس میں انہوں نے تکنیک اور اسلوب دونوں کے تجربے کئے ہیں۔ اس افسانے کو تین حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ ابتدائیہ کہانی اور اختتامیہ۔ اسلوب میں خطابت کے انداز کو اپنایا ہے جو افسانے کو موثر بناتے ہیں۔ بڑی

حد تک کامیابی سے ہمکنار ہے ایک دو افسانوں میں فلیش بیک بھی ملتی ہے۔ ''صبح کبھی نہ آئے گی'' اسی تکنیک میں لکھا ہوا افسانہ ہے۔ فنی پیشکش کے اعتبار سے ایک نئی ہئیت پر مشتمل تخلیق ہے۔ یہ کہانی آپ کے دوسرے افسانوں کے مقابلے میں قدر منفرد اور آغاز وانجام کے اعتبار سے بھی قابل توجہ ہے۔ افسانہ المیہ انداز بیان اور قنوطیت کی فضا میں آگے بڑھتا ہے۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ افسانے کے آغاز ہی میں فن کار نے کہانی کے مرکزی خیال کو متعارف کرادیا کہ کہانی کس نوعیت اور کس سے متعلق ہے اس طرح کا آغاز کسی بھی افسانے میں اپنی نوعیت کے لحاظ سے منفرد اور جداگانہ ہے کہانی کا آغاز ملاحظہ کیجئے۔

یہ خوشیوں کا ترانہ نہیں۔ یہ مسرتوں کی بانسری نہیں۔ کسی شاعر کی مسحور کن تخلیق یا کسی فلسفی کا پیچیدہ فلسفہ بھی نہیں نہ کسی واعظ کا خشک اور فرسودہ وعظ۔ یہ ایک چھوٹی سی داستان ہے ایک سیدھی سادھی سی کہانی ایسے نوجوان کی کہانی جو زندہ ہوتے ہوئے بھی زندگی سے محروم تھا۔ جس کی مسکراہٹیں بے جان، ہنسی پھیکی، قہقہے کھوکھلے تھے۔ جس کی آرزوئیں مچلنے سے پہلے سب کچل دی گئی تھیں۔ جس کی امنگیں پیدائش سے پہلے ہی فنا کی گود میں سوچکی تھیں۔ کہانی کے انجام پر فن کار کے دل میں جو خیالات اور خدشات پیدا ہوتے ہیں ان کو ''اختتامیہ'' کے عنوان کے ساتھ پیش کر کے عابد صفی نے ایک نئے طرز کی بنیاد ڈالی ہے۔ جہاں تک میری معلومات کو دخل ہے شاید ہی کسی فنکار نے ابتداء کہانی اور اختتامیہ کے زیر عنوان کہانی تخلیق کی ہو۔

یہاں اس بات کی طرف بھی اشارہ کردینا ضروری معلومات ہوتا ہے کہ 1970ء سے 1974ء کے دوران ''بیسویں صدی'' اور ''نیادور'' میں عابد صفی کے جو بھی افسانے شائع ہوئے۔ انہیں مقام ومرتبے کے لحاظ سے ہمیشہ سرفہرست رکھا گیا۔ آپ کی فن کاری کا اس سے بڑھ کر اور کیا ثبوت ہوسکتا ہے۔ کہ ''بیسویں صدی'' اور ''نیادور'' میں آپ کے افسانوں کے بعد ہی کرشن چندر، رام لعل کرامت علی کرامت اور ش۔ اختر کے افسانے جگہ پاتے ہیں۔ عابد صفی کی مطبوعہ کہانیوں میں (جن کا ذکر اوپر ہو چکا ہے) کوئی کہانی ایسی نہیں جس کو ہم پہلی یا ابتدائی سمجھ کر نظر انداز کردیں اور نہ کوئی ایسی کہانی ہے جو شاہکار نہ ہو اور اردو کہانیوں میں اضافے کی حیثیت نہ رکھتی ہو۔ ڈاکٹر عابد صفی کے فن کا توازن ہی انہیں دوسرے افسانہ نگاروں سے ممتاز کرتا ہے۔ ایسی مثال بہت کم ملتی ہے کہ کسی فن کار کے فن میں آخر تک یکساں پختگی اور توازن برقرار ہو۔ ڈاکٹر عابد صفی کا مشاہدہ گہرا اور احساس کی لو نہایت تیز ہے۔ اس لئے وہ کسی بھی چیز کی تصویر کشی میں باریک بینی سے کام لے کر اس کے خدوخال روشن کردیتے ہیں۔ ''احساس کے آبگینے'' سے ماخوذ اقتباس کو پڑھئے سے ایک لڑکی کا سراپا اس طرح اجاگر ہوتا ہے۔ جیسے ایک حسینہ اپنے حسن کا تعارف کرا رہی ہو۔

''اس ڈبے میں بیٹھی ہوئی ایک اور لڑکی میں دلچسپی لے رہا ہوں جو میری طرح ایک انٹرویو کے سلسلہ میں دلّی جارہی ہے دبلی پتلی قد مجھ سے بھی اِنچ دو انچ نکلا ہو۔ رنگ بس سانولے سے کچھ کھلا ہوا۔ لیکن ہے بہت پیاری۔ بال کافی دراز ہیں اونچی ناک اور کھڑا چہرہ۔ آنکھیں سیاہ چمکدار اور اتنی ہی بڑی جتنی کہ اس حسین چہرے پر جم سکتی ہیں۔ گال تو اتنے نرم اور گداز معلوم ہوتے ہیں۔ جیسے اسفنج کے ٹکڑے ہوں۔ ہمارے ہی طرف کی ہے اور نا کتخدا ہے۔''

ڈاکٹر عابد صفی کی بہترین کہانیاں صنف نازک کی نفسیات اور مسائل کی ترجمان ہیں اس نوع کی کہانیوں میں ''بارحیا'' کو

عابد صفی کی شاہکار تخلیق کہا جاسکتا ہے۔ جس میں انہوں نے کالج کی ایک خاتون پروفیسر کے جذبات اور احساسات کی ایسی دل آویز تصویر کھینچی ہیں جن کو دیکھنے اور سمجھنے کے بعد کوئی بھی ذی شعور قاری عابد صفی کی فن کارانہ صلاحیتوں کا قائل ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ ایک خاتون پروفیسر کی داستان ہے جو حسین اور جوان ہوتے ہوئے بھی کسی مرد کی توجہ کا مرکز نہیں بن پاتی کیونکہ وہ شوخ و چنچل نہیں ہے۔ بلکہ شرافت اور تقدس کا پتلا ہے۔ عورت کے فطری جذبات کا اظہار عابد صفی اس طرح کرتے ہیں۔ ''شوخیانہ عادات پر قابو پا کر شرافت اور تقدس کا لباس زیب تن کر لے تو لوگ اسے دیوی سمجھ بیٹھتے ہیں۔ دیوی جسے صرف پوجا جاتا ہے! لیکن کیا ایک لڑکی کی تمنا بس یہی ہوتی ہے کہ کوئی اسے دیوی بنا کر صرف اس پر پھول چڑھا تا رہ جائے! اگر کوئی لڑکی اپنی فطری شرافت سے تقدس و رہبانیت کا لبادہ اوڑھ بھی لے تو اس کی فطری نسوانیت اور فطری تقاضے تو نہیں مرجاتے؟ آخر مرد اتنی سی بات کیوں نہیں سمجھ پاتے؟ اس کی زندگی میں ایک وقت وہ بھی آتا ہے کہ وہ اس رویہ سے جھنجلا اُٹھتی ہے کہ ان لوگوں کو ''میرے چہرے پر صرف تقدس کی چادر کیوں نظر آتی ہے۔ رہبانیت کی جھلک ہی کیوں دیکھ کر رہ جاتے ہیں؟''

''آخر میں بھی عورت ہوں۔ ہر عورت کی طرح۔ ہر عورت کے لئے وہ لمحات کتنے وزنی بن جاتے ہیں۔ جب حسن کی باہنوں میں جوانی سمانے لگتی ہے یہی تو وہ لمحے ہوتے ہیں۔ جب عورت اس بوجھ کو برداشت نہ کر کے کسی ساتھی کسی سہارے کو شدت سے چاہنے لگتی ہے۔ اس بوجھ کو ہلکا کرنے کے لئے کچھ اپنی باہوں میں اُٹھا لینے اور کچھ اس کے دوش پر پھیلا دینے کے لئے اور میں۔ میں اس سے کب مستثنیٰ ہوں''

ان کے دوسرے افسانوں ''احساس کے آبگینے'' اور ''اجالا'' میں بھی ایسی مثالیں ملتی ہیں جن سے ان کی جذبات نگاری میں ان کے کمال کا اظہار ہوتا ہے خاص کر نسوانی جذبات و احساسات کی عکاسی پر انہیں جتنی قدرت حاصل ہے وہ بہت کم قلمکاروں میں ملے گی۔

ڈاکٹر عابد صفی کے افسانے صرف موضوعات کے لحاظ سے اہم نہیں ہیں، بلکہ ان کی اہمیت ادبی اور فنی حیثیت سے بھی مسلم ہے۔

ترقی پسند تحریک نے ادب پر مواد کو فوقیت دے کر کوئی برا کام نہیں کیا تھا لیکن یہ حربہ غلط ہاتھوں میں پہنچ کر ادب کو بہت نقصان پہنچا گیا۔ افسانوی ادب، ادب کی حدود سے باہر ہو گیا۔ عابد صفی کو اس کا احساس بہت بری طرح سے ہوا ہے۔ ان کے افسانوں کا مطالعہ ہمارے سامنے یہ حقیقت پیش کرتا ہے کہ ادب کو پہلے ادب ہونا چاہئے۔ اگر وہ ادبی اقدار سے باہر ہو جائے تو پھر سب کچھ ہو کر بھی ادب نہیں رہے گا۔ یہی بات ہے کہ ان کے افسانوں میں بڑی تیکھی تحریریں ملتی ہیں۔ شوخی، لطافت، سبک روی اور روانی ان کے اسلوب کی شناخت ہیں۔ زبان و بیان کے لحاظ سے ان کے افسانے بہترین ادب پارے ہیں۔

مجموعی طور پر عابد صفی ایک کامیاب فن کار ہیں۔ انہوں نے افسانہ نگاری کو کبھی اپنا پیشہ نہیں بنایا۔ لیکن وہ ان کی شناخت کا ذریعہ ضرور بنی جس میں کسی قسم کی سفارش کو دخل نہیں تھا۔ ان کا مطالعہ جتنا وسیع تھا اتنا ہی ان کا مشاہدہ بھی عمیق تھا کائنات اور حیات

انسانی کے راز ورموز سے وہ بخوبی واقف تھے۔اس لئے انہوں نے ایسے ماحول اور واقعات کو اپنے افسانوں کا موضوع نہیں بنایا جس سے ان کا کبھی سابقہ نہیں پڑا۔

ان کے افسانوں میں فکری گہرائی بھی ملتی ہے۔اور فنی بلندی بھی وہ واقعات کے بیان میں تسلسل و منطقی رابطہ کا خیال بھی رکھتے ہیں۔ایک ماہر نفسیات کی طرح عابد صفی نے نفسیاتی حقائق بیان کرنے میں انسانی جذبات کے عمدہ پیکر بھی تراشے ہیں اور انسانی رشتوں کی نزاکت کو بڑی خوبی سے اپنے افسانوں میں پیش کیا ہے۔مجموعی طور پر ان کے افسانے قاری کی فکر واحساس دونوں کو متحرک بنانے میں کامیاب ہیں۔

ڈاکٹر سید وحید اشرف اشرفی جیلانی

برادرم سید عثمان باشاہ قادری صاحب! السلام علیکم ورحمۃ اللہ برکاتہ

آپ کا ملفوف خط مورخہ ۱۸ فروری ۲۰۰۹ء کو موصول ہوا میں آج ہی ایک پیکٹ بذریعہ ڈاک آپ کے نام بھیج رہا ہوں۔ ان میں کتابیں ہیں پیکٹ میں ایک کتاب میری رباعیوں پر فخر الدین علی میموریل کمیٹی لکھنو نے شائع کی ہے۔ ان دونوں کتابوں سے میرے احوال وکوائف مل جائیں گے کتاب ارتباط وانعکاس میں میری مطبوعہ کتابوں کی فہرست ہے اسکے علاوہ تازترین کتابچہ میرے فارسی اشعار پر مشتمل ہے جسکا نام ''دریا بہ قطرہ'' ہے۔ یہ کلام ایران۔ پاکستان تحقیقات فارسی کے سہ ماہی مجلّہ میں بالاقساط شائع ہو چکا ہے۔ یہ کتابچہ بھی روانہ ہے۔

اسکے علاوہ کچھ ضروری معلومات اپنے بارے میں میں اور لکھ رہا ہوں۔

۱۔ بی۔ اے۔، یم۔ اے (فارسی) پی۔ ایچ۔ ڈی۔، (فارسی) مسلم یونیورسٹی علی گڑھ سے کیا ۱۹۶۵ء میں پی۔ ایچ۔ ڈی۔ کیا۔

۲۔ انٹرمیڈیٹ کا امتحان ۱۹۵۸ء میں یوپی بورڈ سے پرائیویٹ پاس کیا۔

۳۔ ہائی اسکول کا امتحان ۱۹۵۱ء میں محمد حسن انٹر کالج جونپور سے پاس کیا (اس کے بعد ۸ سال تعلیم منقطع رہی)

۴۔ جونئیر ہائی اسکول (جو ساتویں درجہ امتحام ہوتا تھا اور اس وقت مڈل اسکول کہلاتا تھا) ۱۹۴۸ء میں پاس کیا اسکول تین کلومیٹر دور تھا روزانہ پیدل چلا جایا کرتا تھا یہ تین سال تک سلسلہ رہا۔

۵۔ کچھ حصہ شریف میں اس وقت صرف ایک سرکاری پرائمری اسکول تھا جو چوتھے درجہ تک ہوتا تھا۔ اس وقت یہ امتحان سرکاری ہوتا تھا اور پچیس گاؤں کے طلبہ و طالبات ایک جگہ جمع ہو کر امتحان دیتے تھے۔ اس وقت سب طلبہ میں میرا نمبر اول تھا۔

عربی تعلیم میں نے ایک مصر کے تعلیم یافتہ اور جامعہ ازہر سے فارغ استاذ سے حاصل کی علیگڈھ میں قیام کے زمانے میں بعد میں درس نظامی میں اپنے برادر مکرم مولانا سید حمید شریف سے صرف نحو اور حدیث میں موطا پڑھی۔ اسکے بعد ان سے استفادہ کا موقع نہ مل سکا۔ میں نے کئی عربی اساتذہ سے درس نظامی کی سب کتابیں پڑھنے کی گزارش کی لیکن سب نے کچھ نہ کچھ بہانہ کر دیا حالانکہ میں الگ سے مشاہرہ دینے کے لئے تیار تھا۔

میں نے آپ کے پاس اپنی کتاب مناجات بھیجی تھی، اسی میں میری ایک نظم ہے جو میں نے اس وقت لکھی تھی جب میں ساتویں درجہ میں پڑھتا تھا۔ جب میں چھٹی درجہ میں پڑھتا تھا تو اس وقت امتحان کے پرچے میں تین گھنٹے میں چھ سوال کرتے تھے اس میں سے ایک سوال تک بندی کا تھا۔ مصرعہ طرح یہ تھا دوست اور دشمن کی ہے پہچان کیا۔ اس وقت جو میں نے لکھا تھا میں نے اپنی کسی کتاب میں لکھا ہے، مجھے ابھی تک زبانی یاد ہے اسلئے یہاں لکھ رہا ہوں۔

تیرے آگے یوسف کنعان کیا ہے فرشتہ ہیچ پھر انسان کیا

چاہ میں یوسف کو کس نے ڈالا تھا؟ دوست اور دشمن کی پہچان
آدمیت ہونہ جس میں اے وحید بد تر از حیوان ہے وہ انسان کیا

اُس وقت جو میں نے لکھا تھا بالکل اسی سال لکھا ہے اس لئے اس میں کوئی کھوٹ فن کے اعتبار سے نکالنا بے سود ہے۔

ابتدائی تعلیم جس میں قرآن مجید ناظرہ، اردو لکھنا پڑھنا والدین نے سکھایا لیکن الگ سے حافظ سے بھی پڑھا۔

مجھے ہائی اسکول سے ہی وظیفہ ملتا رہا۔ انٹر میں بھی ملا تھا لیکن تعلیم منقطع ہونے کے سبب بند ہو گیا، پھر ایم۔اے، پی۔ ایچ ڈی اور پوسٹ پی۔ ایچ ڈی اسکالرشپ ملتا رہا تعلیمی زمانہ میں debate میں کثرت سے حصہ لیتا رہا اور صوبائی اور ملکی سطح کے مقابلوں میں اول انعام ملتا رہا ہے۔ بہت سے سرٹیفکیٹ موجود ہیں۔ تدریسی دور میں کم از کم چالیس قومی اور بین الاقوامی سطح پر کانفرنسوں میں شرکت کی۔ آٹھ سال ہائی اسکول کے لئے ضائع ہوئے اور ۱۹۹۳ کے حادثہ کے بعد دس برس تک مطلق از کار رفتہ رہا ۲۰۰۲ کے یادگار سال سے کچھ لکھنا پڑھنا سیکھنا شروع کیا۔ اب تک تقریباً پچیس کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔ الطیف میں تو ترجمے کا کام تھا۔ مضامین اردو میں معارف اعظم گڑھ فارسی میں دانش پاکستان اور انگریزی میں انڈو ایرانی کا اور مدراس یونیورسٹی کے جرنل میں لکھتا رہا۔

تجلیات (نعتوں مجموعہ تقریباً ایک ہزار اشعار) ۲۔ مناجات (منظوم) ۳۔ آیات (۳۵۰ رباعیوں کا مجموعہ) سوغات (رُباعیوں کا مجموعہ) ۵۔ لمحات (مثنوی مجموعہ) ۶۔ دریا بہ قطرہ (فارسی شعری مجموعہ یہ اب بھیجا جا رہا ہے) ۷۔ اردو زبان میں نعت گوئی کا فن اور تجلیات۔ ۸۔ مقدمہ رباعی ۹۔ حیات سید اشرف جہانگیر ۱۰۔ تصوف ۱۱۔ مقدمہ لطائف اشرفی (فارسی) ۱۲۔ افسر ردی برو ڈوی ۱۳۔ فدا (تلمیذ غالب) باشتراک مالک رام ۱۴۔ مومن ۱۵۔ روح محمود ۱۶۔ تفہیمات (فارسی ادب پر مضامین) ۱۷۔ توضیحات (اردو ادب تنقیدی مضامین) ۱۸۔ معراج شریف ۱۹۔ روزہ ۲۰۔ ڈاکٹر وحید اشرف کی رباعی نگاری (مطبوعہ فخر الدین ملی میسوریل) ۲۱۔ ارتباط و انعکاس

پس نوشت میں نے اپنی ملازمت وغیرہ کے باب میں لکھا۔ میں ۲۶ ۲۵ میں مہاراجہ سیا جی راز یونیورسٹی میں بحیثیت لکچرر فارسی مقرر ہوا اور وہاں چھ سال تدریسی کام انجام دینے کے بعد ۱۹۷۱ء میں بحیثیت ریڈر فارسی مدراس یونیورسٹی میں آ گیا وہاں چھ یا سات سال بعد پروفیسر ہوا پھر سات سال بعد ریٹائرڈ ہو گیا مدراس یونیورسٹی میں اردو ایم۔اے۔ طلبا کے لئے کچھ وظایف مقرر کئے تھے۔ جسے وہاں کے بعض مخیر حضرات کے تعاون سے حاصل کیا گیا تھا۔ اسکی خبر وہاں کے روز نامہ مسلمان میں شائع ہوی تھی۔ باقی حالات میری کتاب ارتباط و انعکاس میں عرض حال کے تحت مل جائیں گے۔ کتاب ارتباط و انعکاس کے صفحہ ۳۱۱ پر روز نامہ مسلمان کی خبر شائع کر دی گئی ہے۔

سید سراج الدین منیرؔ

سید سراج الدین منیرؔ ولد حضرت سید نورالدین شاہ قادریؒ۔ تاریخ پیدائش ۷ اپریل 1933ء بمقام پنچہ گٹہ، حیدرآباد اور وسطانیہ تا فوقانی تعلیم گورنمنٹ پریکٹیسنگ ہائی اسکول خیریت آباد، حیدرآباد۔ 1951ء میں میٹرک کامیاب کیا۔ 1952ء ماہ اگسٹ میں دکن ایرویز میں ملازمت اختیار کی تو بعد میں انڈین ایر لائنز، بیگم پیٹ، حیدرآباد ہوا دوران ملازمت 1974ء میں ام، او، ال (M.O.L) کامیاب کیا۔ انڈین ایر لائنز میں ملازمت کے دوران ہندستان کے مختلف شہروں میں تبادلہ کیا گیا۔ 1980ء میں مدراس ایرپورٹ پر تبادلہ ہوا اور تقریباً تین سال سے زائد عرصہ مدراس میں گذرا۔ 1991ء میں پیرانہ سالی کی وجہ سے ملازمت سے سبکدوش ہوا۔ 1953ء میں حضرت پیرومرشد والد بزرگوار کے دست حق پر بیعت ہوا اور سلسلہ طریقت میں داخل ہوا۔ حضرت سید نورالدین شاہ قادری کے مریدوں میں 1960ء میں خلیفہ اول مقرر رہا۔ سلسلہ طریقت کی تفصیل، حضرت پیرومرشد سید نورالدین شاہ قادری خلیفہ حضرت پیرو مرشد اعلیٰ محمد ابراھیم شاہ قادری ویلوریؒ (بوین، پلی، حیدرآباد) خلیفہ اعلیٰ حضرت دُبلے محی الدین شاہ قادریؒ (فقیہہ سید محی الدین شاہ قادریؒ جن کا مزار مبارک خانقاہ حضرت مکان میں بڑی پھاٹک کے بعد قبرستان میں واقع ہے) خلیفہ اعلیٰ حضرت حاجی سید شاہ عبداللطیف قادری نقوی قطب ویلوریؒ (پانچویں قطب)

1942ء سے شاعری جاری ہے اور بفضل تعالیٰ شاعری میں کسی بھی استاد سخن کے آگے زانوے ادب تہہ نہیں کیا۔ الشعراء تلامذ الرحمٰن کی مصداق فیض حاصل ہے۔

دارالعلوم لطیفیہ — **ڈاکٹر سید منیر محی الدین قادری**

علم و ادب کی شمع کی روشن لطیفؒ نے
اور دین کا دکھایا ہے درپن لطیفؒ نے

بنیاد اُس کی حکم نبیؐ پر رکھی گئی
قربان جس پہ کردیا تن من لطیفؒ نے

تاریخ اُس کی گیارہ سو اڑتیس ہجری تھی
سینچا لہو سے اپنے جو گلشن لطیفؒ نے

نورانیت چہار طرف اُس کی پھیلی ہے
اک علم سے کیا اُسے روشن لطیفؒ نے

صوفی ، فقیہ ، بنتے ہیں اِس کانِ علم میں
کی دور اپنی قوم کی اُلجھن لطیفؒ نے

قربیؔ نے اس میں اور اضافہ کیا منیرؔ
اپنا لگایا جس پر تھا کُل دھن لطیفؒ نے

نورِ دارالسرور

ڈاکٹر سید وحید اشرف، کچھوچوی

صاحبِ علم، منبعِ عرفاں
واقفِ رمزِ نکہتِ قرآں
رونقِ شہر، زینتِ ایماں
نورِ دارالسرور ہیں قربی

جن کے دم سے لطیفیہ کی زمیں
ہے سراپا مثالِ خلدِ بریں
جن سے روشن ہوا چراغِ دیں
نورِ دارالسرور ہیں قربی

وہ ہیں ویلور کی ضیا اب بھی
دین و ایماں کا دیا اب بھی
علم والوں کا آسرا اب بھی
نورِ دارالسرور ہیں قربی

جن سے ویلور کا بڑھا درجہ
جن سے ویلور کو ملا رُتبہ
جن سے ویلور کا بنا نقشہ
نورِ دارالسرور ہیں قربی

جن سے نورانی ہوگیا ویلور
جن سے قرآنی ہوگیا ویلور
نقشِ ایمانی ہوگیا ویلور
نورِ دارالسرور ہیں قربی

حضرت مولانا مولوی سید شاہ ابوالحسن قربی ویلوری

☆Printed at: Tamilnadu Urdu Publications, 26, Ameerunnisa Begum Street, Chennai. 600002

درگاہ اقطاب ویلور
مسجد حضرت مکان ویلور کے شان دار مینار
LATHEEFIA
ARABIC COLLEGE
AFFILIATED TO THE
THIRUVALLUVAR UNIVERSITY
دارالعلوم لطیفیہ ویلور کا بیرونی منظر